

فتاویٰ حمداً لہ

۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دہلوی
و دینکرمفتیان کرام دارالعلوم حقانیہ

بمکمل و مستم

حضرت مولانا شیخ الحق صاحب دہلوی
مہتمم جامعہ حقانیہ

ترتیب

مفتی محمد اسحاق صاحب

ناشر

خانقاہ اسلامیہ حقانیہ کورہ خٹک

فتاویٰ حقانیہ مشاہیر علماء اور رسائل و جرائد کی نظر میں

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ صدر وفاق المدارس
پاکستان و مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی کا فتاویٰ حقانیہ پر عالمانہ تاثرات و تبصرہ

افادات: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب و دیگر مفتیان گرام جامعہ حقانیہ
نگرانی و اہتمام: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ترتیب: مولانا مفتی مختار اللہ حقانی

ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی ممتاز صفات سے نوازا تھا۔ وہ علم و عمل، اخلاص و للہیت، تواضع و انکساری میں اسلاف کا نمونہ تھے اللہ جل شانہ نے زندگی کے مختلف شعبوں میں ان سے دین اسلام کی بڑی سنہری خدمات لیں۔ ان کی خدمات و ماثر میں سے عظیم الشان کارنامہ دارالعلوم حقانیہ کا قیام ہے۔ حضرت نور اللہ مرقدہ دارالعلوم دیوبند میں درجہ عالیہ کے استاذ تھے۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں اپنے آبائی علاقے اکوڑہ خٹک تشریف لائے اور جب تقسیم ہند کے ہنگاموں اور بد امنی کے سبب واپس نہیں جاسکے تو اپنے علاقے کی مسجد میں درس شروع فرمایا، طلباء کا بکثرت رجوع ہوا مسجد چھوٹی پڑی تو دارالعلوم حقانیہ کی موجودہ جگہ منتقل ہوئے اس طرح بغیر کسی سابقہ منصوبے اور ارادے کے پاکستان کی اس عظیم دینی ادارے کی بنیاد پڑی اور اللہ تعالیٰ نے اس ادارے سے دین کے متنوع شعبوں میں جو رجال دین پیدا فرمائے شاید کوئی دوسرا ادارہ اس پہلو سے اس کی ہمسری کر سکے۔ دارالعلوم حقانیہ نے جہاں دین اسلام کے دوسرے شعبوں میں قابل قدر امور انجام دیئے ہیں وہاں شعبہ نشر و اشاعت اور تصنیف و تالیف میں بھی وسائل طباعت سے دوری کے باوجود بڑا مفید کام انجام دیا ہے "الحق" کے نام سے ایک موقر اور علمی ماہنامہ تقریباً ۳۷ سال سے نکل رہا ہے اس کے علاوہ دارالعلوم

حقانیہ کے اشاعتی ادارے موتمرا لمصنفین سے بیسیوں علمی تحقیقی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اور اب سال ہا سال کی محنت کے بعد دارالعلوم کے فتاویٰ کا زیر نظر مجموعہ چھ جلدوں میں چھپ کر منظر عام پر آ گیا ہے۔

دارالعلوم حقانیہ کے شعبہ افتاء کی طرف ملک و بیرونی ملک سے لوگ بکثرت شرعی مسائل کے متعلق سوالات بھیجتے ہیں صوبہ سرحد کے مسائل خاص طور سے یہاں آتے رہتے ہیں اور دارالعلوم کے مفتی حضرات باقاعدگی کے ساتھ ان کا جواب لکھتے رہتے ہیں۔ ان فتاویٰ کی نقول کو محفوظ رکھنے اور ان کو الگ رجسٹروں میں نقل کرنے کا بھی اہتمام کیا جاتا رہا ہے، دارالعلوم کے منتظمین نے ان فتاویٰ کی اشاعت کا ارادہ کیا اور شعبہ تخصص کے سرپرست مفتی حضرات کی نگرانی میں درجہ تخصص کے طلبہ کو مختلف سالوں میں جاری شدہ فتاویٰ کی ترتیب و تحقیق کے لیے مختلف حصے حوالے کئے جاتے رہے۔ چنانچہ ترتیب و تحقیق کے مراحل سے گزرنے کے بعد یہ علمی خزانہ مرتب ہو کر اب سامنے آ گیا ہے۔

اس کی جلد اول ۵۸۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی ابتداء میں مولانا سمیع الحق صاحب کا مرتب کردہ فقہ، تدوین فقہ، اور آداب افتاء و استفتاء سے متعلق ایک پر مغز مقدمہ شامل ہے۔ اس کے بعد جن مفتی حضرات نے یہ فتاویٰ تحریر کئے ہیں ان کا تعارفی خاکہ دیا گیا ہے۔ ان میں استاذ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب، مولانا محمد یوسف صاحب، مولانا مفتی محمد فرید صاحب، مولانا عبدالحلیم زروبی صاحب، مولانا محمد علی سوائی، مولانا عبدالحلیم کوہستانی صاحب، مولانا مفتی غلام الرحمان صاحب اور اس فتاویٰ کے مرتب مولانا مفتی مختار اللہ حقانی صاحب کے وغیرہ کے سوانح خاکے شامل ہیں۔

اس کے بعد صفحہ ۱۳۵ سے اصل فتاویٰ کی ابتداء ہوتی ہے سب سے پہلے کتاب العقائد والفرق ہے، عقائد اور فرقوں سے متعلق دوسرے سوالات کے علاوہ اس میں فتنہ قادیانیت آئین پاکستان میں اس کی تکفیر کی روایات، فتنہ انکار حدیث وغیرہ جدید فرقوں سے متعلق سوالات کے جوابات بھی آ گئے ہیں۔

جلد دوم ۶۲۸ صفحات پر مشتمل ہے اس جلد میں کتاب الاجتہاد والتقلید، کتاب البدع والرسوم، کتاب العلم، کتاب التفسیر، کتاب ما یعلق بالحدیث، کتاب السلوک، کتاب السیاسة، کتاب الکراہیت و

الاباحۃ، اور کتاب الطہارت شامل ہے۔

جلد سوم ۶۰۸ صفحات پر مشتمل ہے اس جلد میں کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز اور کتاب الزکوٰۃ ان تین کتابوں سے متعلق فتاویٰ آگئے ہیں۔

جلد چہارم ۶۱۲ صفحات پر مشتمل ہے اس میں کتاب الزکوٰۃ کا بقیہ حصہ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، اور کتاب الطلاق کے مسائل شامل ہیں۔

جلد پنجم ۵۴۸ صفحات پر مشتمل ہے اس جلد میں ان گیارہ کتابوں کے فتاویٰ جمع کئے گئے ہیں کتاب النفقات، کتاب الایمان والندور، کتاب الوقف، کتاب الحدود والتعزیرات، کتاب الاشریہ، کتاب القصاص والدیۃ، کتاب الجہاد، کتاب القضاء، کتاب الشہادۃ، کتاب القسمۃ، اور کتاب الاکراہ۔

جلد ششم ۵۵۶ صفحات پر مشتمل ہے اس جلد میں مندرج ذیل کتب کے فتاویٰ جمع ہیں۔

کتاب البیوع، کتاب الرباء، کتاب الرهن، کتاب الاجارۃ، کتاب الشفعۃ، کتاب الشرکۃ، کتاب المضاربۃ، کتاب الوکالۃ، کتاب الحوالہ، کتاب الہبہ، کتاب الغصب، کتاب الودیعہ، کتاب احیاء الموات، کتاب المزارعۃ، کتاب الذبائح، کتاب الصيد، کتاب الاضحیہ، کتاب الوصیہ، اور کتاب الفرائض اس طرح تقریباً ساڑھے تین ہزار صفحات پر مشتمل ان چھ جلدوں میں ہزاروں سوالات کے عام فہم اسلوب میں جوابات آگئے ہیں۔ ان جوابات کی ترتیب و تحقیق میں جن امور کا خیال رکھا گیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ ہر جواب کا مراجع و مصادر اور فقہ کے معتبر کتابوں سے حوالہ ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ ہر کتاب میں ذیلی ابواب قائم کئے گئے ہیں اور ہر سوال کیساتھ مسئلہ کا عنوان ذکر کیا

گیا ہے ہر جلد کی پشت پر اس جلد میں درج کتابوں کی فہرست بھی لکھ دی گئی ہے۔

۳۔ عصر حاضر کے پیدا کردہ جدید فقہی مسائل کا بھی ایک معتد بہ حصہ اس میں آگیا ہے اس

ضمن میں جامعہ حقانیہ کے دارالافتاء سے لکھے گئے جدید مسائل جو ماہنامہ "الحق" میں

شائع ہو چکے ہیں مناسبت کو محفوظ رکھ کر متعلقہ ابواب میں درج کئے گئے ہیں۔

مثلاً کتاب الجہاد کے تحت "سی ٹی بی ٹی کی شرعی حیثیت" کتاب البیوع میں "ٹیلیفون کے ذریعے عقد بیع کا حکم" ٹریڈ مارک کی خرید و فروخت کا حکم "انعامی بانڈز کی خرید و فروخت کا حکم" "الکحل کی تجارت کا حکم" کتاب الصوم میں "ہلال کمیٹی کی موجودگی میں عالم دین کے فیصلے کا حکم" کتاب الصلوٰۃ کے تحت "کرفیو کی وجہ سے نماز میں قصر و اتمام کا حکم۔۔۔۔" غرض یہ کہ عصر حاضر کے اس طرح کے بہت سے استفسارات کا حل اس میں آگیا ہے۔

فتاویٰ حقانیہ اردو فتاویٰ میں ایک قابل قدر اضافہ ہے امید ہے کہ فتاویٰ حقانیہ کے اس ذخیرے سے عوام و خواص سب فائدہ اٹھائیں گے۔ اور دارالافتاء سے متعلق مفتیان کرام اور تخصص کے طلباء اس سے استفادہ کر سکیں گے۔ (ماہنامہ الفاروق جامعہ فاروقیہ کراچی ۶۰-۶۱ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ جری)

جسٹس حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نائب مہتمم دارالعلوم کراچی کا
حضرت مولانا سمیع الحق کے نام مکتوب اور فتاویٰ حقانیہ پر جامع و مانع تاثرات:

برادر گرامی قدر جناب مولانا سمیع الحق زید مجدہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مدت دراز کے بعد تحریر دلنواز فردوس نظر بنی تو قلب و ذہن میں پادوں کا ایک تلام پیدا ہوا اس
انداز خطاب سے میں سال ہا سال سے محروم تھا اب اس کیف و مخاطب کو نئی زندگی دینے پر آپ کا شکریہ کس
زبان سے ادا کروں؟

کاش میں اتنا بے ہنگم نہ ہوتا کہ پچھلے دور کے خطوط محفوظ نہ رکھ سکوں جہاں تک یاد ہے میں
نے شروع میں خطوط محفوظ رکھے تھے مگر فائلوں کی ترتیب سے دور تھے۔ لہذا انقلابات زمانہ میں یہ خزانہ گم

ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فتاویٰ حقانیہ کی اشاعت سے مزید مسرت ہوئی اور حسب الحکم اس پر چند سطور لکھ کر ارسال کر رہا ہوں۔
عزیزان راشد و حامد سلمہما کو بہت بہت سلام اور دعائیں کاش کہ آئیندہ بھی اس محبوب تحریر کی توفیق ملتی رہے
والسلام!

محمد تقی عثمانی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسولہ الكريم
وعلى الله اصحابہ اجمعين۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ (بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) ہمارے
عہد کی ان تخصیصات میں سے تھے جن پر پوری ملت جتنا فخر کرے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس درو میں انہیں
سلف صالحین کا نمونہ بنایا تھا، اکوڑہ خٹک میں ان کے قائم کردہ دارالعلوم حقانیہ نے ہزار ہا علماء پیدا کئے اور
علوم اسلامیہ کی ناقابل فراموش خدمات انجام دیں، انہی خدمات جلیلہ کا ایک شعبہ یہ تھا کہ وہاں کا دارالافتاء
سالہا سال سے اطراف عالم کے دینی سوالات کا جواب دے رہا ہے۔ یہ فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ کے
رجسٹروں میں نقل چلے آ رہے تھے اور ضرورت اس بات کی تھی کہ انہیں مدون کر کے افادہ عام کے لئے شائع
کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ حضرت قدس سرہ کے فاضل صاحبزادے برادر گرامی قدر جناب مولانا سمیع الحق
صاحب (مہتمم دارالعلوم حقانیہ) کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے اپنے مدرسے کی ایک ٹیم کے
ذریعے بڑی عرق ریزی کے بعد ان فتاویٰ کو ابواب پر مرتب کر کے چھ جلدوں میں شائع کیا ہے۔ یہ فتاویٰ
دارالعلوم حقانیہ کے مختلف مفتی حضرات کے لکھے ہوئے ہیں لیکن چونکہ یہ تمام فتاویٰ شیخ الحدیث حضرت مولانا
عبدالحق صاحب قدس سرہ کی نگرانی میں لکھے گئے ہیں اس لئے ان کو انہی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور
مجموعے کا نام ”فتاویٰ حقانیہ“ رکھا گیا ہے، فتویٰ نویسی میں ہر مفتی کا انداز و اسلوب جدا ہوتا ہے اور بعض جگہ

مسائل میں بھی اہل علم و افتاء کے لئے اختلاف کی گنجائش باقی رہتی ہے لیکن جہاں تک ان فتاویٰ کے مستند ہونے کا تعلق ہے اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ دارالعلوم حقانیہ جیسے مستند ادارے سے جاری ہوئے ہیں۔ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ جیسے جبل علم کی نگرانی میں جاری ہوئے ہیں بلاشبہ یہ علم و فقہ کے ذخیرے میں ایک عظیم اضافہ ہے۔ اور انشاء اللہ عوام اور اہل علم دونوں کی رہنمائی کرے گا۔ دارالعلوم حقانیہ اور حضرت مولانا سمیع الحق صاحب اس علمی خزانے کو منظر عام پر لانے کے لئے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

فتاویٰ حقانیہ پر ماہنامہ البینات کا پر مغز تبصرہ

افادات: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب ودیگر مفتیان کرام
نگرانی و اہتمام: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ترتیب: مولانا مفتی مختار اللہ حقانی
فتویٰ کے منصب جلیلہ کی قدر و منزلت کے لئے یہی کافی ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے منصب افتاء کو اپنا ذات عالی سے منسوب فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے: **قُلْ اللّٰهُ يَفْتِيكُمْ فِی الْکَلَالَةِ..... (الایۃ)**

کلالۃ سے متعلق استفتاء کے جواب میں خود اللہ تعالیٰ فتویٰ صادر فرماتے ہیں اس عظیم تر نسبت سے اس منصب جلیلہ کی طرح اس کی نزاکت بھی دو بالا ہو جاتی ہے کوئی بھی مفتی جب کئی فتویٰ دیتا ہے تو گویا وہ مستفتی کو درپیش مسئلہ میں حکم الہی بتا رہا ہوتا ہے اگر خدا نخواستہ حقیقت میں معاملہ مفتی کے دیئے ہوئے فتویٰ کے برعکس ہو جائے تو گویا حق تعالیٰ کی طرف ایسی بات کی نسبت کر دی گئی جو اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائی تھی تو مفتی اور مستفتی دونوں کے لئے وبال کا ذریعہ ہے (ضلو او ضلو) اس کا معنی یہ ہوا کہ فتویٰ کے بارے میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے ہر کس و ناکس کو اس میدان میں اترنے کی جرات نہیں کرنی چاہیے اسی طرح فتویٰ دینے میں شرعی تقاضوں سے صرف نظر کرتے ہوئے فتویٰ کی روح کو مجروح کرنا بھی

سنگین جرم ہے جو مہانت فی الدین کے زمرے میں آتا ہے اس منصب کی اس سنگینی سے خائف ہو کر اسلاف اہل علم کی اکثریت کسی امر میں فتویٰ صادر کرنے سے کترایا کرتی تھی، بلکہ بعض تو فتویٰ دینے سے کلی اجتناب کیا کرتے تھے اور سلف صالحین میں منصب افتاء کی ذمہ داری ان اہل علم کو سونپی جاتی تھی جن کے علم و عمل اور امانت دیانت پر سب کا پوری طرح اتفاق ہوتا، کیونکہ اسلاف کے ہاں کسی کے منصب افتاء پر فائز ہونے کے لئے محض صاحب علم ہونے کو کافی نہیں سمجھا جاتا تھا، بلکہ ماضی قریب تک ہر دور میں ارباب علم سے منصب افتاء کے لئے چند ہستیاں منتخب ہوا کرتی تھیں اور انہی کی علمی رائے گرامی فتویٰ کا درجہ رکھتی تھی (جس کی ایک طویل فہرست مرتب ہو سکتی ہے)

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ فتویٰ کے لئے صرف علم، معلومات کے ذخیرہ یا کتب کے مطالعہ اور مراجعت کو ہی قطعاً معیار نہیں بنایا جاسکتا، ورنہ درجہ بدرجہ علم کا حامل تو تقریباً ہر کوئی ہوتا ہے لہذا اسے منصب افتاء پر فائز ہونا چاہیے تھا، لیکن تاریخ میں آج تک ایسا نہیں ہوا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر فن کے لئے خصوصی مہارت و مشق درکار ہوتی ہے جس کے لئے اہل فن کی رہنمائی اور ان کے عملی نمونہ کا موجود ہونا بھی ضروری ہوتا ہے، الحمد للہ کہ فتاویٰ کے اس میدان میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے ایک بہترین باب کا اضافہ کیا ہے جسے ”فتاویٰ حقانیہ“ کا نام دیا گیا ہے۔ ”فتاویٰ حقانیہ“ دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ سے جاری ہونے والے ان گرانقدر فتاویٰ پر مشتمل ہے جن میں کچھ تو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کے خود نوشت ہیں، جبکہ بعض دوسرے مفتیان کرام اور اساتذہ کرام کے تحریر کردہ ہیں، اس مجموعہ میں ایک اضافی چیز یہ دیکھنے میں آئی کہ بعض ایسے مضامین و مقالات جو ماہنامہ الحق میں شائع ہو چکے ہیں وہ بھی شامل کر کے اس فتاویٰ کا حصہ بنادیئے گئے ہیں۔ فتاویٰ حقانیہ کے شروع میں فقہی مباحث پر مشتمل ایک ایسا مقدمہ لکھا گیا ہے جو بجائے خود ایک ضخیم مقالہ کی حیثیت رکھتا ہے، مقدمہ میں فقہی مباحث کے مقدمات کو حتی الوسعت احاطہ تحریر میں لانے کیساتھ ساتھ ان تمام مفتیان کرام کا تعارف بھی پیش فرمایا گیا ہے جن کے تحریر کردہ فتاویٰ اس مجموعہ میں درج ہوئے ہیں۔ فتاویٰ حقانیہ اپنے بہترین سرورق مناسب کاغذ اور عمدہ کتابت کا باعث حسن باطنی کے ساتھ ساتھ ظاہری دلکشی کا مظہر بھی ہے۔ ”فتاویٰ حقانیہ“ اپنی تحقیق و تخریج اور سلاست و روانگی تحریر کے پیش نظر علماء و طلباء و کلاء اور دینی شغف رکھنے والے عوام الناس سب کیلئے یکساں مفید ہے۔ دعا ہے کہ اسے عوام و خواص کیلئے مفید اور محررین و مرتبین اور جملہ معاونین کیلئے صدقہ جاریہ بنائے۔

آمین ولازکی علی اللہ احد۱۔ ماہنامہ بینات کراچی (جون ۲۰۰۲)

ماہنامہ الحسن لاہور کا فتاویٰ حقانیہ پر جامع تاثرات

افادات: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق ودیگر مفتیان کرام
نگرانی و اہتمام: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ترتیب: مولانا مفتی مختار اللہ حقانی

زیر تبصرہ ”فتاویٰ حقانیہ“ ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو حضرت اقدس مولانا عبدالحق محدث اکوڑوی قدس سرہ اور اکابرین مفتیان کرام دارالعلوم حقانیہ کی علمی، فقہی اور خداداد بصیرت کے بے مثال شاہکار ہے یہ فتاویٰ چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جن کی مجموعی ضخامت ساڑھے تین ہزار صفحات سے زائد ہے۔ فتاویٰ حقانیہ کی تقدیم میں فقہی ترتیب کو مد نظر رکھتے ہوئے ان جلدوں کو جن مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

گویا عقائد سے لے کر فرائض تک ہر فتاویٰ اس میں شامل ہیں۔ فتاویٰ حقانیہ کی تقدیم و ترتیب کا یہ کام شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے بڑے صاحبزادے اور دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی زیر نگرانی انجام دیا گیا ہے۔ اس فتاویٰ کی ایک خوبی تو یہ ہے کہ اس میں دور حاضر کے جدید مسائل کو اس خوبی سے حل کیا گیا ہے کہ دیکھنے سننے اور پڑھنے والے کو کسی بھی قسم کا خلجان یا تشنگی باقی نہیں رہتی..... حضرت مولانا عبدالحق محدث اکوڑوی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا، خلاص، للہیت، زہد اور تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ اسلاف اور اکابرین کے علوم کے محافظ ہی نہیں بلکہ امین بھی تھے، حضرت کا شمار ان اکابرین میں ہوتا ہے جن پر عالم اسلام کو بجا طور پر ناز ہے، حضرت اقدس علوم تفسیر، حدیث اور فنون کے بحرِ خار تو تھے ہی ساتھ ساتھ فقیہانہ بصیرت میں بھی یکتا تھے۔ حضرت والا کے فتاویٰ دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت فتویٰ دیتے وقت صرف فقہی جزئیات کو ہی مد نظر نہیں رکھتے تھے بلکہ حالات حاضرہ پر بھی آپ کی گہری نظر ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کے فتاویٰ کو افتاء کی دنیا میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے، حضرت کی کمال احتیاط اور دوراندیشی کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ آپ کی عموماً یہ کوشش ہوتی کہ سائل کو اس کا جواب پورا سمجھایا جائے، اس لئے جواب لکھتے وقت بات کھل کر بیان فرماتے اگرچہ بیان طویل ہو جاتا۔

۲۔ فتویٰ لکھتے وقت آپ فقہ حنفی کی مشہور کتب بدائع الصنائع، ہدایہ اور ردالمحتار سے استفادہ فرماتے تھے۔

۳۔ فتویٰ میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ خود تو کیا دارالعلوم حقانیہ کے دیگر مفتیان بھی جب فتویٰ لکھتے تو انہیں اپنے سامنے سنانے کا حکم فرماتے۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمان صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ ۱۹۷۸ء میں سالانہ چھٹیوں کے دوران ناظم دارالعلوم حضرت مولانا سلطان محمود صاحبؒ نے حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کا یہ پیغام مجھے پہنچایا کہ چھٹیوں میں یہاں رہ کر دارالافتاء کی خدمت سرانجام دو گے تو مجھ پر یہ بوجھ بہت بھاری لگا خود یہ جرات نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی فتویٰ تصویب کے بغیر دے دوں اور حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی خدمت میں اس سے قبل مسائل و جزئیات پیش کرنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔ جب میں حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جو مسئلہ بھی تم لکھو گے تو پہلے مجھے سناؤ گے۔ یہ اس لئے اگر کوئی جدید مسئلہ ہو تو ذہن میں آجائے۔ اس سے آپ کا مقصد استحصار مسائل نہیں بلکہ احتیاط ملحوظ تھی۔ چونکہ کسی بھی مسئلہ کا جواب آپ کو سنائے بغیر بھیجنے کی مجھے اجازت نہیں تھی اس لئے میں مسائل کے جواب لکھ کر حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی خدمت میں پیش کرتا اگر آپ تائید فرماتے تو مسائل کو وہ جواب بھیج دیتا۔ لیکن دس دن کی نگرانی کرنے کے بعد جب اعتماد پیدا ہو گیا تو فرمایا کہ مجھے سننے کا وقت کم ملتا ہے اس لئے سنائے بغیر ہی بھیج دیا کرو۔

۴۔ حضرت شیخ الحدیثؒ مسائل کے بیان کرنے یا لکھنے میں ماحول حالات اور اس کے نتائج و عواقب کا بھی لحاظ رکھتے تھے اور مصلحت کو سامنے رکھ کر جواب دیا کرتے تھے تاکہ معاشرہ میں بد مزگی پیدا نہ ہو اور لوگ شریعت کے کسی مسئلہ کا مذاق نہ اڑائیں۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب لکھتے ہیں:

۵۔ ۱۹۷۸ء میں دارالعلوم کی سالانہ تعطیلات کے دوران میں نے قضاء عمری کے بارے میں فتویٰ دیا جس میں قضاء عمری کی روایت کو موضوع ثابت کرنے کے بعد لکھا کہ مروجہ قضاء عمری کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور بدعت قبیحہ ہے جب آپ کو یہ جواب سنایا تو فرمایا کہ جواب تو ٹھیک ہے اس میں کوئی شک نہیں، لیکن ہمارے پٹھانوں کے علاقہ میں لوگ نہایت تدین کی وجہ سے قضاء عمری کے ایسے عاشق ہیں کہ ایسے سخت الفاظ کے نتیجے میں کہیں طیش میں آ کر فتنہ و فساد اور سب و شتم پر نہ اتر آئیں اس لئے ان الفاظ میں یوں ترمیم کرو: ”قضاء عمری کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہمارے سلاطین نے اس کو بدعت میں شمار کیا ہے۔“

۶۔ اسی طرح ایک موقع پر کسی سڑک کی تعمیر میں ایک پرانی قبر سڑک کی زد میں آتی تھی، حکومت اس قبر کو مسمار کر کے سڑک سیدھا کرنا چاہتی تھی، لیکن مقامی لوگ اس پر خوش نہیں تھے، جب سرکاری اہلکاروں نے دارالعلوم سے فتاویٰ لینا چاہا تو میں نے حضرت شیخ الحدیث صاحب سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا اگرچہ پرانی قبر مسمار کرنا از روئے شرع جائز ہے، لیکن ہمارے اس فتویٰ سے لوگ مطمئن نہیں ہوں گے، بلکہ مذہبی جنون کی وجہ سے شاید یہ لوگ دارالعلوم کو بھی فریق شمار کریں گے، اس لئے اس انداز سے فتویٰ دیا جائے کہ قبر کے اوپر پل بنا کر اس پر سے سڑک گزار لی جائے۔ چنانچہ آپ کی حسن تدبیر اور حزم و احتیاط کی بدولت سڑک بھی تعمیر ہو گئی اور لوگ بھی شرکیہ اعتقاد سے بچ گئے۔

۷۔ ایک دفعہ کسی صاحب نے تصوف کے سلاسل کے بارے میں سوال کیا تو حضرت شیخ الحدیث صاحب نے جواب میں فرمایا: ”سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ ایک ہی تالاب کی دونہریں ہیں، دونوں کا مخزن اور مرکز ایک ہے۔ پانی ایک ہے صرف راستے جدا جدا ہیں، دوسرے سلاسل تصوف اور مختلف فقہی مذاہب کا بھی یہی حال ہے۔ حنفیت، حنبلیت اور مالکیت سب کو ایک ہی تالاب سے پانی پہنچتا ہے، سب اسی ایک تالاب کے پانی سے دنیا کی سیرابی کرتے ہیں، صرف راستے جدا ہیں، منزل اور مقصد سب کا ایک ہے بعض لوگ دانستہ طور پر تصوف کے ان سلسلوں اور فقہی مذاہب کو فرقہ واریت پر حمل کر کے دنیا کو گمراہ کرتے اور دھوکہ دیتے ہیں، مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہیے“ (ماہنامہ ”الحق“ شیخ الحدیث نمبر ۵)

۸۔ اس کے علاوہ آپ مسائل کے جوابات نہایت سادہ اور آسان الفاظ میں دیا کرتے تھے اور اس میں حوالہ جات کا خصوصیت سے اہتمام فرمایا کرتے تھے تاکہ کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔

(ماخوذ از صفحہ ۸۸، ۹۸، ۹۰، فتاویٰ حقانیہ ج ۱)

اس فتاویٰ میں جن جید مفتیان کرام کے فتوؤں کو شامل کیا گیا ہے ان کی تعداد اٹھارہ ہے لیکن ان میں مرکزی حیثیت حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کو ہی حاصل ہے یہ ان ہی کے فیض کا نتیجہ ہے۔ فتاویٰ حقانیہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے جو کسی اور فتاویٰ میں بہت کم پائی جاتی ہے، وہ ہے اس کا ایک مربوط و مبسوط مقدمہ، یہ مقدمہ حضرت مولانا سمیع الحق مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے قلم سے مرقوم ہے۔ اس مقدمے میں فقہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کے ساتھ فقہی ماخذ قرآن کریم، سنت، اجماع، قیاس، استحسان، عرف و عادت، استحباب، مصالح، مصلحت، لطائف، افتاء، فتاویٰ دور نبوی میں، فتاویٰ دور صحابہ میں،

فتاویٰ دور تابعین میں، مفتیان صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ان کی اقسام و طبقات، تابعین فقہاء کام اور ان کے طبقات، مفتی کے شرائط و آداب مستفتی سمیت کئی ایک اہم مسائل اور موضوعات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ فن افتاء سے تعلق رکھنے والے حضرات کے لئے عموماً اور اس فن کے متخصصین کے لئے خصوصاً اس کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ اگر ایسے ادارے جہاں تخصص فی الفقہ کرایا جاتا ہے وہ اس مقدمے کو عقود رسم المفتی کے ساتھ ساتھ طلبہ کے نصاب میں داخل کر دیں تو طلبہ کے لئے بہت ہی مفید رہے گا، اسی طرح فتاویٰ کی اہمیت، ضرورت اور اس کی تاریخ پر مولانا انوار الحق حقانی کا وہ مقالہ بھی قابل دید اور اہل علم کے لئے موجب استفادہ ہے جو ”فتاویٰ حقانیہ“ کے مقدمے کا ایک اہم جزو ہے، مولانا انوار الحق حضرت الشیخ قدس سرہ کے وہ صاحبزادے ہیں جنہیں حضرت کی خدمت کا سب سے زیادہ موقع ملا ہے، سفر و حضر میں اکثر مولانا انوار الحق ہی حضرت اقدس کے ساتھ ہوتے تھے۔ اس تبصرہ نگار کو اچھی طرح سے یاد ہے کہ جب حضرت شیخ الحدیث آنکھوں کے آپریشن کے سلسلے میں لاہور تشریف لائے تو اس وقت بھی مولانا انوار الحق صاحب ہی آپ کے خادم تھے۔ مولانا انوار الحق صاحب نے مقدمے میں شامل کئے جانے والے مقالے میں فن افتاء کی عظمت کے سلسلے میں لکھتے ہیں، کہ یہ اتنا عظیم کام ہے کہ جس کی نسبت حق سبحانہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے فرمایا ہے یفتیکم فی الکلالۃ، مولانا انوار الحق نے اپنے مقالے میں جن موضوعات پر اظہار خیال فرمایا ہے ان میں قضاء و افتاء میں فرق، منصب افتاء کی عظمت، منصب افتاء و خطرات اسلامی مملکت میں دارالافتاء کا قیام اور اس کی ضرورت اور اہمیت، مسلک احناف میں فتویٰ کی عظمت، جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں دارالافتاء کا قیام شامل ہیں۔ مولانا انوار الحق مدظلہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے نائب مہتمم اور استاذ الحدیث ہیں۔ درویش منش انسان ہیں، ریاض و نمود سے کوسوں دور بھاگنے والے عالم باعمل ہیں۔ فتاویٰ حقانیہ کی طباعت اور اس کی ترتیب و تقدیم میں ان کا حصہ قابل قدر ہے۔

مؤتمراً لمصنفین اور فتاویٰ حقانیہ کی طباعت و اشاعت پر مامورین سے ایک گزارش ہے، وہ یہ کہ آئندہ طباعت میں اس امر کی وضاحت فرمائیں کہ کون کون سا فتویٰ کس کس کا ہے؟ تاکہ اس طرح سے حضرت الشیخ کے اپنے فتاویٰ کا علم ہو سکے اور یہ بھی معلوم ہو کہ حضرت نے اپنے دست مبارک سے کتنے فتاویٰ صادر فرمائے ہیں اور کتنے ایسے ہیں جن کی تصویب فرمائی ہے، جیسا کہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند وغیرہ

میں ہے۔ اس سے فتاویٰ کی اہمیت میں اور بھی اضافہ ہوگا..... تبصرہ نگار کے نزدیک فتاویٰ حقانیہ ہر دارالافتاء کی ہی نہیں بلکہ ایک اچھی لائبریری کی بھی ضرورت ہے۔ فتاویٰ حقانیہ ہر بڑے کتب خانے کے علاوہ براہ راست ناشر سے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ (محمد اکرم کاشمیری ماہنامہ ”الحسن“ لاہور)

فتاویٰ حقانیہ پر ماہنامہ الخیر ملتان کا واقع تبصرہ

افادات: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق ودیگر مفتیان دارالعلوم حقانیہ

نگرانی واہتمام: حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ ترتیب: مولانا مفتی مختار اللہ حقانی

کسی پیش آمدہ مسئلہ کے متعلق شریعت راسخ فی العلم کا ادلہ شرعیہ کو سامنے رکھتے ہوئے حکم بیان کرنا فتویٰ کہلاتا ہے افتاء واستفتاء کا یہ طریق کار نیا نہیں بلکہ دور نبوت سے چلا آ رہا ہے حضرات صحابہ کرامؓ اپنے مسائل کا حل براہ راست حضرت اقدس ﷺ کے وصال کے بعد عام صحابہ اور تابعین اپنی مشکلات اصحاب فتویٰ اجلہ صحابہ کرام سے بیان کر کے شرعی حکم معلوم کرتے تھے بکثرت فتویٰ دینے والے صحابہ کرامؓ میں حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت سیدہ عائشہؓ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ شامل ہیں حضرات صحابہ کرامؓ کے بعد یہی متوارث و مبارک عمل امت میں طبقاً عن طبق منتقل ہوتا چلا آیا۔ آج بھی کسی سلیم العقل مسلمان کو انفرادی یا اجتماعی طور پر کوئی مشکل یا الجھن پیش آتی ہے تو وہ کسی دارالافتاء سے رجوع کرتا ہے۔

علماء کرام کے ان فتاویٰ کی حیثیت عدالتی فیصلوں جیسی ہے جو آئین کی شقوق و جزئیات کی توضیح اور اطلاق کی تشریح کرتے ہیں۔ یہ فتاویٰ علماء امت کی محنتوں اور کاوشوں کا نچوڑ اور بیش قیمت علمی سرمایہ ہیں جو آنے والی نسلوں کے لئے صراط مستقیم پر چلنے کیلئے زاد راہ ہے۔ پاکستان کے بڑے دینی مدارس اور

جامعات میں مسلمانوں کی دینی رہنمائی کے لئے قائم "دارالافتاء" شب و روز متلاشیانِ حق کی رہنمائی کا روضہ انجام دے رہے ہیں۔ ان مراکز فتاویٰ سے جاری ہونے والے فتاویٰ باضابطہ محفوظ رکھے جاتے ہیں بعض جامعات نے ان تحقیقی جواہر پاروں کو افادہ عام، کے لئے شائع فرما کر ایک اہم دینی خدمت انجام دی ہے۔ حال ہی میں ملک کی معروف دینی درسگاہ "جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ" کی طرف سے ۶ جلدوں پر مشتمل "فتاویٰ حقانیہ" کے نام سے ایک عظیم فقہی خزینہ منظر عام پر آیا ہے۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ۱۹۴۷ء سے ہمہ نوع کی دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔ جامعہ کے بانی مہتمم اول شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ، کی ذات گرامی کو علماء و مشائخ میں ایک مرجع کی حیثیت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عام مسلمان بھی اپنے علمی دینی اور دنیوی مسائل کے لئے حضرت مرحوم کے قائم کردہ جامعہ کے دارالافتاء کی سرفہ رجوع کرتے تھے اب تک دارالعلوم کے دارالافتاء سے ہزار ہا فتاویٰ جاری ہو چکے ہیں۔ جن کا ریکارڈ رجسٹروں میں محفوظ تھا۔ حق تعالیٰ شانہ نے اہل علم کی سرفہ سے بیش از بیش جزائے خیر عطا فرمائیں خلف الرشید حضرت مولانا سمیع الحق صاحب "دامت برکاتہم" جنہوں نے اس انمول خزانہ کو رجسٹروں سے نکال کر افادہ و استفادہ امت کے لئے عام کر دیا ہے۔

فتاویٰ کے وسیع و عظیم مگر غیر مرتب ذخیرہ سے انتخاب اور پھر ترتیب و تدوین اور تحقیق و تخریج دشوار گزار گھاٹی ہے جو مولانا موصوف کی شبانہ روز محنت، ذاتی توجہ و انہماک اور خدمتِ علم کا جذبہ کی بدولت بالآخر طے ہو گئی۔ اس مجموعہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ، کے علاوہ دیگر درجنوں علماء راجحین اور مفتیان کرام کے فتاویٰ شامل ہیں جو دارالعلوم کے دارالافتاء کے منصب پر فائز رہے۔ اس مجموعہ میں مولانا سمیع الحق صاحب "دامت برکاتہم" نے بھی اپنے تحریر کردہ "نقش آغاز" میں فرمایا ہے۔

مبصر کی ناقص رائے کے مطابق یہ مجموعہ مدارس و جامعات کے علاوہ ذاتی علمی لائبریریوں کی بھی

ضرورت ہے۔ ماہنامہ "الخیر" ملتان مبصر مولانا محمد ازہر (جولائی ۲۰۰۲ء)

فتاویٰ حقانیہ کے متعلق ماہنامہ القاسم کے مدیر مولانا عبدالقیوم حقانی کا جامع تبصرہ

افادات: شیخ الحدیث مولانا عبدالحق و دیگر مفتیان کرام

نگرانی و اہتمام: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ترتیب: مولانا مفتی مختار اللہ حقانی

اسلامی تاریخ کا ماضی علماء، فقہاء، جامعات، دارالعلوم اور ارباب فضل و کمال کی بصیرت و تفقہ مجتہدانہ تک و دو، مسائل میں قرآن و سنت کی روشنی میں بروقت رہنمائی کی شاندار شہادت دیتا ہے اور بلاشبہ یہ علماء فقہاء اور دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم حقانیہ جیسی عظیم جامعات ہی کا مقام و منصب ہے کہ وہ حال اور مستقبل میں بھی ملت کی سچی اور حقیقی رہبری اور رہنمائی کریں۔ غالباً کہنے والے نے ایسے ہی اداروں اور علماء کے متعلق خوب کہا کہ "آپ جب فیصلہ کرتے ہیں تو صحیح و صائب فیصلہ کرتے ہیں، جب کوئی اقدام کرتے ہیں تو بہتر و موزوں اقدام کرتے ہیں اور جب گفتگو کرتے ہیں تو حتمی و قطعی انداز اختیار کرتے ہیں۔"

آج ملت کے مسائل کیا ہیں؟ سماجی، اقتصادی حالات میں کیا پیچیدگیاں ہیں اور کیا توجہ طلب گھٹیاں ہیں؟ اسلام ہر مختلف سطح سے علمی اعتراضات کے جوابات کیسے دیئے جائیں؟ علماء، فقہاء اور مفتیان کرام ملت کے تحفظ و انسانیت کی رہنمائی اور اس عظیم مسؤلیت اور ذمہ داری کو کیسے نبھائیں؟

فتاویٰ حقانیہ اس کا علمی اور عملی جواب، جو..... لتحكم بين الناس بما اراك

اللہ..... کے مطابق قوانین شرعیہ کی تعبیر و تشریح، انضباط و تدوین، ترویج فقہ و اشاعت کے عظیم مقصد کی تکمیل اور پوری ملت کے لئے بڑی سعادت اور مسرت کا پیغام ہے۔ مادر علمی مرکز علم دارالعلوم حقانیہ جنوبی ایشیاء میں دارالعلم دیوبند کے بعد دوسری عظیم آزاد اسلامی یونیورسٹی ہے۔ فروغ علم کی بات ہو، درس و تدریس کا تسلسل ہو، درس نظامی کے بقاء و تحفظ کا مسئلہ ہو، ملک میں نفاذ شریعت اور پارلیمنٹ میں شریعت کے غلبہ کی جدوجہد ہو، فرق باطلہ کے خلاف جنگ ہو یا مغربی تہذیب اور مغربی سامراج کے خلاف بغاوت ہو، جہاد کا فتویٰ ہو یا علمی اقدام، اسلامی نظام حکومت کی تشکیل و استحکام ہو، فقہ و فتویٰ اور قضاء کے مسائل

ہوں، جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اس کے بانی و مہتمم اساتذہ اور فضلاء کا کردار مثالی اور تاریخی ہوا ہے۔

استاذی و استاذ العلماء، محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ اس کے بانی و مہتمم تھے اور آج کل انکے جانشین مخدوم العلماء، استاذ محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم اسکے مہتمم ہیں۔ جب سے جامعہ حقانیہ قائم ہوا تب سے فقہ و فتویٰ اور قضا کا شعبہ بھی قائم ہوا اور مفتیان کرام کے فقہی اور تحقیقی، علمی جواہر سے گزشتہ دس سال سے دارالعلوم حقانیہ کے نصف صدی پر مشتمل فتاویٰ کی ترتیب و تدوین کا کام شروع ہوا۔ علماء، فقہاء، مفتیان کرام، اور درجہ تخصص کے طلباء حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی سرپرستی میں اس عظیم علمی اور تاریخی اور فقہی دستاویز کی ترتیب اور تدوین میں لگے رہے۔ بالآخر وہ عظیم فقہی انسائیکلو پیڈیا فتاویٰ حقانیہ کی صورت میں ۶ جلدوں میں منظر عام پر آ گیا ہے۔

دینی مدارس ہوں یا دارالافتاء اصل مقصد دین کا تحفظ و دفاع اور اسلامی تمدن و تہذیب و ثقافت کی حفاظت دین کی دعوت و اشاعت نیز اس پر فکری یلغار کا نفسیاتی و عقلی جواب دیتا ہے جو مخاطب کی زبان ہو۔ اس پہلو سے تعلیم تشنہ ہے۔ سماجی مسائل سے عدم واقفیت کا رجحان بھی اس کا ایک جزو ہے اس روح کا فقدان مسلم معاشرے کی پہچان بن گئی ہے۔ فتاویٰ حقانیہ نے الحمد للہ اس ضرورت کی تکمیل کردی اور علمی و دینی اور فقہی قیادت و سیادت کو برقرار رکھے ہوئے ماحول اور گرد و پیش میں اٹھتے ہوئے بخارات، اضطراب کی لہروں، وغیرہ کی تیاریوں اور ریشہ دوانیوں کو مد نظر رکھا اور ایک بہترین فقہی انسائیکلو پیڈیا کی صورت میں ایک عظیم علمی پیشکش کے طور پر سامنے آئی۔ فتاویٰ حقانیہ کی ترتیب و تدوین میں استاذ محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ، کی مساعی، علماء امت، مفتیان کرام بالخصوص حقانی برادری کے لئے قابل قدر اور ہر لحاظ سے لائق تحسین ہیں۔

شاند ارطباع، عمدہ ترین کتابت، مضبوط جلد بندی اور بہترین کاغذ، ہر دارالافتاء، دارالقضاء، دارالمطالعہ، لائبریری، کتب خانہ، مدرسہ بلکہ ہر گھر کی ضرورت۔ ۶ جلدوں کی قیمت -/2200 روپے بھیج کر موثر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے منگوائی جاسکتی ہے۔ (ماہنامہ "القاسم" نوشہرہ، شمارہ جون جولائی ۲۰۰۲ء)

فقیہ العصر شیخ الحدیث والنفسیر حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب مدظلہ

رئیس دارالافتاء جامعہ عربیہ احسن العلوم گلشن اقبال کراچی

دارالعلوم دیوبند کے مسلک کے ترجمان ادارے ہندوپاکستان میں بے شمار ہیں حق تعالیٰ ان کو روز افزوں رکھے ان میں بعض مدارس خود دیوبند کا نمونہ اور کامیاب وارث مجسم بن کر شجر طوبیٰ کی طرح مثمر اور سایہ دار ہیں ان میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک صوبہ سرحد بھی ہے جس کے بانی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ تھے۔ موصوف کی جامع علمی اور عملی بلندیوں کی آئینہ دار حیات جاوداں پر قدردانوں کے مجلدات آچکے ہیں۔ دارالعلوم حقانیہ کا ہر دن اور ہر مہینہ بلکہ ہر گھڑی اور ہر سانس اور اس کا ذرہ ذرہ روح اور ایمان کی حلاوت ولذت عظمت اور حسن پہنچانے کا حامل ہے۔ حال ہی میں دارالعلوم حقانیہ نے نصف صدی سے زیادہ قیمتی اوقات اور گراں قدر لمحات کے زاویوں میں جن محققین فقہاء اور مفتیان نے افتاء کا عظیم منصب نبھایا ہے ان کے گراں قدر فتاویٰ کمال تحقیق احسن ترتیب اور دیدہ زیب طباعت سے آراستہ پیراستہ ہو کر منصہ شہود پر آچکا ہے۔ چھ ضخیم جلدوں پر اسلامی فقہ کا یہ انسائیکلو پیڈیا اور حنفی فقہ کا برہان مسلم اور مسلک دیوبند کے میزان حق و رشد کو منوانے والا یہ فتاویٰ تھوڑے ہی عرصے میں جامعہ طباعت سے آراستہ ہو کر اہل علم سے شکر و سباس اور داد تحقیق لے چکا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے محسن و مخدوم یادگار سلف اور فخر الخلف زعیم ملت مسرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی خصوصی توجہات کا یہ حامل دائرۃ معارف بہت تھوڑے عرصے میں سابقہ فتاویٰ کی سرح صنف اول میں اپنا مقام پیدا کر چکا ہے مولانا موصوف مدظلہ نے کرم بالائے کرم کرتے ہوئے سب سے پہلے مجھ عاجز اور فقیر کو یہ سعادت علم ارسال فرمایا۔ اور یہ بھی خوشی ہے کہ میرے عزیز مولانا مفتی مختار اللہ حفظہ اللہ مفتی و استاد شعبہ تخصص فی الفقہ نے اس پر جواہر شباب اور بہترین سلاہتیں صرف کر کے کتاب کی ترتیب، تدوین، اور حسن طباعت میں معراج ترقی تک پہنچانے کی سودگشیش فرمائی ہیں حق تعالیٰ اس عظیم اور مقتدر فتاویٰ کو دارالعلوم حقانیہ کیلئے اولاً اور پوری امت کیلئے ثانیاً فقہ اسلام اور منہج اسلاف کا ترجمان اور آئینہ دار ذخیرہ کاملہ ثابت فرمائے۔

خدا کا شکر و کرم ہے کہ جہاں تک میں نے نظر ڈالی اور تحقیق و تجسس کیا تو فتاویٰ حقانیہ ہر قسم کی خطیبات اور شطحات سے کافی حد تک محفوظ رہا ہے اللہ تعالیٰ اس جلیل القدر خدمت کو قبول فرمائے اور دارالعلوم حقانیہ کے عز و شرف کے لئے سمران ترقیات ثابت فرمائے۔ (بہنامہ "الحسن")

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الشُّرُورِ وَالْإِثْمِ لَأَوْقَعُوا مِنْهُمْ لَعْنَةُ الَّذِينَ لَيْسَتْ بِطُورِهِمْ (الانبیاء)

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کوڑا خٹک کے ائینہ مصداق کے فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ حقانیہ

جلد اول

نگرانی و اہتمام
مولانا سمیع الحق مہتمم و استاذ حدیث
جامعہ دارالعلوم حقانیہ

تفادلس
شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ودگیر مفتیان کرام
جامعہ دارالعلوم حقانیہ

ترتیب مفتی مختار اللہ حقانی

شائع کردہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کوڑا خٹک نوشہرہ لاہور پاکستان

(جملہ حقوق و اشاعت و طباعت بحق ادارہ محفوظ ہیں)

نام کتاب فتاویٰ حقانیہ (جلد اول)

افادات شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ و دیگر مفتیان کرام جامعہ ہذا

نگرانی و اہتمام شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، مہتمم جامعہ ہذا

ترتیب مولانا مفتی مختار اللہ حقانی استاذ شعبہ التحصن فی الفقہ والافتاء

صفحات ۵۹۴ صفحات

تاریخ طبع ششم ۱۴۳۰ھ / ۲۰۰۹ء

طابع مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک

Mob:0300-4572899

ناشر جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

نقش آغاز

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لحضرة الجلالة والصلوة والسلام على خاتم الرسالة

محمد اشد عز وجل دارالعلوم حقانیہ کے وقیع علمی مقام قبولیت خداوندی کی بناء پر اس کے دارالافتاء کو بھی ملک و بیرون ملک علمی تحقیقی اور عدالتی حلقوں میں سزا اعتماد اور عوام میں مقبولیت حاصل ہے، دارالعلوم سنہ تاسیس ۱۹۴۲ء ہی سے مسلمانوں کو پیش آنے والے علمی دینی اور دنیاوی مسائل میں دارالعلوم کا دارالافتاء مرجع خلائق بنا، دارالعلوم کے بانی اور منتظم اول سیدی و والدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ خود ان فتاویٰ کو نہایت غور سے دیکھتے، ان میں کمی بیشی کراتے اور پھر بڑے اہتمام سے ان تحقیقی جواہر پاروں کو رستروں میں نقل اور محفوظ کراتے رہے۔ نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط یہ فتاویٰ دارالعلوم کے رستروں میں محفوظ ہیں عرصہ سے علمی حلقوں اور عامۃ المسلمین کی تمنا اور خود ناچیز کی شدید خواہش تھی کہ یہ انمول خزانہ رستروں سے نکال کر افادہ و استفادہ امت کا ذریعہ بنے اور یہ فقہ و فتاویٰ کی دنیا میں ایک وقیع اضافہ ثابت ہو مگر دارالعلوم کے محدود وسائل مختلف ظروف و احوال اور ناچیز کے گونا گوں متنوع مشاغل (جبکہ میں اس مشکل اور نازک کام کو اپنی نگرانی میں کر رہا تھا) کی وجہ سے یہ آرزو جلد شرمندہ تکمیل نہ ہو سکی مگر بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ عظیم اور وسیع ذخیرہ ترتیب و تدوین، انتخاب و تحقیق، تخریج و تنقیح کے دشوار گزار مراحل سے گذر کر فتاویٰ حقانیہ کی شکل میں ظہور پذیر ہو رہا ہے جو بلاشبہ وقت کا ایک عظیم فقہی اضافہ اور کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک تشنگان علم و دین اور متلاشیان حق و صداقت کی راہنمائی کا ذریعہ بنتا رہے گا، انشاء اللہ العزیز۔ یہ سب محض توفیق خداوندی اور فضل ایزدی کا نتیجہ ہے۔ علماء کا مقام وراثت نبوت ہے، ان کی تمام ذمہ داریوں اور فرائض تعلیم و تعلم، تدریس و تصنیف، دعوت و تبلیغ کے لیے بے پناہ صلاحیت و استعداد اساتذہ فن کی صحبت و تربیت طلب علم کی راہ میں جان کا ہی و جگر سوزی، تقویٰ و تدبیر ربط و استناد کی ضرورت ہے جس کے بغیر یہ فریضہ وراثت ادا نہیں ہو سکتا مگر ان تمام ذمہ داریوں میں پلصراط پر چلنے جیسی نازک ذمہ داری قضاء و افتاء کی ہے جس کی شرائط و صفات اتنی ہی نازک، حساس اور عمیق ہیں صرف ذکاوت و ذہانت اور وسعت مطالعہ نہیں بلکہ علماء راجحین کا رسوخ، تبحر علمی، کتاب و سنت کے وسیع متنوع قدیم و جدید ذخیروں پر عبور، تغیرات و تبدلات زمانہ سے باخبری اور ہر لمحہ پیدا ہونے والے تہذیبی، معاشرتی اور سماجی و عرفی حالات اور عہد جدید کے پیدا کردہ مسائل اور چیلنجوں سے واقفیت، پھر مسائل اور مستفتی کے سوال اور ماخذ شریعت

کے نصوص کی تہ تک پہنچنے کی صلاحیت لازمی ہے جسے فقہ کی ایک تعریف میں ”فہم غرض المتکلم“ سے تعبیر کیا گیا ہے اور حدیث میں جسے ”خیر“ کا ایک عظیم سرمایہ قرار دیا گیا ہے۔ ”من یرد اللہ بہ خیراً یفقهہ فی الدین (الحیث)“ یہ سارے امور مفتی اور قاضی کے منصب کے تقاضوں کو بہت ہی نازک بنا دیتے ہیں۔ الحمد للہ کہ دارالعلوم کو روز اول سے حق تعالیٰ نے ان صفات فضل و کمال سے مزین و متصف مدرسین و مفتیان عطا فرمائے جن کے نبوغ و رسوخ تقویٰ و تدین پر پورا اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ اور اس مجموعہ فتاویٰ میں ایسے درجنوں علماء راہنیں اور مفتیان کرام کی محنت اور جگر سوزی شامل ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو اعلیٰ علیین میں علما راہن مفتیان امت کے زمرہ میں جگہ عطا فرمائے۔

— کتاب کے آغاز میں فقہ و فتاویٰ سے متعلق ضروری مباحث، ماخذ فقہ ائمہ اربعہ کے مذاہب فقہ و اجتہاد بھی ایک مقالے میں روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ اس سے عام قاری بھی استفادہ کر سکے، مفتیین کرام کے مختصر حالات بھی دیئے گئے ہیں عربی عبارات اور حوالوں کی تصحیح، اصل ماخذ حوالہ سے تطبیق پھر تائید و ترمیم کیلئے اضافی حوالوں کی تعبیر جلد و صنعت کے اضافہ کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ ان مفتیان کرام کی اکثریت وہ ہے جن کی مادری زبان اردو نہیں تھی، ان کے تحریر کردہ جوابات میں اردو کے محاورہ گرائمر، سلاست اور تذکیر و تانیث کی پاسداری نہیں کی جاسکتی جبکہ فتویٰ کا اصل مقصد بھی حکم اور مسئلہ بیان کرنا ہوتا ہے نہ کہ مضمون نویسی اور لفظی فصاحت و بلاغت کا اظہار، تاہم حتیٰ الوسع فتاویٰ کے مزین اور اکثر مجھ ناچیز نے بھی اردو عبارات کی تصحیح اور غلطیوں کے تدارک کی سعی کی ہے اس کے باوجود عبارات کی اصلاح کی بڑی گنجائش ہے اور اگر قارئین اس کی لفظی و معنوی غلطیوں اور خامیوں کی نشاندہی فرما سکیں تو اسلئے اس کا ازالہ ہوتا رہے گا، انشاء اللہ۔ یہ فتاویٰ دارالعلوم کے برگزیدہ اساتذہ و مفتیان کی علمی کاوشوں کا تو ثمرہ ہے ہی مگر درجہ تخصص فی الفقہ والافتاء کے درجنوں تلامذہ و فضلاء ان کے مائے ناز اساتذہ اور مشرفین کی عزیز و پھرتیوں و تحقیق میں کئی رجال کار شامل ہیں جن کا ذکر مقدمات کتاب میں آرہا ہے۔ اور پھر عزیز مکرم مولانا مفتی مختار اللہ حقانی جنہوں نے پچھلے کئی سال اس کٹھن کام میں صرف کئے۔

ان غرض کتابت و اشاعت کے مراحل اور تصحیح تک نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط یہ عظیم شاہکار ان تمام حضرات اور ایک بڑی ٹیم کی مشترکہ محنتوں سے منصفہ شہود پر جلوہ گر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی اس سعی کو قبولیت سے نوازے اور امت کی تعلیم و ارشاد کا ذریعہ اور ہم سب کے لیے صدقہ جاریہ بنادے۔ آمین

سید

خادم العلوم بدارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

۲۲ جنوری ۲۰۰۲ء



فہرست مضامین جلد اول

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۸	السُّنَّة	۱۸	مقدمہ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب
۲۹	سُنّت اور حدیث میں فرق		علم کی اقسام
۲۹	سُنّت کی حجیت	۱۸	فقہ کا لغوی معنی
۳۲	الاجتماع	۲۰	فقہ کی اصطلاحی تعریف متقدمین کے ہاں
۳۳	اجماع کن کا معنی ہے	۲۰	ماترین کی تعریف
۳۳	اجماع کی حجیت	۲۱	حکام شرعی کی قسمیں
۳۷	اجماع کرنے والوں کے شرائط و اوصاف	۲۱	علم فقہ کا حکم
۳۸	اجماع کی اقسام	۲۱	فقہ کی تدوین
۳۹	بے شکوتی کے ثبوت کے لیے شرائط	۲۲	تدوین فقہ کے لیے کمیٹی کا قیام
۳۹	اجماع کا حکم	۲۳	طریقہ استدلال
۴۰	القیاس	۲۳	ضعیف حدیث کی قیاس پر تقدیم
۴۱	قیاس کی ضرورت	۲۳	طریقہ تدوین
۴۱	قیاس کا ثبوت قرآن کریم سے		فقہ کے ماخذ
۴۵	قیاس کے ارکان	۲۶	القرآن الحکیم
۴۶	الاستحسان		
۴۷	استحسان اور فقہاء اسلام	۲۶	

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۲۶	پیش لفظ (مولانا مفتی مختار اللہ حقانی)	۴۸	امام شاہ ولی اللہ اور استحسان
۱۳۵	کتاب العقائد والایمانیات	۴۸	استحسان کی مشروعیت
۱۳۷	اللہ تعالیٰ کی شان میں توہین آمیز کلمات کہنا	۴۹	عرف و عادت
۱۳۷	قرآن مجید کی توہین موجب کفر ہے	۵۰	عرف کی تعریف
۱۳۸	کلمہ طیبہ کو گالی دینے والا کافر ہے	۵۰	مقبول عرف کے لیے شرائط
۱۳۸	اسلامی نظام کو فرسودہ نظام کہنا کفر ہے	۵۱	الاستصحاب
۱۳۹	شائیم رسولؐ کی توبہ کا حکم	۵۲	استصحاب کی اقسام
۱۳۹	انبیاء کرامؑ کے بارے میں توہین آمیز کلمات کہنا	۵۳	مصالح مرسلہ
۱۴۰	صحبت صدیق اکبرؑ کا منکر کافر ہے	۵۳	مصالح مرسلہ کی شرائط
۱۴۰	سب شیخینؒ موجب فسق ہے	۵۴	امام مالکؒ اور مصالح مرسلہ
۱۴۱	امیر معاویہؓ کی شان میں گستاخی جائز نہیں ہے	۵۴	ذخیرہ فقہ کی تقسیم
۱۴۲	صحابیت حسینؑ کا ثبوت	۵۵	فتویٰ کا لغوی معنی
۱۴۳	علماء دیوبند کو وہابی کہنے کا حکم	۵۶	افتاء کی اصطلاحی تعریف
۱۴۳	عالم دین کی تحقیر کرنا موجب کفر ہے	۵۶	لطائف افتاء
۱۴۴	کسی مسلمان کو گدھا کہنے کا حکم	۵۷	فتاویٰ دور نبویؐ میں
۱۴۴	داڑھی رکھنے والے کو گالی دینے والے کا حکم	۵۹	فتاویٰ دور صحابہؓ میں
۱۴۵	سنن اور نوافل کی توہین موجب کفر ہے	۶۰	مفتیان صحابہ کرامؓ کی اقسام و طبقات
۱۴۵	بُتوں کے تاجراوران کو تراشنے	۶۱	فتاویٰ دور تابعینؓ میں
۱۴۶	والے کو کافر کہنے کا حکم	۶۲	تابعین فقہاء کے طبقات
۱۴۶	سنت نبویؐ کی توہین کرنا کفر ہے	۶۴	مفتی کے شرائط و آداب
۱۴۶	نماز کی تحقیر کرنا	۷۲	آداب مفتی
۱۴۶	علماء کرام کے حق میں توہین آمیز کلمات کہنا	۷۵	فتویٰ کی اہمیت اور جامعہ حقانیہ
			میں دارالافتاء کا قیام
			مفتیان حضرات کا مختصر سوانحی خاکہ

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۴۰	انبیاء کرامؑ کے افعال و اقوال کو	۱۴۷	مسجد کے متعلق نازیبا کلمات کہنا
	مجتہدین نہ کہنے والا کافر ہے	۱۴۸	نقیم نبوت کا منکر کافر ہے
۱۴۰	اللہ تعالیٰ کے لیے زوجیت اور	۱۴۸	حضرت خضرؑ نبی تھے
	ولدیت کا عقیدہ رکھنا کفر ہے	۱۴۹	انبیاء قبل النبوة بھی معصوم تھے
۱۴۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سماع و	۱۵۱	لغزشات انبیاء عصمت کے منافی نہیں
	بصیر ہونے کے عقیدہ کی وضاحت	۱۵۲	مسئلہ تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے
۱۴۲	معارج النبی سے متعلق ایک	۱۵۲	حیات عیسیٰؑ کا عقیدہ نص قرآنی سے ثابت ہے
	بے بنیاد واقعہ کی حقیقت	۱۵۵	عیسیٰؑ کے متعلق چند شبہات کا ازالہ
۱۴۳	حضور پر صیغہ خطاب سے درود بھیجنے کا حکم	۱۵۶	مہاتما بدھ کے متعلق عقیدہ نبوت درست نہیں ہے
۱۴۳	اگر میں نے نیکو کی خلاف ورزی کی	۱۵۸	عقیدہ حیات الانبیاء کا ثبوت
	تو قرآن کو جھوٹا سمجھوں گا	۱۵۹	حضور کا علم تمام مخلوقات سے زیادہ ہے
۱۴۴	لا الہ الا اللہ ایوب خان رسول اللہ	۱۶۰	جمعہ ماکان و مایکون کا علم
	کاف تا ازل کافر ہے		اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے
۱۴۵	امام غزالیؒ کے قول سے انکار کفر نہیں ہے	۱۶۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں تو نہیں
۱۴۵	اہل فترت کے بارے میں شرعی عقیدہ	۱۶۲	یا محمد اور یا رسول اللہ کہنا
۱۴۶	عبد اللہ بن ابی بن سلول کے	۱۶۲	حیات حضرت خضرؑ کا عقیدہ
	جنتی ہونے کا عقیدہ رکھنا	۱۶۵	امام مہدیؑ کے آنے کے منکر کا حکم
۱۴۷	آنحضرتؐ کی سفارش سے انکار کفر نہیں	۱۶۶	کرامت کی حقیقت
۱۴۸	بعض لوگوں پر عذاب قبر منکشف ہو سکتا ہے	۱۶۷	کرامات اولیاء کا حکم
۱۴۹	جمعہ دن مرنے والے پر عذاب قبر نہ بھٹنے کا عقیدہ	۱۶۷	قرآن کریم کو مخلوق کہنا کفر ہے
۱۴۹	جمعہ کی رات تک قبر کی حفاظت کرنے	۱۶۹	انبیاء کرامؑ کو فواحش کی طرف منسوب
	سے عذاب قبر نہیں ہوتا		کرنے سے ایمان زائل ہو جاتا ہے
۱۸۱	عالم برزخ میں جسم و روح	۱۶۹	پشتوزبان میں حضورؐ نور پر کمینہ
	کو عذاب و ثواب ہوتا ہے		کا اطلاق موجب کفر نہیں

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۹۳	قرآن پاک کے اوراق کو پھاڑنا اور بے حرمتی کرنا موجب کفر ہے	۱۸۱	قبر میں نابالغ بچوں سے سوال و جواب کی وضاحت
۱۹۳	حرام پر حلال کا عقیدہ رکھنا موجب کفر ہے	۱۸۲	قبر یا برزخ عذاب و ثواب میں دونوں برابر ہیں
۱۹۴	رقص و سرود کو حلال اور جائز سمجھنے کا حکم	۱۸۲	قبر کو سجدہ کرنے کی اقسام کی تفصیل
۱۹۵	بزید پر لعنت بھیجنا جائز نہیں	۱۸۳	غیر اللہ کی خوشنودی کیلئے جانور ذبح کرنا
۱۹۶	شریعت مطہرہ پر فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے	۱۸۴	جانور قبروں پر لے جا کر ذبح کرنا
۱۹۷	مجھے شریعت کی ضرورت نہیں کہنے کا حکم	۱۸۵	قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھانا اور چراغ روشن کرنا
۱۹۸	خدا اور رسول سے برأت کا اعلان موجب کفر ہے	۱۸۶	پیر (مرشد) کو سجدہ کرنے کا حکم
۱۹۸	نماز میں سولہ اللہ کا تصور دل میں لانا	۱۸۶	قبر یوسی کا حکم
۱۹۹	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کے عقیدہ کی وضاحت	۱۸۷	قبر کا طواف کرنا اور اس کی مٹی بدن پر ملنا
۲۰۲	کسی غوث یا قطب کو مافوق الاسباب متصرف سمجھنا شرک ہے	۱۸۷	”دکن جیلانی“ کے الفاظ سے شاہ صاحب کو پکارنا
۲۰۳	کسی مخلوق کے بارے میں اللہ کے نور سے جدا ہونے کا عقیدہ رکھنا خلاف اسلام ہے	۱۸۸	فوت شدہ بزرگوں کو حاضر و ناظر سمجھنا
۲۰۳	شیخ عبدالقادر جیلانی سے متعلق شریکیت و کلیات جنت کی پیمائش دنیا میں ممکن نہیں	۱۸۹	اولیاء کرام کو متصرف فی الامور سمجھنا موجب کفر ہے
۲۰۴	تقویۃ الایمان کی بعض عبارات کی وضاحت	۱۸۹	غیر اللہ کے متعلق یَعْلَمُ مَا فی الصُّدُور کا عقیدہ رکھنا
۲۰۷	صراطِ مستقیم کی ایک عبارت کی وضاحت	۱۹۰	مصاب و مشکلات میں غیر اللہ کو پکارنا
۲۰۸	ارواح کی دنیا میں والہی کا عقیدہ غلط ہے	۱۹۱	باتیخ عبداللہ اور جیلانی شینا کا وظیفہ پڑھنا شرک ہے
۲۰۸	بعض صاحبین کو بوقت وفات متجانب اللہ نجات کی خوشخبری ملنا	۱۹۱	حضرت علیؑ کو مشکل کشا سمجھنا کفر ہے
		۱۹۲	دارھی منڈانے کو جائز اور گناہ سمجھنا ضروریاتِ دین سے استہزاء کرنا کفر ہے

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۲۲	والدین اور استاد کا فرمان کا فر نہیں	۲۰۹	شاہ اسماعیل شہید اور آپ کی تصنیف
۲۲۲	توبہ سے حقوق اللہ معاف ہو	۲۱۰	تقویۃ الایمان کا تذکرہ
۲۲۳	سکتے ہیں حقوق العباد نہیں	۲۱۰	دنیا میں جنت جیسی زمین تیار کرنا ممکن نہیں
۲۲۳	والدین کے نافرمان کی کوئی	۲۱۰	ماہ صفر میں نزولِ بلیات و آفات
۲۲۴	عبادت قبول نہیں ہوتی	۲۱۱	کا عقیدہ رکھنا درست نہیں
۲۲۴	شبِ معراج رویت باری تعالیٰ	۲۱۱	قیمتوں میں کمی یا زیادتی منجانب اللہ ہوتی ہے
۲۲۵	کے عقیدہ کی وضاحت	۲۱۱	نماز باجماعت کا تارک منافق ہے
۲۲۵	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام	۲۱۲	بے وضو نماز پڑھنے والے کا حکم
۲۲۶	کے ساتھ درود پڑھنے کو دم کہنا	۲۱۳	کوئی شخص غسل کی وجہ سے کسی صحابی
۲۲۶	معراج نبوی سے ارکار کرنا	۲۱۳	سے سبقت نہیں لے جاسکتا
۲۲۸	قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ کا	۲۱۴	یہ چیز مجھ سے خدا بھی نہیں
۲۲۸	نزولِ ختم نبوت کے منافی نہیں	۲۱۴	لے سکتا، کہنا موجب کفر ہے
۲۲۹	میت کا جسم ریزہ ریزہ ہو جانے کی	۲۱۴	ختم کو موجبِ امراض سمجھنا کفر کا باعث ہے
۲۲۹	صورت میں قبر کا عذاب و ثواب	۲۱۵	تکفیرِ مسلم میں احتیاط ضروری ہے
۲۳۰	زیارتِ قبور کے موقع پر بعض	۲۱۶	فقہ حنفی کو معتزلہ کی تصنیف
۲۳۱	غیر شرعی رسوم کا ذکر	۲۱۶	کہنے والے پر توبہ لازم ہے
۲۳۱	اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے	۲۱۶	حدیثِ نبوی کے مُتکرر کا
۲۳۲	قرآنِ کریم کے متعلق تبدیلی کا عقیدہ رکھنا	۲۱۶	ایمان سلامت نہیں رہ سکتا
۲۳۳	کفار دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے	۲۱۷	توسل بالصلحاءین جائز ہے
۲۳۳	رمضان المبارک میں فوت ہونے والے	۲۱۸	معتوہ کے ارشاد کا علم
۲۳۳	کے ہر مسلمان کیلئے عذابِ قبر میں تخفیف	۲۱۹	فاسق و فاجر کی تعریف
۲۳۵	کل شیء ہالک الا وجه وکل نفس ذائقة	۲۲۰	فسق و فجور موجب کفر نہیں
۲۳۵	الموت میں ہلاکت و موت کی تفصیل	۲۲۰	قتلِ عمد سے توبہ مقبول ہے
۲۳۸	رویتِ باری تعالیٰ	۲۲۱	کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا گویا
			تین گنا گنہگار کو قتل کرنا ہے

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۵۴	{ ذاتِ باری تعالیٰ کے وجود کا تصور مضر عقیدہ نہیں }	۲۳۹	{ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے جنتی ہونے کا عقیدہ }
۲۵۴	تیری عبادت پر لعنت ہوا کہنے کا حکم	۲۴۰	عذابِ قبر کی کیفیت کیا ہے ؟
۲۵۵	{ مرتد کے دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد اس کی سابقہ نیکیوں کا حکم }	۲۴۱	عرضِ اعمال کی تحقیق
۲۵۶	نشے کی حالت میں ارتداد کا حکم	۲۴۲	معجزہ اور کرامت کی حقیقت
۲۵۶	ارتداد مکروہ کا حکم	۲۴۳	انبیاء کرامؑ تمام امتِ محمدیہؐ سے افضل ہیں
۲۵۷	عورت کے ارتداد کا حکم	۲۴۳	{ صحابہ کرامؓ سے خطا کا سرزد ہونا عدالت کے منافی نہیں }
۲۵۷	مرتد کو کب قتل کیا جائے گا ؟	۲۴۴	مناجراتِ صحابہؓ
۲۵۸	مرتد کے مال کی تقسیم کا حکم	۲۴۶	مسیح موعود سے عیسیٰ بن مریم ہی مراد ہیں
۲۵۹	اللہ تعالیٰ کیلئے مکان ثابت کر نیوالے کا حکم	۲۴۷	الوہیت علیؑ کا عقیدہ رکھنا شرک ہے
۲۶۰	{ کفر اختیار کرنے کا مشورہ دینے والا خود کافر ہو جاتا ہے }	۲۴۸	{ عیسائیوں کا ایمان کی تعریف پر اعتراض اور اس کا جواب }
۲۶۰	رضا بالکفر کفر ہے	۲۴۹	{ کفار کو جہنم میں داخل کیے جانے پر اعتراض کا جواب }
۲۶۰	رضا بکفر الغیر کفر ہے یا نہیں ؟	۲۵۰	قرآن سے جماع کیا ہوگا، کہنے سے لزوم کفر کا حکم }
۲۶۱	{ اللہ تعالیٰ کی طرف کسی کے کفر پر راضی ہونے کی نسبت کرنے کا حکم }	۲۵۰	داڑھی کی توہین کرنے والا کافر ہے
۲۶۲	اللہ تعالیٰ کی طرف عجز کی نسبت کرنے کا حکم	۲۵۱	اذان اور مٹوذن کی توہین کر نیوالے کا حکم
۲۶۲	حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرف زنا کی نسبت کرنے والے کا حکم }	۲۵۱	{ تیرے سبق پر آسمانی بجلی گرے، کہنے کی شرعی حیثیت }
۲۶۳	{ اللہ تعالیٰ کی بعض افعال میں حکمت سے انکار کرنے والے کا حکم }	۲۵۲	فقہ اور اجتہاد کا حکم
۲۶۴	ارتداد سے نکاح فوطاً ختم ہو جاتا ہے	۲۵۲	جنت غیب کا علم نہیں جانتے
۲۶۵	آسمان کے وجود سے انکار	۲۵۳	حالتِ نزع میں ایمان لانے کی شرعی حیثیت

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۱۰	قیامت کے دن تو تیار ہونے کا بھی حساب کتاب ہوگا	۲۶۸	قرآن کریم کی بے ادبی کرنیوالے کا شرعی حکم
۳۱۱	آسمان اور چاند کی تحقیق		ڈارون کا نظریہ ارتقاء اور
۳۱۳	خلائی سفر کی شرعی حیثیت	۲۶۸	اسلامی نقطہ نظر
	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کے	۲۷۱	زینچا کو زانیہ وغیرہ کہنا
۳۱۶	بارے میں ایک استفسار کا جواب	۲۷۱	عبادت راتہ وغنی کلمہ کفر نہیں
	کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بت خانوں	۲۷۲	اللہ تعالیٰ کیلئے لفظ خدا استعمال کرنے کا حکم
۳۱۸	میں جا کر تبلیغ کرنے کا حکم ہوا تھا؟	۲۷۲	دارھی کو بکری کی دم کہنے والے کا حکم
	جدید سائنسی تحقیق انسانی کوننگ	۲۷۳	کسی بھی نبی کی اشارۃً یعنی فرضی
۳۲۳	کی شرعی حیثیت		کہانی سے توہین کرنا کفر ہے
	چاند تک انسان کی سائی اور اسلام	۲۷۵	نماز کو گدھ اور کتے پڑھتے
۳۳۰	کائنات پر انسان کی فضیلت	۲۷۶	ہیں، کہتے کا حکم
۳۳۱	اس فضیلت کی وجہ بار امانت کا اٹھانا ہے		نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی
۳۳۱	انسان کی فطرت میں محبت ہے	۲۸۷	نبی علیہ السلام کی توہین کرنے کی سزا
۳۳۲	کائنات میں تصرف کی راہنمائی انبیاء نے فرمائی		آدھا کلمہ پڑھنے پر دم نکل جائے تو
۳۳۲	علوم کا ظہور اور تکمیل حضور	۲۸۸	مسئلہ تقدیر کے بارے
	کی ذات اقدس پر ہوئی	۳۰۰	میں ایک استفسار
۳۳۳	امت دعوت و امت اجابت		ایمان میں کمی بیشی کا مسئلہ
۳۳۴	اصل علوم علوم نبوت تھے	۳۰۲	اور اس کی تحقیق
	جو مسلمانوں کو ملے	۳۰۳	ایمانی کا ایمان جبرئیل کا مطلب
۳۳۴	مادی اور روحانی علوم کا پورا		ظہور امام مہدی اور نزول
	ظہور حضور کے بعد ہوا	۳۰۴	عیسیٰ کے بارے میں فتویٰ
۳۳۴	خلائی پرواز اور اسلامی تعلیمات	۳۰۵	حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان
		۳۰۸	لانے والے لوگ مسلمان تھے
			کیا قاتل ہمیشہ جہنم میں رہے گا؟

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۳۲	وحی اور اسلام کے	۳۳۴	قرآن کریم میں تیز رفتار
۳۳۲	دیگر دعویٰوں کی تائید		سویوں کی طرف اشارہ
۳۳۲	معجزہ امکان کی دلیل ہے	۳۳۵	خلائی تسخیر خالص تمدنی اور
۳۳۲	قرآن کریم کا بنیادی مقصد		سائنسی مسئلہ ہے
۳۳۳	قرآن کریم میں علوم	۳۳۵	قرآن مجید اور لامحدود پرواز
	کالا تنہا ہی ذخیرہ	۳۳۶	خلائی پرواز مدار شرافت نہیں
		۳۳۶	جہات کی آسمانوں تک رسائی
۳۳۴	اسلام اور عہد حاضر کے	۳۳۷	اسلام میں ستاروں تک رسائی کیلئے
	سائنسی کارنامے		آسمانوں سے گزرتے کاہیں ذکر نہیں
		۳۳۷	سائنس کے متضاد نظریات اور اسلام
۳۳۴	اکتشافات کا عہد		موجودہ ترقیات کا اثر باطل مذاہب
۳۳۵	مذہب اور سائنس کے حدود کار	۳۳۸	اور فلسفہ پر پڑتا ہے
۳۳۵	فطرتی جتنس	۳۳۸	تمام ستارے آسمان کے نیچے ہیں
۳۳۷	سائنس کی درماندگی اور سائنسدانوں کا اعتراف	۳۳۹	کُلُّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُون کی تفسیر
۳۳۷	کائنات کی حقیقت اور سائنسدانوں کا اعتراف عجز		اسلام کی غیبی تائید
۳۳۹	اقليم مذہب کی حدود اور وسعتیں	۳۳۹	سائنس سے ہو رہی ہے
۳۴۰	تسخیر کائنات میں مذہب کی راہنمائی	۳۴۰	قیامت اور معراج کی تائید
۳۴۱	بہت سے دعویٰوں کی تائید و توثیق	۳۴۰	رفع مسیح کی تائید
۳۴۱	رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور	۳۴۱	آدم علیہ السلام کا نزول
۳۴۱	عروج و پرواز کی مندرجہ		تمام مسلمان ساتویں آسمان
۳۴۲	تسخیر مخلوقات معرفت خالق کا ذریعہ		سے بھی اوپر جائیں گے
۳۴۳	تسخیر و اکتشافات اور قرآن	۳۴۱	کون سا مسئلہ حل ہوا
۳۴۵	نعمتِ تسخیر کا حق اور تقاضا		سائنس سے باطل مذاہب
۳۴۶	چاند تک رسائی اور اسلام کا موقف	۳۴۱	ہی متاثر ہوں گے

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۳۶	انگریز کی مدح سرائیاں	۲۰۳	مولانا پنج پیر اور ان کے پیکاروں کو کافر کہنا صحیح نہیں
۲۳۷	معاشرتی تعلقات سے ممانعت	۲۰۴	مودودی اور ان کے ہنجیالوں کے جدت پسند نظریات
۲۳۸	لاہوری فرقہ کی منافقت	۲۰۸	قادیانیوں کے ساتھ مسلمانوں جیسے تعلقات قائم کرنا ناجائز ہے
۲۳۹	اسلام کے نام پر اسلام دشمنی	۲۰۹	علامہ عنایت اللہ مشرقی کے بارے میں ایک استفسار کا جواب
۲۳۹	اسرائیل سے تعلقات	۲۱۱	مودودی صاحب عقائد کے بارے میں ایک استفسار کا جواب
۲۳۹	قومی اسمبلی کا متفقہ فیصلہ	۲۱۳	یہود کا ذکر قرآن میں
۲۴۰	اللہ تعالیٰ کی مدد	۲۲۴	قومی اسمبلی کا تاریخی فیصلہ سفارشات اور آئین میں ترامیم کا بل
۲۴۲	مسلمانوں کی فتح مبین	۲۲۹	قادیانیوں کے بارے میں صدارتی آرڈی سنس کا مکمل متن
۲۴۸	قادیانیت کے بارے میں قومی اسمبلی کا متفقہ فیصلہ اس کے دیلی تقاضے	۲۳۲	قاویانی مسئلہ میں مسلمانوں کی فتح مبین
۲۴۸	ایشیخ محمد صالح الفوزان	۲۳۲	قصر نبوت کی حفاظت
۲۴۹	مولانا مفتی محمود	۲۳۳	ختم نبوت
۲۵۲	علامہ ظفر احمد عثمانی	۲۳۳	متنبی کذاب اور توہین انبیاء
۲۵۲	مولانا مفتی محمد شقیع	۲۳۴	مسلمانوں کی تکفیر
۲۵۵	علامہ شمس الحق افغانی	۲۳۴	نسخ جہاد
۲۵۶	مولانا قاری محمد طیب قاسمی	۲۳۵	انگریز کی اطاعت
۲۵۷	مولانا مہیا عزیز گل	۲۳۵	ملک اور قوم سے غداری
۲۵۷	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۲۳۶	قومی اسمبلی میں اتمامِ حجت
۲۵۸	اکابر اساتذہ دارالعلوم دیوبند		
۲۶۰	مولانا سید ازہر شاہ قیصر		
۲۶۱	مولانا سید محمد یوسف بنوری		

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۰۶	عبادات	۴۶۲	مولانا غلام غوث ہزارویؒ
۵۰۶	معاشرتی معاملات	۴۶۳	مولانا ابو الاعلیٰ مودودیؒ
۵۰۷	اسلامی اصطلاحات اور شعائر کا استعمال	۴۶۶	مولانا محمد الحق سندیلوی
۵۰۸	مسلمان اور کلمہ کو ہونے کی حقیقت	۴۶۸	مولانا محمد اشرف صاحب
۵۱۰	امتیں انبیاء سے بنتی ہیں	۴۷۶	مولانا قاضی عبدالکریم کلاچویؒ
۵۱۳	قادیانیت اور مکہ معظمہ کی اجتماعی قرارداد	۴۷۹	مولانا امین احسن اصلاحیؒ
۵۲۰	بہائیت	۴۷۹	مولانا محمد طاسینؒ
۵۲۰	غیر اسلامی صیہونی فرقہ	۴۸۱	مولانا عبدالحلیم زروبوئیؒ
۵۲۱	مذہب سے زیادہ صیہونی سیاسی جماعت	۴۸۳	مولانا مفتی محمد فرید زروبوئی
۵۲۱	بہائیت کا سرچشمہ اور مقاصد	۴۸۳	مولانا عبید اللہ انورؒ
۵۲۲	استعماری مقاصد کا آلہ کار	۴۸۶	مولانا منظور احمد چنیوٹی
۵۲۲	اسلامی حکومتوں کا فرض	۴۸۷	مولانا نظیر احمد انصاری
۵۲۳	فری یسن روٹری اور لائزنگ	۴۸۷	شاعر اسلام ابوالاثر حفیظ جالندھریؒ
۵۲۳	فتنہ رقص و انکار صحابہؓ	۴۸۹	مولانا ماہر القادریؒ
۵۲۳	تعبیل صحابہ مدارین ہے	۴۹۰	مولانا عبدالقدوس ہاشمی
۵۲۵	عظمت صحابہؓ اور شان عدالت پر حملے	۴۹۱	ڈاکٹر محمد حمید اللہ پیرس
۵۲۷	دفاع صحابہؓ اور ہمارا فرض	۴۹۲	ڈاکٹر صغیر حسن معصومی
۵۲۷	دفاع صحابہؓ مسلمانوں کا فریضہ ہے	۴۹۳	ڈاکٹر سید عبداللہ
۵۲۸	اہل الحاد و فتن کی سینہ زوری	۴۹۶	مولانا محمد شریف جالندھریؒ
۵۲۹	نبوت کا ذیہ کا پرچار	۴۹۷	مولانا محمد عبدالحلیم کانپوری
۵۲۹	شیعہ معتقدات کا فروغ	۴۹۹	محترم زید اے سلمہری
۵۳۰	سرکاری نصاب سے خلافت راشدہ کا اخراج	۵۰۲	مطالبہ اقلیت کا ایک سری جائزہ
		۵۰۳	دین و دنیا کے ہر شعبے میں علیحدہ امت ہو سکے کا اعلان

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۳۵	فتنہ انکار حدیث	۵۳۰	سُنی کنونشن
۵۳۵	منکرین حدیث کی بے جا وکالت	۵۳۱	سُنی سوادِ اعظم پر صریح زیادتی
۵۳۸	فتنہ انکار حدیث	۵۳۲	اختلافی معتقدات پر {
۵۳۸	فتنہ انتشار		یعنی کلمہ اسلام
۵۵۰	{ انکار حدیث اور انکار ختم نبوت	۵۳۵	متحدین اور منکرین حدیث کا جاہلانہ
۵۵۲	میں باہمی مماثلت		تصورِ بقوت
	رسول کا شرعی منصب	۵۳۵	منصب رسالت
۵۵۷	اکبردی کریٹک ناؤن اسلام	۵۳۶	{ سنت رسول اور متشرعین اور
۵۵۷	دین کی غربت کا عبرتناک زمانہ		تجدد زدہ طبقہ
۵۵۸	بے دینوں کے بے دین ترجمان	۵۳۷	{ سنت اور حدیث کے بارہ
۵۵۹	منصب اجتہاد		میں متناقضہ کردار
۵۶۰	سلف کی بے حرمتی	۵۳۸	نظریہ سنت جاریہ و غیر جاریہ
۵۶۰	صحابہ کرام کی بے وقعتی	۵۳۹	پر دینی نظریہ سے مہلک
۵۶۰	شان رسالت پر دست درازی	۵۳۹	آزاد اجماع اور شخصی رائے
۵۶۱	دین خدا کے نام پر دین سے مذاق		عوام کو فیصلہ کرنے کا حق
۵۶۱	نبوت اور اخبارِ ریب	۵۴۰	جمہوریت کے نام پر ایسا کہ قریب
۵۶۲	شان رسالت میں بے حیثی	۵۴۱	{ بارہ میں صدایوب خان کے غلط خیالات
۵۶۲	اکبر منصب رسالت پر		ملائییت، پاپائییت نہیں
۵۶۳	اسلامی مشاورتی کونسل اور تحقیقاتی ادارے	۵۴۱	{ جمہور کی رائے اور جمہوریت
۵۶۳	تاریخ کی تطہیر	۵۴۱	کی کہاں تک اہمیت ہے
۵۶۳	اکبر کی رواداری کا نتیجہ	۵۴۲	اجارہ داری نہیں مگر اہلیت شرط ہے
۵۶۵	فرنگی ثقافت اور کلچرل	۵۴۳	اجتہاد اور اجماع
			خلاصہ بحث

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۷۷	آوازِ تجدید با تقلیدِ فرنگ	۵۶۵	سیاست یا الحاد
۵۷۷	علماء اور مسلمانوں کی تشویش	۵۶۶	ملتِ جدیدہ یا ماڈرن اسلام
۵۷۸	عصرِ حاضر کے تقاضے اور اسلام	۵۶۶	حلفِ وفاداری
۵۷۸	مغربی برائیوں کو عصرِ حاضر کا	۵۶۶	تمغے
۵۷۸	تقاضا نہیں کہا جاسکتا	۵۶۷	اکبری عقائد و عبادات
۵۷۹	اسلام کا جمود و تصلب	۵۶۹	دیگر اصلاحات
۵۷۹	تحقیق و ریسرچ کا اصل ہدف	۵۷۳	شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا تبصرہ
۵۸۱	ہمارے خدشات کی تائید	۵۷۳	اکبر کا آئیڈیل پیش کرنے والے
۵۸۲	ڈاکٹر فضل الرحمن کے بعض ملحدانہ خیالات		
۳۸۵	ماڈرن ازم یا باطنیت کا نیاروپ	۵۷۵	تجدد و اصلاح کے نعروں کے اصل حقیقت
۵۸۶	قرآنی اصطلاحات کی نئی لغت	۵۷۵	عالم اسلام میں قدیم و جدید کا معرکہ
۵۸۶	باطنیت کی تجدید	۵۷۶	مغرب کے بارہ میں معتدلانہ راستہ
	✧	۵۷۶	تجدد و اصلاح کے علمبرداروں کے اصل عزائم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

(۱)

فضيلة الشيخ، مفكر اسلام، قائد ملت اسلامية حضرت العلامة مولانا سميع الحق صاحب مدظلہ العالی

الحمد للحمزة الجليلة والصلوة والسلام على خاتم الرسالة، أما بعد !
دنیا بھر میں جتنے بھی علوم رائج ہیں لوگ ان کی تحصیل میں ہمہ وقت مصروف و مشغول رہتے ہیں، اس کے حصول کے لیے جان، مال اور وقت خرچ کرتے ہیں، اس کے لیے بڑی بڑی یونیورسٹیاں، مدارس، سکول اور کالج وغیرہ بنائے جاتے ہیں جن پر حکومت اور عوام کی ایک خطیر رقم صرف ہوتی ہے۔ ان اداروں میں پڑھائے جانے والے علوم کی تین قسمیں ہیں :-

۱) **علوم عقلیہ** | اس قسم کے علوم صرف عقل سے متعلق ہوتے ہیں نقل کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا، اس کا سارا دار و مدار عقل ہی پر ہوتا ہے جیسے علم ریاضی، علم نجوم وغیرہ۔
ان علوم میں بعض محض کذب اور جھوٹ پر مبنی ہوتے ہیں، سچائی کا ان میں شائبہ تک نہیں ہوتا مثلاً سحر، جادو وغیرہ۔ اس لیے ایسے علوم کا حصول شرعاً ناجائز اور حرام ہے، جبکہ بعض علوم سچائی پر مبنی ہوتے ہیں مگر ان کے حصول کا کوئی نفع نہیں ہوتا، اس میں صرف وقت کا ضیاع ہوتا ہے، نہ اخروی فائدہ ہوتا ہے اور نہ دنیاوی فائدہ، اور لایعنی علوم کا حصول شریعت میں ممنوع ہے، البتہ جن علوم کے ساتھ کوئی دینی یا دنیاوی منفعت وابستہ ہو تو ان کا حصول مطلوب ہے۔

۲) **علوم نقلیہ محض** | ان علوم کا تعلق محض نقل سے ہوتا ہے، عقل کی اس میں کوئی گنجائش نہیں ہوتی، نصوص اور روایات سے وہ علوم ہم تک پہنچے ہیں، جیسے احادیث مبارکہ اور تفاسیر آیات قرآنی۔ ان علوم کے لیے راوی کی ثقاہت، روایت اور حافظہ کی قوت ہی

کافی ہوتی ہے، اس میں غور کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہو، ان علوم کا حصول دینی فریضہ ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :-

نَصْرَ اللَّهِ أَمْرٌ سَمِعَ مَعَالَتِي
فَوَعَا هَاتَمٌ أَدَاَهَا كَمَا سَمِعَهَا۔
اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے
میری کوئی بات سنی پھر اس کو محفوظ رکھا اور
دوسروں کو اسی طرح سنایا جیسا کہ اس نے
سناتھا۔

ان علوم کے ماہرین کو محدثین و مفسرین کہا جاتا ہے۔

(۳) مجموعہ علوم عقلیہ و نقلیہ | ان علوم کا تعلق نہ عقل سے ہوتا ہے اور نہ نقل سے بلکہ
دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں، ان کو اشرف العلوم کہا

جاتا ہے، اس میں علم الفقہ اور علم اصول فقہ شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان علوم کے حاملین کی
تعریف ان الفاظ میں کی ہے :-

وَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ طَائِفَةٌ
لَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلَيُنَذِرُوا قَوْمَهُمْ
إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ۔ (سورۃ التوبہ)
ہر قوم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو دین
کی سمجھ حاصل کرے اور اپنی قوم کو ڈرائے جب
ان کی طرف واپس آجائے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :-

مَنْ يَرْحَلْهُ بِهِ خَيْرٌ أَيْفَقَهُهُ فِي
الدِّينِ (الحديث)
جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا
ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے۔

ان علوم کے ماہرین کو فقہاء کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی احکام و مسائل کے
جاننے اور سمجھنے کے لیے ایسے لوگوں سے پوچھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا :-

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ
لَا تَعْلَمُونَ۔ (سورۃ النحل آیت ۴۳)
پس اہل ذکر سے پوچھو اگر تم نہیں
جانتے۔

باجماع مفسرین اہل ذکر سے مراد علماء و فقہاء امت ہیں جو دین کے احکام و مسائل کا
علم رکھتے ہوں، اور جب یہ حضرات مسئلہ کا حل بیان کریں تو ان کی اطاعت شرعاً مطلوب ہے،
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ
| اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور

وَاطِيعُوا لِلرُّسُولِ وَآوِيَا الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔ (سورة النساء ۵۹) | اس کے رسول اور اپنے ارباب اختیار کی اطاعت کرو۔

فقہ کا لغوی معنی | فقہ کا لغوی معنی ہے کسی شے کو کھولنا، اس کو واضح کرنا اور کسی چیز کو جاننا، اسی سے فقہ ہے، فقہ اُس عالم دین کو کہا جاتا ہے جو شرعی احکامات کو کھول دے، اس کو واضح کر دے اور اس کے حقائق کا سراغ لگائے، اسی طرح مسائل کی پیچیدگیاں دور کرے اور انہیں سلجھائے۔ لفظ فقہ اگرچہ مطلق جانتے اور کھولنے کے معنی میں آتا ہے مگر اب یہ لفظ علم شریعت کے ساتھ مختص ہو گیا ہے۔

فقہ کی اصطلاحی تعریف | فقہ کی اصطلاحی تعریف مختلف ادوار میں مختلف رہی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عہدِ اولیٰ میں فقہ کا لفظی مفہوم خاص صنفِ محدونہ تھا، جیسا کہ آجکل محض نکاح و طلاق اور بیع و میراث کی تفصیلات جانتے کو فقہ کہا جاتا ہے، بلکہ اُس وقت راہِ آخرت کے علم، آفاتِ نفسانی، اعمال کی خرابیوں کے اسباب اور ان کی وجوہات کو جاننے اور معلوم کرنے، دنیا کو حقیر اور آخرت کو بڑی شے سمجھنے، خوفِ خدا کا دل پر غالب آنے کا نام فقہ تھا۔ (احیاء العلوم الدین للغزالی ج ۱ ص ۲۲ بیان مابذل من الفاظ العلوم) اس لیے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فقہ کی تعریف یوں کی ہے۔

هو معرفة النفس مالها وما عليها۔ (التوضیح والتلویح ج ۱ ص ۱) اسی طرح بہت جامع تعریف ان الفاظ میں بھی کی گئی ہے کہ الفقہ فہم غرض المتکلم یعنی متکلم کے کلام کے مقصد کو سمجھنا اور اس کی تہہ تک پہنچنا۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ سے فقہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ فقہ کسے کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا۔

انما الفقہ المعرض من الدنيا، الزاهد في الآخرة، البصير بعيوب نفسه۔ (الدر المختار علی صدد المختار ج ۱ ص ۳۷) بیشک فقہ وہ شخص ہے جو دنیا سے بیزار ہو، آخرت کی رغبت رکھتا ہو اور اپنے عیوب پر گہری نگاہ رکھنے والا ہو۔

فقہ کی یہ تعریف علمِ تقاضد، تصوف، آدابِ معاشرت اور مروجہ علمِ فقہ سب کو شامل ہے۔

متاخرین کی تعریف | مگر مروجہ زمانہ کے ساتھ ساتھ فتنوں کے پیدا ہونے کی وجہ سے علمِ عقائد اور علمِ تصوف نے الگ الگ علم کی شکل اختیار کر لی تو فقہ کا محور بھی

کچھ محدود ہو گیا، اس لیے متاخرین نے اس علم کی مختلف تعریفات کی ہیں مگر مشہور و معروف تعریف جو ہے وہ یہ ہے کہ :-

العلم بالاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ المكتسب
من ادلتها التفصیلة (الدر المختار علی صدد المحتاج ۱)

فقہ اُن فروعی احکامات کے جاننے کا نام ہے جو اولہ تفصیلی سے مستنبط ہوں۔

احکام شرعی کی قسمیں | اسلامی احکامات کی دو قسمیں ہیں :-

(۱) اعتقادی: جو عقیدے سے متعلق ہوں، ای احکام کو اصلی بھی کہا جاتا ہے۔ (۲) عملی: ان احکامات کا تعلق صرف عمل سے ہوتا ہے، ان کو احکام فروعی اور عملی بھی کہا جاتا ہے۔ متاخرین کی تعریف میں الاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ کی قید سے اعتقادی احکامات خارج ہو گئے، اس لیے احکام اعتقادی سے بحث علم الکلام میں ہوتی ہے جو کہ ایک مستقل علم ہے۔

علم فقہ کا حکم | ہر مسلمان پر اتنی معلومات کا حصول فرض عین ہے جن کی طرف دین میں احتیاج پایا جاتا ہو، بغیر اس کے کوئی شخص شریعت کے مطابق کام نہیں کر سکتا، اور ضرورت سے زیادہ علم حاصل کرنا تاکہ لوگ محرمات اور منہیات سے بچ جائیں، فرض کفایہ ہے۔ اور اس میں تبحر حاصل کرنا اور جمیع انواع طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح، طلاق اور عتاق کا حصول مستحب اور مندوب ہے۔ اس کے علاوہ جن اشخاص کا جن جن شعبوں سے تعلق ہے یہ چاہے تجارت ہو یا نوکری، ملازمت، ان کے مسائل کو حاصل کرنا اور ان کا جاننا بھی ضروری ہے تاکہ محرمات میں ملوث ہونے سے بچ جائے۔

فقہ کی تدوین | صحابہ کرامؓ کے آخری دور تک اسلام دنیا کے کونے کونے میں پھیل چکا تھا اور ہر جگہ اسلام کا بول بالا تھا، لوگ اپنے مسائل کا حل حضرات صحابہ کرامؓ سے پوچھتے تھے، ان میں جو حضرات منصب اجتہاد پر فائز تھے وہ لوگوں کو ان کے مسائل کا حل بتلاتے تھے۔ ایسے ہی یہ سلسلہ چلتا رہا، جب صحابہ کرامؓ کا دور ختم ہوا تو اس عظیم منصب کو ان کے اجلہ تلامذہ حضرات تابعین نے سنبھال لیا، اُس وقت سات مقامات پر بڑے بڑے دارالافتاء موجود تھے۔ (۱) مدینہ منورہ (۲) مکہ معظمہ (۳) کوفہ (۴) بصرہ (۵) شام (۶) مصر (۷) یمن — ان سات مقامات میں مسائل کا حل نکلتا تھا اور لوگ اس پر عمل کرتے تھے۔

مگر ان ساتوں مقامات میں سے کوفہ ایک الگ خصوصیت کا حامل تھا، یہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دوسرے اجلہ صحابہ کرامؓ کے تلامذہ موجود تھے۔ وہ علم فقہ و حدیث کا مرکز تھا۔ دنیا کے

اطراف دانات سے لوگ علم فقہ و حدیث کے حصول کے لیے آتے تھے اور یہاں سے اپنی علمی تشنگی دور کر کے اپنے علاقوں میں اشاعت دین کے لیے واپس چلے جاتے تھے۔
 امام ابو حنیفہؒ بھی اسی عظیم درس گاہ کے ایک ممتاز اور ذہین و فہیم طالب علم تھے۔ ۱۲۰ھ کو جب مشہور فقیہ و محدث امام حماد بن ابی سلیمانؒ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے تو آپ کے جانشین کے لیے امام ابو حنیفہؒ کا انتخاب کیا گیا اور آپ اس منصب پر فائز ہو کر یہاں کے استاد اور مفتی مقرر ہوئے۔

علامہ خوارزمیؒ نے لکھا ہے کہ امام صاحبؒ سے پہلے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ نے علم فقہ کے ابواب و مسائل پر مشتمل کوئی تصنیف نہیں کی تھی، ان کو اپنی یادداشت پر اعتماد تھا، لیکن امام ابو حنیفہؒ نے متاخرین کے سوء حفظ کے پیش نظر یہ ضرورت محسوس کی کہ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کی وجہ سے مسائل فقہ کو مدون و مرتب کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کا دنیا کی دیگر اقوام اور مذاہب کے ساتھ واسطہ پڑتا تھا جہاں مختلف قسم کے رواج جڑ بکڑ چکے تھے، مختلف قسم کے فتنے پیدا ہو چکے تھے، وضع حدیث کا فتنہ بھی سراٹھایا چکا تھا اور عالم میں بہت تغیر و تبدل پیدا ہو چکا تھا جس کو روکنا آسان کام نہ تھا، اہل علم حضرات رفتہ رفتہ دنیا سے جا رہے تھے اور لوگ زوال کی طرف گامزن تھے، انہیں احساس ہوا کہ اگر اس علم کو ایک جگہ جمع نہ کیا گیا تو ضائع ہو جائے گا، علم و فضل کے جو مینار اس وقت حیات ہیں ان کے علم و فراست سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے ورنہ آئندہ اس بارگراں کو اٹھانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

تدوین فقہ کے لیے کمیٹی کا قیام | اس کام کے لیے امام ابو حنیفہؒ نے اپنے ہزاروں تلامذہ میں سے چالیس وہ حضرات جو علم و فضل، فہم و فراست، زہد و تقویٰ اور زکاوت میں اپنی مثال آپ تھے، کا انتخاب کیا اور ایک کمیٹی تشکیل دی، اس کمیٹی کے صدر خود امام ابو حنیفہؒ تھے، اس کمیٹی میں ہر علم و فن کے ماہرین حضرات شامل تھے اور اپنی علمی مہارت کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ، خدا ترسی اور فرض شناسی جیسے عمدہ اوصاف کے ساتھ متصف تھے، اس کمیٹی کے جملہ ممبران درجہ اجتہاد پر فائز تھے، کمیٹی کے سامنے پیش ہونے والے ہر مسئلہ پر پوری آزادی اور شرح و بسط کے ساتھ بحث ہوتی تھی اور ہر ایک کو اپنی بساط کے مطابق اپنی رائے پر دلائل پیش کرنے کا پورا اختیار حاصل تھا۔ ان حضرات کے علاوہ بھی دوسرے محدثین اور فقہاء، اکثر اوقات ان حدیثی اور فقہی ابحاث کو سنتے تھے، ان کو بھی

اپنے اپنے علم و صوابدید کے مطابق کہنے اور سننے کا برابر حق دیا جاتا تھا۔ اس سب کچھ کے باوجود پھر بھی اس چالیس رکنی کمیٹی میں دس افراد کا ایک الگ خصوصی نیچے قائم تھا جس میں امام ابو یوسفؒ، امام زفرؒ، امام محمد بن حسن الشیبانیؒ، امام عبداللہ بن مبارکؒ، عافہ ازدیؒ، قاسم بن معنؒ، اسد بن عمروؒ اور خود امام اعظم ابو حنیفہؒ شامل تھے۔

طریقہ استدلال | علامہ ابن حجر مکیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے طریقہ استدلال و استنباط کے بارے میں لکھا ہے۔

انه اولاً يأخذ بما في القرآن فان لم يجد
فبالسنة فان لم يجد فبقول الصحابة
فان اختلفوا اخذ بما كان اقرب
الى القرآن والسنة من اقوالهم ولم
يخرج عنهم فان لم يجد لاحد منهم
قولاً ولم يأخذ بقول احد من
التابعين بل يجتهد كما اجتهدوا۔
راحيات الحسان ۶۹ الفصل
الحادي عشر

بیشک اولاً آپ قرآن کریم سے استدلال کرتے تھے اگر قرآن میں نہ پاتے تو سنت رسولؐ کو کو لیتے تھے، اور اگر وہاں بھی نہ پاتے تو پھر قول صحابہؓ کو لیتے تھے اور اگر ان میں اختلاف ہوتا تو ان حضرات کے اقوال میں جس کا قول قرآن و سنت کے زیادہ قریب ہوتا اس کو لیتے اور ان کی مخالفت نہ کرتے تھے، اور اگر ان میں سے کسی کا بھی قول مروی نہ ہوتا تو تابعین میں سے کسی کے قول کو نہیں لیتے تھے بلکہ اسی طرح اجتہاد کرتے جیسا کہ تابعین نے اجتہاد کیا تھا۔

مسائل کے استنباط میں رائے اور قیاس پر ضعیف حدیث کو بھی ترجیح دیتے تھے اور کبھی رائے و

ضعیف حدیث کی قیاس پر تقدیم

قیاس کو کسی ضعیف حدیث پر بھی مقدم نہیں کیا، علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:-

اصحاب ابی حنیفہؒ مجموعہ علی ان مذہب
ابی حنیفہؒ ان ضعیف الحدیث اولى عند
من القياس والرائي۔

ابو حنیفہؒ کے اصحاب کا اس پر اجماع ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث ان کے نزدیک قیاس اور رائے سے بہتر ہے۔

راعلام الموقعین ج ۱ ص ۸۷

طریقہ تدوین | چونکہ امام ابو حنیفہؒ نے اس کمیٹی کے ہر ممبر کو یہ اختیار دے رکھا تھا کہ وہ آزادانہ طور پر اپنا موقف پیش کرے اور احادیث و آثار الصحابہؓ، اجماع

اور قیاس کی روشنی میں آزادی کے ساتھ گفتگو کرے۔ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ میں نے خود ان کو یہ اختیار دے رکھا ہے اور ان کو اس امر کا عادی بنا دیا ہے کہ وہ کسی سے مرعوب نہ ہوں اور ایک دوسرے کے دلائل حتیٰ کہ میرے دلائل پر بھی نکتہ چینی کر سکیں تاکہ بات بالکل واضح اور صاف و شفاف ہو کر سامنے آئے۔ بحث و تمحیص کے بعد جب کسی مسئلہ پر سب کا اتفاق ہو جاتا تو پھر اس کو لکھنے کا حکم فرماتے۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں :-

امام ابو جعفر الشیرازی شقیق البلخیؒ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہؒ لوگوں میں سب سے زیادہ پرہیزگار، عباد گزار، زیادہ کریم النفس اور دین کے بارے میں سب سے زیادہ احتیاط کرنے والے اور دین کے باب میں ذاتی رائے زیادہ استعمال کرنے میں لوگوں سے کوسوں دور تھے، آپؒ اُس وقت تک کسی مسئلہ کو حتمی شکل نہیں دیتے تھے جب تک آپؒ کے تمام اہل مجلس متفق نہ ہو جاتے اور جب سب کا اتفاق ہو جاتا تو امام ابو یوسفؒ یا کسی اور کو فرماتے کہ اس مسئلہ کو فلاں باب میں رکھ دو۔

روى الامام ابو جعفر الشيرازي عن شقيق البلخي انه يقول كان الامام ابو حنيفة من اروع الناس واعبد الناس واكرم الناس واكثرهم احتياطاً في الدين وابعدهم عن القول بالرأي في دين الله عز وجل كان لا يصنع مسألة في العلم حتى يجمع اصحابه عليها ويعقد عليها مجلساً فاذا اتفق اصحابه كلهم على موافقتها للشرعية قال لا ييوسف او غيره صنعها في الباب الفلاني -

(رد المحتار ج ۱ ص ۶۲)

اسی طرح بعض مسائل پر کئی کئی دن بحث ہو کر تھی تھی اس کے بعد کہیں جا کر وہ مسئلہ جبر میں

لکھا جاتا تھا، علامہ کوثریؒ فرماتے ہیں :-

اسد بن عمرو فرماتے ہیں کہ کمیٹی کے ممبر امام صاحبؒ کے سامنے کسی مسئلہ کے جواب میں اختلاف کرتے تھے، کوئی ایک جواب لاتا تو دوسرا کوئی اور جواب لاتا، پھر اس مسئلہ کو امام صاحبؒ کی خدمت میں پیش کرنے اور آپؒ سے اس کے بارے میں دریافت کرتے تو آپؒ تحقیقی جواب تحریر فرماتے، پھر آخر میں اس کو جبر میں لکھا جاتا۔

قال اسد بن عمرو كانوا يختلفون عند ابي حنيفة في جواب المسئلة فيأتي هذا الجواب وهذا الجواب ثم يرفعونها اليه ويستلونہ عنها فيأتي بجواب من كتب اى من قرب وكانوا يقيمون في المسئلة ثلاثة ايام ثم يكتبونها في

اس طرح ایک ایک مسئلہ پر تین تین دن بحث و
تحقیق ہوتی تھی۔

الديوان - مقدمه نصب الراية ج ۱ ص ۳۸

بلکہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

جب کوئی واقعہ پیش آتا تو امام ابو حنیفہؒ اپنی
کیٹی کے تمام ارکان سے مشورہ کرتے، ان سے
بحث و مباحثہ اور تبادلہ خیالات کرتے، پہلے
ان سے فرماتے کہ ان کے پاس احادیث اور
اقوال صحابہؓ کا جو کچھ ذخیرہ ہے وہ پیش کریں پھر
اپنا ذخیرہ دلائل سامنے رکھتے، اس کے بعد پھر
ایک ماہ یا اس سے زیادہ اس مسئلہ پر بحث کرتے
تا آنکہ آخری بات طے پا جاتی اور امام ابو یوسفؒ
اسے قلم بند کرتے۔ اسی طرح شورا کی طریقہ پر سارے
امول منضبط ہوتے، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ تنہا
کوئی بات کہی ہو۔

فكان اذا وقعت واقعة شاورهم و
ناظرهم و حاورهم و سألهم فيسمع
ما عندهم من الاخبار و الآثار و
يقول ما عتده و يناظرهم شهراً او
اكثر حتى يستقر الخبر الاقوال
فيثبت ابو يوسف حتى اثبت
الاصول على هذا المنهاج شوري
لاننا تفرد بذلك -

رد المحتار ج ۱ ص ۶۲

احتیاط کا عالم یہ تھا کہ بحث کے دوران اگر کیٹی کا رکن قاضی عافیہ نہ ہوتے تو آپؒ فرماتے
کہ جب تک عافیہ نہ آجائے اس مسئلہ کو ملتوی کر دو، اُن کے آنے کے بعد جب دوسرے
ممبران سے اتفاق ہو جاتا تو آپؒ فرماتے کہ اب اس کو لکھو۔

یہ کہ فقہ حنفی صرف ایک شخص کی رائے نہیں بلکہ ان چالیس جہال العلم حضرات کی
شوری کا مرتب کردہ قانون ہے، اور جب تک کوئی مسئلہ خوب تحقیق و تفتیش
کے مراحل طے نہ کر لیتا آپؒ اس کو رجسٹر میں لکھنے سے منع کر دیتے، حتیٰ کہ ایک دن قاضی
ابو یوسفؒ سے فرمایا،

اے یعقوب! جو کچھ مجھ سے سنو اس کو فوراً مت لکھو،
اسلئے کہ میں کبھی آج کے دن ایک مسئلہ کے بارے میں ایک
رائے رکھتا ہوں اور کل اس کو ترک کرتا ہوں اور کل دوسری رائے
رکھتا ہوں اور پرسوں اس کو چھوڑتا ہوں۔

ویمك يا يعقوب لا تكتب كل ما تسمع
مني فاني قد اري الرأي اليوم و اتركه
غداً و اري الرأي غداً و اتركه في غده -
(مقدمه نصب الراية ج ۱ ص ۳۸)

کسی بھی مسئلہ پر کمیٹی کے ہر ممبر کو اپنی رائے پیش کرنے کی پوری آزادی حاصل تھی اور وہ خوشی سے اپنی اپنی آراء پیش کرتے تھے اور اس پر خوب جرح و قدح ہوتی تھی، اس کے بعد آخر میں اسے قبول کیا جاتا۔

امام ابو حنیفہؒ نے جس طرز پر تدوین فقہ کا کام کیا وہ ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جس کی نظیر غیر اسلامی تاریخوں میں بھی نہیں ملتی۔ اس طریقہ تدوین سے آپؒ نے باختلاف اقوال ساتھ ساتھ پانچ لاکھ مسائل استنباط فرمائے۔

علامہ خوارزمیؒ فرماتے ہیں کہ ان پانچ لاکھ مسائل میں اڑتیس ہزار مسائل کا تعلق عبادات سے ہے اور باقی معاملات سے متعلق ہیں۔

فقہ کے ماخذ

جیسا کہ فقہ کی تعریف میں ذکر کیا گیا ہے کہ المستنبط من الأدلة الشرعية جوادلہ شرعیہ سے ماخوذ ہو۔ یہاں ادلہ کا کسی قدر ذکر کیا جاتا ہے۔ عموماً تو احکام شرعیہ کچھ دلائل ذکر کئے جاتے ہیں اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان چاروں ماخذ میں قرآن و سنت دو بنیادی اصول ہیں اور باقی دو یعنی اجماع و قیاس ان دونوں کے تابع ہیں۔ اس لیے جو اجماع و قیاس قرآن و سنت کے معارض ہو تو وہ ناقابل اعتبار ہے۔ اس لیے کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان الاحکام تؤخذ من نص او حمل علی نص۔ (اسلامی فقہ کے اصول مکہ باب دوم) (ترجمہ) احکام شرعیہ یا تو نص سے اخذ کئے جاتے ہیں یا اس امر سے اخذ کئے جاتے ہیں جو نص پر محمول ہو۔

یہ چاروں دلائل فقہاء امت کے ہاں متفق علیہ ہیں مگر ان کے علاوہ بھی چند ماخذ ہیں۔ جو فقہاء کرام کے ہاں مختلف فیہ ہیں، بعض دلائل کو ایک فقیہ و مجتہد ماخذ کا درجہ دیتا ہے مگر دوسرا فقیہ ان کو ماخذ تسلیم نہیں کرتا۔ یہاں ان ماخذ کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

القرات الحکیم | احکام شرعیہ کا سب سے پہلا اور اصل الاصول ماخذ قرآن کریم ہے، اصول فقہ کی کتابوں میں اس کو الکتاب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور یہ قرآن کریم کا ایک نام ہے، اس کے علاوہ اور اسماء بھی ذکر کیے جاتے ہیں

جن میں مشہور ترین پانچ اسماء ہیں یعنی القرآن، الفرقان، الکتاب، الذکر، التنزیل۔
قرآن کریم میں یہ اسماء جابجا ذکر کئے گئے ہیں۔

اس کتاب میں جزئیات اور فروعات کا ذکر بہت کم ہے۔ اکثر اصول و قواعد اور کلیات کا ذکر ہے۔ علامہ شاطبی نے موافقات میں لکھا ہے:-

القرآن علی اختصارہ جامع ولا یکون
جامعاً الا والمجموع فیہ امر کلیات
لان الشرعیۃ تحت بتمام نزولہ
لقولہ الیوم اکملت لکم دینکم (الایۃ)
وانت تعلم ان الصلوۃ والزکوۃ، والجهاد
واشباہ ذلک لم یبین جمیع احکامہا فی
القرآن انما بینتہما الستۃ وكذلك
العادیات من الانکحة والعقود والقصاص
والحدود وغیرہا۔

(الموافقات ج ۳ ص ۳۶ المسئلة الخامسة)

قرآن کریم اختصار کے باوجود ایک جامع کتاب
ہے اور یہ جامعیت تب ممکن ہے جب اس میں
کلیات ذکر ہوں، اس لیے کہ شریعت مطہرہ کامل اور
مکمل ہو چکی ہے اور اس بات کی طرف اللہ تعالیٰ
نے الیوم اکملت لکم دینکم الخ آج کے دن میں
نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کیا، سے اشارہ
فرمایا ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ نماز، زکوۃ، جہاد
اور اس جیسے احکامات کی تفصیلات اور جزئیات
مثلاً اوقات صلوۃ کا قرآن میں ذکر نہیں آیا ہے
البتہ اس کو سنت نے بیان کیا، اسی طرح نکاح،
بیع و شراہ، قصاص و حدود وغیرہ جیسے معاملات

کا جزئیات کا ذکر بھی قرآن میں نہیں مگر احادیث نے ان کی تفصیلات بیان کی ہیں۔

علامہ شاطبی ایک اور مقام پر ذرا واضح اور صریح الفاظ میں لکھتے ہیں:-

قرآن میں اکثر شرعی احکامات کلی مذکور ہیں لیکن
جہاں جزئی حکم کا ذکر ہوا ہو تو کسی کلی سے اخذ کیا
گیا ہوگا۔

تعریف القرآن بالاحکام الشرعیۃ اکثر
کلی لا جزئی و حیث جاء جزئياً فیاخذہ
من کلیۃ۔ (الموافقات ج ۳ ص ۲۶)

قرآن کریم اگرچہ کسی تعارف یا تعریف کا محتاج نہیں اس لیے کہ یہ ایک بدیہی کلام ہے
مگر بعض مصلحتوں کے پیش نظر علماء اصول فقہ نے یوں تعریف کی ہے:-

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ
کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا
ہو اور مصاحف میں منقوش ہو اور ہم تک تو اتر

هو القرآن المنزل علی رسول اللہ علیہ وسلم
المکتوب فی المصاحف المنقول عنہ
نقلًا متواتراً بلا شبہ۔

(نور الانوار ص ۹۸) | کے ساتھ بلاشبہ کے منقول ہو۔

قرآن کا کتنا حصہ ماخذ ہے | قرآن اگرچہ فقہ کا ماخذ ہے مگر خصوصیت سے آیات الاحکام ماخذ ہیں جن پر متقل کتابیں لکھی گئی ہیں جس کی تائید کسی نے پانچ سو کسی نے سینکڑوں سے متجاوز ذکر کئے ہیں جو کہ فقہ کا ماخذ ہیں اور ایک فقیہ کے لیے اس پر عبور رکھنا ضروری ہے۔

مہارت کے لیے شرائط | مگر اس عبور کے لیے چند چیزوں کا علم ضروری ہے۔
(۱) ناسخ و منسوخ کا علم: یعنی اس فقیہ کو یہ معلوم ہو کہ کونسی آیت ناسخ ہے اور کون سی منسوخ۔

(۲) مجمل و مفسر کا علم: یعنی فقیہ کو یہ علم حاصل ہو کہ ان آیات میں کون سی آیت مجمل ہے اور کون سی مفسر۔

(۳) خاص و عام کا علم: ایک فقیہ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو یہ پتہ ہو کہ کونسی آیت اپنے مفہوم کے اعتبار سے خاص ہے اور کون سی عام ہے۔
(۴) محکم اور متشابہ کا علم: اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ ان آیات میں کون سی آیت متشابہ ہے اور کون سی محکم ہے۔

(۵) نوعیت کا علم: اور اس کا جاننا بھی ضروری ہے کہ ان آیات میں جو اوامر کی آیات ہیں ان میں امر کی نوعیت کیا ہے، کون سا امر وجوب کا مقتضی ہے اور کون سا فرض، مستحب، یا اباحت کا تقاضا کرتا ہے۔ اور جن آیات کا تعلق نواہی سے ہے اس میں کونسی نہی حرام کا تقاضا کرتی ہے اور کون سی کراہت تحریم یا کراہت تنزیہی کا۔

السُّنَّة | فقہ کا دوسرا ماخذ سنت ہے۔ سنت کا لغوی معنی ہے طریقہ اور عادت، عربی زبان میں یہ لفظ جب بلا کسی قید کے استعمال ہو جائے تو عمدہ طریقہ اور اچھی سیرت کے معنی میں ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:-

من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها ومن سن فی الاسلام سنة سیئة فله وزرها ووزر من عمل بها۔
| جس شخص نے اسلام میں ایک اچھی سنت جاری کی تو اس کیلئے اس کا اجر ملے گا اور جو لوگ اس پر عمل پیرا ہوں گے اس کا بھی، اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ جاری کیا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا۔

(ابن ماجہ ۱۸) | اور جو لوگ اس پر عمل کریں گے اُن کا بھی ۔
اور فقہ کی کتابوں میں سنت کا اطلاق اُس عمل پر ہوتا ہے جو فرض اور واجب نہ ہو مگر
اصطلاح میں سنت کا اطلاق وسیع پیمانہ پر ہے کہ :

السُّنَّةُ تَطْلُقُ عَلَى قَوْلِ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِعْلِهِ وَسُكُوتِهِ وَعَلَى أَقْوَالِ الصَّحَابَةِ وَأَفْعَالِهِمْ -
(نور الانوار ۱۵۱ باب اقسام السنة)

سنت کا اطلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور سکوت پر ہوتا ہے اور اسکے ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال و افعال پر بھی سنت کا اطلاق ہوتا ہے۔

سنت اور حدیث میں فرق | اس بارے میں علماء امت کے اقوال مختلف فیہ ہیں :-
(۱) فقہاء کرام کے ہاں حدیث خاص ہے، اس کا اطلاق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال مبارکہ پر ہوتا ہے، اور سنت عام ہے، اس میں قول و فعل اور تقریر وغیرہ سب شامل ہیں۔
(۲) مگر محدثین حضرات کے ہاں حدیث اور سنت دونوں مترادف ہیں۔ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں :-

المراد بالحدیث فی عرف الشریع ما اُضيف الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم -
(نزهة النظر ص ۸)

حدیث سے مراد شریع کی رُو سے وہ شے ہے جس کی اضافت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو۔

اب جس طرح اقوال کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جاتی ہے تو افعال و تقریرات اور صفات کی نسبت بھی ہوتی ہے، اس لیے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں :-
”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اقوال و افعال، تقریرات و صفات چاہے عالم بیداری میں ہوں یا عالم خواب میں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ حرکات و سکنات حدیث کہلاتی ہیں، سنت و حدیث باہمی مترادف ہیں“

(۳) جبکہ بعض حضرات کی ایک تیسری رائے بھی ہے، ان کے ہاں سنت خاص ہے اس کا اطلاق صرف اعمال پر ہوتا ہے۔ اور حدیث عام ہے جس کا اطلاق تمام امور پر ہوتا ہے۔

سنت کی حُجیت | علامہ تقی امینیؒ نے سنت کی عجیب تشریح کی ہے کہ قرآن حکیم نقشہ تعمیر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس نقشہ تعمیر کے مطابق

تیار کی ہوئی عمارت ہے۔ نقشہ (کتاب) کے ساتھ انجینیئر (رسول) بھیجنے کے اصول پر اُس وقت سے برابر عملدرآمد رہا ہے جب سے ہدایت الہی کے سلسلہ کی ابتداء ہوئی ہے۔ اسی بنا پر حالات و زمانہ کے تقاضا کی مناسبت سے عمارت کی تعمیر میں انجینیئر کی بتائی ہوئی ہدایات کو قطعاً نظر انداز کرنے سے اصل نقشہ کی مطابقت نہیں ہو سکتی۔ (فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۹۴)

تو جس طرح قرآن کریم کا ماننا اور اس کو حجت تسلیم کرنا ضروری ہے اُسی طرح سنت کو حجت ماننا بھی اشد ضروری ہے، ورنہ اصل قرآن پر عمل کرنا ممکن نہ ہوگا۔ اس لیے قرآن کریم کلیات سے بحث کرتا ہے، اس کی جزئیات اور تشریح کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے، قرآن کریم خود اس کی حجیت کا داعی ہے، مثلاً (۱)

وَالْتَجِمِ إِذَا هَوَىٰ ۖ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ
وَمَا عَاوَى ۖ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ
إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۚ
(سورة النجم آیت ۱ تا ۴)

قسم ہے ستاروں کی جب وہ غروب ہو جائیں
یہ تمہارے ساتھ رہنے والے (رسول) نہ راہِ حق
سے بھٹکے اور نہ غلط راستہ پر ہوئے، اور نہ آپ
اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بنتے ہیں، ان کا
ارشاد خالص وحی ہے۔

چاہے وہ وحی متلو (قرآن) ہو یا غیر متلو (سنت) دونوں کی وحی منزل من اللہ ہوتی ہے۔
(۲) يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ
مِنْ رَبِّكَ۔ (سورة المائدہ آیت ۱)

اے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم! جو کچھ آپ پر پروردگار
کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کیجئے۔

اس آیت میں لفظ مَا عام ہے، اس میں بھی وحی متلو اور غیر متلو دونوں شامل ہیں۔
اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقوال و افعال اور تقریرات سے قرآن کریم
کی جو بھی تبلیغ و تشریح کریں گے وہ قرآن ہی سے ماخوذ ہوگی، علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں :-

ليس في السنة الا واصله في القرات
انما هي تبين له وتفصيل -
(الموافقات ج ۴ ص ۲۱ المسئلة الثالثة)

سنت میں کوئی بھی ایسا عمل نہیں جس کی اصل
قرآن میں نہ ہو بلکہ سنت قرآن کی وضاحت
اور اس کی تفصیل ہے۔

اس کی حیثیت تفسیر و شرح جیسی ہے، شارح یا مفسر تو متن کے مراد کی وضاحت کرتا
ہے اس کے خلاف نہیں کرتا، علامہ شاطبیؒ نے لکھا ہے کہ :-

فكان السنة بمنزلة التفسير والشرح | سنت قرآن کریم کے احکام کی تفسیر اور اس کی

احکام الکتاب۔ (الموافقات ج ۱۱ المسئلة الثالثة) | شرح جلیبی ہے۔
 اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب تشریح و تفسیر عطا کرتے ہوئے
 ارشاد فرمایا۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا
 أَنْزَلَ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ
 (سورة النحل آیت ۷۶)

ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) نازل فرمایا تاکہ آپ
 واضح کر دیں لوگوں پر وہ چیز (قرآن) جو ان کی
 طرف بھیجی گئی ہے اس لیے کہ وہ اس میں غور و
 فکر کریں۔

اس آیت کریمہ کے تحت علامہ شاطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔
 فلا تجد في السنة امرًا الا والقرآن قد
 دل على معناه دلالة اجمالية وتفصيلية.
 (الموافقات ج ۲ ص ۱۲ المسئلة الثالثة)

تم سنت میں کوئی ایسا امر نہیں پاؤ گے جس پر
 قرآن کریم میں کوئی دلالت اجمالی و تفصیلی
 نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا
 الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ
 فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ
 تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ
 خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا
 (سورة النساء آیت ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے
 رسولؐ کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں
 اصحاب امر ہیں، پھر اگر تمہارے مابین کسی چیز
 (معاملہ) میں نزاع پیدا ہو جائے تو اللہ اور رسولؐ کی
 طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر
 ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

علامہ شاطبیؒ "الموافقات" میں لکھتے ہیں۔
 الرد الى الله هو الرد الى الكتاب والرد
 الى الرسول هو الرد الى سنة
 (الموافقات ج ۲ ص ۱۲ المسئلة الثالثة)

اللہ کی طرف رجوع کرنا دراصل کتاب اللہ کی طرف
 رجوع کرنا ہے اور رسولؐ کی طرف رجوع کرنا دراصل
 ان کی سنت کی طرف رجوع کرنا ہے۔

اس کے علاوہ بھی قرآن مجید کی ایسی بے شمار آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی
 ہیں کہ جس طرح قرآن مجید ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی مجید ہے۔
 اور اس موضوع پر علماء امت کئی کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔

الاجماع تیسرا ماخذ اجماع ہے، اجماع کا لغوی معنی ہے عزم اور اتفاق کرنا۔ فقہاء امت نے اجماع کی مختلف تعریفات کی ہیں۔ علامہ قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں:-

اتفاق مجتہدی امة محمد صلى الله عليه وسلم
بعد وفاته في عصر من الاعصار على امر
من الامور۔ (ارشاد الفحول ص ۱۷۰)
التيسير ج ۳ ص ۸۱

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجتہدین کا آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی زمانہ
میں کسی مسئلہ پر اتفاق کرنا۔

امام غزالیؒ نے یہ تعریف کی ہے:-

اتفاق امة محمد صلى الله عليه وسلم
خاصة على امر من الامور الدينية۔
(المستصفی ج ۱ ص ۱۷۳)

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دینی معاملات
میں سے کسی معاملہ پر متفق ہونا۔

مگر علامہ آمدیؒ نے اس تعریف پر مختلف وجوہات سے اعتراض کیا ہے:-
(۱) اس تعریف میں اتفاق سے امت محمدیہ کے الفاظ ہیں جو قیامت تک آنے والوں کو شامل
ہیں جس میں اس بات کو پتہ لگانا مشکل ہے کہ امت کا کس بات پر اتفاق ہو چکا ہے۔
(۲) اگر بالفرض امت سے کوئی عہد مراد ہے تو ممکن ہے کسی زمانے میں امت کے اندر ارباب
حل و عقد نہ ہوں اور لازماً عوام الناس کے کسی دینی مسئلہ پر اتفاق کو اجماع کیا جائے تو شرعاً
یصحیح نہیں۔

(۳) تعریف میں من الامور الدينية کی قید سے عقلی اور معاشرتی مسائل پر اجماع خارج
ہو جائے گا جو عقلاً بھی صحیح نہیں۔

علامہ آمدیؒ نے امام غزالیؒ کی تعریف پر اعتراض کے بعد اجماع کی یہ تعریف کی ہے:-
الاجماع عبارة من اتفاق جمیلة اهل
الحل و العقد من امة محمد صلى الله
عليه وسلم في عصر من الاعصار
حكم واقعة من الوقائع۔
الاحکام فی اصول الاحکام ج ۱ ص ۲۸۱

اجماع اس اتفاق سے عبارت ہے جو
امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ ارباب
حل و عقد کا کسی زمانے میں کسی واقعہ پر
ہو جائے۔

اور اسی قسم کی تعریف قاضی بیضاویؒ نے بھی کی ہے۔ اور اسی طرح کی تعریف کرتے ہوئے

ملاحمد یعقوب اللبنانیؒ لکھتے ہیں :-

اتفاق المجتہدین من امة محمد صلى الله عليه وسلم في كل عصر على امرين الامور
(المولوی حاشیہ حسامی ص ۳۸۳ باب الاجماع)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے
مجتہدین کا کسی زمانے میں کسی معاملہ پر
متفق ہونا۔

اجماع کی ان جملہ تعریفات سے معلوم ہوا کہ اجماع کسی زمانے یا کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں
بلکہ ہر دور کے اہل اجتہاد کسی مسئلہ پر اتفاق کر سکتے ہیں اور ان کا یہ اتفاق مقبول ہوگا۔ ہمارے
ہاں صحیح مذہب یہ ہے کہ ہر زمانے کے اہل اجتہاد صاحب عدالت حضرات کا اجماع معتبر اور حجت
شرعی ہے۔ ملاحمد یعقوب اللبنانیؒ لکھتے ہیں :-

والصحيح عندنا ان اجماع علماء كل عصر
من اهل العدالة والاجتهاد حجة -
(المولوی حاشیہ حسامی ص ۳۸۴ باب الاجماع)

ہمارے ہاں صحیح یہ ہے کہ ہر زمانے کے اہل
عدالت و اجتہاد کا اجماع حجت ہے۔

یہ مسئلہ بھی علماء امت کے ہاں مختلف فیہ ہے کہ اجماع کن حضرات کا
معتبر ہوگا؟ تو اہل ظواہر کا کہنا ہے کہ اجماع کے لیے صرف صحابہ کرام
متبعین ہیں ان کے اجماع کا اعتبار ہوگا۔ زید یہ اور امامیہ کے نزدیک صرف اہل بیت متبعین ہیں
اور امام مالک کے ہاں صرف اہل مدینہ کے اجماع کا اعتبار ہوگا۔

اجماع کی حجت | چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، آپ
کا لایا ہوا دین متین قیامت تک کے لیے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
تو مسائل کا حل وحی الہی سے کراتے تھے لیکن آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد
وحی کا سلسلہ قیامت تک بند رہے گا جبکہ قیامت تک امت محمدیہ کے لیے نئے نئے مسائل
پیش آتے رہیں گے جن کا کوئی نہ کوئی حل لازمی ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کا راستہ بتلایا کہ
ہر زمانے کے جید علماء اہل اجتہاد نئے مسائل پر غور و فکر کریں اور ان کا
حل تلاش کریں۔ قرآن کریم نے اسی حجت کا کئی مرتبہ ذکر کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُسْلِمِينَ
نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَ

اور جو مخالفت کئے رسول کی اسکے بعد کہ اس پر کھل چکی ہے ہدیت
اور چلے مسلمانوں کے راستے کے علاوہ تو ہم اس کو اس راستے کے حوالہ
کر دیں گے جس پر وہ چلا ہے اور ڈال دیں گے اس کو جہنم میں

سَاءَتْ مَصِيرًا

(سورة النساء آیت ۵۸)

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ
أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

(سورة النساء آیت ۵۹)

(۳) كَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا
لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ

(سورة البقرة آیت ۱۴۳)

اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور
اسکے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم
میں سے اصحابِ رائے ہیں۔

اسی طرح، ہم نے بنیائتم کو بہترین اُمت
تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔

علامہ ابوبکر الحصاصی رازیؒ آیت بالا سے اجماعِ اُمت کی جُحیت کے لیے استدلال
کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

(۱) فِي هَذِهِ الْآيَةِ دَلَالَةٌ عَلَى صِحَّةِ
اجْمَاعِ الْأُمَّةِ مِنْ وَجْهَيْنِ أَحَدُهُمَا
وَصَفَهُ إِيَّاهَا بِالْحِلَالَةِ وَأَنَّهَا فَيَا زَوْذَكَ
يَقْتَضِي تَصْدِيقَهَا وَلَعَلَّكُمْ بِصِحَّةِ
قَوْلِهَا دَنَافٍ لِاجْمَاعِهَا عَلَى الضَّلَالِ
وَالْوَجْهَ الْآخَرَ قَوْلُهُ (لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ
عَلَى النَّاسِ عَلَى الْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ -
[احکام القرآن للجصاص ج ۱ سورة البقرة])

یہ آیت اجماعِ امت کی صحت پر دو وجوہ سے
دالالت کرتی ہے (۱) اللہ تعالیٰ نے اس اُمت
کو صفتِ عدالت کے ساتھ متصف کیا ہے اسلئے
کہ یہ بہترین اُمت ہے اور یہی صفت ان کی
تصدیق کی مقتضی ہے اور اس کے قول پر صحت کا
تقاضا کرتی ہے اور ان کے اجماع پر گمراہی کے لیے
منافی ہے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان
ہے (لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ) کہ تم لوگوں پر
جُحیت ہو۔

علامہ رازیؒ آگے چل کر مزید لکھتے ہیں کہ:-

فَدَلَّ عَلَى أَنَّ الْاجْمَاعَ فِي أَيْ حَالٍ حَصَلَ
مِنْ الْأُمَّةِ فَهُوَ حُجَّةٌ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ
غَيْرُ صَائِلٍ لِأَحَدٍ تَرَكَهُ وَلَا الْخُرُوجَ
عَنْهُ وَمِنْ حَيْثُ دَلَّتِ الْآيَةُ عَلَى
صِحَّةِ الصَّدَرِ الْأَوَّلِ فَهِيَ دَالَةٌ عَلَى

پس یہ آیت اس بات پر دال ہے کہ بیشک جو
اجماع کسی بھی حال میں اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا منعقد ہو جائے تو وہ حجتہ اللہ ہے کوئی بھی
اس کو ترک نہیں کر سکتا اور نہ اس سے نکلنا جائز
ہے، جس طرح یہ آیت قرونِ اولیٰ کے اجماع کی

صحة اجماع اهل الاعصار۔ | صحت پر دال ہے اسی طرح ہر دور کے اجماع پر بھی
(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۵۱) | دلالت کرتی ہے۔
اسی طرح مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرطبی کے
حوالہ سے لکھا ہے کہ:-

”یہ اجماع امت کے حجت ہونے پر ایک دلیل ہے کیونکہ جب اس امت کو
اللہ تعالیٰ نے شہداء قرار دے کر دوسری امتوں کے بالمقابل ان کی بات کو حجت
بنا دیا، تو ثابت ہوا کہ اس امت کا کسی مسئلہ پر اجماع حجت ہے اور اس پر عمل
واجب ہے، اس طرح کہ صحابہ کا اجماع تابعین پر تابعین کا اجماع تبع تابعین پر
حجت ہے۔“ (معارف القرآن جلد ۳ ص ۲۷۳)

(۴۴) ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا
تَفَرَّقُوا۔ (سورة آل عمران آیت ۱۰۳) | اللہ کی رسی کو سب کے سب مضبوطی سے تھام لو
اور تفرقہ نہ کرو۔ (ا پس میں پھوٹ نہ ڈالو)
امت محمدیہ علی صاحبہا التیمۃ والسلام کے اجماعی فیصلوں کی مخالفت کرنا ان میں پھوٹ ڈالنے
کے مترادف ہے جو شرعاً ممنوع ہے، نوگویا ان کا اجماعی فیصلہ ایک حجت شرعی ہے اس
لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی مخالفت کو ممنوع قرار دیا۔

احادیث سے حجیت اجماع | اجماع امت کی حجیت کے بارے میں اتنی روایات آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں کہ وہ تو اتر قدر مشترک کی حد

تک پہنچتی ہیں، یہاں ان میں سے چند ایک کو درج کیا جاتا ہے:-

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت
کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا معاملہ اور مسئلہ پیش آجائے جس کے
بارے میں قرآن کریم اور سنت رسول میں کوئی وضاحت نہ ہو تو پھر ہم اس کے حل کے بارے
میں کیا طریقہ اختیار کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

شاوہ فیہ الفقہاء العابدیت۔ | کہ تم اس معاملہ میں متقی اور پرہیزگار فقہاء کرام
(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۲۸ رقم الحدیث ۸۳۲) | سے مشورہ کرو۔

یہ روایت وضاحت کے ساتھ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ فقہاء عابدین کی رائے اور ان کا

اجماع واجب الاتباع حجت ہے۔

(۲) اسی طرح ایک اور روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

لن يزال امر هذه الامة مستقيماً حتى تقوم الساعة۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۱ کتاب العلم)

یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ساری کی ساری امت حق پر ہو۔ مشاہدات اور پیشینگوئی والی روایات سے ثابت ہے کہ بعض لوگ غیر حق پر بھی ہوں گے۔ لہذا اس روایت سے معلوم ہوا کہ امت کی ایک جماعت نیکوکار اور ہدایت یافتہ رہے گی اور اس کی رائے واجب الاتباع ہوگی۔

(۳) اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد گرامی ہے:-

ان الله لا يجمع امة او قال امة محمد على ضلالة ويد الله على الجماعة ومن شذ شذ على النار۔

جامع الترمذی ج ۲ ص ۲۹

ابواب الفتن، باب لزوم الجماعة

امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کئی صحابہ کرامؓ نے روایت کی ہے حتیٰ کہ بعض تابعین نے بھی اس کو مؤسلاً روایت کیا ہے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع کے خطبہ میں سب صحابہ کرامؓ کے سامنے فرمایا:-

ثلاث لا يفل عليهن قلب مسلم خلاص العمل لله والنصيحة للمسلمين ولزوم جماعتهم فان دعوتهم تحيط من ورائهم۔ (مسند ابن ماجہ ص ۲۱۹ کتاب المناسك، باب الخطبة يوم النحر)

تین خصلتوں کی موجودگی میں کسی مسلمان کا دل خیا نہیں کرے گا (۱)، اللہ کیلئے عمل میں اخلاص ہو۔ (۲) مسلمانوں کیلئے خیر خواہی ہو (۳) اور مسلمانوں کی جماعت کی اتباع کا لزوم، کیونکہ ان کی دعا پیچھے سے ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

مذکورہ بالا جملہ روایات اور آیات قرآنی اس امر پر دال ہیں کہ اجماع امت حجت ہے، اسکے علاوہ آثار صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین اور تعامل امت بھی حجیت اجماع پر دلالت کرتے ہیں اور اس کو فقہ اسلامی کے ایک اہم ماخذ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

اجماع کرنے والوں کے شرائط و اوصاف | چونکہ اجماع ہر ایک کا معتبر نہیں بلکہ اس کے لیے وہ لوگ درکار ہیں جو اہل حل و عقد ہوں مگر ان میں بھی ایسے اوصاف کا موجود ہونا ضروری ہے کہ وہ اہل حل و عقد کہلانے کے مستحق ٹھہرائے جاسکیں اور لوگ ان کے فیصلہ پر عمل کر سکیں اور وہ بطور سند حق بجانب ہوں

اجماع کرنے والوں میں مندرجہ ذیل شرائط و اوصاف کا پایا جاتا ضروری ہے:-

- (۱) قرآن کریم میں پوری مہارت رکھتا ہو صرف ترجمہ جان لینا کافی نہیں۔
- (۲) سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر روایت و درایت پورا عبور رکھتا ہو۔
- (۳) صحابہ کرامؓ کی زندگی سے واقفیت اور ان کے اجماعی فیصلوں کا علم رکھتا ہو۔
- (۴) قیاس و اجتہاد کے ذریعے نصوص، مسائل کے استنباط کے اصول و قواعد کا علم رکھتا ہو۔

(۵) زمانہ کے حالات، تقاضوں، قوم کی عادات و اطوار، ان کے رسم و رواج اور ان کے مزاج سے واقفیت رکھتا ہو۔

(۶) اجماع میں ایسے لوگ ہوں جو جدید رجحانات اور ان کے تقاضوں کے نشیب و فراز سے واقفیت رکھتے ہوں تاکہ وہ پیش آمدہ معاملات پر پوری سنجیدگی سے غور و فکر کر کے اپنی رائے دے سکیں۔

اس لیے کہ کسی فنی مسئلہ کے لیے اس فن کے ماہرین کا ہونا ضروری ہے۔

<p>الاجماع المعتبر فی فنون العلم هو اجماع اهل ذلك الفن العارفين به دون من غيرهم فالمعتبر في الاجماع في المسائل الفقهية قول جميع الفقهاء وفي المسائل الاصولية قول جميع الاصوليين وفي المسائل النحوية قول جميع النحويين ومن اهل ذلك الفن هو في حكم العوام۔</p>	<p>فنون علم کے لیے ان لوگوں کا اجماع معتبر ہے جو اس فن کے ماہر ہوں، ان کے علاوہ کسی دوسرے کے اجماع کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے فقہی مسائل میں جمیع فقہاء کا قول معتبر ہوگا اصولی مسائل میں جمیع اصولیین کے قول کا اعتبار ہوگا نحو کے مسائل میں تمام نحویین کا قول معتبر ہوگا ان کے علاوہ لوگ عوام الناس کے درجے میں ہیں۔</p>
--	--

(حصول المامول من علم الاصول بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۱۱۸)

(۷) عملی اعتبار سے اجماع کرنے والے بلند اور اعلیٰ اخلاق کے مالک ہوں، اوامر پر عمل کرتے اور نواہی سے بچتے ہوں، فسق و فجور، بدعات اور دیگر بری عادات سے پاک و صاف ہوں، متقی اور پرہیزگار ہوں، اس کے ساتھ ساتھ غیر محتاط نہ ہوں، البتہ خفیہ فسق مانع اجماع نہیں۔

اس لیے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ :-

ان کات معلنا بفسقہ فلا یعتبر بقولہ فی الاجماع وان کان غیر مظهر لہ یعتبر بقولہ فی الاجماع۔ (التقریر والنہج ج ۳ ص ۱۱۸)

جو شخص اعلانیہ فاسق ہو اجماع میں اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور جو شخص ظاہراً فاسق نہ ہو اجماع میں اس کے قول کا اعتبار ہوگا۔

اجماع کی اقسام | عموماً اجماع کی تین قسمیں بیان کی جاتی ہیں، ۱۔ اجماع قولی ۲۔ اجماع عملی ۳۔ اجماع سکوتی۔

(۱) **اجماع قولی** : اجتہاد کے اہل حضرات کسی دینی مسئلہ پر زبانی طور سے اتفاق ظاہر کریں جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ کرامؓ نے زبانی طور پر اقرار کر کے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(۲) **اجماع عملی** : اہل اجتہاد لوگ کسی دینی مسئلہ پر اتفاق کا اظہار زبانی طور پر تو نہ کریں مگر عملاً اپنے اتفاق کو ظاہر کر کے اس مسئلہ پر مباح، مستحب یا جائز کے درجہ میں عمل کریں۔ علماء نے لکھا ہے کہ اجماع کی اس قسم سے وجوب ثابت نہیں ہوتا البتہ اباحت یا استحباب کا سبب بن سکتا ہے۔ جیسے ظہر سے قبل چار رکعت سنن کے سنت مؤکدہ ہونے پر صحابہؓ کا عملی اجماع ہے، حضرت ابوعبیدہ السلمانیؓ فرماتے ہیں :-

ما اجتمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی شیءٍ کل جماعہ علی ما فظتہ الاربع قبل الظہر والاسفار بالفجر وتحريم نکاح الاخت فی عدة الاخت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کسی شے پر اس طرح جمع نہیں ہوئے جس طرح ان کا اجماع ہوا ہے ظہر سے قبل کی چار رکعت سنتوں پر، فجر کو خوب روشن کر کے پڑھنے پر اور بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح کرنے پر۔

(۳) اجماع سکوتی، بعض مجتہدین ایسے ہیں کہ اگر وہ کسی مسئلہ پر اتفاق کریں اور وہ بات اتنے شہرت پا جائے کہ اس زمانے کے ہر مجتہد کو اس کی خبر ہو جائے اور وہ خوب غور و فکر کے بعد اس پر اپنی رائے کا اظہار نہ کرتے ہوئے سکوت اختیار کر جائے اور اس فیصلے کے ساتھ اختلاف نہ کرے۔

حکم | اول و دوم قسم کے اجماع کا حجت ہونا متفق علیہ ہے البتہ تیسری قسم کے اجماع (اجماع سکوتی) کی حجیت مختلف فیہ ہے، اکثر حنفیہ، حنابلہ اور بعض شافعیہ اس کو حجت قطعی مانتے ہیں جبکہ اکثر مالکیہ و شافعیہ حتیٰ کہ خود امام شافعی رحمہ اللہ بھی اس اجماع کو حجت نہیں مانتے۔ اور بعض فقہاء کے ہاں یہ حجت طنی ہے قطعی نہیں۔

اجماع سکوتی کے ثبوت کے لیے شرائط | اجماع سکوتی کے ثبوت اور اس کو اعتبار دینے کے لیے چند شرائط ہیں :-

(۱) سکوت اختیار کرنے والوں کی طرف سے دلالت، اشارۃً یا صراحتہً کوئی ایسا قول مروی نہ ہو جس سے ان کی مخالفت یا موافقت کا پتہ چلتا ہو۔

(۲) مسئلہ پر غور و فکر کرنے کے لیے کافی وقت موجود ہو مگر اس کے باوجود انہوں نے سکوت کیا ہو۔

(۳) مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہو۔

(۴) سکوت کرنے والے مجتہدین علماء ہوں۔

(۵) وہ مجتہد اس قول / فعل کو اتنا واضح کرے کہ وہ کسی پر مخفی نہ رہے اور ہر ایک کو اس کی خبر ہو۔

ان شرائط کی موجودگی میں اجماع سکوتی معتبر ہے ورنہ نہیں۔

اجماع کا حکم | جب کسی مسئلہ پر علماء امت متفق ہو جائیں تو اس کو ماننا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے اس لیے کہ اب وہ مسئلہ قطعی الثبوت بن گیا ہے۔

اجماع حکم شرعی کو ثابت کرتا ہے، قیاس کی طرح مظہر نہیں ثابت ہے لیکن یہ اثبات وصف حکم کا ہوتا ہے ذات حکم ثابت نہیں کرتا، اس کے لیے صرف قرآن و سنت کافی ہے بناء براین وجہ بعض علماء اصول نے اجماع کو بھی قیاس کی طرح مظہر حکم کہا ہے۔

وضاحت | اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عام کتابوں میں تو یہ لکھا ہے کہ

ادلہ اربعہ میں تین دلائل (قرآن، سنت اور اجماع) مثبت للحکم ہیں اور قیاس منظر للحکم ہوا جبکہ اثبات ذات کا ہوتا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل اصول اور فقہاء ذات حکم اور وصف حکم دونوں پر حکم ہی کا اطلاق کرتے ہیں، وہ ذات حکم کی طرح وصف حکم کو بھی حکم کہتے ہیں، اس لیے انہوں نے وصف حکم پر حکم کا اطلاق کر کے اجماع کو مثبت للحکم قرار دیا ہے ورنہ اجماع صرف وصف حکم کے لیے مثبت ہے ذات حکم قرآن و سنت ہی سے ثابت ہوتا ہے۔

القیاس | فقہ اسلامی کا چوتھا ماخذ قیاس ہے، قیاس کا لغوی معنی ہے اندازہ لگانا، برابر کرنا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے قاس الذعل بالذعل کہ انہوں نے ایک جوتے کو دوسرے جوتے کے ساتھ برابر کر دیا۔ تو قیاس شرعی میں بھی فرع کو حکم میں اصل کے مماثل اور برابر کیا جاتا ہے۔

اور اصطلاحی تعریف مختلف الفاظ کے ساتھ یوں کی گئی ہے :-

- (۱) علامہ ابوالحسن البصری فرماتے ہیں :
تخصیص حکم الاصل فی الفرع لاشتباہا
فی علۃ الحکم عند المجتہد۔
(اسلامی فقہ کے اصول و مبادی ص ۱۲۶)
- (۲) علامہ ابوبکر باقلانی فرماتے ہیں :-
حمل معلوم علی معلوم فی اثبات حکم
لہما ولفیہ عنہما یا مرجاع بینہما۔
(اسلامی فقہ کے اصول و مبادی ص ۱۲۶)
- (۳) صاحب "نور الانوار" ملا جیون فرماتے ہیں :-
تقدیر الفرع بالاصل فی الحکم والعلۃ۔
(نور الانوار ص ۲۲۲ باب القیاس)

ایک معلوم امر کو دوسرے معلوم امر پر اس طور پر حمل کرنا کہ دونوں میں کسی جامع امر کی وجہ سے حکم ثابت ہو جائے یا نفی ہو جائے۔

فرع کو اصل کے ساتھ حکم اور علت میں مساوی اور برابر کرنا۔

اس کے علاوہ بھی مختلف تعریفات کی گئی ہیں، ان سب کا حاصل یہ ہے کہ جس امر (جزئیہ) کے بارے میں شریعت اسلامی کی نصوص (قرآن و سنت) سے کوئی حکم ثابت نہ ہو اور یہ فرع علت میں ثابت شدہ امر کے ساتھ مشابہ ہو تو اس اصل کا حکم اس فرع کو دے دینا قیاس کہلاتا ہے۔

قیاس کی ضرورت | بعض لوگ جو قیاس کے منکر ہیں ان کا کہنا ہے کہ قیاس کی ضرورت ہی کیا ہے؟ حالانکہ قرآن و سنت ہمارے لیے کافی ہے، ان دونوں میں سب کچھ ہے، جبکہ قیاس کا عمل سب سے پہلے شیطان نے کیا تھا اور شیطانی عمل ممنوع ہوتا ہے مشروع نہیں، لہذا قیاس کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ اس سے کام لینا ممنوع ہے۔

اس کے برعکس اگر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیاس کی ضرورت ہر زمانے میں رہی ہے اور رہے گی۔ قرآن و سنت اگرچہ بنیادی ماخذ ہیں مگر قیاس سے ثابت شدہ مسئلہ بھی اصل قرآن و سنت کے مسئلہ پر قیاس کیا جاتا ہے کوئی نیا حکم نہیں گھڑا جاتا۔ قیاس کی ضرورت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرآن و سنت میں کلیات بیان کیے گئے ہیں جزئیات کم ہیں اور وہ کلیات اپنے ظاہر مفہوم سے محدود ہیں، بلکہ ہر زمانے کے حالات کے نئے تقاضے ہوتے ہیں، ان میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے، نئی نئی ایجادات و انکشافات اور سائنسی ترقیات سامنے آتے ہیں جو قدیم زمانے میں نہ تھے، ان کی وجہ سے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کا حل کرنا لازم امر ہے۔ تو ان کلیات اور اصول میں غور و فکر کر کے اس کے مفہوم کو سمجھنے اور ان کی علت و اقیقت حاصل کرنے کے بعد فرع (نئے مسائل) میں علت کی مشابہت کی وجہ سے حکم ثابت کیا جاتا ہے، بغیر اس طریقہ کار کے کوئی دوسرا طریقہ ان جدید مسائل کو حل کرنے کا نہیں ہے ورنہ ہر ایک ان مسائل میں اپنے ذہن و رجحان کا رنگ بھر دے گا اور یوں شریعت اسلامی کا ستیاناس ہو جائے گا۔

جہاں تک سب سے پہلے شیطان کے قیاس کرنے کا تعلق ہے تو یہ مسئلہ بھی بے بنیاد ہے، اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل اللہ تعالیٰ نے حضرات ملائکہ سے تخلیق آدم کے بارے میں مشورہ لیا تھا، چونکہ انسان سے قبل اس کو ارضی پر صرف جنات کا وجود تھا جو فتنہ پرور اور مفسدین تھے، اس بنا پر ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان پر قیاس کرتے ہوئے خدا تخلیق کا مشورہ دیا، تو گویا سب سے پہلے قیاس کرنے والے ملائکہ ہیں۔ بخلاف اس کے اُمت کے مقتدر علماء میں کوئی (الا ماشاء اللہ) ایسا نہیں جو اس نظریے کا قائل ہو۔

تو قیاس کی ہر دور اور زمانہ میں بہت اہمیت اور ضرورت رہی ہے اور رہے گی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور جو کرتے ہیں ان کا انکار عناد اور تعصب کی وجہ سے ہے۔

قیاس کا ثبوت شرعی | قیاس کوئی ایسا عمل نہیں جس کو بے بنیاد اور خود ساختہ قرار دیا جائے قرآن و سنت میں اس کی اساس موجود ہے، آیات مبارکہ کی

کثیر تعداد اور قوی، فعلی اور تقریری روایات مبدکہ اس کی مشروعیت پر دال ہیں، اور ان سے وضاحت کے ساتھ اس کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْبَصَارِ (سورة المحشر ۲) | اے آنکھوں والو! اعتبار کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل بصیرت کو اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے، اور فقہاء کرام نے اعتبار کا معنی یوں کیا ہے :-

رد الشیء الی نظیرہ ای الحکم علی الشیء بما
هو ثابت لنظیرہ -
(توضیح وتلویح ج ۲ ص ۱۱۱ باب القیاس)
کسی شے کو اس کی نظیر کی طرف پھیرنا یعنی اس
شے پر وہ حکم لگانا جو اس کی نظیر میں ثابت ہے
(اور اسی کا نام قیاس ہے)

(۲) اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا
الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ
فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ
إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ -

(سورة النساء آیت ۵۹)

اس آیت میں جب غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں چاروں ادلہ شرعی کا ذکر ہے
فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ يَكُنْ حُكْمُ اللَّهِ وَالرَّسُولِ وَالْأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ
اور فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ والے جملہ سے قیاس کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔
وہ اس طرح کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت
کرو اور اپنے امراء کی اطاعت کرو البتہ امراء کی اطاعت اللہ اور رسول کے موافق ہونے
ہونے پر موقوف ہے اور امراء کو حکم دیا گیا کہ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ الْحُكْمُ إِلَى اللَّهِ
ما بین نزاع پیدا ہو جائے جس کے بارے میں قرآن و سنت کا صریح حکم نہ ہو تو ایسے
امر میں حکم ثابت کرنے کے لیے اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو، اس رجوع کا مطلب
یہ ہے کہ قرآن و سنت کے صریح حکم پر قیاس کر کے اس غیر منصوص امر میں حکم کو ثابت کرو۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ
لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ
اللَّهُ -

بیشک ہم نے (اے محمد ﷺ) تمہاری طرف
حق کے ساتھ کتاب کو نازل کیا تاکہ آپ لوگوں
کے مابین اللہ تعالیٰ کے دکھائے ہوئے راستے
کے مطابق فیصلہ کریں۔

(سورة النساء آیت ۵۸)

قیاس کی مشروعیت کے لیے علامہ ابن رشد قرطبیؒ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے
ہیں کہ بِمَا أَرَاكَ اللہ سے مراد استنباط اور قیاس سے حاصل ہونے والے نتائج ہیں۔

(بحوالہ اسلامی فقہ کے اصول و مبادی ص ۱۵)

قیاس کی حجیت کا احادیث سے ثبوت | قیاس کی حجیت کے لیے احادیث مبارکہ میں بھی کافی
ذخیرہ موجود ہے جو اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے
کافی ہے اس ذخیرہ میں احادیث قولیہ، فعلیہ اور تقریریہ تینوں پائی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بہت زیادہ مشہور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے آپ کو یمن کا والی مقرر کیا تو الوداع کہتے وقت آپؐ سے پوچھا :-

بما تقضى يا معاذ اقبال بکتاب
اللہ قال فان لم تجد في كتاب
اللہ؟ قال فبسنة رسولہ، قال
فلم تجد فيهما؟ قال اجتهد برأى،
فقال الحمد لله الذی وفق
رسولہ رسولہ بما یحب
ویرضی۔

اے معاذ! جب تمہارے سامنے کوئی معاملہ
اور مقدمہ پیش ہو تو کس چیز کے ساتھ فیصلہ کرو
گے؟ تو آپؐ نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب کے
ساتھ، اس پر آپؐ نے فرمایا اگر تم اس معاملہ کا
حل کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟ آپؐ نے عرض کیا
اللہ کے رسولؐ کی سنت کے ساتھ، آپؐ نے
فرمایا اگر ان دونوں میں اس معاملہ کا حل نہ پاؤ
تو؟ آپؐ نے عرض کیا اپنی رائے سے اجتہاد کرو
گا، اس پر آپؐ نے فرمایا سب تعریفیں اس
ذات کے لیے ہیں جس نے اپنے رسولؐ کے رسول
کو اس بات کی توفیق دی کہ جس سے وہ خوش ہوتا
ہے اور اس کو پسند کرتا ہے۔

{ ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۹
باب اجتہاد الراى
ف القضاء }

(۲) اسی طرح ابن ماجہ میں بھی ایک روایت یوں مذکور ہے :-
 اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَاصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ فَانِ اَخْطَا فَلَهُ اَجْرٌ وَاحِدٌ۔
 (ابن ماجہ ۱۶۷۰ ابواب الاحکام)
 جب کوئی حاکم کسی معاملہ میں حکم کے لیے اجتہاد کرے اور اس اجتہاد میں وہ مصیب ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر وہ غلط ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس کئی مسائل کو دوسرے منصوص مسائل پر قیاس کر کے ان غیر منصوص مسائل کا حل فرمایا۔
 بخاری شریف میں ہے کہ ایک عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ بہت کمزور ہے اس میں نہ تو سواری پر بیٹھنے کی طاقت ہے اور نہ وہ حج کے لیے سفر کرنے کے قابل ہے، تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

كَانَ عَلَى امْلِكٍ دَيْنٌ اِفْتَقَضِيهِ
 قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَذَيِّتِ اللّٰهَ
 اَحَقُّ اِنْ تَقْضِيَهُ۔
 (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲)
 اگر تمہاری ماں پر کسی کا قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتی؟ اس نے عرض کیا ہاں ضرور ادا کرتی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس کے دین (قرض) کو ادا کرو۔

اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی ادائیگی کو عام قرض پر قیاس کر کے جواب دیا جس سے معلوم ہوا کہ قیاس حجّت شرعی ہے۔

علامہ
 ان مدرك الاحتجاج بالقياس اجماع
 الصحابة فقد علمنا من تتبع
 احوالهم في مجرى اجتهدا هم
 انهم كانوا يقيسون الفرع
 علماء امت نے لکھا ہے کہ قیاس کے دلیل شرعی ہونے پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے، چنانچہ صاحب کشف الاستار فرماتے ہیں :-

بیشک قیاس کے دلیل شرعی ہونے پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے، صحابہ کرامؓ کے اجتہادات میں تتبع کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرع کو اصل پر قیاس کرتے

علی الاصل کشف الاسرار ص — (۱) | تھے۔
 (۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جب کلامہ کی میراث کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:-

اقول فیہا بدائی فان یکن صواباً
 فمن اللہ وان یکن خطاء فمینی
 ومن الشیطان - (منہاج الاصول -
 کتاب الرابع القیاس)

میں اس مسئلہ کے بارے میں اپنی رائے
 سے کہتا ہوں اگر وہ صحیح ہے تو یہ اللہ تعالیٰ
 کی طرف سے ہے اور اگر خطا ہے تو
 میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔

(۱) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے دادا کی میراث کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:-
 اقضی فیہ بدائی -
 (منہاج الاصول، کتاب الرابع القیاس)

میں اس معاملہ کے بارے میں اپنی رائے سے
 فیصلہ کرتا ہوں۔

(۳) جب حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس اس عورت کا معاملہ پیش آیا جس کو طلاق کا
 اختیار دیا گیا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ:-

”میں اس بارے میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں اگر صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ کی
 طرف سے ہے اور اگر درست نہ ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے
 ہے اللہ اور اس کے رسول اس سے بری ہیں۔“

(۴) خود حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کا والی مقرر کرتے وقت ایک شاہی
 فرمان میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی تحریر فرمایا تھا:-

اعرف الاشباہ والنظائر وقس الامور
 برأیک - (منہاج الاصول، کتاب
 الرابع القیاس)

آنے والے مسائل کے نظائر اور اشباہ کھ
 معرفت حاصل کرو اور ان میں اپنی رائے
 سے قیاس کر کے فیصلہ کرو۔

مندرجہ بالا آیات، احادیث اور اعمال و اقوال صحابہؓ قیاس کے دلیل شرعی ہونے پر
 دال ہیں اور اس سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ قیاس حجت شرعی ہے اور اس سے
 احکام مستنبط ہو سکتے ہیں۔

قیاس کے ارکان | قیاس کے چار ارکان ہیں:-
 (۱) اصل (۲) حکم (۳) فرع (۴) علت مشترکہ

(۱) اصل : وہ مسئلہ ہے جس میں حکم منصوبی ہو اور نئے مسائل میں حکم کے اثبات کے لیے اس کی طرف احتیاج پایا جاتا ہو۔

(۲) حکم : وہ امر جو دلیل کی وجہ سے کسی معاملہ کے لیے ثابت کیا جاتا ہو جیسے حرمت، حلت، کراہت وغیرہ۔

(۳) فرع : وہ نیا مسئلہ جس میں حکم منصوبی نہ ہو بلکہ اس میں حکم کے اثبات کے لیے اصل کا احتیاج پایا جاتا ہو۔

(۴) علت مشترکہ : وہ مشترک وصف جو اصل اور فرع میں پایا جاتا ہو اور اصل میں حکم کے لیے شارع علیہ السلام نے مؤثر قرار دیا ہو۔

قیاس کا اصل مدار | قیاس کے لیے تین چیزوں کا ہونا نہایت ضروری ہے :-
(۱) اصل جسے مقیس علیہ کہا جاتا ہے (۲) فرع، وہ نیا مسئلہ جس کا حل مطلوب ہو جسے مقیس کہتے ہیں (۳) علت، وہ شے مشترکہ جو دونوں کے مابین پایا جاتا ہو جس کی وجہ سے فرع میں اصل کا حکم جاری کیا جاتا ہو، گویا قیاس کے اندر سارا دار و مدار علت ہی پر ہوتا ہے۔

علت کے ماخذ | کسی اصل میں حکم کے لیے علت کی پہچان یا تو قرآن کریم سے ہوگی کہ قرآن نے اس کو علت ٹھہرانے کے لیے تصریح یا اشارہ کیا ہو یا سنت نے اس کا بالفاظِ صریح یا بالفاظِ کنایہ علت کا ذکر کیا ہو، اگر ان دونوں میں اس کا کوئی پتہ نہ ہو تو علت کا تعین اجماع امت سے ہوگا اور اگر اس سے بھی معلومات نہ ہوں تو پھر مجتہد اس حکم کی علت معلوم کرنے کے لیے غور و فکر کرے گا تاکہ اجتہاد اور استنباط سے علت حکم کا پتہ لگایا جاسکے۔ گویا کہ یہ چار طریقے علت کے ماخذ شمار کیے جاتے ہیں اور ان کے ذریعے ہی مقیس علیہ میں علت حکم تلاش کیا جائے گا۔

الاستحسان | قیاس کی دو قسمیں ہیں (۱) قیاسِ جملہ (۲) قیاسِ خفی۔ قیاسِ خفی کا دوسرا نام استحسان کہلاتا ہے۔

استحسان کی تعریف | استحسان حسن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو اچھا بنانا اور اصطلاحی تعریف مختلف الفاظ سے کی گئی ہے۔ چنانچہ علامہ ابوالحسن اکرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

استحسان یہ ہے کہ مجتہد کا کسی مسئلہ پر اس کے
نظائر والے حکم سے قوی دلیل کی بناء پر
عدول کرنا جو دلیل حکم اول سے انحراف
کا مقتضی ہو

(۱) الاستحسان هو ان يعدل المجتهد
عن ان يحكم المسئلة بمثل ما حكم به في
نظائرها لوجه اقوى يقتضى
العدول عن الاول -

والفقه الاسلامي في توبه الجديد
للشيخ زرقاء ص ۹۰۹

کسی مسئلہ کے حکم کو قوی وجہ کی بناء پر اس کے
نظائر سے الگ کرنا -

(۲) قطع المسئلة عن نظائرها بما هو
اقوى - (فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۱۷۱)

ایک قیاس چھوڑ کر اس سے زیادہ قوی قیاس
اختیار کرنا مسئلہ کے نظائر میں جو حکم موجود ہے
کسی قوی وجہ کی بناء پر اس کو چھوڑ کر اس کے
خلاف حکم لگانا -

(۳) العدول عن قیاس الی قیاس
اقوى العدول فی مسئلة من مثل
حكم به فی نظائرها الی خلافه بوجه
هو اقوى - (منہاج الاصول، الاستحسان)

استحسان اور فقہاء اسلام
احناف، مالکیہ اور حنابلہ اس کو دلیل شرعی کے طور پر مانتے
ہیں جبکہ امام شافعی فرماتے ہیں:-

”کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ استحسان کا قول اختیار کرے، استحسان
درحقیقت لذت حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے“

(الرسالۃ ۲۹۳، ۲۹۵ باب استحسان کا بیان)

اور منہاج الاصول میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ:-

جس نے استحسان سے کام لیا اس نے نئی
شریعت بنائی -

من استحسن فقد شرع ای وضع شرعاً
جیداً - (منہاج الاصول - الاستحسان ص -)

مگر دوسری طرف محققین شوافع فرماتے ہیں کہ:-

حق بات وہ ہے جو ابن حاجب نے کہی ہے اور
آمدی نے اس کا طرف اشارہ کیا کہ مختلف
فیہ استحسان کا وجود نہیں ہے -

ان الحق ما قاله ابن الحاجب وأشار الیه
الآمدی انه لا يتحقق استحسان مختلف فیہ -
(منہاج الاصول بحوالہ فقہ اسلامی کا پس منظر ص ۱۹۱)

اس سے معلوم ہوا کہ استحسان کی حجیت اور قابل اعتماد ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ

ائمہ اربعہ کی متفقہ دلیل شرعی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ اور استحسان | امام شافعیؒ کے مشہور قول کی طرح امام شاہ ولی اللہؒ نے بھی استحسان کی مخالفت کی ہے بلکہ اس کو دین میں تخریب کاری

قرار دیا ہے، چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں:-

ومن اسباب التحریف | تحریف کے اسباب میں سے استحسان
الاستحسان - (حجۃ اللہ البالغہ ج ۳۵) ہے -

لیکن ممکن ہے کہ ان حضرات کا استحسان سے مطلق استحسان مراد نہ ہو بلکہ وہ استحسان مراد ہو جس میں شرعی اصول و ضوابط کی کوئی رعایت نہ رکھی جائے اور اپنے نفس کی خواہش کے سہارے کوئی مسئلہ مستنبط کیا جائے جو تحریف فی الدین کے مترادف ہے۔

بہر حال اسلامی احکامات میں استحسان کے ذریعہ مستنبط احکام کا کافی سارا ذخیرہ کتب فقہ میں موجود ہے اور فقہاء امت نے اس کو بطور دلیل شرعی استعمال کیا ہے اور اسی کے ذریعے بے شمار مسائل مستنبط کئے ہیں۔

استحسان کی مشروعیت | استحسان کوئی نیا عمل نہیں کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے بلکہ قدیم بین الاقوامی قوانین میں بھی ایسی دفعات ہوتی تھیں جن سے

استحسان کا مفہوم واضح ہوتا ہے، یونانیوں کے قوانین میں اے پاکیا (EPIEKEIA) کے نام سے اور رومیوں کے قوانین میں اکیوٹی (AEQUITA) کے نام سے اصول موجود ہیں جس سے استحسان مفہوم ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے بھی اس اصل کی طرف اشارہ کیا ہے:-

فَبَشِّرْ عِبَادِيَ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ | آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری دیں جو
فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ - (سورۃ الزمر -) | بات کو سنتے ہیں اور احسن کی اتباع کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں ایک اور جگہ اس بارے میں ارشاد ہے:-

وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَا حُذَّوْا بِأَحْسَنِهَا - | آپ اپنی قوم کو حکم دیں تاکہ وہ احسن کام کو
(سورۃ الاعراف آیت -) | اختیار کرے۔

استحسان کے اندر بھی احسن کی اتباع اور اس کو اختیار کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس میں یسر یعنی آسانی ہے جس کا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے ارادہ کرتا ہے۔

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمْ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمْ الْعُسْرَ - (سورة البقرة آیت ۱۸۵)
 اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تم کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا۔
 حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بھی یسر کو اچھا اور بہتر دین قرار دیتا ہے۔
 خیر دینکم الیسر۔
 کہ تمہارا اچھا دین آسان ہے۔

(الاشباه والنظائر)

لہذا دین میں آسانی اور یسر کے بارے میں جتنی بھی روایات، آثار صحابہ و تابعین مروی ہیں ان سے استحسان کی مشروعیت اور ثبوت ملتا ہے۔

عرف و عادت | عرف اور رسم و رواج قدیم زمانہ سے قانون کے لیے ایک ماخذ چلا آ رہا ہے، رومی قوانین میں بھی اس کو قانون سازی کے لیے بطور اصل استعمال کیا ہے، اسلام نے بھی بعض فروعی احکامات میں عرف و عادت کو ماخذ کا مقام دیا ہے، علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:-

والعرف في الشرع له اعتبار
 لذا عليه الحكم قد يدار
 عرف کا شرع میں اعتبار ہے اور اس لیے اس پر کبھی کبھی حکم کا دار و مدار ہوتا ہے۔

(رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۱۸۱ الرسالة الاولى)

حتیٰ کہ عادت و عرف کی تبدیلی و تغیر سے بعض احکام شرع میں بھی تغیر و تبدل واقع ہوا ہے جس کی مثالیں کتب فقہ میں بکثرت موجود ہیں، علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:-

واعلم ان اعتبار العادة والعرف رجع اليه في مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك أصلاً فقالوا في الأصول في باب ما تترك به الحقيقة تترك الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة... الثابت بالعرف ثابت بدليل شرعي وفي المبسوط الثابت بالعرف كالثابت بالنص۔

جان لو کہ بیشک عادت اور عرف کو اعتبار دے کر کافی سارے مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے حتیٰ کہ انہوں نے اس کو اصل بنا دیا ہے اور انہوں نے اصول میں لکھا ہے کہ عادت اور عرف کی بناء پر حقیقت کو چھوڑ دیا جائے گا۔۔۔ عرف کے ساتھ ثابت شدہ مسئلہ دلیل شرعی کے ساتھ ثابت شدہ مسئلہ کی طرح ہے اور مبسوط میں ہے کہ عرف کے ساتھ ثابت شدہ مسئلہ نص کے ساتھ ثابت شدہ مسئلہ کی طرح ہے۔

{ رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۱۵۲ }

اور امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجتہ اللہ البالغہ میں عرف کو تشریعی امور کا مادہ (اصل) قرار دیا ہے، آپؒ فرماتے ہیں :-

ہی مادة تشریعیہ رَحْمَةُ اللّٰهِ الْبَالِغَةُ جِ افْلَکُمْ
ایک اور مقام پر آپؒ لکھتے ہیں کہ :-

نَهَى عَنْ الرُّسُومِ الْفَاسِدَةِ وَامْرَ
بِالصَّالِحَةِ۔
(حجتہ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۳۶۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو فاسد
رسوم سے منع کیا اور صحیح اور درست رسوم
کی اجازت دی۔

عرف کی تعریف فقہاء کرام نے عرف کی مختلف تعریفات بیان کی ہیں، طوالت کے
پیش نظر یہاں چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے :-

(۱) علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں :-

العَادَةُ عِبَارَةٌ عَمَّا يَسْتَقَرُّ فِي النَفُوسِ
مِنَ الْأُمُورِ الْمَتَكْرِرَةِ الْمَقْبُولَةِ عِنْدَ
الطَّبَاعِ السَّلِيمَةِ۔ (رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۱۱۵)

عادت اس مکرر امر سے عبارت ہے جو
نفوس میں استقرار پکڑے اور طبائعِ سلیمہ
اس کو قبول کریں۔

(۲) امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :-

”عرف وعادت یہ ہے کہ کوئی فعل یا طریقہ عقلی طور پر لوگوں کے نفوس میں اس طرح
جاگزیں ہو جائے کہ فطرتِ سلیمہ اسے قبول کرے اور اسلامی دنیہ کے سلیم الطبع
لوگ اس کے عادی ہو جائیں بشرطیکہ وہ نص شرعی کے خلاف نہ ہو“
را سلامی فقہ کے اصول و مبادی ص ۱۸۳

(۳) امام ابو زہرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

الْعُرْفُ مَا عَتَادَهُ النَّاسُ مِنْ مَعَامِلَاتٍ
وَاسْتِقَامَتٍ عَلَيْهِ أُمُورِهِمْ۔
(اسلامی فقہ کے اصول و مبادی ص ۱۸۴)

عرف وہ ہے کہ لوگ اپنے معاملات میں اس
کے عادی ہو چکے ہوں اور اپنے امور کو اس
پر قائم کر چکے ہوں۔

مقبول عرف کیلئے شرائط مگر عرف وعادت مطلقاً مقبول نہیں۔ جو عرف عند الشریع
مقبول ہو اور اس کو مادہ (اصل) کی حیثیت حاصل ہو،
فقہاء کرام نے اس کے لیے چند شرائط ذکر کی ہیں :-

- (۱) وہ عرف منصوص حکم کے معارض نہ ہو۔
 (۲) معاشرے میں اس کو ایسا مقام حاصل ہو کہ اس کا کرنا امر ضروری ہو۔
 (۳) وہ عرف معاشرے میں عام اور غالب ہو۔
 (۴) اس حکم کے وقت وہ عرف موجود ہو۔
 (۵) متعاقبین اس عرف کے خلاف کو معاہدہ یا شرطہ لگائیں۔

رفقہ اسلامی کے اصول و مبادی ص ۱۹۱

الاستصحاب فقہی ذخائر کے استنباطات میں استصحاب بھی بطور ماخذ استعمال ہوتا ہے لیکن یہ کوئی مستقل ماخذ نہیں ہے اس لیے اکثر حضرات نے ماخذ فقہ میں اس کا کم ذکر کیا ہے، یہ اس وقت کار آمد ہوتا ہے جہاں کوئی اور ماخذ موجود نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ماقبل میں جو چیز ثابت ہو یا ثابت نہ ہو اس کو اب بھی اپنے حال پر رکھا جائے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ کیا جائے تا وقتیکہ کوئی دلیل تغیر قائم نہ ہو اس لیے کہ اس کے بارے میں ظن غالب یہ ہے کہ یہ صورت ثبوت یا عدم میں بدستور باقی ہے۔

تعریف اصطلاحی اس لیے اصولیین نے اس کی تعریف یوں کی ہے :-

ماثبت فی الزمن
 الماضی فالاصل بقاء فی الزمن المتقبل مالا
 یوجد ما یغیرہ ہول المامول من علم
 الاصول۔ (اسلامی فقہ کے اصول و مبادی ص ۲۱۸)

کہ جو چیز زمانہ ماضی میں ثابت ہو تو اصل یہ ہے کہ اس کو مستقبل میں اس وقت تک باقی رکھا جائے جب تک کوئی دلیل مغیر نہ آجائے۔

اور دوسری تعریف ان الفاظ سے کی گئی ہے :-

الحکم ببقاء امر متحقق لحیظن عدمہ
 [الاشباہ والنظائر ج ۱ ص ۲۲۳]
 [المقاعدة الثالثة]

کسی مستحق امر کے حکم کو اس وقت تک باقی رکھنا جب تک کہ اس کے عدم پر کوئی ظن غالب پیدا نہ ہو۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اس کی توضیح یوں کرتے ہیں کہ :-

”ثابت شدہ امر کو ثابت شدہ ہی رہنے دے اور غیر ثابت شدہ کو غیر ثابت شدہ کو اس وقت تک کہ کوئی مغیر دلیل سامنے نہ آجائے، اسی کو استصحاب کہا جاتا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص پر کسی کا دس ہزار روپے قرض ہے اور اس قرض پر گواہ

بھی ہیں اور دونوں کے مابین تحریری ثبوت بھی ہے تو یہ قرضہ اس کے ذمہ دس سال بعد بھی بحق رہے گا جب تک اس کی ادائیگی پر کوئی دلیل شرعی نہ لائی جائے۔

استصحاب کی اقسام | فقہ کے اس ماخذ کی چار اقسام بیان کی جاتی ہیں :-
(۱) استصحاب بقاء الاصلیہ، یعنی انسان تکالیف سے

اس وقت تک بری الذمہ ہے جب تک اس کے مکلف ہونے پر کوئی دلیل پیش نہ کی جائے۔ مثلاً کوئی کسی پر قرضہ کا دعویٰ کرے اور دوسرا شخص اس کا منکر ہو تو جب تک مدعی کوئی دلیل پیش نہ کرے اس وقت تک منکر بری الذمہ ہے

(۲) استصحاب شرعی یا عقلی، یعنی شرع یا عقل کسی امر کے بارے میں ثبوت یا عدم ثبوت کے برقرار رہنے کا حکم کر دے تو وہ اس وقت تک برقرار رہے گا جب تک کوئی دوسری دلیل اس حکم کو تبدیل نہ کر دے۔

مثلاً کسی شخص کو وراثت میں کچھ زمین ملی ہے تو وہ اس وقت تک اس کا مالک متصور ہوگا جب تک زوال ملک کا کوئی ثبوت قائم نہ ہو۔

(۳) استصحاب حکم اصلی، کسی امر شرعی کے بارے میں جائز یا ناجائز ہونے پر کوئی دلیل شرعی کے موجود ہونے کی صورت میں وہ حکم اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کوئی دوسری تبدیل کرنے والی دلیل موجود نہ ہو۔

مثلاً جمیع مافی الارض میں مفید اور کارآمد اشیاء حلال ہیں اور دنیا کی جمیع عورتیں حرام ہیں مگر وہ اشیاء اور عورتیں جن کی حلال اور حرام ہونے پر دلیل موجود ہو۔

(۴) استصحاب وصفی، یعنی جس امر کے ساتھ کوئی صفت زمانہ ماضی میں لگ چکی ہو تو وہی صفت مستقبل میں بھی اسی طرح ہوگی۔

استصحاب وصف میں اختلاف | پہلی تین اقسام میں اگرچہ فقہاء کا جزیئی اختلاف موجود ہے مگر اصولی طور پر سب متفق ہیں، البتہ استصحاب

وصف میں اختلاف زیادہ ہے۔

مالکیہ اور احناف کے ہاں استصحاب وصف تو کسی امر کے دفع کرنے میں مفید ہے مگر کوئی امر ثابت نہیں کر سکتا۔

مطلب یہ ہے کہ جو حقوق اور ذمہ داریاں اول سے ثابت شدہ ہوں وہ ختم نہیں ہوتیں اور نئی ذمہ داریاں عائد نہیں ہوتیں۔

مثلاً ایک شخص مفقود و انجبر ہے تو اس کی بیوی اس وقت تک اس کی منکوحہ ہے گی جب تک اس کے فوت ہونے پر کوئی دلیل قائم نہ ہو یا عدالت حالات اور شواہد کی روشنی میں اسکے مرنے کے نتیجہ پر نہ پہنچی ہو، البتہ اگر کسی نے اس کے لیے وصیت کی یا اس کا مورت و فوات پاگیا تو اس کو میراث میں حصہ نہیں ملے گا اور نہ وصیت کا حقدار ہوگا اس لیے کہ یہ نئی ذمہ داری ہے جو اس پر عائد نہیں ہوتی۔

مگر شواہد اور حنا بلہ اس قسم کو بھی دفع اور ثبوت دونوں میں مؤثر قرار دیتے ہیں اس لیے ان کے ہاں مفقود و انجبر اپنی املاک کا بھی مالک ہوگا اور وراثت اور وصیت کا بھی مالک ہوگا۔

مصلح مرسلہ فقہ اسلامی میں مصلح مرسلہ کو بھی بطور ماخذ ذکر کیا جاتا ہے جس کو اصطلاح بھی کہا جاتا ہے جس میں صرف ضرورت اور مصلحت کو بنیاد بنا کر مسائل کا استنباط کیا جاتا ہے۔

(۱) تعریف: علامہ شاطبی نے الموافقات میں اس کی تعریف یوں ذکر کی ہے :-

المصالح المرسلہ وہی التي لا يشهد لها اصل بالاعتبار في الشرع ولا بالانقاء وان كانت على سنن المصالح وتلقفها العقول بالقبول۔ (الموافقات ج ۱ ص ۳۹ فصل ۱)

مصلح مرسلہ وہ ہیں جن کے اعتبار کیلئے شرعاً نہ اصل اس کے لیے شہادت دے اور ان کو لغو قرار دے بلکہ وہ مصلح کے طریقوں پر ہوں اور عقل ان کو قبول بھی کرے۔

(۲) دوسری تعریف یہ بیان کی گئی ہے :-

المصالح المرسلہ وہی التي لم يشهد لها اصل شرعي من نص اجماع لا بالاعتبار ولا بالانقاء۔ (منهاج الاصول ج ۲ ص ۱۰۰)

مصلح مرسلہ وہ ہے کہ اصل شرعی چاہے وہ نص و قرآن و سنت ہو یا اجماع نہ اُنکے اعتبار کی گواہی دے اور نہ ان کو لغو کرنے کی۔

مصلح مرسلہ کی شرائط مصلح مرسلہ فقہ اسلامی کا ماخذ تب بن سکتے ہیں جب اس میں مندرجہ ذیل شرائط موجود ہوں :-

(۱) مصلح اُن مصلح کے مشابہ ہوں جن کا شارع علیہ السلام نے اعتبار کیا ہے۔

(۲) ان مصالح کا حصول یقینی ہو۔

(۳) ان مصالح میں جو عموم پایا جاتا ہو وہ قوم و ملک کے فائدہ کے لیے ہو کسی خاص شخص یا جماعت کے لیے نہ ہو۔ (الموافقات ج ۲ ص ۳۷۳ القسم الثانی۔ المسئلة الثامنة)

امام مالک اور مصالح مرسلہ | ائمہ مجتہدین میں سے امام مالکؒ نے مسائل کے استنباط کے لیے مصالح مرسلہ سے یہ نسبت دوسرے ائمہ کرامؒ

کے زیادہ کام لیا ہے، اس لیے یہ اصل (ماخذ) انہی کی طرف منسوب ہے اگرچہ دوسرے ائمہ مجتہدین نے بھی اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا ہے۔ اس بات سے امام غزالیؒ کا استحسان اور استصلاح کو موہوم دلائل میں شمار کرنا بھی بے جا و بے محل رہ جاتا ہے اس لیے کہ دوسرے ائمہ مجتہدین نے بھی مصالح مرسلہ سے کسی نہ کسی عنوان کے تحت ضرورت کی خاطر کام لیا ہے۔

ان ماخذ کے علاوہ دوسرے ماخذ مثلاً شرائع من قبلنا، تعامل، اقوال صحابہؓ، ملکی قانون، ذرائع، تعامل اہل مدینہ وغیرہ بھی ہیں۔

فقہاء اسلام نے فقہ کی تدوین کے لیے ان کو بنیاد بنایا ہے مگر غور و خوض کرنے کے بعد یہ تمام کے تمام ماخذ ان چار بنیادی اصول کے تحت داخل ہو جاتے ہیں اور پھر مزید غور و خوض کرنے کے بعد وہ چاروں اصول بھی صرف دو یعنی قرآن و سنت کے تحت داخل ہو جاتے ہیں۔ ہم نے یہاں اس مقدمہ میں ان کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے، تفصیل کے لیے دوسرے مطولات کا مطالعہ کرنا ضروری ہے، علماء امت نے ان پر مستقل کتابیں تحریر کی ہیں۔

ذخیرہ فقہ کی تقسیم | ان ماخذ سے اب تک جتنے مسائل مستنبط ہوئے ہیں اور کتب فقہ میں درج ہیں، تو فقہ اسلامی کا یہ ذخیرہ کتب تین اقسام پر مشتمل ہے، ۱۔ اصول ۲۔ شروع ۳۔ فتاویٰ۔

فتاویٰ اُن حوادث اور واقعات کے حل کا مجموعہ ہے جو مختلف حالات اور ازمینہ میں علماء امت کے سامنے بصورت سوال پیش ہوئے اور انہوں نے ان ماخذ کے تحت حل تلاش کر کے امت کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس حل کو فتویٰ، مجموعہ کو فتاویٰ، حل کرنے والے کو مفتی اور حل طلب کرنے والے کو مستفتی کہا جاتا ہے جبکہ یہ عمل افتاء کے نام سے بھی موسوم ہے۔

چونکہ فتاویٰ حقانیت پر مبنی انہی ماخذ کے قبیل سے ہے اس لیے اب ہم فتویٰ اور افتاء کی تعریف لغوی و اصطلاحی اور آداب وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔

فتویٰ کا لغوی معنی

لُغَت میں فتویٰ دو طرح پڑھا جاتا ہے (۱) بفتح الفاء الفتویٰ (۲) بضم الفاء الفتویٰ۔ لیکن قول اول زیادہ صحیح ہے۔ مصباح المنیر ص ۲۶۲ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ فاء کا ضمہ صحیح نہیں ہے اصل میں فاء کا فتح ہے۔ صاحب قاموس نے دونوں کو جائز لکھا ہے، جبکہ دیگر محققین نے لکھا ہے کہ: ان الفتيا بالياء لا يكون الا مضمومة وان الفتوى بالواو لا تكون الا مفتوحة۔ (المصباح ج ۱ ص ۱۵) یعنی فتویٰ کا استعمال جب یاء سے ہو تو مضموم الفاء ہوگا اور جب واؤ سے ہو تو مفتوح الفاء ہوگا۔

عربی زبان میں فتویٰ کے بجائے فتیٰ زیادہ استعمال ہوتا ہے مگر معنی اور مقصد دونوں کا ایک ہی ہے۔ جیسا کہ ابن منظور نے لسان العرب میں لکھا ہے: الفتوى والفتيا اسمان يوضعان من موضع الافتاء الا ان لفظة الفتيا اكثر استعمالا في كلام العرب من لفظة الفتوى الخ (لسان العرب ج ۵ ص ۵) لیکن استعمال دونوں کا درست ہے۔ فتویٰ کا جمع اُفتاویٰ اور اُفتاویٰ آتا ہے۔ (مصباح اللغات ص ۶۱۸)۔ اگرچہ صاحب مصباح المنیر نے بکسر الواو اُفتاویٰ کو اصل قرار دیا ہے اور بفتح الواو اُفتاویٰ صرف تخفیف کے لیے جائز کہا ہے لیکن آج کل عموماً بفتح الواو پڑھا جاتا ہے۔

مادہ اشتقاق فتویٰ کے اشتقاق میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک فتویٰ اُفتوۃ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے کرم، سخاوت، مروت اور زور آوری۔

فتویٰ کو بھی فتویٰ اس لیے کہا جاتا ہے کہ مفتی اپنی سخاوت، مروت اور عالمانہ قوت سے کام لے کر کسی دینی مسئلہ کو حل کرتا ہے۔ جبکہ بعض کے نزدیک فتویٰ دراصل الفتی سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے الثابت القوی، ایک مفتی مسائل کو چونکہ اپنے دلائل سے قوت اور ثبوت مہیا کرتا ہے اس لیے فتویٰ گویا مدلل ثبوت والا جواب ہے۔

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں: الفتوى مشتقة من الفتى وهو الشاب القوى وبسبب به لان المفتي يقوى السائل بجواب حادثة۔ (مقدمہ رد المحتار ج ۱ ص ۱) اسی سے افتاء ہے۔

الافتاء افتاء لغت میں ہوا جواب لای سوال کان سواء کان متعلقاً بالاحکام

الشرعیۃ او بغيرها من المعاملات الاخری الدنیویۃ المحضۃ (المصباح ج ۱ ص ۱۵۱)
یعنی فتویٰ سوال کا جواب دینے کو کہا جاتا ہے، سوال چاہے احکام شرعیہ کے متعلق ہو یا کسی
دنیاوی امور کے بارے میں ہو۔ جیسے قرآن کریم کا ارشاد ہے: یُؤَسِّفُ أَتْيَهَا الصِّدِّيقُ
أَقْتِنَانِي سَبْعَ بَقَرَاتٍ۔ (سورۃ یوسف ص ۱۲۶) اور عزیز مصر کا اپنے وزراء سے یوں کہنا:
يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ (سورۃ یوسف ص ۱۲۳) ان دونوں آیات میں دنیاوی امور
کے بارے میں سوال لفظ فتویٰ سے کیا گیا ہے۔

امام رازیؒ افتاء کے آٹھ معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: معنی الافتاء اظہار
المشکل۔ مگر امام رازیؒ کے ہاں فتویٰ اور فتویٰ دونوں افتاء کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔
بناء بریں مفتی کو مفتی اس لیے کہا جاتا ہے کہ کانہ یقوی ببیانہ ما اشکل ویصید
قویا فتیا۔ (البشری لاصول افتاء ص ۱ من تفسیر کبیر سورۃ النساء)

امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں: الفتیا والفتویٰ، الجواب، عما اشکل من
الاحکام۔ (مفردات ص ۳۱۳ کتاب الفاء)

تو گویا کہ فتویٰ اس شرعی مسئلہ کے حل کو کہا جاتا ہے اور مفتی حل کرنے والا ہوتا ہے،
جبکہ مستفتی وہ سائل ہے جو اپنی مشکل کو حل کرنے کے لیے مفتی سے سوال کرتا ہے۔

افتاء کی اصطلاحی تعریف | محققین علماء نے افتاء کی اصطلاحی تعریف یوں کی
ہے: هو الاخبار بحکم اللہ تعالیٰ من مسئلة

دینیۃ بمقتضی الادلة الشرعیۃ عن سأل عنه فی امر نازل علی جهة العموم
والشمول لاهلی وجه الامام۔ (المصباح شرح اصول افتاء ج ۱ ص ۱۶)

بعض نے یوں تعریف کی ہے: هو بیان حکم اللہ تعالیٰ بمقتضی الادلة الشرعیۃ
علی جهة العموم والشمول۔ (الاساس الشرعی والقانونی ص ۱۲۸)

علامہ قرآنیؒ لکھتے ہیں: اخبار حکم اللہ تعالیٰ فی الاموال والاباحۃ۔

(الفروق ج ۲ ص ۵۳)

مگر ان سب تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ: ”اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بتا دینا“

لطائف افتاء | علامہ عبدالباقی احمد گسریؒ نے دستور العلماء میں فتویٰ کے سلسلے
میں سات اہم نکات بیان کئے ہیں جو ایک مفتی کو اپنے پیش نظر

رکھنے چاہئیں۔

(۱) افتاء جو دراصل فتویٰ سے ماخوذ ہے، باعتبار ثلاثی مجرد کے افعال غیر متصرف میں سے ہے، اس میں اشارہ یہ ہے کہ ایک مفتی بنیادی اصول اور نصوص میں کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکتا البتہ فروعات میں تصرف کر سکتا ہے۔

(۲) افتاء ایک متعدی فعل ہے اس لیے مفتی کا علم بھی متعدی ہونا چاہیئے۔

(۳) افتاء باب افعال سے ہے جو ثلاثی مزید فیہ کے ابواب میں پہلا باب ہے اس لیے اس میں عبرت یہ ہے کہ جو شخص درجہ افتاء کو پہنچ گیا اس کے سامنے کامیابی کے اور مزید ابواب بھی کھلیں گے۔

(۴) مفتی کے لیے مناسب ہے کہ وہ صاحب فتوت ہو کیونکہ فتویٰ اور فتوہ کے درمیان انحراف ہے، اس لیے مفتی نہ تو فتویٰ پوچھنے والے سے کسی قسم کا طمع یا لالچ کرے اور نہ فتویٰ کی کثرت سے کسی قسم کے ملال یا بیزاری کا اظہار کرے۔

(۵) افتاء کے اول و آخر میں الف ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ مفتی کو ابتداء سے انتہاء تک امور دین کے بارے میں استقامت و صداقت کا پیکر ہونا چاہیئے۔

(۶) افتاء کی باعتبار اجماع عددی قیمت ۲۸۲ ہے جس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ مفتی کے پاس اصول و فروع کی کتابوں کی تعداد اس سے کم نہ ہو، چنانچہ کتب ظاہر و روایہ کے تفحص و مطالعہ کے بعد محققین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کتب افتاء کی تعداد بھی اس عددی قیمت کے برابر ہے۔

(۷) افتاء میں پانچ حروف اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مفتی ظاہر و روایہ کی پانچ کتب پر نظر رکھنے کے علاوہ اسلام کے ارکان خمسہ کا بھی پورا پورا خیال رکھے۔

(دائرة المعارف اردو جلد ۱۵ ص ۱۴)

فتاویٰ دور نبویؐ میں | فتویٰ اور افتاء کوئی نیا عمل نہیں بلکہ اس کا تاریخی دور زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے زمانے میں مسائل

کا حل براہ راست آپؐ کی ذات اقدس سے وابستہ تھا، جب کبھی صحابہؓ کو کوئی مسئلہ پیش آتا تو دربار نبوت میں حاضر ہو کر اس کا حل طلب کرتے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ وحی یا کبھی ذاتی اجتہاد سے صحابہ کو اس مسئلہ کا حل بتا دیتے۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

بنفس نفیس تعلیم قرآن کریم کے ساتھ ساتھ قانون سازی، فتاویٰ اور قضاء وغیرہ کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے اس لیے آپ کے زمانہ اقدس میں فقہ کی نہ تو باقاعدہ ترتیب تھی اور نہ اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود آپ کے فیصلے، فتاویٰ عموماً ایک دستور اور اصولی رنگ میں تھے اس لیے بعض صحابہ ان کو محفوظ کر چکے تھے جس کی لاتعداد مثالیں کتب حدیث میں موجود ہیں، مثلاً :-

(۱) آپ نے سود اور ربلو کے تعین اور جاننے کے لیے اور متفق الاجناس اشیاء کی باہمی بیع کے لیے اشیاءِ مستم کے بارے میں فرمایا: *المحطة بالحنة، والشعیر بالشعیر والذهب بالذهب والفضة بالفضة والملمح بالملمح والتمس بالتمس مثلاً بمثل یداً بیداً والفضل ربلو۔* (مشکوٰۃ ص ۲۴۲ باب الربو)

یہ حدیث اگرچہ بظاہر صرف چھ اشیاء کی بیع کے بارے میں حکم بیان کرتی ہے کہ ان اشیاء کی ہاتھوں ہاتھ اور برابر برابر خرید و فروخت جائز ہے، مگر غور و فکر کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث میں ہر ہم جنس شے کی تجارت باہمی جنس سے کرنے کا حکم بیان ہوا ہے۔ اس لیے امام ابو حنیفہؒ نے اس حدیث سے تعین ربلو کے لیے ایک اصل نکالا کہ جس چیز میں قدریت اور جنسیت ہو اُس کی بیع کا طریقہ کاریہ ہے اور اگر اس میں زیادتی کا ارتکاب ہو تو وہ ربلو (سود) ہے۔

(۲) دوسری مثال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہے کہ کل قرض جتر نفعاً فهو حرام۔ (مسئلہ سود از مفتی محمد شفیعؒ)

یہ اساسی جواب ہر اس نفع کو شامل ہے جو قرض دہندہ مقروض سے لینا چاہے خواہ وہ نفع بدنی ہو یا مالی، یا قرض کے بدلہ میں مقروض نے کوئی چیز رہن رکھوائی ہو اور قرض دہندہ اس سے کسی بھی قسم کا نفع لیتا ہو۔

یہ سب اس حدیث کے تحت میں آتے ہیں، اس قسم کے اساسی جوابات کافی تعداد میں جمع ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ جوابات جس طرح وحی غیر متلو کی شکل میں تھے اسی طرح وحی متلو میں بھی موجود ہیں، مثلاً :-

(۱) *يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَأَعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ۔* (سورۃ البقرہ)

(۲) *يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُ مِنْ خَيْرٍ۔* (سورۃ البقرہ)

(۳) يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخُمْرِ وَالْيَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنْ اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا - (سورة البقرہ)

گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات وحی جلی یعنی قرآنی آیات کی شکل میں ہوتے تھے یا پھر وحی نھنی یعنی احادیث غیر متلو کی شکل میں ہوتے تھے لیکن کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ جوابات اجتہادی صورت میں ہوتے تھے اور مسئلہ کا حل اپنی رائے سے فرمایا کرتے تھے لیکن بعد میں قرآن کریم یا وحی غیر متلو سے اس کی توثیق ہو جاتی تھی۔

چنانچہ علامہ سادہ نے الاحکام میں امام شعبیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مسئلہ میں اجتہاد فرماتے تو بعد ازاں قرآن کریم اور وحی سے یا تو اس کی توثیق ہو جاتی یا پھر اس کے خلاف ہوتا، اگر خلاف ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ اجتہادی مسئلہ جھوڑ دیتے۔

اس قسم کے کئی واقعات کتب احادیث میں موجود ہیں کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد فرمایا اور بعد میں منجانب اللہ کبھی تو اس کی توثیق ہو جاتی اور مسئلہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا اور کبھی اس کی تردید نازل ہو جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ترک فرما دیتے۔ گویا کہ آپؐ اپنی حیات طیبہ میں صحابہ کرامؓ کے مسائل کو اذلاً وحی کی روشنی میں حل فرماتے اور کبھی کبھی اجتہاد بھی فرمایا کرتے تھے۔ اپنے دور میں فتویٰ صرف آپ ہی دیا کرتے تھے اور صحابہ کرامؓ اس کو یاد فرمایا کرتے تھے جو اب کل کتب حدیث کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہیں اگرچہ بعض صحابہ کرامؓ کو آپؐ نے فتویٰ دینے کی اجازت دی تھی۔

فتویٰ دور صحابہؓ میں | بعض صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی فتویٰ دیا کرتے تھے مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ۔

(الطبقات لابن سعد جلد ۲ ص ۱۱)

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے چھ اصحاب سے علم لیا گیا۔ ان میں حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ علم میں ایک دوسرے کے مشابہ تھے، ان میں بعض بعض سے اخذ کرتے تھے۔ اور حضرت علیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ایک دوسرے سے مشابہت فی العلم رکھتے تھے اور ایک دوسرے سے اکتساب کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۱)

مفتیان صحابہ کرامؓ کی اقسام و طبقات | صحابہ کرامؓ میں سے جو حضرات فتویٰ دیا کرتے تھے ان کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) کوئی صحابی کوئی کام یا بات اپنی رائے و اجتہاد سے کرتے یا کہتے اور جب وہ بات حضورؐ تک پہنچ جاتی اور آپؐ صحابہؓ کو اس عمل یا فتویٰ پر برقرار رکھتے ان پر کوئی نکیر نہ فرماتے تو وہ فتویٰ حجت ہوتا۔

(۲) کئی صحابی کسی قول یا عمل کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سن چکے ہوتے اور اسی کو نقل کر کے لوگوں کو بتا دیتے، یہ حضرات اس فتویٰ میں بطور روایات کے ہوتے تھے۔

راعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۳۳، ص ۲۳۴

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو جملہ صحابہ کرامؓ میں سے بقول علامہ ابن قیمؒ کے ۱۳۰ یا ۱۶۰ اصحاب فتویٰ دیا کرتے تھے مگر ان کے بھی تین طبقات تھے، مثلاً۔

(۱) مکثرین: یعنی جو زیادہ فتویٰ دیتے تھے۔

(۲) متوسطین: وہ جو کچھ کم فتویٰ دیتے تھے۔

(۳) مقلبین: وہ جو بہت کم فتویٰ دیتے تھے۔

مکثرین فقہاء صحابہ کرامؓ سات تھے جن میں ۱۔ حضرت عمرؓ ۲۔ حضرت علیؓ ابن ابی طالبؓ ۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۴۔ ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ ۵۔ حضرت زید بن ثابتؓ ۶۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ۷۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ شامل ہیں۔

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے ان حضرات کے فتاویٰ کو اگر جمع کیا جائے تو ہر ایک کا فتاویٰ ایک ضخیم کتاب بن جائے گا۔

امام ابو بکر محمد بن موسیٰ بن یعقوبؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے فتاویٰ کو بیس جلدوں میں جمع کیا ہے۔

متوسطین کی تعداد مکثرین سے زیادہ ہے ان کی تعداد تیرہ^{۱۳} تک پہنچتی ہے۔

ان میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ شامل ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان حضرات کے فتاویٰ کو جمع کیا جائے تو ہر ایک کے فتاویٰ کی ایک ایک جلد بن جائے گی۔

بعض علماء نے ان صحابہ کرام میں حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عباد بن صامتؓ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کو بھی شمار کیا ہے۔
مقلدین میں ان صحابہؓ کے علاوہ کئی دوسرے صحابہؓ بھی شامل ہیں، گو ان صحابہؓ سے زیادہ فتاویٰ منقول نہیں ہیں مگر بوقت ضرورت ایک یا دو مسئلوں یا اس سے زیادہ کے بارے میں فتاویٰ منقول ہیں، اگر ان تمام کے فتوؤں کو جمع کیا جائے تو ایک چھوٹی جلد بن جائے گی۔ ان صحابہؓ میں حضرت ابودرداءؓ، حضرت ابوالبشرؓ، حضرت ابوسلمہ المذدنیؓ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ، حضرت سعد بن زیدؓ، حضرت حسن و حسین ابناء حضرت علیؓ، حضرت نعمان بن بشیرؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت ابوالیوب انصاریؓ، حضرت ابوطلمحہؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، حضرت براء بن عازبؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ وغیرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ (اعلام الموقعین جلد ۱۲، ۱۳)

تو گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ نے دین کے دیگر شعبوں کی طرح اس اہم اور انتہائی ضروری کام کو بھی سنبھالا اور اس کی پذیرائی فرمائی، اس کی ترویج اور اشاعت میں بڑھ چڑھ کر کام کیا جس کی وجہ سے دین کا یہ اہم شعبہ آج تک زندہ ہے۔

فتاویٰ دورِ تابعین میں
حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد فتویٰ کا کام حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابوسہریرہؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کے سپرد ہوا۔ ان حضرات میں آخری صحابی جن کے ہاتھوں میں یہ منصب باقی رہا حضرت عبداللہ بن عمرؓ تھے، ان حضرات کے ہاں کبار تابعین جن میں فقہاء سبعہ اور دیگر حضرات شامل تھے نے فتویٰ کی تربیت پائی۔

(المصباح فی رسم المفتی و مناجم الافتاء ج ۱ ص ۶۲)

یہ حضرات اپنے وقت کے عظیم مفتی اور قاضی شمار کئے جاتے ہیں اور ان کے فتاویٰ آج بھی بطور دلیل پیش کیے جاتے ہیں۔

چنانچہ صحابہ کرامؓ کے زمانے کے بعد اس منصب نبویؐ کو حضرات تابعینؓ نے سنبھالا اور الحمد للہ یہ سلسلہ رکنا نہیں، ان حضرات نے گلشن نبویؐ کی آبیاری اپنے ذمے لی اور اس کام کو

مختلف بلاد (شہروں) میں رہو مسلمانوں نے اپنی فتوحات کے زمانے میں آباد کیے تھے (شروع کیا۔

ان فقہاء تابعین کی دو قسمیں ہیں۔

تابعین فقہاء کے طبقات

(۱) وہ تابعین جو اپنا سارا وقت روایتِ حدیث میں صرف کرتے تھے اور فقہی مسائل کے استنباط میں کوئی توجہ نہیں دیتے تھے مگر ان مسائل کو جو قرآن و سنت میں صراحتاً ذکر ہو، یہ حضرات رائے اور قیاس میں انہماک کو مکروہ سمجھتے تھے اور فتویٰ و استنباط مسائل سے بلا ضرورت خوف زدہ رہتے تھے مگر پھر بھی اس سے چھٹکارا مشکل تھا، اسی طرح بعض کبار صحابہ کرامؓ بھی کسی واقعہ کے حدوث سے قبل اس کے حل کو ناپسند فرماتے تھے، جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپؓ فرماتے ہیں کہ: لا تعجلوا بالبلاد قبل نزولہ۔

اسی طرح حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی قبل نزولِ حادثہ میں تکلم اور بحث کی کراہیت کے اقوال مروی ہیں۔

(۲) دوسرے وہ فقہاء تابعین تھے جنہوں نے اپنے آپ کو فقہ اور فتویٰ نویسی کیلئے وقت کر رکھا تھا، یہ حضرات صرف روایتِ حدیث اور آثار پر اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ ہر مسئلہ کے حل میں اجتہاد سے بھی کام لیتے تھے اور آنے والے واقعات کے حل کی کوشش فرماتے تھے، اور بعض نے توفیق کو کتاب کی شکل میں بھی مدون فرمایا جیسے امام شیعہؒ اور امام مکحولؒ۔

(اصولِ افتاء ضلع)

چونکہ یہ حضرات مختلف بلاد میں آباد تھے اس لیے ان کو وہاں کا امام تصور کیا جانے لگا، چنانچہ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں منقیا بن تابعین میں سعید بن المسیب، عروہ بن زبیرؒ، قاسم بن محمد، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود، خارجہ بن زید، ابوبکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام اور سلیمان بن یسار رحمہم اللہ فقہاء سبعہ کے نام سے موصوف ہیں، بقولِ شاعرؒ

اذا قيل من في العلم سبعة ابحر
روایتهم ليست عن العلم خارجة
فقل هو عبید اللہ، عروہ، قاسم
سعید، ابوبکر، سلیمان وخارجة

ان کے علاوہ ابان بن عثمان، سالم بن عبد اللہ اور تافع رحمہم اللہ وغیرہ مدینہ منورہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۲۲)

مکہ مکرمہ میں عطاء بن ابی رباح، طاؤس بن کيسان، مجاہد بن جسر، عبید بن عمیر وغیرہ مفتیان اہل فتویٰ تھے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۲۵)

بصرہ میں عمرو بن سلمہ الجرمی، ابو مریم الحنفی، کعب بن اسود، حسن بصری وغیرہ۔ ان کے بعد ایوب السختیانی، سلیمان التیمی، قاسم بن ربیعہ وغیرہ فتویٰ کا کام کرتے تھے اور ان کا فتویٰ چلتا تھا۔ صحابہ کرام کے بعد کوفہ میں علقمہ بن قیس الہمدانی، مسروق بن اجدع، شریح بن الحارث القاضی، سلیمان بن ربیعہ الباہلی، سوید بن غفلہ، حارث بن قیس الجعفی وغیرہ بہت سارے علماء فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ان کے بعد ابراہیم النخعی، عامر الشبعی، سعید بن جبیر وغیرہ۔ ان کے بعد حماد بن ابی سلیمان، سلیمان بن معتمر، سلیمان اعمش وغیرہ۔ اور ان کے بعد امام اعظم ابو حنیفہ، قاسم بن معن اور سفیان الثوری وغیرہ فتویٰ دیا کرتے تھے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۲۶)

شام کے اہل فتویٰ میں ابو ادیس الخولانی، شریح بن سمط، عبد اللہ بن ابی زکریا الخزاعی، قبیصہ بن ذؤیب الخزاعی وغیرہ شامل ہیں۔

مصر میں یزید بن ابی حبیب، بکر بن عبد اللہ بن الشیم، ان کے بعد عمرو ابن الحارث، لیث بن سعد، عبید اللہ بن ابی جعفر وغیرہ اور دیگر فقہاء فتویٰ دینے کا عہدہ سنبھال چکے تھے۔

یمن میں مطرف بن مازن، قاضی صنعاء، عبد الرزاق بن ہمام اور ہشام بن یوسف وغیرہ کا فتویٰ چلتا تھا۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خلیفہ منصور نے جب بغداد شہر تعمیر کیا تو اس میں جمیع ائمہ کرام، فقہاء عظام اور کثیر تعداد میں محدثین بسا دیئے جن میں ابو عبید، قاسم ابن سلام، ابو ثور ابراہیم بن خالد البکلی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔

(اعلام الموقعین ج ۱ ص ۲۶ تا ۲۹)

مفتی کے شرائط و آداب

مسند افتاء پر بیٹھنے والے میں چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ مثلاً مفتی قرآن و سنت کا ماہر عالم ہو اس لیے کہ غیر عالم کو فتویٰ دینا شرعاً درست نہیں، اسی کے پیش نظر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

لا يجوز الفتيا الا لرجل عال بالكتاب والسنة - (اعلام الموقعين ج ۲ ص ۳۵۲)
(۱) مفتی مسلمان ہو (۲) عادل و دیندار اور خدا ترس ہو، فاسق و فاجر کا فتویٰ دینا ممنوع ہے، البتہ ظاہری عدالت کافی ہے، باطنی فسق مضر نہیں۔ (۳) مفتی کا عاقل بالغ ہونا بھی ضروری ہے۔ علامہ سید طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

نشرط المفتي اسلامه وعدالته ولزم
منها بلوغه وعقله فيرد فتوى الفاسق
والصاقر وغير المكلف -
(طحطاوی علی الدال المختار ج ۳ ص ۱۷۵)

مفتی کے لیے مسلمان اور عادل ہونا شرط ہے اور فتویٰ کے لیے اس کا بالغ اور عاقل ہونا لازماً ہے، پس کافر، فاسق اور غیر مکلف کا فتویٰ مردود ہوگا۔

البتہ اس میں عمر کی کوئی قید نہیں، چاہے وہ جوانی کی عمر میں ہو یا بڑھاپے کی عمر میں، البتہ علمی رسوخ لازمی ہے۔

صاحب معین الحکام فرماتے ہیں :-

ولا يعتبر السن بلا كثرة العدد لان
الصغر الواحد قد يوفق للصواب
في حادثة ما لا يوفقى الاكبر والجماعة -
(معین الحکام ص ۳)

عمر اور کثرتِ عدد کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ چھوٹی عمر کے آدمی کو کسی حادثے میں زیادہ تصویب کی توفیق ہوتی ہے جو کسی بڑی عمر والے کو حاصل نہیں ہوتی۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ کبار صحابہؓ کے موجود ہوتے ہوئے بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مشورہ لیتے تھے حالانکہ وہ کم سن تھے۔

اسی طرح مفتی میں بیدار مغزی، قوت ضبط اور اہل اجتہاد جیسی صفات کا ہونا بھی ضروری ہے۔ علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

ویشترط بتقاضہ وقوة ضبطہ واهلیۃ اجتہادہ۔ (البحر الرائق ج ۶ ص ۲۶۶)
اسی طرح مفتی میں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اغنیاء، سلاطین، امراء اور وزراء کی طرف مائل نہ ہوتا ہو۔ صاحب نور الہدیٰ فرماتے ہیں :-

ومن شرائط المفتی کون المفتی کلیمیل
الی الاغنیاء و اعوان السلطان والامراء۔
(فتاویٰ نور الہدیٰ ص ۱۹۵)

مفتی کے شرائط میں سے یہ بھی کہ وہ مالدار لوگوں، وزراء اور سلاطین کی طرف میلان نہ رکھتا ہو۔
ایک مفتی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کسی ماہر مفتی کا شاگرد نہ رہ چکا ہو اور اس کی نگرانی میں فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی ہو۔ (عقود رسم المفتی)
اس لیے کہ صرف کتب بینی پر اعتماد کرنا ہی کافی نہیں بلکہ معتمد علمائے کرام کی صحبت لازمی ہے بشرطیکہ ان کو اس فن میں مہارت تامہ بھی حاصل ہو۔ اور ان میں ایک نفسانی ملکہ بھی موجود ہو تو وہ شخص فتویٰ دینے کا اہل ہو گا ورنہ نہیں۔
ایک مفتی میں دور اندیشی کی صفت کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ :-

قلت وهذا شرط لازم في زماننا
والحاصل ان من غفلته المفتی يلزم ضرر
عظیم في هذا الزمان۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۱۸)

مفتی میں بلند کرداری کے ساتھ بردباری اور نرم خوئی کا ہونا بھی ضروری ہے۔
مفتی کے لیے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے عرف کو جانتا ہو یعنی زمانہ کے عرف سے واقف ہو، اس لیے کہ اگر ایک طرف ظاہر الروایہ ہو اور دوسری طرف عرف اس کے خلاف ہو تو مفتی عرف کو چھوڑ کر ظاہر الروایہ پر فتوے نہیں دے سکتا ہے۔ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :-

وفي القنیۃ لیس للمفتی ولا قاضی ان
یحکما علی ظاہر المذہب ویترک العرف
وهذا صریح فیما قلنا ان المفتی لا یفتی بخلاف
عرف زمانہ۔ (رسم المفتی ص ۲)

قنیہ میں ہے کہ مفتی اور قاضی ظاہر مذہب پر فیصلہ کر کے عرف کو نہیں چھوڑ سکتا اور یہ ہمارے کہنے میں صریح ہے تو بیشک مفتی اپنے زمانہ کے عرف کے خلاف فتویٰ نہیں دے سکتا۔

بلکہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ :-

من جہل باہل زمانہ فہو جاہل۔ | جو اپنے زمانے کا عرف نہ جانتا ہو تو وہ بھی
رسم المفتی ص ۴۱ | جاہل ہے۔

یعنی مفتی حالات کو دیکھ کر مبتلی یہ کہ حالات و حیثیت کے مطابق آسان فتویٰ دے تاکہ لوگ دین سے متنفر نہ ہوں، لہذا مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ سہل، آسان اور رخصت پر عمل کرنے کا فتویٰ دے اور عوام الناس کے لیے آسانی پیدا کرے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :-

و فی عہدۃ الاحکام من کشف البزدوی | اور عہدۃ الاحکام میں بزدوی کی کتاب کشف
یستحب للمفتی الاخذ بالخص نیسرا | سے منقول ہے کہ مفتی کے لیے مستحب ہے کہ
علی العوام مثل التوضی بماء الحمام | عوام پر آسانی کی غرض سے رخصت پر فتویٰ
والصلوۃ فی الاماکن الطاہرۃ بدو | دے مثلاً حمام کے پانی سے وضو کرنا اور
المصلیٰ۔ (عقد الجید ص ۳۷) | پاک جگہوں پر بدون جانماز کے نماز پڑھنا۔

لیکن جو لوگ محتاط اور خواص ہیں ان کو عزیمت پر عمل کرنا چاہیئے، اس لیے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ :-

ولا یلیق ذلک باصل العزلة بالخذ | اور یہ رخصت گوشہ نشینوں کے لائق نہیں بلکہ
بالاحتیاط والعمل بالعزمۃ اولیٰ | ان کے حق میں بہتر یہ ہے کہ وہ احتیاط پر
بہم۔ (عقد الجید ص ۳۷) | کاربند رہیں اور عزیمت پر عمل کریں۔

اغلاط سے بچنا اور محفوظ رہنا بھی مفتی کے لیے ضروری ہے کہ اس سے اغلاط کم واقع ہوں ورنہ جس مفتی سے بکثرت غلطیاں واقع ہوتی ہوں وہ قابل اعتماد نہیں رہتا۔ علامہ سید احمد طحاویؒ فرماتے ہیں :-

و ذکر فی الملتقط اذا کان صوابہ اکثر من | اور ملتقط میں ہے کہ جب مفتی کا صواب اغلاط
خطا حل لہ ان یفتی وان لم یکن من اہل | سے زیادہ ہو تو وہ فتویٰ دینے کا اہل ہے اگرچہ
الاجتہاد۔ (طحاوی علی الدر المختار ج ۳ ص ۱۷۱) | وہ درجۃ اجتہاد پر فائز نہ ہو۔

اگر مفتی مقلد ہو تو سب سے بڑھ کر اس میں یہ وصف ہونا ضروری ہے کہ اس کو اپنے امام کے مستنبط مسائل و قواعد اور امام کے طرز اسلوب پر مہارت حاصل ہو۔

علامہ سید احمد طحاویؒ فرماتے ہیں کہ مفتی نرم خو، شگفتہ مزاج اور متواضع ہو۔ تند خوئی، درشت مزاجی، غرور و تکبر اور انانیت مفتی کے لیے سخت معیوب ہے۔ مفتی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خوب اطمینان کے ساتھ جواب دے، جب تک وہ خود مطمئن نہ ہو تو جواب دینے سے پرہیز کرے اُکل سے جواب نہ دے۔ اسی طرح اگر مفتی مقلد ہو تو جس کتاب سے جواب دینا ہو تو اُسے اُس کے مصنف کا حال معلوم ہونا چاہیے، سوال کا خوب اطمینان کے ساتھ جواب دے۔
(رسم المفتی ص ۳، ۵)

آداب (۱) فتویٰ دینے کے آداب میں سے یہ بھی ضروری ہے کہ مفتی کتب مذہبیہ سے صریح جزئیہ کو تلاش کرے جب تک صریح جزئیہ نہ ملے محض کلیات و تعلیلات سے جواب نہ دے۔
(۲) تاہم اگر ضرورت پڑ جائے یعنی کافی تلاش اور تتبع کرنے کے بعد بھی جزئیہ نہ مل سکے تو جواب میں یہ لکھنا مناسب ہوگا کہ جزئیہ نہیں ملا لہذا جواب قواعد سے لکھا جاتا ہے۔ حضرت تھانویؒ کا یہی طریقہ تھا، آپ فرماتے ہیں: ”قواعد سے جواب لکھتا ہوں تو اس میں یہ احتیاط کرتا ہوں کہ یہ لکھ دیتا ہوں کہ قواعد سے یہ جواب لکھا ہے جزئیہ نہیں ملا۔“

(اشرف المعولات ص ۳۲ بحوالہ تحفۃ العلماء جلد ۲ ص ۲۳۷)

(۳) اور نہ صرف ایک جزئیہ ایک کتاب میں دیکھ کر اس پر فتویٰ دیا جائے بلکہ متعدد کتابیں دیکھ کر تحقیق کے بعد فتویٰ دیا جائے، اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس کتاب میں کوئی غلطی ہو چکی ہو، مثلاً شاتم رسول کی توبہ کی قبولیت کے مسئلہ پر کئی کتابوں میں احناف کا مذہب عدم قبولیت کا لکھا ہے حالانکہ احناف کے ہاں اس کی توبہ قبول ہوگی۔ (تحقیق رسالہ ابن عابدین)

(۴) جواب ظاہری عبارت کے موافق دینا چاہیے اگرچہ حقیقت میں معاملہ کچھ اور ہو مگر یہ توضیح لازمی ہے کہ یہ لکھا جائے کہ بناء بر صورت مسئلہ یا صورت مسئلہ کے مطابق جواب یہ ہے۔

(۵) مفتی کو جواب واضح، صریح اور سلیس زبان میں دینا چاہیے، الفاظ کے پیچھے پڑنے سے اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جو سوال کیا جائے اس کا بلا تکلف صاف صاف جواب دینا چاہیے، گول اور پیچدار الفاظ ہرگز نہ ہونے چاہئیں، تکلف اور تصنع جو آج کل بطور عادت ثانیہ کے ہو گئے ہیں بالکل خلوص کے خلاف اور نہایت تکلیف دہ چیزیں ہیں۔ (ملفوظات اشرفیہ ص ۱۹۸)

(۶) جو مستفتی معترض یا معاند ہو اور صرف امتحان یا اعتراض کی غرض سے سوال کرتا ہو، عمل کرنے کا قصد نہ ہو تو اس کو جواب نہیں دینا چاہیئے اس سے خاموشی بہتر ہے، کیونکہ اس کو جواب دینا مفید نہیں۔

حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ معاند کو جواب دینا مفید نہیں بلکہ خاموشی بہتر ہے مگر مولویوں کو کب آتا ہے جو شش اٹھتا ہے، جس کو محض اعتراض ہی مقصود ہو اس کو کہہ دینا چاہیئے کہ جاؤ یونہی سمجھو البتہ جو سمجھنا چاہے اس کو سمجھانا چاہیئے۔ (تحفۃ العلماء جلد ۲ ص ۲۵۲)

(۷) ہر مسئلہ پر فتویٰ دینے سے گریز کرنا مناسب ہے بلکہ فتویٰ کا جواب نہایت غور و فکر کے بعد دینا ضروری ہے کہ کہیں فتویٰ مفاسد کے اٹھنے کا ذریعہ نہ بن جائے، اگر مفاسد کا خطرہ ہو تو اس سے خاموشی بہتر ہے۔

حکیم الامتؒ فرماتے ہیں بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ کم گو فی نفسہ صحیح ہو مگر مفضی ہو جاتے ہیں مفاسد کی طرف جہاں عوام کو ان کی اطلاع ہوئی اور آفتیں کھڑی ہو جائیں گی، اس لیے ایسے مسائل کو بیان نہیں کرنا چاہیئے، میں نے بہت دفعہ بیان کیا ہے کہ عظیم دین بعض لوگوں کو مضر ہوتا ہے، تو یہاں بھی ضرر سے بچنا مقصود ہے۔

(۸) اگر کسی استفتاء میں کوئی فتنہ انگیز سوال پوچھا گیا ہو مثلاً کسی عالم دین، واعظ یا کسی شخص کا کوئی عقیدہ بیان کر کے اس کے بارے میں سوال ہو تو اس کے اس طرح جواب دیا جائے کہ ایسا عقیدہ کسی عالم دین یا مسلمان کا نہیں ہو سکتا اگر اس شخص کا یہ عقیدہ ہو تو وہ خود زبانی یا تحریری لکھ کر پوچھیں، یہی طریقہ حکیم الامتؒ کا تھا۔ (تحفۃ العلماء جلد ۲ ص ۲۵۵)

(۹) اگر فتویٰ لیا ہو اور ایک کاغذ پر جواب تمام نہ ہوتا ہو تو دوسرے کاغذ پر لکھنے کے بعد دونوں کاغذات کو مہر کرے یا دونوں پر دستخط کرے تاکہ تحریف کا شبہ نہ رہے۔

(۱۰) فتویٰ مختصر اور جامع ہونا چاہیئے طوالات کی ضرورت نہیں اس لیے کہ فتویٰ سے غرض مستفتی کو شرعی حکم بیان کرنا ہے کوئی مناقشہ مقصود نہیں۔

(۱۱) تاہم جہاں اختصار و وضاحت اور بیان مطلوب میں فعل ہو تو وہاں طوالت کے ساتھ فتویٰ دینا واجب ہے مثلاً کسی شخص کے کسی موجب کفر عقیدے کے بارے میں پوچھا جائے تو بغیر بینہ شرعیہ یا اقرار کے فتویٰ نہ دیا جائے۔ اور اسی طرح اگر دو معنوں والے لفظ کے بارے میں پوچھا جائے تو بغیر وضاحت اور تفصیل کے فتویٰ نہ دیا جائے۔ (اموال الدعویہ ص ۱۶۸، المطلب الرابع لفتویٰ)

(۱۲) فتویٰ دینے میں زمانے اور مکان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اس لیے کہ زمانہ اور مکان سے فتویٰ بدل جاتا ہے بشرطیکہ حکم شرعی کسی خاص شہر کے عرف پر مبنی ہو اور جدید عرف نص شرعی کا مخالف نہ ہو یا حکم شرعی کسی خاص معنی پر مبنی ہو اور وہ معنی زمانہ کی وجہ سے متغیر ہو جائے۔

(اصول الدعوة ص ۱۶۹ المطلب الرابع الفتویٰ)

(۱۳) ضرورت اور مصلحت کی بناء پر فتویٰ میں سخت الفاظ لکھنا اور سختی کے ساتھ فتویٰ دینا جائز ہے، مثلاً فتویٰ دینے کے بعد یوں لکھے کہ اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور جو شخص اس کے خلاف کرے گا گنہگار ہوگا۔ (اصول الدعوة ص ۱۷۱ المطلب الرابع الفتویٰ)

اور اگر جواب نہیں آتا، تو توصاف الفاظ میں کہے کہ میں نہیں جانتا اس لیے کہ لا ادری بھی نصف علم ہے۔ امام مالکؒ سے ۴۸ مسائل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؒ نے ۳۲ کے بارے میں لا ادری فرمایا۔ (اصول الدعوة ص ۱۵۹)

(۱۴) مفتی فتویٰ دیتے وقت صریح جزئیہ نقل کرے اور جزئیہ کے نقل کرنے میں بھی معتبر کتابوں پر اکتفاء کرے۔ (معین الحکام ص ۳۱)

(۱۵) مفتی فتویٰ دیتے وقت غیر مشہور اور غیر معروف کتابوں سے اجتناب کرے ہاں اگر معتبر کتابوں سے ان کی تائید ہوتی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔

<p>دعایٰ هذا تحرام من الكتب الغربية التي لم تشتهر حتى تتظاهر عليها الخواطر وعلیم صحته ما فيها۔ (معین الحکام ص ۳۲)</p>	<p>اسی بناء پر غیر مشہور کتابوں سے فتویٰ دینا حرام ہے یہاں تک کہ عقل اس کو قبول کرے اور اس کی صحت کا پتہ چل جائے۔</p>
---	---

(۱۶) مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ جواب استفتاء کے مطابق دے، استفتاء سے خارج جواب سے پرہیز کرے تاکہ مستفتی کو اصل مقصود حاصل ہو۔ (اصول الدعوة ص ۱۷۱)

(۱۷) مفتی جب جواب لکھے تو دلیل سے جواب دے تاکہ مستفتی کو اطمینان قلبی حاصل ہو سکے۔

علامہ حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں: ان يذكر دليل الحكم وما اخذه ما أمكنه من ذلك۔ کہ مفتی حتیٰ الامکان جواب کی دلیل اور اس کا ماخذ ذکر کرے۔

(۱۸) مفتی جب فتویٰ لکھنا شروع کرے تو سرورق پر تسمیہ لکھے یا الجواب وبالله التوفیق لکھے اور آخر میں واللہ اعلم وهو الموفق لکھے۔

علامہ طحطاویؒ نے لکھا ہے کہ:-

ینبغی ان یکتب عقب جوابہ واللہ اعلم
وقیل یکتب فی العقائد واللہ الموفق۔
(طحاوی علی الدہ المختار ج ۱ ص ۲۹)

مفتی کے لیے مناسب ہے کہ جواب کے آخر میں
واللہ اعلم کے الفاظ تحریر کرے اور اگر مسئلے کا تعلق
عقائد سے ہو تو آخر میں واللہ الموفق لکھے۔

(۱۹) مفتی کو چاہیے کہ جواب لکھتے وقت اپنا دل اللہ کی طرف متوجہ کرے اور محتاج محض بن کر
اپنے آپ کو خدا کے آگے پیش کرے اور کثرت سے دعا کرے۔ یلیق بالمفتی ان یکثر
الدعاء۔ (اعلام ج ۲ ص ۲۹)

(۲۰) مفتی کو چاہیے کہ تغیر خلق اور اشتغال قلب کی حالت میں فتویٰ نہ دے، مثلاً غصہ کی حالت،
اسی طرح غمی و خوشی، تکلیف، غلبہ نیند اور بھوک و پیاس کی حالت یعنی ہر اس حالت میں جس میں
طبیعت اعتدال سے نکل جاتی ہے فتویٰ دینا جائز نہیں، البتہ اگر اعتدال سے نہ نکلے تو پھر بعض
ایسے حالات میں فتویٰ دینا جائز ہے۔ (شرح المہذب ج ۱ ص ۲۶)

(۲۱) جس فتویٰ کا تعلق ایمان و اقراء یا اس جیسے دیگر امور سے ہو تو جب تک لافظ کے احوال
اور عرف یا کسی معتبر و معتمد عالم سے جو ان الفاظ و عرف کا ماہر ہو پوچھ کر معلوم نہ کر لے تب تک
جواب نہ دے۔ (شرح المہذب ج ۱ ص ۲۶)

(۲۲) فتاویٰ میں تساہل کرنا حرام ہے، جو شخص تساہل میں معروف ہو تو اس سے استفادہ کرنا بھی
درست نہیں۔ تساہل میں یہ داخل ہے کہ کما حقہ استفادہ دیکھنے سے قبل جواب لکھنے میں جلد بازی
کرے، اسی طرح سائل نے سوال نہ کیا ہو اور مفتی جواب دینے لگے، البتہ اگر سوال کا پہلے سے
علم ہو تب تو جواب دینے میں جلد بازی کرنا درست ہے۔ اسی طرح تساہل میں یہ بھی شامل
ہے کہ حرام اور مکروہ چیزوں کو تلاش کرنے لگے اور درمیان میں کوئی غرض فاسد ہو۔
(شرح المہذب ج ۱ ص ۲۶)

(۲۳) مفتی جب فتویٰ مکمل کر لے تو اپنے ہم نشین علماء و فضلاء کو رجاء ہے وہ اس کے شاگرد
ہی کیوں نہ ہوں بطور مشورہ کے سناٹے، اگر اشکال ہو تو نرمی اور انصاف کے ساتھ اُن
سے بحث و مباحثہ کرے اور جو حق بات سامنے آئے اسے بلا تاویل قبول کر لے۔

(مقدمہ شرح مہذب، فصل آداب المستفتی والمفتی)

(۲۴) اگر فتویٰ میں کسی کتاب کی عجارت نقل کی ہو تو اس کتاب کی جلد نمبر، صفحہ نمبر اور اگر ہو سکے
باب اور فصل بھی تحریر کرے، اور اگر اس کتاب کے مختلف الطبع نسخے ہوں تو مطبع (پریس)

کا نام بھی تحریر کرے۔

(۲۵) اگر کسی کتاب کی عبارت دوسری کتاب میں دیکھی ہو تو اولاً تو خود اس کتاب میں دیکھ کر نقل کرے ورنہ بصورت دیگر اس کتاب کی عبارت بحوالہ کتاب ثانی لکھے۔ مثلاً ایک مسئلہ مفتی نے امداد الفتاویٰ میں بحوالہ شامی دیکھا ہے اور ثانی مفتی کے پاس ہے نہیں تو وہ مسئلہ کے جواب میں یوں تحریر کرے: **هكذا في رد المحتار بحوالہ امداد الفتاویٰ۔**

(۲۶) مفتی جواب دینے میں میانہ روی سے کام لے، نہ بہت باریک لکھے اور نہ بہت جلی، اور نہ ہی ایک جواب میں مختلف قسم کی روشنائی استعمال کرے تاکہ جعل سازی کا احتمال نہ رہے بلکہ ایک ہی قسم کے قلم اور روشنائی سے جواب لکھے۔ (مقدمہ شرح مہذب ^{مطالعہ} آداب الفتاویٰ)

(۲۷) جواب لکھنے میں استفسارات کی ترتیب کا خیال رکھے یعنی جو پہلے ہے اس کا جواب پہلے سے **على هذا الترتيب، البتہ مسافر اور خواتین کا لحاظ رکھ سکتا ہے جبکہ تاخیر کرنے سے ان کا نقصان** ہو رہا ہو۔ (البحر الرائق جلد ۶ ص ۲۶۸)

(۲۸) اگر استفسار یعنی سوال کے درمیان یا آخر میں جگہ خالی ہو جس میں جعل سازی ہو سکتی ہو تو مفتی از خود وہاں نکتے (.....) یا کراس (x x x) کا نشان لگا دے تاکہ جواب دینے کے بعد کوئی شخص اس میں جعل سازی نہ کر سکے جو آئندہ کسی فتنہ اور فساد کا باعث نہ بنے۔ اگر سوال کے مختلف اجزاء ہوں تو مفتی اجزاء کی ترتیب کا لحاظ رکھتے ہوئے نمبر وار جواب لکھے تاکہ مستفتی پر التباس نہ آئے۔ اور اگر بالفرض تحریر ہی جواب میں فتنہ اور فساد کا اندیشہ ہو مثلاً مسئلہ کا تعلق قضاء کے ساتھ ہو یا تحریر ہی فتویٰ فتنہ انگیزی کا باعث بنتا ہو تو زبانی جواب دینے پر اکتفا کرے تحریر ہی جواب نہ دے، اس لیے کہ کسی مسئلہ کا تحریر ہی جواب دینا لازمی نہیں۔ اگر کسی واقعہ کا بذات خود مفتی کو علم ہو اور استفسار واقعہ کے خلاف ہو تو اس صورت میں جواب دینے سے گریز کرے اور از سر نو صحیح صورتحال کے موافق جب سوال ہو جائے تو پھر جواب تحریر کرے، اس لیے کہ بعض اوقات لوگ محض دنیاوی اغراض کی تکمیل کے لیے فتویٰ کی آڑ لیتے ہیں جس سے فتنے کا سخت اندیشہ ہوتا ہے۔ (فتویٰ تالیسی کے رہنما اصول ص ۳۸)

(۲۹) اگر مفتی کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جو دو فریقوں کے مابین متنازع ہو اور وہ نزاع بھی مشہور ہو تو اسے چاہیے کہ کسی حیلہ سے کام لے کہ اس سے اپنا دامن چھڑا لے، اور اس طرح کے مسائل میں الجھنے سے پرہیز کرے۔

(۳۰) اگر مستفتی کی نیت استفسار کی نہ ہو بلکہ اعتراض کی ہو تو اس کو بالکل جواب نہ دے۔
 (۳۱) اگر مفتی کے پاس وراثت کا مسئلہ آجائے تو اس میں بہت احتیاط سے کام لے، اس لیے کہ میراث کا مسئلہ بسا اوقات نزاع اور جھگڑے کا باعث بن جاتا ہے لہذا اچھی طرح تحقیق کر کے مستفتی سے وراثت کی تعداد معلوم کر کے جواب لکھے اور آخر میں یہ چند الفاظ لکھے۔
 ”بناء برصحت واقعہ مذکورہ اگر وراثت کی تعداد صورتِ مسئلہ کے موافق ہے تو جواب یہ ہوگا تاکہ مفتی عند اللہ اور عند الناس مأخوذ نہ ہو۔ اور جملہ وراثت کے حصص کو الگ الگ کر کے لکھے۔

(۳۲) اپنے دیئے ہوئے فتوے کی ایک نقل اپنے پاس رکھے تاکہ بوقتِ ضرورت فتنہ سے بچنے کا ذریعہ بنے اور ایک علمی سرمایہ بھی تیار ہو جائے۔
 (۳۳) مفتی کو چاہیے کہ مسئلہ کا جواب لکھنے کے بعد اس پر نظر ثانی کرے تاکہ خلط و التباس جواب سے بچ جائے اور اگر تصحیح کی ضرورت ہو تو جواب کو درست کیا جاسکے۔ (شرح مہذب جلد ۱۲ ص ۱۱)
 تو فتویٰ دینے میں ان جملہ امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، بغیر اس کے فتویٰ صادر کرنا اکثر فتنے اور فساد کا باعث ہوتا ہے جبکہ اسلام نے فتنہ اور فساد سے منع کیا ہے۔

آداب المستفتی

مستفتی ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی عالمِ دین سے کسی دینی مسئلہ کے بارے میں حل دریافت کرے۔

چونکہ دین سارے کا تعلق ادب اور احترام کے ساتھ ہے اور دین نام ہی ادب کا ہے اسی لئے فقہاء نے مستفتی کے لیے چند آداب مقرر فرمائے ہیں جن کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے مفتی سے مسئلہ کا حل دریافت کرنا ضروری ہے۔ اور وہ آداب درج ذیل ہیں:-

۱۔ مستفتی کو جب کوئی حادثہ پیش آئے تو اُسے چاہیے کہ وہ کسی معتد مفتی سے مسئلہ کا حل طلب کرے۔ اگر اپنے شہر میں قابلِ اعتماد مفتی نہ ملے تو مسئلہ کا جواب معلوم کرنے کیلئے کسی دوسرے شہر کا سفر کرے۔

۲۔ مسئلے کا حل کسی ایسے شخص سے دریافت کرے جو فتویٰ دینے کا اہل ہو، اس کی اہلیت کے لیے یہ کافی ہے کہ لوگوں میں اس کی شہرت عام ہو، یا بقول متاخرین علماء کہ وہ خود

دعویٰ کرے کہ انا اہل للفتویٰ۔

۳۔ مفتی کے سامنے ادب و احترام سے بیٹھے، گفتگو میں سبقت سے کام نہ لے اور نہ ہاتھ سے مفتی کے چہرے کی طرف اشارہ کرے۔

۴۔ استفادہ کے وقت مفتی سے یہ نہ کہے کہ اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے یا اس کے بارے میں آپ کے امام یا امام شافعیؒ کا کیا مذہب ہے۔ بلکہ مفتی کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کرے اور اس کا حل پوچھے، ہاں اگر مسئلہ کسی امام معین کے مذہب کے بارے میں دریافت کرنا ہو تو تب یہ کہنا بجا ہے کہ اس بارے میں فلاں امام صاحب کا کیا مذہب ہے؟

۵۔ مفتی کے جواب دینے کے بعد یہ نہ کہے کہ میرا بھی یہی خیال تھا یا میری بھی یہی رائے ہے اور یہ بھی نہ کہے کہ فلاں شخص نے بھی یہ کہا تھا، اور نہ یہ کہے کہ اگر آپ کا فتویٰ فلاں شخص کے موافق ہو تو لکھیں ورنہ نہ لکھیں۔

۶۔ مفتی سے اس کی حالت قیام، اونگھ یا ایسی کسی دوسری حالت میں مسئلہ کا حل نہ پوچھے اسی طرح جس وقت مفتی کا دل کسی اور کام میں مشغول ہو تو اس وقت بھی مسئلہ کا حل دریافت کرنے سے اجتناب کرے۔

۷۔ اگر سوال تحریری طور پر کرنا مقصود ہو تو اگر خود نہ لکھ سکتا ہو تو پھر کسی ایسے کاتب سے لکھوائے جو سوال کی غرض و غایت کو پوری طرح واضح کر سکتا ہو اور وہ صاف ستھرا اور خوش خط لکھ سکتا ہو۔

۸۔ مستفتی کے آداب میں یہ بھی داخل ہے کہ مفتی سے دلیل فتویٰ کا مطالبہ نہ کرے، البتہ اگر اسی مجلس میں دلیل کا مطالبہ ضروری ہو تو چاہیے کہ پہلے مفتی کے فتویٰ کو قبول کرے پھر بعد میں دلیل طلب کرے، لیکن بہتر یہ ہے کہ اس قسم کا مطالبہ مفتی سے کسی دوسری مجلس میں کرے۔

۹۔ مستفتی کو چاہیے کہ اپنے مسئلہ کو سوال کی شکل میں بڑے سائز کے کاغذ پر واضح کر کے لکھے۔ بڑے کاغذ پر لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات جواب تفصیل طلب ہوتا جس کا مفصل جواب لکھنا ضروری ہوتا ہے، جبکہ چھوٹے کاغذ پر جواب بھی مختصر لکھا جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ جواب مستفتی کے ضرر اور نقصان کا باعث بن جائے، اسلئے استفاء (سوال)

بڑے کاغذ پر لکھنا ضروری ہے۔

- ۱۰۔ استفتاء میں دعائیہ کلمات لکھنے چاہئیں۔ اگر کسی معین شخص سے سوال کرنا مقصود ہو تو خاص اس کے لیے دعائیہ کلمات لکھے ورنہ دعائیہ کلمات عمومی الفاظ میں تحریر کرے۔
- ۱۱۔ اگر فوراً جواب مطلوب ہو تو مستفتی کو چاہیے کہ کاغذ کھول کر بڑے ادب کے ساتھ مفتی کے سامنے رکھے، اس کو کاغذ کھولنے کی تکلیف نہ دے اور نہ ہی اس کو بند کرنے کی زحمت دے۔



فتویٰ کی اہمیت

— اور —

جامعہ حقانیہ میں دارالافتاء کا قیام

حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب اساتذہ الشیخہ و نائب مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ

الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی رسولہ الکریم، اما بعد! کائنات عالم میں اللہ تعالیٰ کا ہر تصرف اور حکم بیشمار حکمتوں، اسرار و رموز اور لطائف کا خزانہ ہے۔ جب بھی کسی عاقل، بالغ اور ذی شعور شخص نے اس میں غور و فکر کیا تو اس کی عقل حیران ہو گئی اور آخر کار اسے یہ کہنا پڑا کہ مَسْبُحَاتُكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ۔ اور پھر خالق کائنات نے اشرف المخلوقات حضرت انسان کے لیے ایک ایسا عجیب و غریب اور فطرت کے مطابق قانون اور نظام نازل فرمایا کہ جس پر عمل کرنے سے بنی نوع انسان کے تمام مسائل حل ہو جاتے ہیں، اس میں امیر و غریب، سید اور غیر سید، آقا و غلام، خوبصورت اور بد صورت کا کوئی امتیاز نہیں اور نہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ میرا فلاں مسئلہ اسلامی قانون کے تحت حل نہیں ہوا۔ اس لیے امارت اسلامی میں جہاں محکمہ قضاء کے قیام کا حکم ہے وہاں محکمہ افتاء کا قیام بھی انتہائی ضروری ہے۔

قضاء و افتاء میں فرق | قضاء اور افتاء قریب قریب دونوں ایک ہی ہیں، بیشتر شرائط اور اصول میں دونوں برابر ہیں۔ اس لیے فقہاء کرام نے جہاں قاضی یا قضاء کے شرائط و آداب بیان کیے ہیں تو وہاں آخر میں یہ بات وضاحت کے ساتھ کہی ہے کہ یہ جملہ شرائط مفتی کے لیے بھی ہیں اور جہاں مفتی کی شرائط کا ذکر ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ قاضی ان شرائط میں مفتی کی مانند ہے، البتہ قاضی اور مفتی میں فرق صرف اتنا ہے کہ قاضی اکثر اوقات میں معاملات کے مسائل حل کرتا ہے تو مفتی عبادات کے مسائل، دوسرا فرق یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ لوگوں پر جبراً نافذ کیا جاتا ہے کیونکہ قاضی قوتِ نافذہ کا مالک ہوتا ہے اس کے برعکس مفتی کا

فتویٰ لوگوں پر جبراً نافذ نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ مفتی صرف مبین ہوتا ہے۔
یہاں میں پہلے قضاء اور افتاء کے معانی واضح کر کے بعد میں افتاء کی عظمت و اہمیت پر مختصراً
عرض کرنے کی کوشش کروں گا۔ قضاء کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو مضبوط بنانا، اور شرعی معنی یہ ہے
کہ اسلامی معاملات اور مسائل میں فیصلہ دینا۔ اور فتویٰ کا لغوی معنی قوی کرنا، واضح کرنا اور
بیان کرنا ہے، اور یہی معنی قرآن کریم کی سورۃ یوسف میں استعمال ہوا ہے، ارشاد ربانی ہے:
يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْخُذُ بِعُنُقِهَا جَوَابٌ دِيكُنَّ۔ اور
فتویٰ کا اصطلاحی اور شرعی معنی ہے کسی شرعی مسئلے کا جواب دینا، اور یہی معنی اس ارشاد ربانی
کا ہے، يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ یعنی حکم پوچھتے ہیں آپ سے، سو آپ
فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ حکم بیان فرماتے ہیں تم کو کلالہ کا۔
جب فتویٰ کا معنی معلوم ہو جائے یعنی شرعی مسئلے کا جواب دینا، تو اس کے بعد فتویٰ کی
اہمیت سمجھنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

منصب افتاء کی عظمت | فتویٰ یا افتاء ایک عظیم اور مہتمم بالشان امر ہے اور اس کے
عظمت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے
کہ اللہ جل جلالہ نے فتویٰ کی نسبت اپنی طرف کی ہے، ارشاد ربانی ہے: يَسْتَفْتُونَكَ
قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ۔ (سورۃ النساء ۵۸) ”یعنی حکم پوچھتے ہیں آپ سے، سو
آپ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے یعنی حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا۔“
فتویٰ کی عظمت شان کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ اور اسلامی
مسئلے کے جواب کی نسبت اپنی ذات اقدس کی طرف فرمائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے زندگی بھر اس عظیم اور پُر وقار عہدہ کو سنبھالے رکھا اور بیشمار فتوے جاری کیے۔ اگرچہ
اُس وقت فتویٰ یا مفتی کی اصطلاح رائج نہ تھی، لیکن ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ فتویٰ کا اصل معنی کسی
شرعی مسئلے کا جواب دینا ہے۔ اس اعتبار سے پیغمبر علیہ السلام کے زمانے میں مسائل کے جوابات
فتاویٰ ہی تھے، اور آپ اپنے زمانے کے مجیب اور مفتی اعظم بھی تھے۔ چونکہ فقط رسول
مفتی سے بدجہا بہتر و افضل ہے اسی وجہ سے آپ رسول کے مقدس نام سے یاد کیے جاتے
ہیں، اگرچہ حضور علیہ السلام اپنے زمانے کے قاضی القضاۃ اور مفتی اعظم بھی تھے اور آپ کے
فتاویٰ حدیث نبوی کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد یہ

یہ منصب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سپرد ہوا مگر زیادہ نازک اور پرخطر ہونے کی وجہ سے اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ تمنا کیا کرتے تھے کہ یہ کام کسی اور صاحب کے سپرد کیا جائے اور خود اس ذمہ داری سے بچ جائیں۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں فتویٰ دینے والوں کی تعداد بہت کم رہی۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق ”اعلام الموقعین“ میں صحابہ کرامؓ میں سے مفتی حضرات کی تعداد ایک سو بیس سے کچھ اوپر بتائی ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے دور میں زیادہ فتویٰ دینے والے کل سات حضرات تھے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ام المؤمنینؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

منصب افتاء و خطرات | منصب افتاء اگرچہ ایک عظیم مقام ہے لیکن اس عظمت کے ساتھ ساتھ اس میں عظیم خطرات بھی موجود ہیں۔ کیونکہ بلند مقام پر چڑھنے والا جب گرتا ہے تو بلند مقام ہی سے گرتا ہے۔ تو منصب افتاء کی عظمت کے بیش نظر اس میں لا پرواہی سے فتویٰ دینا یا غفلت کرنا باعث عذاب ہوتا ہے، مثلاً:-

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا تو اس کا گنا اسی (فتویٰ دینے والے) پر ہوگا۔ (ابوداؤد ص کتاب العلم)

(۲) یہ بھی آپ ہی کا ارشاد ہے کہ تم میں سے فتویٰ دینے پر زیادہ جرات مند وہ ہوگا جو تم میں سے جہنم کی آگ پر جرات مند ہو۔ (مقدمہ دارمی باب ۱۷۵)

(۳) علامہ ابن قیمؒ نے بغیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ جو شخص بغیر علم کے لوگوں کو فتویٰ دیتا ہے تو اس پر زمین و آسمان کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔

(اعلام الموقعین جلد ۲ ص ۲۰۲)

(۴) یہاں تک کہ اگر کوئی شخص فتویٰ دیتا ہو اور حقیقت میں وہ فتویٰ دینے کا اہل نہ ہو تو حاکم وقت کو اختیار ہے کہ وہ اسے فتویٰ دینے سے روک دے بصورت دیگر حاکم بھی اس گناہ میں برابر کا شریک ہوگا۔

حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ من اتقى الناس وليس باهل للفتوى فهو اثم عاص ومن اقره من ولاية الامور على ذلك فهو اثم ايضاً۔ (اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۵۶)

(ترجمہ) یعنی جو شخص لوگوں کو فتویٰ دینے لگے اور وہ فتویٰ دینے کا اہل نہ ہو تو وہ گنہگار و نافرمان ہے اور جو صاحب اختیار شخص اس کو اس منصب پر برقرار رکھے گا وہ بھی گنہگار ہوگا۔

اس سخت وعید کی وجہ سے اس پر خطر منصب میں اکابرین امت بہت احتیاط کرتے تھے۔
(۵) چنانچہ ابن ابی لیلیٰؒ فرماتے ہیں کہ میں نے انصار صحابہ میں سے ایک سو بیس صحابہ کرام کو ایسا پایا کہ جب ان میں سے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ اس مسئلہ کو ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کی طرف بھیجتے، یہاں تک کہ سائل اول سٹول ہی کی طرف واپس آجاتا۔ (مباحث فی احکام الفتویٰ ص ۱۹۶)

(۶) حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو مفتی ہر مسئلے کا جواب دے تو وہ مجنون ہی ہوتا ہے۔

(۷) اسی طرح حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ کے پاس ایک آدمی فتویٰ پوچھنے کے لیے آیا تو آپ نے اس کو جواب دیا کہ میں اچھی طرح نہیں جانتا، اس پر سائل نے کہا کہ میں آپ کے علاوہ کسی اور کو اس منصب کا اہل نہیں سمجھتا۔ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ لا انتظار الی طول لحتی و کثرة الناس حولی۔ (اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۵۷) یعنی تم میری لمبی داڑھی اور میرے گرد لوگوں کے ہجوم کو مت دیکھو۔

(۸) امام شعبیؒ اور حسنؒ (دونوں حضرات تابعی ہیں) فرماتے ہیں کہ تم میں سے ایک شخص کسی مسئلہ میں فتویٰ دیتا ہے، اگر یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوتا تو آپ خود اسے حل نہ فرماتے بلکہ اس مسئلہ کے حل کے لیے بدرین صحابہؓ کو جمع کرتے۔ (امام نوویؒ شرح المہذب ص ۹)
(۹) امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ علم ضائع ہو جائے گا تو میں کبھی بھی فتویٰ نہ دیتا، مستفتی حضرات کو بغیر مشقت کے مسئلہ حل جاتا ہے اور گناہ میرے سر پر عائد ہو جاتا ہے۔

(۱۰) امام مالکؒ فتویٰ دینے میں اتنی احتیاط کرتے تھے کہ بعض اوقات بچاس مسائل میں سے کسی ایک کا بھی جواب نہ دیتے۔ (شرح عقود رسم المفتی ص ۷)

(۱۱) امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے آپ کو افتاء کے لیے پیش کیا تو اس نے ایک عظیم کام سر پر اٹھا لیا، اسے چاہیے کہ جب تک شدید ضرورت نہ ہو فتویٰ دینے کی جرات نہ کرے۔

(۱۲) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں فتویٰ دینے سے احتراز کرتا رہا حتیٰ کہ میرے بارے میں ستر اکابر علماء نے یہ شہادت دی کہ میں فتویٰ دینے کا اہل ہوں تب میں نے استفتاء کا جواب دینا شروع کیا۔

اسلامی مملکت میں دارالافتاء کا قیام | لہذا ان خطرات کے پیش نظر دارالافتاء کا قیام اور اس میں منجھے ہوئے اور ماہر مفتیان کی تقرری حکومت

اسلامیہ کی ذمہ داری ہے اور حکومت کے ذمہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ان دارالافتاء کی پوری نگرانی کرے، اہل اشخاص کو مقرر کرے اور کم علم، عدم صلاحیت رکھنے والے، غیر عادل، فسق و فجور میں مبتلا اور حیلہ باز مفتیان پر پابندی لگا کر ان کو فتویٰ دینے سے روکے، جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ہوا تھا۔ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

”اسلام میں اس کا ایک خاص محکمہ تھا جس کا نام افتاء تھا اس کا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لائق قانون دان یعنی فقہاء ہر جگہ موجود رہتے تھے اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا ان سے دریافت کر سکتا تھا، اس لیے کوئی شخص یہ عذر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلہ سے ناواقف تھا۔ یہ طریقہ آغاز اسلام میں خود بخود پیدا ہوا اور اب تک قائم ہے لیکن حضرت عمرؓ کے دور میں جس پابندی کے ساتھ اس پر عمل رہا زمانہ مابعد بلکہ ان سے پہلے حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں بھی نہیں رہا۔ اس طریقے کے لیے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہ ہو بلکہ خاص قابل لوگ افتاء کے لیے نامزد کر دیئے جائیں تاکہ ہر کس و ناکس غلط مسائل کی ترویج نہ کر سکے، حضرت عمرؓ نے اس تخصیص کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جن لوگوں کو انہوں نے افتاء کی اجازت دی تھی مثلاً حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، معاذ بن جبلؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، ابی بن کعبؓ، زبید بن ثابتؓ، ابو ہریرہؓ اور ابوالدرداءؓ وغیرہ ان کے سوا اور لوگ فتویٰ دینے کے مجاز نہ تھے۔ شاہ ولی اللہؒ ازالۃ الحفائ میں لکھتے ہیں: سابق وعظ وفتویٰ موقوف بود بر رائے خلیفہ وعظمیٰ گفتند و فتویٰ می دادند“ (الفاروق ص ۲۲۱)

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ اس معاملہ میں اتنے سخت تھے کہ کوئی غیر مقرر شدہ شخص فتویٰ دینے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا حتیٰ کہ مقرر شدہ مفتیان کے فتاویٰ کی بھی جانچ پڑتال ہوتی تھی۔

علامہ نعمانیؒ آگے چل کر مزید لکھتے ہیں :-

”بلکہ ان کو یہاں تک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بارہا پوچھا کہ تم نے اس مسئلہ میں کیا
فتویٰ دیا؟ اور جب انہوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا
اور کچھ جواب دیتے تو آئندہ تم کبھی فتویٰ (دینے) کے مجاز نہ ہوتے“ (الفاروق ص ۲۱)

مسئلہ احناف اور فتویٰ کی عظمت

امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دین اسلام میں اکثر فروعی مسائل میں مجتہدین کا اختلاف رہا ہے، لیکن یہ اختلاف مجتہدین کے کسی ذاتی مفاد و اغراض پر مبنی نہ تھا بلکہ یہ اختلاف مسائل کی بنیاد اور اصل نوعیت کی وضاحت پر مبنی تھا، اور خصوصاً مسئلہ احناف میں مسئلہ کی بنیاد واضح کرنے کے ساتھ یہ بات بھی مد نظر ہے کہ کسی مسئلہ میں قوی دلیل کے باوجود ضعیف دلیل پر عمل نہ کیا جائے، یہاں تک کہ علمائے احناف نے ضعیف کے مقابلے میں قوی دلیل پر عمل واجب قرار دیا ہے اور قوی کے مقابلے میں ضعیف دلیل پر عمل کو ناجائز قرار دیا ہے، دلیل کی قوت بعض اوقات ماخذ اور مصدر کے اعتبار سے ہوتی ہے اور بعض اوقات جمہور علمائے کرام کے اتفاق رائے کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اتنی احتیاط کی کہ صرف اپنے ہی فتویٰ اور تحقیق کو کافی نہیں سمجھا بلکہ اپنے دارالتحقیق والافتاء میں مسائل کی تحقیق و جستجو کے لیے اس وقت کے مجتہدین اور جید علماء کرام کی شوری بنائی، یہ شوری حالات کے اعتبار سے کم و بیش ہوتی رہتی تھی، لیکن مؤرخین علماء کرام نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دارالتحقیق والافتاء کے محققین اور مشاورین کی تعداد چالیس تھی۔

حضرت علامہ امام الکر درمیؒ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی علمی مجلس شوری کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب ”مناقب الامام اعظمؒ“ میں فرماتے ہیں کہ: امام الانام نے اپنے مذہب کی بنیاد کے لیے ایک شوری بنا کر مسائل کے اجتہاد و تحقیق میں فقط اپنے آپ پر اعتماد نہیں کیا تا کہ دین مقدس میں صحیح اجتہاد ہو جائے اور دین کی صحیح غیر خواہی کی جائے، ایک ایک مسئلہ پر شوری میں بحث ہوتی تھی اور امام الانام اپنی شوری کے ارکان سے باقاعدہ مسئلے کے بارے میں دلائل کا پوچھتے، بعض اوقات ایک مسئلہ میں ایک ہیئت تک بلکہ ہیئت سے بھی زیادہ بحث جاری رہتی اور کمال

تحقیق و تنقیح کے بعد مسئلہ جب مدلل ہو جاتا تو امام ابو یوسفؒ کو حکم فرماتے کہ اب اس مسئلے کو قلمبند کریں۔ گویا امام اعظمؒ نے نہ کبھی تخمین سے فتویٰ دیا اور نہ فقط اپنی رائے سے۔

علامہ اسد بن الفرات اپنی کتاب ”حسن التقاضی“ میں لکھتے ہیں کہ: امام صاحب کی شوریٰ کے وہ ارکان جو کتابیں مدون کرتے تھے چالیس افراد تھے ان میں سے دس حضرات متقدمین کے نام سے مشہور ہیں جن میں امام ابو یوسفؒ، امام زفرؒ، داؤد الطائیؒ، اسد بن عمروؒ، یوسف بن خالدؒ، یحییٰ بن زکریا قابل ذکر ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے فتویٰ اور تحقیق میں کمال احتیاط کا یہ نتیجہ نکلا کہ علمائے امت نے درجہ اجتہاد میں ان کو مجتہد مطلق اور امام اعظم کے لقب سے ملقب کیا، اعظم کا لقب کسی اور مجتہد کو نہیں دیا گیا۔

علامہ ابن نجیم المصریؒ اپنی کتاب ”الاشباہ والنظائر“ میں لکھتے ہیں: ہو کا الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ای ان الصدیق رضی اللہ عنہ اول من امن من الرجال و اباحنیفہؒ اول من دون الفقہ یعنی امام اعظم رحمہ اللہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مانند ہیں، یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مردوں میں وہی شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور ایمان لائے، اور امام اعظمؒ بھی وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے فقہ کی تدوین کی۔ یہی حال امام ابو یوسفؒ کا تھا جو اپنے وقت کے مجتہد تھے، آپؒ نے بھی اجتہاد میں امام ابو حنیفہؒ ہی کی اتباع کی اور بالانفراد اپنے اجتہاد پر اعتماد نہیں کیا، یہ ان کے احتیاط کی دلیل ہے، اور اس احتیاط کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی دنیا میں قاضی القضاۃ کا لقب سب سے پہلے آپؒ ہی کو ملا۔

امام سماعیؒ اپنی کتاب الانساب میں لکھتے ہیں: فاولہم واجلہم ای من اعضاء الشوریٰ قاضی القضاۃ فقیہ العراقین حافظ الحدیث ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم وهو اول من دعی بتقاضی القضاۃ فی الاسلام و اول من وضع الکتاب فی اصول الفقہ و املى المسائل و نہ شرھا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب منصب افتاء کی اہمیت بیان کرنے سے لکھتے ہیں: ”منصب افتاء علمی سلسلوں میں سب سے زیادہ مشکل، دقیق اور اہم ترین سمجھا گیا ہے، فقہ کی لاکھوں متماثل جزئیات اور ان کے متعلق احکام میں تھوڑے تھوڑے فرق سے حکم کا

تفاوت محسوس کرنا عمیق علم کو چاہتا ہے جو ہر عالم کے بس کی بات نہیں، جب تک فقہ سے کامل مناسبت، ذہن و ذکاوت، خاص قسم کی صلاحیت اور قلب میں مادہ تفقہ نہ ہو۔ اس وجہ سے مدارس دینیہ میں افتاء کے لیے شخصیت کا انتخاب نہایت پیچیدہ مسئلہ سمجھا گیا ہے جو کافی غور و فکر اور سوچ بچار کے بعد ہی حل ہوتا ہے اور پھر بھی تجربات کا محتاج رہتا ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲۶)

الغرض فتویٰ نویسی کوئی بچوں کا کھیل نہیں کہ ہر شخص کو اس کا اہل سمجھا جائے اور اُسے فتویٰ دینے کی اجازت دی جائے۔ آج کل حکومتی سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے مصنوعی اور نا اہل مفتیوں کی بھرمار ہے جس کی وجہ سے ابوالفضل اور فقیہ مزاج کے لوگ پیدا ہو رہے ہیں۔ چونکہ ملک عزیز پاکستان ابھی تک اسلامی دارالافتاء والافتاء سے محروم ہے اور نہ برسرِ اقتدار طبقہ کی نظر میں اس کام کی کوئی اہمیت ہے، اس لیے مدارس عربیہ نے حقیقی و اہل مفتی اور غیر اہل مفتی کے مابین امتیاز پیدا کرنے اور امت مسلمہ کی صحیح راہنمائی کے لیے اپنے ہاں دارالافتاء قائم کر کے قابلِ قدر اور مستند مفتیان کو سائلین کے سوالات کے جوابات دینے کے لیے مقرر کیا ہوا ہے۔

جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں دارالافتاء کا قیام | الحمد للہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ علوم دینیہ کے میدان میں کسی

تعارف کا محتاج نہیں، پورے عالم میں جامعہ حقانیہ کی عظمت و شرافت اتنی پھیل چکی ہے کہ شاید جامعہ حقانیہ کی طرح بے سروسامان، دور افتادہ کسی اور ادارہ کو یہ عظمت حاصل نہ ہو۔ یہاں بطور تحدیثِ نعمت عرض ہے کہ حقانیہ کی یہ آفاقی شہرت وسائل و اسباب کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ اللہ کا کرم اور عصر حاضر کے ولی کامل، بانی حقانیہ والدی و سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ کے اخلاص، مجاہدہ اور دعاؤں کی برکت ہے، حقانیہ کی تاسیس کا نہ کوئی باقاعدہ منصوبہ تھا اور نہ کوئی پروگرام، بلکہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ عالم اسلام کے عظیم دینی مرکز دارالعلوم دیوبند سے فراغت اور پھر وہاں تدریسی مشاغل میں مصروف رہنے کے دوران رمضان کی چھٹیوں میں اکوڑہ خٹک تشریف لائے، اسی دوران برصغیر پاک و ہند تقسیم ہو گیا اور ملکی حالات نے دوبارہ دارالعلوم دیوبند جانے کی اجازت نہ دی، ادھر دیوبند سے ساتھ آئے ہوئے طلباء اور قرب و جوار کے تشنگانِ علوم نبویہ حضرت شیخ

کو اپنے گھر سے ملحق ایک چھوٹی سی مسجد میں اشاعت گاہ علم و معارف جامعہ حقانیہ کی تاسیس پر مجبور کر دیا، رفتہ رفتہ طلباء کا ہجوم بڑھتا گیا اور تنگی مسجد کی وجہ سے درس و تدریس کا سلسلہ مزید ہال جاری رکھنا ناممکن ہو گیا، شاید یہی وجہ تھی کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے دل میں اللہ کی طرف سے گویا یہ الہام ہو گیا تھا کہ مسجد سے باہر کھلی جگہ میں حقانیہ کی بنیاد رکھی جائے۔

اس مختصر سی تمہید کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دارالعلوم کو مجبوری کی حالت میں الہامی انداز میں وجود دینا، اللہ کے فضل و کرم سے دارالعلوم اور حضرت شیخ الحدیثؒ پر لوگوں کا اعتماد بڑھتا گیا جس کی وجہ سے اطراف و اکناف سے مجاہدین اسلام کثرت سے آنے لگے، لوگ مسائل دینیہ سے واقفیت حاصل کرنے اور اس سلسلہ کے شکوک و شبہات کے ازالہ کے لیے دن رات دارالعلوم آتے اور حضرت شیخ الحدیثؒ ان کے مسائل شریعت مطہرہ کی روشنی میں حل فرماتے رہے، ادھر علاقائی و تدریسی ذمہ داریاں اتنی زیادہ ہو گئیں کہ حضرت کو عوامی مسائل حل کرنے اور فتویٰ دینے کے لیے وقت نکالنا مشکل ہو گیا اور مستفتی حضرات کو فتویٰ کے حصول کے لیے انتظار کرنا پڑتا۔ چنانچہ اس ضرورت شدیدہ کو مد نظر رکھتے ہوئے دارالعلوم میں باضابطہ طور پر دارالافتاء کا شعبہ قائم کیا گیا اور بچہ اللہ دارالعلوم کے قیام سے لے کر آج تک لاتعداد فتاویٰ کا ابراہ ہو چکا ہے جبکہ بعض مسائل زبانی سوال کر کے جواب حاصل کر لیتے ہیں، اس کے علاوہ ہزاروں مسائل اور ان کے جوابات رجسٹروں میں درج کیے جا چکے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ صاحب اپنی حیات طیبہ میں شعبہ افتاء کے علاوہ دیگر شعبہ جات کے نگران و انچارج خود ہی تھے، ان کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ کے خصوصی احسان اور حضرت کے اخلاص، خصوصی دعوات کی برکت سے دارالعلوم ہر شعبہ میں ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور اس میں کسی قسم کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔

دارالعلوم حقانیہ کے اوائل میں صرف ایک دارالافتاء تھا بعد میں کام کی زیادتی کی وجہ سے دوسرا دارالافتاء قائم کیا گیا جس میں حضرت شیخ الحدیثؒ صاحب کی صوابدید کے مطابق جمید علماء اور مفتی حضرات افتاء کی ذمہ داریاں نبھانے پر مامور ہیں۔ دارالافتاء میں ریکارڈ شدہ فتاویٰ کی ترتیب کا کام حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب نائب مفتی جامعہ حقانیہ کی نگرانی میں درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کے طلباء تحقیق و تخریج اور حذف و کرات کی صورت میں شروع ہو کر کافی حد تک ہو چکا تھا کہ حضرت مفتی صاحب موصوف اپنی مجبوریوں کی وجہ سے دارالعلوم

سے تشریف لے گئے اور یہ کام کچھ عرصہ کے لیے رک گیا۔

اب پھر مخدومی و محترمی برادر مکرم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ہمتی جامعہ حقانیہ کے حکم پر اور ان کی سرپرستی میں نوجوان عالم دین اور جامعہ کے شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی کے استاذ مولانا مفتی مختار اللہ صاحب حقانی اور شعبہ تخصص کے بعض طلبہ نے دن رات ایک کمرہ کے اب تک جاری شدہ فتاویٰ کی دوبارہ چھان بین کی اور سارا وہ ذخیرہ جو دور اول سے رہ چکا تھا مرتب کیا۔

اظہارِ شکر | اس عظیم کام کے جملہ مراحل کی تکمیل پر ہم اللہ جل شانہ کے حضور سجدہ ریز ہو کر اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ رب کریم نے اس گرانقدر اور عظیم علمی خزانے کو مکمل کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم ان حضرات مفتیان اور شعبہ تخصص کے طلباء کے بھی مشکور ہیں جنہوں نے خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے شبانہ روز محنت اور لگن سے کام کر کے اس بارگراں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

ہماری دعا ہے کہ رب ذوالمنن ان حضرات کی مساعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ ایزدی میں ثمرات سے نواز کر اس فتاویٰ حقانیہ کو شرف قبولیت سے نوازیں اور یہ سلسلہ مزید درمزید تاقیامت قائم و دائم رہ کر ہم سب خدام جامعہ حقانیہ کی مغفرت کا ذریعہ بنے۔ آمین

وَمَا ذَلِك عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ

(مولانا) حافظ الوار الحق عفی عنہ
نائب ہمتی جامعہ دارالعلوم حقانیہ
۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ / ۵ جون ۲۰۰۱ء

مفتیان حضرات کا مختصر سوانحی خاکہ



شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ ۱۹۱۲ء یا ۱۹۱۳ء کو اکوڑہ ٹک میں حضرت مولانا حاجی معروف گل ولد الحاج میر آفتاب ولد عبدالحمید کے گھر پیدا ہوئے۔ ایک تحقیق کے مطابق آپ کے آباؤ اجداد کا وطن اصلی غزنی (افغانستان) ہے۔ ممکن ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے ساتھ جہاد کی غرض سے ہندوستان آنے والے مجاہدین کے ساتھ آئے ہوں اور پھر یہیں مقیم ہو گئے۔ آپ کے والد ماجد اپنے قبیلہ کے خوشحال اور صاحب ثروت افراد میں شمار ہوتے تھے، دینی خدمت کے ساتھ تجارت اور کاروبار ان کا ذریعہ معاش تھا، اس زمانے میں آپ نے دینی غیرت و حمیت کی خاطر منکرات، بدعات اور غیر شرعی امور کے خاتمے کے لیے علماء کا بھرپور ساتھ دیا، یہاں تک کہ اپنے دور کے عظیم مجاہد حاجی صاحب ترنگزئی کے ساتھ تحریک جہاد میں مدد و معاون رہے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت | گھر کے پاکیزہ ماحول اور والدین کے زہد و تقویٰ کی برکت تھی کہ بچپن ہی سے آپ کے دل میں دینی تعلیم کی تحصیل کا داعیہ پیدا ہو گیا، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والدین اور گاؤں کے مشہور بزرگ حاجی صاحب قصابان اور ممتاز بزرگ مولانا عبدالتقادر صاحب وغیرہ سے حاصل کی۔ آپ نے آٹھ سال کی عمر میں مزید تعلیم کے لیے سفر کا آغاز کیا اور مختلف مقامات پر

جتید اور ممتاز علماء کرام سے تعلیم حاصل کی، یہاں تک کہ آپ ۱۳۴۷ھ کو ایشیاء کی عظیم اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، وہاں درسِ نظامی کی باقیماندہ کتابوں کی تکمیل کی اور ۱۳۵۲ھ میں سند فراغت حاصل کی۔

دیوبند میں اساتذہ کرام | دارالعلوم دیوبند میں جن اساتذہ کرام سے آپ نے استفادہ کیا ان میں سرفہرست شیخ العرب والعجم حضرت مولانا

سید حسین احمد مدنیؒ ہیں، ان کے علاوہ شیخ الادب حضرت مولانا اعجاز علی دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، مولانا رسول خان ہزارویؒ، مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ، مولانا مرتضیٰ حسنؒ، مولانا عبد السمیع دیوبندیؒ وغیرہ سے بھی آپ نے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔

تدریس کا آغاز | دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ اپنے آبائی گاؤں کوڑہ خٹک تشریف لے آئے اور یہاں اپنی ایک چھوٹی سی مسجد (جوابِ مجتہد) میں

مولانا عبدالحق کے نام سے مشہور رہے) میں مختلف علوم و فنون کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تدریس شروع کی اور صبح و شام درس و تدریس میں مشغول رہے، جلد ہی دور دراز اور قرب و جوار سے شائقینِ علوم دینیہ اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے آنے لگے اور آپ کا حلقہ درس وسیع ہونے لگا، طلباء کی کثرت کی وجہ سے آپ کے والد محترم نے اپنے خرچ پر ایک اور جتید عالم دین کو بطور معاون مدرس مقرر کیا۔

ان ہی دنوں آپ نے انجمنِ تعلیم القرآن کے نام سے ایک اسلامی سکول کی بنیاد رکھی اس کی ایک ابتدائی تقریب میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ بھی شریک ہوئے اور افتتاح کیا، حضرت مدنیؒ اس کام پر بہت خوش ہوئے اور کامیابی کے لیے دعائیں کیں۔

دارالعلوم دیوبند میں تقرری | یہاں آپ کا حلقہ درس دن بدن وسیع ہوتا رہا کہ ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند کے اکابر اساتذہ نے آپ کو

مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس کی پیشکش کی جسے آپ نے بخوشی قبول فرمایا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوی علمی استعداد سے نوازا تھا اس لیے بہت جلد اعلیٰ درجہ کی کتابیں پڑھانے لگے اور آپ کا شمار اکابر اساتذہ میں ہونے لگا۔

دارالعلوم حقانیہ کا قیام | دارالعلوم دیوبند سے آپ ۱۳۶۶ھ کو رمضان المبارک کی تعطیلات میں

اکوڑہ خٹک تشریف لائے تو اسی دوران (۱۹۴۷ء میں) ہندوستان تقسیم ہو گیا اور مسلمان پاکستان کو اور ہندو ہندوستان کو جانے لگے تو راستے میں لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا جسکی وجہ سے آپ کا دارالعلوم دیوبند واپس جانا مشکل تھا، اس پر حضرت مدنیؒ نے حکومتی سطح پر آپ کو بحفاظت دیوبند پہنچانے کا خصوصی انتظام بھی کیا مگر آپ کے والد صاحب اس پر آمادہ نہ ہوئے اور آپ کو دیوبند جانے سے روک دیا۔

اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ جلد ہی اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم دیوبند کی نہج پر ایک چشمہ فیض جاری ہو گیا، آپ نے نہایت بے سروسامانی کے عالم میں تو کلاً علی اللہ ۱۹۴۷ء بمطابق ۱۳۶۶ھ کو دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی۔ جس کی ابتدا ایک چھوٹی سی مسجد سے ہوئی مگر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ یہ ادارہ علوم و معارف کا گنجینہ بنے گا، پھر وہ وقت بھی آیا کہ دارالعلوم حقانیہ کی تبلیغی، تعلیمی اور دینی خدمات کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند کے متمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دیوبند ثانی کا خطاب دیا۔

آپ نے عارف باللہ، عظیم مجاہد حضرت حاجی صاحب ترنگزئی رحمہ اللہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر چکے تھے، ان کے انتقال کے بعد آپ نے

بیعت و سلوک

اپنے مشفق استاد حضرت مدنیؒ سے بیعت کی اور سلوک کے جملہ مراحل ان سے طے کیے۔

آپ نے اپنی پوری زندگی دین اور علوم دین کی ترویج و اشاعت میں گزاری لیکن درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے ملی، سیاسی اور سماجی خدمات

دیگر خدمات

میں بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ نے بدعات و رسومات کے خلاف حکیمانہ انداز میں کامیاب جہاد کیا جس کے نتیجے میں اکوڑہ خٹک اور اس کے گرد و نواح سے بدعات و غیر شرعی رسومات کا خاتمہ ہو گیا۔ فتنہ خاکسار اور فتنہ قادیانیت کے تعاقب اور تحفظ ناموس رسالت کے لیے دیگر علماء حق کے دوش بدوش کام کیا۔

اس کے علاوہ آپ نے ملکی سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیا اور ۱۹۷۱ء، ۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۵ء کے عام انتخابات میں بھاری اکثریت سے قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور ایوان میں شریعت کے نفاذ کے لیے اٹھک کوشش کی۔

۱۹۷۷ء میں جب نظام مصطفیٰ کی تحریک شروع ہوئی تو باوجود علالت، ضعف اور پیرائے سالی کے آپ نے اس میں دیگر علماء کے شانہ بشانہ کام کیا۔ اور خصوصیت کے ساتھ جہاد افغان

میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے۔

طرز فتویٰ اور احتیاط | حضرت اشیخ رحمہ اللہ جس طرح ایک عظیم محدث، مدبرِ سیاست دان اور روحانی پیشوا کی حیثیت سے جاتے جاتے تھے اسی طرح عوام و خواص میں ایک عظیم فقیہ اور محتاط مفتی کی حیثیت سے بھی جانے جاتے تھے، لوگ آپ سے بالمشافہ ہزاروں مسائل کا حل طلب کرتے تھے، اپنے ذاتی تنازعات اور گھریلو جھگڑے بھی آپ ہی سے حل کرواتے تھے۔ یہاں مختصراً آپ کے اندازِ فتویٰ اور اس میں احتیاط کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں:-

- ۱۔ آپ کی عموماً یہ کوشش ہوتی کہ مسائل کو اس جواب پورا سمجھایا جائے، اس لیے جواب لکھتے وقت بات کھل کر بیان فرماتے اگرچہ بیان طویل ہو جاتا۔
- ۲۔ فتویٰ لکھتے وقت آپ فقہ حنفی کی مشہور کتب بدائع الصنائع، ہدایہ اور رد المحتار سے استفادہ فرماتے تھے۔

۳۔ فتویٰ میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ خود تو کیا دارالعلوم حقانیہ کے دیگر مفتیان بھی جب فتویٰ لکھتے تو انہیں اپنے سامنے سنانے کا حکم فرماتے۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ ۱۹۷۱ء میں سالانہ چھٹیوں کے دوران ناظم دارالعلوم حضرت مولانا سلطان محمود صاحب نے حضرت شیخ الحدیث صاحب کا یہ پیغام مجھے پہنچایا کہ چھٹیوں میں یہاں رہ کر دارالافتاء کی خدمت سرانجام دو گے، تو مجھ پر یہ بوجھ بہت بھاری لگا، خود یہ جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی فتویٰ تصویب کے بغیر دے دوں۔ اور حضرت شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں اس سے قبل مسائل و جزئیات پیش کرنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا، جب میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جو مسئلہ بھی تم لکھو گے تو پہلے مجھے سناؤ گے، یہ اس لیے کہ اگر کوئی جدید مسئلہ ہو تو ذہن میں آجائے۔ اس سے آپ کا مقصد استحضارِ مسائل نہیں بلکہ احتیاط ملحوظ تھی۔ چونکہ کسی بھی مسئلہ جواب آپ کو سنائے بغیر بھیجنے کی مجھے اجازت نہیں تھی اس لیے میں مسائل کے جواب لکھ کر حضرت شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں پیش کرتا، اگر آپ تائید فرماتے تو مسائل کو وہ جواب بھیج دیا جاتا۔ لیکن دس دن نگرانی کرنے کے بعد جب اعتماد

پیدا ہو گیا تو فرمایا کہ مجھے سننے کا وقت کم ملتا ہے اس لیے سنائے بغیر ہی بھیج دیا کرو۔

۴۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب مسائل کے بیان کرنے یا لکھنے میں ماحول، حالات اور اس کے نتائج و عواقب کا بھی لحاظ رکھتے تھے اور مصلحت کو سامنے رکھ کر جواب دیا کرتے تھے تاکہ معاشرہ میں بد مزگی پیدا نہ ہو اور لوگ شریعت کے حکم کا مذاق نہ اڑائیں۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب لکھتے ہیں :-

۵۔ ۱۹۷۹ء میں دارالعلوم کی سالانہ تعطیلات کے دوران میں نے قضاء عمری کے بارے میں ایک فتویٰ دیا جس میں میں نے قضاء عمری کی روایت کو موضوع ثابت کرنے کے بعد لکھا کہ مروجہ قضاء عمری کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور بدعتِ قبیحہ ہے۔ جب آپ کو یہ جواب سنایا تو فرمایا کہ جواب تو ٹھیک ہے اس میں کوئی شک نہیں، لیکن ہمارے پٹھانوں کے علاقہ میں لوگ نہایت تدرین کے وجہ سے قضاء عمری کے ایسے عاشق ہیں کہ ایسے سخت الفاظ کے نتیجہ میں کہیں طیش میں آکر فتنہ و فساد اور سب و شتم پر نہ اتر آئیں، اس لیے ان الفاظ میں یوں مریم کرو: ”قضاء عمری کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہمارے اسلاف نے اس کو بدعت میں شمار کیا ہے۔“

۶۔ اسی طرح ایک موقع پر کسی سڑک کی تعمیر میں ایک پرانی قبر سڑک کی زد میں آتی تھی حکومت اس قبر کو مسمار کر کے سڑک کو سیدھا کرنا چاہتی تھی لیکن مقامی لوگ اس پر خوش نہیں تھے۔ جب سرکاری اہلکاروں نے دارالعلوم سے فتویٰ لینا چاہا تو میں نے حضرت شیخ الحدیث صاحب سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا اگرچہ پرانی قبر کو مسمار کرنا از روئے شرع جائز ہے لیکن ہمارے اس فتویٰ سے لوگ مطمئن نہیں ہوں گے بلکہ مذہبی جنون کی وجہ سے شاید یہ لوگ دارالعلوم کو بھی فریق شمار کریں گے، اس لیے اس انداز سے فتویٰ دیا جائے کہ قبر کے اوپر

پُل بنا کر اس پر سے سڑک گزار لی جائے۔ چنانچہ آپ کی اس حسن تدبیر اور جزم و احتیاط کی بدولت سڑک بھی تعمیر ہو گئی اور لوگ بھی شریک اعتقاد سے بچ گئے۔

۷۔ ایک دفعہ کسی صاحب تہ تصوف کے سلاسل کے بارے میں سوال کیا تو حضرت شیخ الحدیث صاحب نے جواب میں فرمایا: ”سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ ایک ہی تالاب کی دو مختلف نہریں ہیں، دونوں کا مخزن اور مرکز ایک ہے، پانی ایک ہے صرف راستے جدا ہیں، دوسرے سلاسل تصوف اور مختلف فقہی مذاہب کا بھی یہی حال ہے۔ حنفیت، حنبلیت اور مالکیت سب کو ایک ہی تالاب سے پانی پہنچتا ہے، سب اسی ایک تالاب کے پانی سے دنیا کی سیرابی کرتے ہیں، صرف راستے جدا ہیں، منزل اور مقصد سب کا ایک ہے، بعض لوگ دانستہ طور پر تصوف کے ان سلسلوں اور فقہی مذاہب کو فرقہ واریت پر حمل کر کے دنیا کو گمراہ کرتے اور دھوکہ دیتے ہیں، مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہیئے“ (ماہنامہ الحق“ شیخ الحدیث نمبر)

۸۔ اس کے علاوہ آپ مسائل کے جوابات نہایت سادہ اور آسان الفاظ میں دیا کرتے تھے اور اس میں حوالہ جات کا خصوصیت سے اہتمام فرمایا کرتے تھے تاکہ کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب دارالعلوم حقانیہ کے قدیم اساتذہ میں سے ہیں، دارالعلوم میں فوقانی درجات کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے۔ موصوف علم معانی، علم اصول اور فقہ میں یدِ طولی رکھتے تھے اس لیے ہدایہ آخرین، مختصر المعانی، مطول، حسامی اور تلویح و توضیح جیسی کتابیں آپ کے زیرِ درس رہیں، دورہ حدیث کی بعض کتابیں بھی آپ کے پاس ہوا کرتی تھیں لیکن مذکورہ کتب میں آپ طلباء کو بلاِ تبعیدہ سے بھی کھینچ لاتے تھے۔

پیدائش | آپ ضلع بونیر سوات کے ایک پسماندہ گاؤں باچکڈے میں پیدا ہوئے، چونکہ قدیم زمانہ میں دیہات میں تاریخ پیدائش لکھنے کا رواج نہیں تھا اس لیے آپ کی تاریخ پیدائش دستیاب نہیں ہو سکی، تاہم جناب ہدایت الرحمن صاحب، شاکر بونیری اور آپ کے ایک ہم عصر عالم دین مولانا عبدالکریم صاحب ساکن کلیانی کے بیان کے مطابق وفات کے وقت آپ کی عمر ۹۰ سال تھی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ۱۹۰۴ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے تھے۔

خاندانی پس منظر | پسماندگان کے بیان کے مطابق آپ نسلاً ”بختون“ تھے اور پختونوں کے ایک ذیلی قبیلے ”اخون خیل“ سے تعلق رکھتے ہیں، یہ قوم جو مہاں قوم سے بھی زیادہ شہرت رکھتی ہے سوات میں آباد ہے۔

اخون خیل قبیلہ حقیقت میں ایک بزرگ کے نام کی طرف منسوب ہے جو اخون بابا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ان کا مزار بونیر کے مشہور قصبہ کاہگرام میں واقع ہے، یہی اخون بابا اخون خیل قوم کے جد امجد ہیں، یہ قوم برسوں سے بونیر سوات آباد ہے۔

ابتدائی تعلیم | ابتدائی تعلیم آپ نے مختلف مراحل سے گزر کر حاصل کی، آپ اپنے خاندان کے پہلے فرد ہیں جن کو اللہ رب العزت نے علم دین کا وافر حصہ عنایت فرمایا۔ آپ کو علم دین حاصل کرنے کا شوق ابتدائے ہی سے تھا، قرآن مجید ناظرہ آپ نے اپنے علاقہ کے مقامی عالم سے پڑھا، اس کے بعد شوق علم کی بدولت آپ نے اپنے علاقے میں دلیانی، پیلے، آمتور وغیرہ میں مختلف علماء سے مختلف ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد ۱۳۵ھ میں تکمیل درس نظامی اور علوم نبوت کے حصول نے آپ کو آبائی وطن چھوڑنے اور سفر کی سختیاں اور صعوبتیں برداشت کرنے پر مجبور کیا اور آپ نے اپنے وطن سے ہزاروں میل دور ہندوستان کی مشہور علمی و دینی درسگاہ دارالعلوم امینیہ دہلی میں داخلہ لیا جس کے اس وقت مہتمم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب تھے اس وقت آپ کی عمر ۲۵ سال کے لگ بھگ تھی، دارالعلوم امینیہ میں آپ نے پورے سات سال دین الہی سے وابستگی پیدا کرنے میں صرف کیے اور دورہ حدیث تک آپ نے یہیں استفادہ کیا اور وقت کے عظیم عالم بن کر واپس اپنے گاؤں لوٹے۔

ابتدائی اساتذہ کرام | آپ کے معاصر مولانا عبد الکریم صاحب کے بیان کے مطابق جن علماء سے آپ نے استفادہ کیا ان میں مولانا عبد المالك صاحب

سکنہ آمٹور، مولانا سید جبار صاحب باچکٹہ، مولوی محمد فاضل صاحب میلے اور مولوی محمد انبیاء کا کلیانی، کے نام قابل ذکر ہیں۔ جبکہ ہندوستان جانے کے بعد وہاں جن علماء کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہہ کیا ان میں حضرت علامہ مولانا عبد الغفور صاحب آف سوات مدرس دارالعلوم امینیہ دہلی اور بعد ازاں صدر مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، مولانا سکندر الدین صاحب آف ہزارہ، مولانا خداج بخش مرحوم آف مشرقی پنجاب (ہندوستان) کے اسماعیلی گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

دورہ حدیث کی سعادت | ہندوستان کی مایہ ناز دینی درسگاہ دارالعلوم امینیہ دہلی سے سند فراغت حاصل کی، حدیث کی کتابوں میں سے

آپ نے بخاری شریف اور ترمذی شریف حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب سے پڑھیں، جبکہ مسلم شریف اور ابوداؤد شریف حضرت مولانا ضیاء الحق سے پڑھیں۔

فراغت کے بعد علاقائی قاضی کے عہدہ پر تقرری | دارالعلوم امینیہ دہلی سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد جب آپ

اپنے گاؤں واپس آئے تو گاؤں ہی میں آپ نے تدریس کا آغاز کیا، طلباء علوم وینیہ کی آمد شروع ہو گئی، اسی اثناء میں آپ کو ریاست سوات کے عہدہ قضا کی پیش کش کی گئی جو آپ نے قبول کر لی جس پر آپ کو ریاست سوات کا قاضی مقرر کر دیا گیا اور آپ لوگوں کے فیصلے شریعت کے مطابق کرنے لگے، تین سال تک آپ اس عہدہ پر فائز رہے، بعد میں سیاسی اختلاف کی بنا پر قضا کے عہدہ سے آپ کو معزول کر دیا گیا۔

دارالعلوم حقانیہ سے وابستگی | شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحب رحمہ اللہ نے آپ کو دارالعلوم حقانیہ آنے کی دعوت دی جو آپ

نے قبول کر لی اور ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ کو دارالعلوم حقانیہ میں آپ کی تقرری ہوئی۔ بعد میں آپ کی اعلیٰ علمی اور تحریری صلاحیتوں کے پیش نظر دارالافتاء کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد کر دی گئی جو آپ نے نہایت احسن طریقے سے نبھائی، ان کے فتاویٰ کا بہت بڑا ذخیرہ پیش نظر

کتاب میں محفوظ ہے، موصوف ہر مسئلہ پر نہایت جامع اور وسیع روشنی ڈالتے اور نہایت سلیس انداز میں فتویٰ کو براہین کرنے، تخریب نہایت شستہ ہوتی تھی۔

۱۱۔ اشوال ۱۳۷۸ھ کو آپ نے بعض وجوہات کی بناء پر استعفا دے دیا اور جامعہ اسلامیہ (اکوڑہ خٹک) چلے گئے وہاں تقریباً تین سال تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھ سکے۔ اور ۱۲۔ اشوال ۱۳۸۱ھ کو حقانیہ میں آپ کی دوبارہ تقرری ہوئی اور رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ کو سبکدوش کر دیئے گئے، مجموعی طور پر تقریباً چودہ سال آپ نے دارالعلوم حقانیہ میں افتاء و تدریس کی خدمات انجام دیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب مولانا
دارالعلوم حقانیہ سے سبکدوشی کی وجوہات

مودودی کے نظریات اور ان کی تحریرات و آراء سے بہت زیادہ متاثر تھے جس کا اظہار آپ نجی محافل کے علاوہ عموماً دورانِ درس بھی کرتے تھے، دارالعلوم حقانیہ کا ماقول اکابر علماء دیوبند کے افکار و نظریات کے زیر اثر تھا اس لیے انکی تدریسی صلاحیتوں کی بناء پر حضرت شیخ الحدیث صاحب حتی الوسع آپ سے صرف نظر کرتے رہے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز، حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی مولانا سید گل بادشاہ طور و وغیرہ سب اکابر کا دارالعلوم حقانیہ سے نہایت عمیق تعلق تھا۔ اور مودودی نظریات رکھنے کی بناء پر انہیں دارالعلوم حقانیہ سے الگ کرنے پر مہم تھے۔ ادھر آپ اپنے خیالات کی ترویج و اشاعت کرتے ہوئے بعض طلباء کو ہم خیال بنانے کی کوشش میں رہے لیکن مجموعی طور پر آپ کو اس میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی، صرف اسی پریس نہیں بلکہ جماعت اسلامی کے مجلات اور رسائل میں مفامین اور مستقل تصانیف کے ذریعہ بھی اکابر علماء امت کے مودودی حقانیت پر اعتراضات کے جوابات اور ان کا دفاع کرنے لگے، اور دارالعلوم سے علیحدگی کے بعد تو آپ کی تحریرات میں جذباتی ردِ عمل کا ثبوت بھی ملتا ہے اور اسلاف کے مسلمہ موقف سے متصادم موقف کی شدت سے ترجمانی کرنے لگے۔

آخر کار حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ العزیز نے اکابرین کی خواہش اور ان حالات کے پیش نظر رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ کو انہیں دارالعلوم حقانیہ سے الگ کر دیا۔

اس کے بعد راولپنڈی وغیرہ کے مختلف مدارس میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور بالآخر پشاور کے مدرسہ حدیقۃ العلوم میں منتقل ہو گئے اور زندگی کے آخری لمحات تک اسی مدرسہ سے وابستہ رہے۔

تلامذہ | آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے، دارالعلوم حقانیہ میں قیام کے زمانہ میں ہزاروں طلباء اور فضلاء آپ سے مستفید ہوئے۔ دارالعلوم حقانیہ کے موجودہ نامور اساتذہ میں سے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم دارالعلوم حقانیہ، حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب المدنی اور مولانا عبدالحلیم دیروسی استاذ تفسیر دارالعلوم حقانیہ وغیرہ بھی آپ کے شاگرد ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ

ولادت | آپ یکم شوال المکرم ۱۳۴۲ھ بمطابق اپریل ۱۹۲۶ء بروز جمعہ بوقت طلوع فجر مولانا حبیب اللہ صاحب کے گھر زروبی ضلع صوابی میں پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم مولانا حبیب اللہ صاحب ایک جید اور متبحر عالم دین تھے، بعض فنون اور کتابوں میں آپ کی علمی شہرت اتنی زیادہ تھی کہ صوبہ سرحد کے مختلف علاقوں کے علاوہ بلوچستان اور افغانستان کے طلباء بھی آپ کے حلقہ درس میں پہنچتے اور کسب فیض کرتے، اور آج بھی ان علاقوں کے بڑے بڑے علماء بلا واسطہ یا بالواسطہ ان کے شاگرد ہیں۔

چونکہ گھر میں علمی ماحول تھا اس لیے آپ کو حصول علم کے لیے ابتداء میں سفر اختیار کرتے کی ضرورت نہیں پڑی۔ فنون کی تمام کتابیں از ابتداء تا انتہاء اپنے والد محترم ہی سے پڑھیں۔ ۱۳۶۸ھ میں جب آپ کے والد محترم وفات پھگ گئے تو آپ نے منطق و فلسفہ اور ریاضی کی منتہی کتابیں حضرت علامہ مولانا قحان بہادر صاحب عرف مارتونگ مولانا صاحب، حضرت مولانا محمد زبیر صاحب چکیسر اور حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب شاہ منصور اور بعض دیگر اساتذہ سے پڑھیں، حدیث میں کتب صحاح ستہ آپ نے محدث کبیر حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی قدس سرہ سے پڑھیں اور

۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء کو اکابرِ سامانہ نے آپ کے دستِ ارفیت سے نوازا۔ مولانا غوثی کے علاوہ دارالعلوم حقانیہ کے بانی و مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نے بھی آپ کو کتب حدیث پڑھانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

تدریس اور افتاء | تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے گاؤں زروبی میں آبائی درس گاہ میں پڑھانا شروع کیا، ایک سال کے بعد اکوڑہ خٹک کی معروف دینی درس گاہ جامعہ اسلامیہ کے منتظمین کی دعوت اور اصرار پر بحیثیت مدرس جامعہ اسلامیہ تشریف لائے، یہاں آپ نے تدریس کے ساتھ ساتھ افتاء کا کام بھی شروع کیا اور سات سال تک بحیثیت مدرس و مفتی خدمات انجام دینے کے بعد بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر مستعفی ہو کر دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ چلے گئے۔ یہاں آپ صدر المدرسین اور استاذ الحدیث کی حیثیت سے لائے گئے تھے، چنانچہ تین سال تک مختلف علوم و فنون کی کتب کے علاوہ صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد آپ کے زیرِ درس رہیں اور ساتھ ساتھ افتاء کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

۱۹۶۶ء میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دیوبند ثانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک آنے کی دعوت دی جو آپ نے قبول فرمائی۔ ۱۳۸۶ھ میں دارالعلوم حقانیہ میں آپ کی تقرری ہوئی اور آپ دارالعلوم حقانیہ تشریف لے آئے۔ اس سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب نے ایک دفعہ مولانا سمیع الحق صاحب سے فرمایا کہ جب حضرت مولانا مرحوم نے مجھے دارالعلوم حقانیہ آنے کی دعوت دی تو میں استخارہ کا سوچ ہی رہا تھا کہ رات کو خواب میں دیکھا کہ دارالعلوم حقانیہ کے بیرونی گیٹ پر ایک بڑا بورڈ یا سینر لگا ہے جس پر نہایت نمایاں الفاظ میں آیت کریمہ **مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا** لکھی ہوئی ہے، اس کے بعد فوراً شرح صدر ہوا اور دارالعلوم آنے کی دعوت قبول کر لی۔ دارالعلوم حقانیہ میں تقریباً تیس سال (۱۹۶۶ء سے ۱۹۹۵ء) تک درس و تدریس اور افتاء کی خدمت انجام دی، اس طویل عرصہ میں آپ نے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھائیں، عموماً نماز جامع مسجد دارالعلوم میں آپ خود پڑھاتے، ایک دن (نماز فجر کے دوران) آپ پر فالج کا حملہ ہوا جس سے زبان اور جسم کا کچھ حصہ متاثر ہوا، ہر ممکن علاج معالجہ کے باوجود آپ تدریس و افتاء کے فرائض انجام دینے کے قابل نہ ہو سکے اور دارالعلوم حقانیہ آپ کا

اعلیٰ خدمات سے محروم ہو گیا۔

بیعت | آپ ^{۱۳۶۹ھ} میں قطب الارشاد حضرت مولانا خواجہ عبدالملک صدیقیؒ سے قادری، چشتی، نقشبندی تینوں سلسلہ میں بیعت ہوئے، جلد ہی شیخ کی طرف سے بیعت کرنے کی اجازت مل گئی، چنانچہ اصلاح باطن کے لیے علماء، طلباء اور عوام کی کثیر تعداد آپ سے بیعت ہونے لگی۔

تصانیف | ایک مقبول مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ آپ بلند پایہ مصنف بھی ہیں۔ آپ کی کئی تصانیف و تالیفات طبع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں جو کہ علمی و دینی حلقوں بے حد مقبول ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں: (۱) ہدایۃ القاری شرح صحیح البخاری پہلا حصہ (۲) منہاج السنن شرح جامع الترمذی ۵ جلد (۳) العقائد الاسلامیہ (۴) البشری (۵) المقالات (۶) مسائل حج (۷) رسالۃ التوسل — ان کے علاوہ آپ کے سینکڑوں فتاویٰ، مقالات اور واقع علمی مضامین بھی دارالعلوم حقانیہ کے ترجمان ماہنامہ ”الحق“ میں چھپتے رہے ہیں جو اس مجموعہ (فتاویٰ حقانیہ) میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔

قضاء و افتاء | جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ آپ ایک جید مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین مفتی بھی ہیں، دارالعلوم حقانیہ میں عرصہ دراز تک صدر مفتی کے عہدہ پر فائز رہے ہیں۔ دارالعلوم حقانیہ کی علمی عظمت و مرتبہ کی وجہ سے ملک اور بیرون ملک میں آپ کے فتاویٰ کسی بھی مسئلے میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ نہایت مختصر مگر جامع فتویٰ لکھتے ہیں جو کہ فقہ پر آپ کے عبور کا بین ثبوت ہے۔ اتنے بڑے دینی ادارے کے صدر مفتی ہونے اور ہزاروں فتاویٰ لکھنے کی بناء پر اگر آپ کو مفتی اعظم سرحد کہا جائے تو یقیناً اس میں کوئی مضائقہ نہ ہوگی۔

چونکہ آپ دارالعلوم حقانیہ میں عرصہ دراز تک دارالافتاء کی خدمت پر فائز رہے ہیں اس لیے آپ کے فتاویٰ کی تعداد دارالعلوم کے دوسرے تمام مفتیان کرام سے زیادہ ہے۔ ہر ایک مفتی کا فتویٰ دینے کا اپنا ایک انداز ہوتا ہے جو اس کے ہر فتویٰ میں جھلکتا ہے۔ حضرت مفتی محمد فرید صاحب دام ظلہ کے ہزاروں فتاویٰ کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ کے فتاویٰ کا انداز

اور خصوصیت محسوس کی گئی وہ مختصر الفاظ میں درج ذیل ہے:-

(۱) آپ کے تمام فتاویٰ میں نہایت ہی ایجاز و اختصار ہوتا ہے اور آپ اطناب سے بھی پہلو تہی فرماتے ہیں۔ تاہم فتویٰ کی نوعیت کے اعتبار سے اگر ضرورت محسوس فرماتے ہیں تو بقدر ضرورت تفصیل بھی فرمادیتے ہیں، لیکن آپ کے جن فتاویٰ میں ایجاز و اختصار ہوتا ہے اہل علم حضرات کو ان کے سمجھنے میں کوئی دقت یا دشواری پیش نہیں آتی بلکہ ایجاز و اختصار اہل علم حضرات کے لیے ایک عجیب علمی رونق اور کشش کا باعث ہوتا ہے۔

(۲) کمال فقہانت سے باریک قیود ذکر فرما کر مسئلے کو جامع بنا دیتے ہیں تاکہ اس بنیاد پر کوئی اپنے لیے غلط استدلال نہ کر سکے اور مسئلہ بھی پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ اس احتیاط کو دیکھ کر بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ کا فتویٰ ایک قانونی دستاویز اور آئینی دفعہ کی طرح جامع اور مختصر ہوتا ہے۔

(۳) آپ کے فتوؤں میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں نظر آتی ہے کہ آپ کو فقہی جزئیات پر مکمل عبور حاصل ہے، آپ فتویٰ لکھتے وقت پہلے معتبر فقہی جزئیات سے استدلال کرتے ہیں، گویا فتویٰ نویسی میں آپ انہی جزئیات کو بنیاد و اساس بناتے ہیں۔ ہاں اگر کسی مسئلے میں قرآن پاک کی کوئی واضح نص یا احادیث مبارکہ میں سے کوئی صحیح حدیث موجود ہو جو حکم کو ذکر کرتی ہو تو اس کو بھی بطور دلیل کے ذکر فرماتے ہیں۔ اور اگر کسی مسئلے میں قرآن و حدیث سے کوئی واضح حکم موجود نہ ہو یا کوئی فقہی جزئیہ موجود نہ ہو تو آپ قواعد کلیہ و اصول کا سہارا لیتے ہیں اور ان کے مطابق حکم فرماتے ہیں۔

(۴) مسند افتاء پر فائز ہوتے ہوئے یہ ضروری نہیں کہ آپ کا فتویٰ جزئیات کے نقل کرنے تک محدود ہے بلکہ کبھی کبھار آپ حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے پیش رو فقہاء و مفتیان دین سے اختلاف کا اظہار فرمادیتے ہیں، تاہم بغیر کسی سند اور حوالے کے فتویٰ نہیں دیتے بلکہ اس میں مضبوط دلائل کا سہارا لیتے ہیں۔

(۵) آپ کے فتویٰ میں یہ بات نمایاں نظر آتی ہے کہ جہاں کہیں حوالہ دینے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو زیادہ تر شامی، عالمگیری، بدائع الصنائع، البحر الرائق اور دوسرے قدیم فقہی ذخائر

کاسہارا لیتے ہیں، تاہم جدید مسائل میں حضرت حقانوی رحمہ اللہ کی تحقیقات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ چونکہ آج کا دور جدید دوسرے اور نئے نئے مسئلے سامنے آتے رہتے ہیں، ایسے مسائل میں بھی دیگر اہل علم کی طرح آپ کے فتاویٰ بھی موجود ہیں، مثلاً بیمہ زندگی، انعامی پرائز بانڈ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت علامہ مولانا عبد الحلیم زر و بوی صاحب رحمہ اللہ

ولادت اور ابتدائی تعلیم | آپ ۱۹۰۸ء کو مولانا خلیل الرحمن کے ہاں موضع زر و بوی (صوابی) میں پیدا ہوئے۔ انتہائی کمسنی ہی میں آپ تعلیم کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پرائمری تک سکول پڑھنے کے بعد فاندانی روایت کے مطابق فارسی نظم اور صرف و نحو کے ابتدائی رسائل اپنے والد بزرگوار سے شروع کیے، والد بزرگوار نے جب اپنی فراست ایمانی سے آپ کے چہرے پر ذہانت و فطانت کے آثار دیکھے تو فرمایا کہ میرا یہ بچہ انشاء اللہ بہت بڑا عالم و فاضل بنے گا کیونکہ اس کی جبین سے علم و فضل کا نور جھلکتا دکھائی دے رہا ہے۔ آپ فطرتاً انتہائی کم گو اور عزت پسند طبیعت کے مالک تھے، اسی وجہ سے ہمہ تن اور ہمہ وقت مطالعہ کتب میں مصروف رہتے۔

مختلف ابتدائی رسائل، فارسی نظم اور کافیہ تک کتابیں اپنے علاقہ میں پڑھنے کے بعد علاقہ چچہ تشریف لے گئے اور وہاں پر بمقام ولیسہ اور جلالیہ میں شرح جامی اور الفیہ و تسعیدہ کی تکمیل۔ ان ہر دو مقامات پر علم نحو و صرف کا مشہور درس ہوا کرتا تھا اور مختلف مقامات کے طلباء یہاں پر صرف و نحو کی کتابیں پڑھنے کے لیے آتے تھے۔

بعد ازاں آپ علاقہ دوابہ ضلع پشاور کے موضع صریح آٹے اور یہاں پر مشہور عالم دین مولانا صاحب حق صاحب صریح سے منطق کے چند رسائل اور بعض بڑی کتابوں میں درس لیا۔ یہاں کا درس علم منطق میں مشہور تھا اور دروازے سے یہاں پر شائقین علم منطق اپنی علمی تشنگی بجھاتے۔ چونکہ اس زمانے میں اس علاقہ میں باقاعدہ مدارس وینیہ کا رواج نہ تھا صرف مسجدوں

میں علمی درس ہوا کرتے تھے، اس لیے طالبانِ علم دین ان درسوں میں شرکت کے لیے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں اور ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں مختلف کتابیں پڑھنے کے لیے جاتے۔ اس لیے حضرت صدر صاحب رحمہ اللہ نے کچھ عرصہ موضع شاہ منصور میں مولانا عبد رزاق صاحب عرف لالہ مولوی صاحب سے استفادہ کیا، علاوہ ازیں مردان میں مولانا سمند خان صاحب سے بھی بعض روایات کے مطابق مستفید ہوئے۔

موضع کڈی جو کہ صوابی کے قریب ایک گاؤں ہے یہاں پر استاذِ کل حضرت مولانا عبد رزاق صاحب سے علمِ نحو اور کئی دوسری کتابوں میں درس لیا۔

مختلف مواضع اور درسوں میں شرکت کرنے کے بعد آپ علاقہ چھچھ کے مشہور موضع غور غشتی تشریف لائے اور یہاں پر علامہ دوران حضرت مولانا قطب الدین صاحب غور غشتوی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے، مولانا قطب الدین صاحب آپ پر مرکوز رہی، اس لیے کہ آپ نہ صرف ایک ذی استعداد اور ذہین و فطین طالب علم تھے بلکہ علامہ صاحب حضرت صدر صاحب کے نانا مولانا شاہ صاحب کے شاگرد بھی تھے۔ یہاں پر ان سے آپ نے سلم العلوم، ملا حسن، نور الانوار، غلام یحییٰ، قاضی مبارک، امور عامہ اور خیالی جیسی اہم کتابوں میں درس لیا، حضرت علامہ صاحب کو اپنے اس ہونہار شاگرد اور تلمیذِ رشید کی ذہانت و فطانت پر از حد ناز تھا اور بعض کتابیں باوجودیکہ آپ کے پاس وقت نہیں تھا، آپ کو پڑھائیں اور سفر و ہجر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

صبحِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا

وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

بعد ازاں آپ موضع گیدڑ پور ضلع ہزارہ تشریف لے گئے اور وہاں پر حضرت مولانا قاضی غلام نبی صاحب رحمہ اللہ محشی حمد اللہ سے منطق اور دوسری فنون کی کتابوں میں درس لیا۔ حضرت صدر صاحب ان کے ہاں جتنی مدت رہے ان کی خدمت میں پیش پیش رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو ان سے استفادہ کا کافی موقع ملا۔ آپ نے ان سے شرح عقائد سبع المتعلقا بفتح العروض، میبذی، صدرا اور حمد اللہ وغیرہ کتابیں پڑھیں اور ان کی زندگی کے آخری لمحات تک ان سے

وابستہ رہے۔

گیدڑ پور سے واپسی پر آپ اپنے ماموں مولانا محمد صاحب قدس سرہ کے ساتھ چکوال چلے گئے اور وہاں پر مختصر المعانی، مطول، مشکوٰۃ شریف، جلالین اور بست باب (ریاضی) پڑھیں۔ ان تمام ادوار میں ضعف و نقاہت اور بیماری آپ کے بدن کا جزو و لاینفک رہی لیکن اس کے باوجود یہ تمام عوارض آپ کے شوقِ علم کے سامنے زنجیرِ پا ہونے کی بجائے ریت کی دیوار ثابت ہوئے اور جس غرض اور یللائے مقصود کی تلاش میں نکلے تھے اس کے حصول میں ملن رہے۔

دست از طلب نہ آرم تا کام من بر آید

یا تن رسد بجاناں یا جان ز تن بر آید

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ | فنون کی تکمیل کے بعد آپ نے جامعہ انسانیت، برصغیر کی عظیم اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۵۱ھ میں

داخلہ لیا۔ وہاں پر آپ نے صحاح ستہ و دیگر کتب فقہ، تفسیر و حدیث مجاہد حریت اسیر مالٹا شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، مولانا رسول خان ہزارویؒ، مولانا اعجاز علی صاحبؒ اور مولانا مفتی محمد شفیعؒ وغیرہم حضرات سے پڑھیں۔ موقوفِ علیہ اور دورہ حدیث پڑھ کر آپ نے ۱۳۵۳ھ میں سند فراغت حاصل کی۔

تدریسی سفر کا آغاز | ۱۳۵۴ھ میں آپ نے مدرسہ رحیمیہ دہلی سے اپنے تدریسی سفر کا آغاز کیا، جہاں ابتداء ہی سے اہم کتابوں کی تدریس آپ کو تفویض کی گئی

اور بہت جلد آپ کا شمار کامیاب مدرسین میں ہونے لگا۔

۱۹۴۷ء میں جب تقسیمِ ہند عمل میں آئی تو آپ دوبارہ دہلی نہ جاسکے اور اپنے ہی گاؤں میں محلہ کی مسجد بھائی خیل میں حبۃ اللہ دس شروع کیا، دور دراز سے طلباء آپ کے درس میں شرکت کے لیے آتے۔ بیضاوی شریف اور خیالی و شراح عقائد جیسی مغلق اور مہتمم بالشان کتابوں کی تدریس میں آپ کا بہت شہرہ تھا۔ اس کے بعد آپ کچھ عرصہ کے لیے مکھڑ (ضلع انک) تشریف لے گئے، وہاں سے واپسی پر جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں خدمتِ تدریس پر مامور ہوئے۔

دارالعلوم حقانیہ آمد | خرابی صحت کی بناء پر آپ جامعہ اسلامیہ سے اپنے گاؤں آگئے اور وہاں پر بشرطِ صحتیابی پڑھاتے رہے اور ذریعہ معاش کے طور پر مطب کھولا۔ جب حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کو معلوم ہوا تو آپ کو مورخہ ۱۵ شوال ۱۳۶۸ھ کو دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک لے آئے مگر یہاں بھی خرابی صحت درس و تدریس میں حائل رہی اور چار ماہ بعد مورخہ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۶۹ھ دوبارہ اپنے گاؤں تشریف لے آئے، اس دوران آپ اپنے علاج میں مصروف رہے۔

دارالعلوم منظرالعلوم کھڑہ کراچی | علاج معالجہ اور تبدیلی آب و ہوا کی خاطر آپ کراچی تشریف لے گئے۔ محدث عصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے ساتھ آپ کے خصوصی مراسم تھے اس لیے انہی کے مشورہ اور تعاون سے آپ دارالعلوم منظرالعلوم کھڑہ میں مدرس مقرر ہو گئے۔

دارالعلوم حقانیہ دوبارہ تشریف آوری | کراچی سے واپسی کے بعد کچھ عرصہ گاؤں میں رہے، اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ کی خواہش پر ۲۷ شوال المکرم ۱۳۷۷ھ کو دوبارہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے اور تادم واپس دارالعلوم حقانیہ میں ہی خدمتِ دین متین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کوشاں رہے۔ اس دوران دوسرے اداروں اور مدارس سے بڑی بڑی پیشکشیں ہوئیں جنہیں آپ نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ میرا مقصد حصولِ دین ہے نہ کہ حصولِ معاش، اور خدمتِ دین یہاں پر بطریقہ احسن ہو رہی ہے۔ یہاں دورۂ حدیث میں مسلم شریف، بخاری شریف جلد ۱، تفسیر میں بیضاوی اصول فقہ میں تلویح توضیح اور سلم الثبوت زیرِ درس رہیں، اس کے علاوہ شرح عقائد خیالی اور جلالین شریف بھی پڑھائیں۔

بیعت و ارادت | دورانِ قیام دیوبند آپ کا تعلق بیعت حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے ساتھ تھا۔ بعد ازاں آپ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غور غشتوی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، قریب تھا کہ شیخ آپ کو خلافت سے نوازتے کیونکہ آپ نے تمام اسباق مکمل کر لیے تھے، لیکن شیخ کا وقت موعود

آن پہنچا اور یوں اپنے شیخ سے خلافت کی تمتا دل میں ہی رہ گئی۔

قطب الارشاد حضرت مولانا خواجہ عبدالملک صاحب صدیقی آف خانیوال جن کے حلقہ ارادت میں علماء و صلحا شامل تھے اور خود شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب بھی آپ کے خلفاء میں سے تھے اس لیے جب کبھی آپ صوبہ سرحد کے دورہ پر تشریف لاتے تو ایک رات قیام کے لیے ضرور دارالعلوم حقانیہ ورود فرماتے، اس دوران علماء، صلحاء اور مریدین و مترشدین کا ایک جم غفیر خانقاہ اشرفی کا عجیب و غریب منظر پیش کرتا۔ چنانچہ اپنے دونوں شیوخ (شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اور شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورخشتوی) کی وفات کے بعد آپ نے حضرت خواجہ صاحب سے بیعت کا عندیہ ظاہر کیا تو پہلے ہی مراقبہ میں حضرت خواجہ صاحب نے آپ کو خلافت سے نوازا۔ بعد ازاں سفر افغانستان کے دوران مجددی خاندان کے مشہور بزرگ اور پیر طریقت حضرت ضیاء المشرق مولانا محمد ابراہیم جان المجددی نے بھی آپ کو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں اجازت دی تھی اور خرقہ بھی عطا فرمایا تھا۔

سفر سعادت | ہر مسلمان کی طرح آپ کی بھی یہ دیرینہ تمنا تھی کہ مہبط وحی دیار رسولؐ اور گزرگاہ جبریل امینؑ کی زیارت نصیب ہو، ایک سچے عاشق رسولؐ کی طرح آپ کے دل میں بھی یہ تڑپ تھی کہ ایک بار اس حیات مستعار میں حج بیت اللہ سے شرف یاب ہو جاؤں چنانچہ دس سال تک آپ مسلسل درخواست دیتے رہے تا آنکہ آپ کی منظوری آئی اور شاداں و خراماں اس سعادت عظمیٰ سے بہرہ ور ہوئے۔

تلا مذہ | آپ اپنے مضبوط حافظہ اور قوی استعداد کے باعث دوران طالب علمی ہی سے فارغ اوقات میں طلبہ کو کتابیں پڑھاتے رہے اور فراغت کے بعد تو ہمہ تن اس اہم فریضہ کی طرف متوجہ ہو گئے، سوائے ان اوقات کے جن میں آپ صاحب فراش رہے تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھا، تو اس حساب سے محتاط انداز سے کے مطابق آپ کے تلا مذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے جن میں خصوصیت کے ساتھ مجاہد کبیر اور جہاد افغانستان کے مدارالمہام مولانا جلال الدین حقانی، مولانا محمد یونس خالص، مولانا سید شیر علی شاہ صاحب شیخ الحدیث والتفسیر و فاضل مدینہ یونیورسٹی، مولانا فضل الرحمن بن مولانا مفتی محمود صاحب، مولانا عبد الغنی صاحب ایم این اے چین مولانا سمیع الحق صاحب

مولانا عبدالحق رحمانی کراچی، مولانا احمد گل حقانی شہید قابل ذکر ہیں۔

اندازِ فتویٰ | جیسا کہ تفسیر و حدیث، فقہ اور عقائد و معقولات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ و ارفع مقام سے نوازا تھا اسی طرح فتاویٰ کی اکثر کتابیں بھی آپ کے زیرِ مطالعہ رہیں۔ فتاویٰ قاضی خان، شامی، عالمگیری، ہدایہ، البحر الرائق اور فتح القدیر کی بعض عبارتیں آپ کو ازبر تھیں مگر چونکہ افتاء وغیرہ آپ کا شعبہ نہ تھا اس لیے آپ کے فتاویٰ کی تعداد بہت قلیل ہے۔ آپ کے فتاویٰ زیادہ تر عقائد و کلامیات کے متعلق ہوتے اور انہی استفسارات کے بارے میں آپ جواب تحریر فرماتے، اور خاص کر وہ معرکہ الآثار مسائل جن میں علماء و مدرسین حضرات کو الجھنیں پیش آئیں آپ ان کو ٹپکیوں میں حل فرمادیتے، اس لیے ظاہر ہے کہ وہ فتاویٰ عام اذہان کے فہم سے بالاتر ہوتے، البتہ عام استفسارات کے متعلق آپ کا جواب انتہائی واضح، دو ٹوک اور مدلل و مفصل ہوتا۔

تصانیف | گوکہ آپ علمی دنیا میں ایک عبقری شخصیت کے مالک تھے اور ایسے لطیف و باریک نکات دورانِ درس بیان فرماتے کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی، لیکن اس کے باوجود آپ نے کبھی کسی تصنیف یا تالیف کا ارادہ ظاہر نہ فرمایا۔ چنانچہ راقم نے ارادہ کیا کہ آپ کی حیات ہی میں آپ کے معتمد اور ثقہ تلامذہ سے آپ کی تقریریں اور درسی افادات منگوا کر ان پر کام شروع کیا جائے اور خود بھی حضرت صدر صاحبؒ کی توجہ اس اہم ضرورت کی طرف مبذول کرائی۔ لیکن حضرتؒ کی خاکساری ملاحظہ ہو کہ باوجود اس علمی تفوق و تعمق کے ارشاد فرماتے کہ ”حضرات اکابر کی بیسیوں تصانیف کی موجودگی میں میری کسی تصنیف یا تالیف کی کیا وقعت ہوگی اور ان حضرات کی تصنیفات یا تالیفات میں کون سی تشنگی باقی ہے کہ میں اس کو پُر کر دوں“، لیکن بالآخر بندہ کے شدید اصرار پر آپ نے حامی بھر لی۔ مسلم شریف کتاب الایمان کا کافی حصہ بندہ نے دورانِ درس قلمبند کیا تھا وہ مسودہ آن محترم کے حوالہ کیا، آپ نے اس پر نظر ثانی اور اس کی تہیض کمزنی کا آغاز کیا، لیکن بقول شاعر؎

مَا كَلَّ مَا يَتَمَنَّى الْمُرِيدُ رُكَّةً

تَجْرِي الرِّيحُ بِمَا لَا تَشْتَمِي السَّفِينُ

ابھی آپ نے لکھنے کا ارادہ فرمایا ہی تھا کہ نامعلوم وجوہ کی بناء پر دائیں ہاتھ میں درد شروع

ہو گیا، تقریباً چار ماہ اسی درد و کرب میں گزارے، بہر حال وہ کام تشنہ تکمیل رہا۔

(۱) آمالی ترمذی | دورانِ تعلیم دارالعلوم دیوبند آپ نے اپنے شیخ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے ترمذی شریف کے افادات اور آمالی قلمبند کیے تھے بندہ نے اس کی تخریج وغیرہ کا کام شروع کیا ہے، انشاء اللہ بہت جلد زیور طباعت آراستہ ہوں گے۔

(۲) تقریر مسلم شریف | آپ کے تلامذہ دورانِ درس آپ سے مسلم شریف کی تقریر قلمبند کرتے رہے، بندہ نے بھی ”کتاب الایمان کا کافی حصہ قلمبند کیا ہے، اس کے علاوہ کتاب الایمان اور مقدمہ مسلم شریف بشمول کتاب البیوع بندہ کے پاس محفوظ ہے۔

(۳) تقریر بیضاوی شریف | تفسیر بیضاوی شریف پر آپ کے درسی افادات اور آمالی آپ کے مختلف تلامذہ کے پاس موجود ہیں۔

(۴) حل مغلقات مسلم الثبوت | تلویح و توضیح اور مسلم الثبوت کے مشکل مقامات کی توضیح و تشریح پر مشتمل افادات۔

(۵) مباحث کلامیہ بخاری ج ۲ | بخاری شریف میں جہاں پر علم کلام سے متعلق بحث ہے حضرت صدر صاحب نے اپنی شانِ تکلم سے بہت خوبصورت اور دلنشین انداز میں اس کی تشریح کی ہے۔

(۶) آمالی شرح عقائد و خیالی | آپ جس وقت اپنے گاؤں میں درس دیتے تھے اُس وقت کے تلامذہ نے شرح عقائد و خیالی کے افادات آپ سے قلمبند کیے۔

(۷) افادات حلیم | راقم نے یہ مختصر رسالہ جو کہ بخاری شریف کی آخری حدیث کی تشریح اور مسلم شریف کے باب الکبائر و اکبرہا پر مشتمل ہے، اور ساتھ ساتھ حضرت صدر صاحب کی مختصر سوانح بھی اس میں شامل ہے، شائع کیا ہے۔

اولاد | آپ کے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں، بڑے صاحبزادہ مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی دارالعلوم حقانیہ میں مدرس ہیں اور دو کچھ دو صاحبزادے محمد اسماعیل اور عبد الحفیظ تجارت وغیرہ سے وابستہ ہیں۔

لے آپ کے مفصل حالات زندگی اور مکمل سوانح جاننے کے لیے ”حیات صد المدین“ مؤلف مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی ملاحظہ ہو۔

سفر آخرت | ۶ جنوری ۱۹۸۳ء کو آپ اس جہان فانی سے کوچ کر گئے، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی جس میں ہزاروں کی تعداد میں علماء، صلحاء، طلباء اور عوام الناس نے شرکت کی۔ رحمہ اللہ

حضرت مولانا مفتی محمد علی سواتی رحمہ اللہ

نام و نسب و جائے پیدائش | مولانا محمد علی ۱۹۱۹ء کو جناب عنایت اللہ صاحب کے گھر موضع خوازہ خیلہ ضلع سوات مالاکنڈ ڈویژن میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اور اساتذہ | آپ نے ابتدائی تعلیم سوات میں حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالرشید صاحب، مولانا محمد صدیق صاحب، مولانا مفتاح الدین صاحب کے اسماء گرامی نمایاں ہیں۔ ان حضرات سے آپ نے مطول مختصر المعانی، شرح عقائد، کافہ اور شرح جامی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم اور اساتذہ | اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ۱۹۴۳ء میں آپ مظاہر العلوم سہارنپور (ہند) تشریف لے گئے، وہاں آپ نے تین سال تک مزید تعلیم حاصل کرنے کے بعد دورہ حدیث سے فراغت کی سند حاصل کی۔ دورہ حدیث میں آپ کے اساتذہ کرام میں حضرت مولانا محمد زکریا صاحب، حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کامل پوری صدر المدرسین مظاہر العلوم اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحب مہتمم مظاہر العلوم جیسی نابغہ روزگار ہستیاں شامل ہیں۔

تدریسی خدمات | فراغت کے بعد ایک سال آپ نے دارالعلوم سہارنپور میں تدریس کے فرائض سرانجام دیئے، تقسیم ہند کے بعد آپ اپنے وطن (پاکستان) آ گئے اور حکمت آباد چارسدہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جو کہ آٹھ سال تک جاری رہا۔ ۱۹۵۵ء میں بحیثیت مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں آپ کی تقرری ہوئی اور آخری دم تک یہاں سلسلہ تدریس جاری رہا۔

اولاد | آپ کی اولاد میں مولانا عبدالصمد، مولانا عبدالاحد اور مولانا صدیق احمد جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فاضل ہیں۔

فقہی مقام | آپ اپنے وقت کے نامور فقیہ تھے۔ ہدایہ آخرین جیسی مشکل کتاب پڑھانے میں خاص مہارت رکھتے تھے جس کی وجہ سے دور دراز کے طلباء آپ سے ہدایہ پڑھنے کے لیے جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک آتے تھے۔ آپ اپنے وقت میں ایک خاص حلقے کے اندر فقہ کے امام سمجھے جاتے تھے۔

فقہ کے علاوہ آپ علم معانی اور علم نحو سے بھی خاص شغف رکھتے تھے۔
سفر آخرت | (محرم الحرام ۱۲۸۵ھ) کو آپ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ”ہدایہ آخرین“ کے درس سے فارغ ہو کر اٹھ ہی رہے تھے کہ دل کا دورہ پڑا اور کتاب ہی پر سر رکھ کر بیٹھ گئے اور دوبارہ نہ اٹھ سکے۔ یوں آپ ۶۱ برس کی عمر میں آپ اپنے رب کے پاس پہنچ گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

حضرت مولانا مفتی قاضی انوار الدین صاحب مدظلہ

نام و نسب | مولانا قاضی انوار الدین صاحب قاضی زین العارفین کے گھر ۱۹۱۹ء کو اکوڑہ خٹک میں پیدا ہوئے، قاضی زین العارفین صاحب قاضی نظمیت الدین کے فرزند تھے نسب کے لحاظ سے آپ حنفی سادات میں سے ہیں۔

خاندانی پس منظر | قاضی صاحب کی تحریرات کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ ایک علمی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کے آباؤ اجداد علمی لحاظ سے اچھی شہرت کے حامل رہے ہیں۔

قاضی صاحب کے آباؤ اجداد اشاعتِ دین کے لیے مدینہ منورہ سے نکلے اور بلخ و بخارا میں علم دین کی روشنیاں بکھیرتے ہوئے فرغانہ کی طرف چلے گئے۔

آپ کے آباؤ اجداد اپنی علمی بصیرت کی وجہ سے ظہیر الدین بابر کے دربار میں نمایاں مقام پایا، جب بابر ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو قاضی صاحب کے اسلاف منصبِ قضا

پر فائز تھے۔

پہلے افغانستان اور پھر ظہیر الدین بابر کے ساتھ ہندوستان آنے کے بعد آپ کے اسلاف مختلف ادوار میں منصب قضا پر فائز رہے اور حق کی اشاعت کرتے رہے، بابر کے لیے مختلف خدمات اور وفاداریوں کی وجہ سے بابر کے دربار میں صاحب مقام لوگ تھے۔ قاضی انوار الدین صاحب خود بھی منصب قضا پر فائز ہیں اور اکوڑہ خٹک میں اپنے فرائض بطریق احسن انجام دے رہے ہیں۔

ابتدائی تعلیم | آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز اکوڑہ خٹک ہی سے کیا اور دارالعلوم حقانیہ کے شعبہ ”تعلیم القرآن سکول“ سے پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔ تعلیم القرآن سکول میں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے مدرسہ تعلیم القرآن میں جاری کردہ ”درجہ عربیہ“ مولانا قاضی حبیب الرحمن صاحب فاضل دیوبند سے پڑھا۔ اس درجہ میں صرف نحو، منطق، فقہ اور اصول فقہ کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، بعض ابتدائی کتابیں اپنے والد محترم سے پڑھیں۔ کافیہ، شرح جامی اور ہدایۃ الحکمتہ وغیرہ اکوڑہ خٹک ہی میں حضرت مولانا سید محمد کرم علی شاہ المعروف باچا گل صاحب سے پڑھیں۔

اساتذہ کرام | آپ کے ابتدائی اساتذہ کرام مندرجہ ذیل ہیں:-
(۱) شیخ غلام حیدر صاحب (۲) شیخ محمد عمر صاحب (۳) شیخ غلام جیلانی صاحب،
(۴) شیخ عبد اللطیف صاحب۔

یہ حضرات تعلیم القرآن سکول میں آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔ آپ کے دیگر اساتذہ میں آپ کے والد ماجد مولانا قاضی زین العارفین صاحب، قاضی حبیب الرحمن صاحب، حضرت مولانا سید مبارک شاہ صاحب اور شیخ عبد الرحیم صاحب قابل ذکر ہیں۔

قاضی صاحب نے فارسی نظم کی کتابیں مثلاً گلستان، بوستان، تحفہ نصاب، سکندر نامہ، یوسف زلیخا اور شنوی مولانا روم وغیرہ شیخ عبد الرحیم صاحب سے پڑھیں۔

آپ نے دورہ حدیث شریف دارالعلوم حقانیہ سے مکمل کر کے سند فراغت حاصل کی، علم حدیث میں آپ جن حضرات سے فیضیاب ہوئے ان میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ

صاحب، صدر المدرسین مولانا عبدالحلیم زروبوئیؒ اور مولانا مفتی محمد یوسف صاحبؒ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

تدریسی خدمات | فراغت کے بعد ۱۳۷۸ھ میں آپ کا دارالعلوم حقانیہ ہی میں بحیثیت مدرس و نائب مفتی تقرر ہوا جبکہ بعد میں مفتی مقرر ہوئے۔

قاضی صاحب نے افتاء میں مولانا مفتی محمد یوسفؒ صاحب، مولانا عبدالحق قندھاریؒ اور مولانا عبدالحلیم زروبوئی صاحبؒ سے استفادہ کیا ہے۔ عرصہ تدریس میں آپ نے صرف، نحو، فقہ، اصول فقہ، علم معانی اور علم بیان کی کتابیں پڑھائیں۔ بحیثیت مدرس و مفتی تقریباً دس سال آپ نے مادر علمی دارالعلوم حقانیہ کی خدمت کی۔

افتاء و قضاء | قاضی صاحب نے دارالعلوم حقانیہ میں تدریس کے دوران ہی افتاء کا کام شروع کر دیا تھا، اُس وقت سے لے کر تا دم تحریر ہندوگان خدا کے تنازعات کو قرآن و سنت کی روشنی میں حل فرما رہے ہیں، آپ یہ سب خدمات بلا معاوضہ انجام دیتے ہیں اور مقصود صرف رضائے الہی ہے۔

انداز فتویٰ | آپ کے اکثر فتاویٰ مولانا مفتی محمد یوسف صاحبؒ کے فتوؤں سے ماخوذ ہیں۔ کچھ وقت تک تو آپ صرف مولانا مفتی محمد یوسف صاحبؒ کے تحریر کردہ

فتوؤں کو رجسٹر میں درج کرتے تھے، بعد ازاں ترقی دے کر آپ کو مفتی مقرر کیا گیا۔ انداز بیان میں آپ پر مولانا مفتی محمد یوسف صاحبؒ کا اثر زیادہ ہے لیکن آپ فقہی ذخائر پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ اب بھی علاقے میں آپ کے فتویٰ اور فیصلے کو اہمیت دی جاتی ہے۔

زیر نظر مجموعہ فتاویٰ میں آپ کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا ایک بڑا ذخیرہ شامل ہے۔ ۱۳۸۸ھ میں بعض ذاتی مجبوریوں اور معاشی تقاضوں کی وجہ سے از خود جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے الگ ہو گئے۔

بیعت | تصوف و سلوک میں آپ سلسلہ قادریہ و نقشبندیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مہاجر مدنیؒ مدینہ منورہ سے پہلی مرتبہ جب اکوڑہ خٹک تشریف لائے تو آپ نے اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور مریدی کا یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

حضرت مولانا عبدالحلیم کوہستانی

نام و نسب و مولد | مولانا عبدالحلیم کوہستانی ۱۹۱۲ء کو مولانا رستم خان کے گھر علاقہ کوہستان میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم | آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز پانچ سال کی عمر میں اپنے والد محترم سے کیا، ان سے ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد تکمیل علم کے لیے دارالعلوم حقانیہ سید شریف رسوات میں داخلہ لیا اور یہیں سے ۱۹۶۲ء میں سند فراغت حاصل کی۔

اساتذہ کرام | آپ نے اپنے والد محترم کے علاوہ بہت سے دیگر اساتذہ کرام سے علم کی پیاس بجھائی۔ صرف و نحو مولانا بنارس خان سے پڑھی، شرح ملاحی مولانا عبد اللطیف صاحب سے، معقولات مولانا خان بہادر صاحب عرف مارتونگ مولانا صاحب اور مولانا محمد نذیر صاحب حق صاحب حکیمیری سے اور علم بلاغت مولانا عبدالحلیم سواتی سے حاصل کیا۔

تدریس | فراغت کے بعد آپ نے ایک سال جامع مسجد پشین میں اور دو سال مارتونگ میں گزارے، اس کے بعد ۱۳۷۷ھ کو جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں بحیثیت مدرس آپ کی تقرری ہوئی اور سات سال تک علم و فضل کے موتی بکھیرتے رہے۔

افتاء | مولانا مفتی محمد یوسف صاحب بونیری رحمہ اللہ کے جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے چلے جانے کے بعد افتاء کی اہم ذمہ داری بھی آپ کو سونپ دی گئی، فتویٰ دینے میں آپ بہت زیادہ احتیاط سے کام لیتے تھے اور خوب غور و خوض کے بعد فتویٰ دیا کرتے تھے۔

بیعت | تزکیہ نفس کے لیے آپ نے پیر طریقت حضرت مولانا عبدالمالک صاحب نقشبندی رحمہ اللہ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

تصانیف | مولانا موصوف نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف

کا سلسلہ بھی جاری رکھا، آپ کی ایک مایہ ناز کتاب ”ہدایۃ العلوم“ منظر عام پر آچکی ہے، مزید چھ عدد تصانیف مکمل ہیں لیکن ابھی تک ان کی اشاعت نہیں ہو سکی۔ ان میں تفسیر میں ”ہدایۃ آیات“، ”رسالہ توحید“ اور فقہ میں ”الاستدلال فی القرآن“ کے مسودات آپ کے ہاں محفوظ ہیں۔

تلامذہ | ویسے تو آپ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ان میں مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، مولانا قاضی حمید اللہ صاحب، مولانا فضل الحق صاحب، مولانا عصمت اللہ صاحب اور مولانا عبدالباقی صاحب قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

نام و نسب | حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم ۱۸ ستمبر ۱۹۳۷ء کو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھر اکوڑہ خٹک میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد سلطان محمود غزنویؒ کے ساتھ جہاد کے سلسلے میں ہندوستان تشریف لائے تھے اور پھر اکوڑہ خٹک میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

ابتدائی تعلیم | آپ نے پرائمری تک عصری تعلیم اپنے ہی گاؤں میں حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے قائم کردہ انجمن تعلیم القرآن اسلامیہ پرائمری سکول میں حاصل کی اور دینی تعلیم ابتدائی درجات سے لے کر درجہ علیا تک جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں حاصل کی اور ۱۹۵۷ء کو دورہ حدیث سے فراغت کے بعد الامام البکیر شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ سے ۱۳۷۸ھ کو دورہ تفسیر کیا۔

اعزازی اسناد | جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے سند فراغت کے علاوہ بعض دوسرے اکابرین مثلاً قطب العالم شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورخشتویؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ، حضرت مولانا فخر الدین صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

اور مکہ مکرمہ کے شیخ علوی مالکیؒ نے آپ کو اعزازی اسناد اور اجازت حدیث سے نوازا۔
اساتذہ | آپ کے اساتذہ میں ولی کامل حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ حضرت
 مولانا عبدالحلیم زروبوئیؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، اور محدث العصر
 حضرت مولانا نصیر الدین غورخشتویؒ وغیرہ اکابرین شامل ہیں۔

تدریس | تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۵۸ء کو جامعہ دارالعلوم حقانیہ ہی میں درس و
 تدریس کا آغاز کیا اور جلد ہی خداداد صلاحیتوں کی بدولت ابتدائی کتب سے
 کتب حدیث کی تدریس تک پہنچ گئے جو کہ آج تک جاری و ساری ہے۔ درس و تدریس کے
 ساتھ ساتھ ۱۹۶۵ء میں آپ نے ماہنامہ الحق کے نام سے ایک دینی و علمی جریدے کا آغاز کیا،
 جسے بہت جلد ہی ملک اور بیرون ملک مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی، اور تادم تحریر نہایت
 آب و تاب سے جاری ہے۔

تحریکات اور ملی خدمات | درس و تدریس کے ساتھ آپ نے مختلف تحریکات میں بھی بھرپور
 حصہ لیا۔ صدر ایوب خان کے دور حکومت میں جب ماڈرن ازم
 کے داعی ڈاکٹر فضل الرحمن کے فتنہ نے سراٹھایا تو آپ نے اس کا بھرپور تعاقب کیا جس پر
 ماہنامہ الحق میں شائع شدہ آپ کے ادارے دال ہیں۔

۱۹۷۴ء میں جب تحریک ختم نبوت شروع ہوئی تو آپ نے اس تحریک میں بھی اپنے والد محترم اور
 حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ اور دوسرے اکابر علماء کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ
 نے قومی اسمبلی میں امت مسلمہ کی ترجمانی کرتے ہوئے ”قادیانیت کے بارے میں ملت اسلامیہ کا موقف“ جو
 سنایا تھا اس کا اکثر حصہ آپ ہی نے لکھا تھا۔

۱۹۷۷ء میں جب تحریک نظام مصطفیٰ شروع ہوئی تو اس میں بھی آپ نے قائدانہ کردار
 ادا کیا جس کی پاداش میں آپ نے ہری پور جیل میں قید و بند کی صعوبتیں خندہ پیشانی برداشت کیں۔

تصنیف و تالیف | تدریسی، سیاسی اور دارالعلوم کی انتظامی ذمہ داریوں کے بوجھ کے
 باوجود آپ نے تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی نمایاں کردار ادا
 کیا ہے، آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف خاص و عام میں بے حد مقبول ہیں۔

- (۱) قادیانیت کے بارہ میں ملت اسلامیہ کا موقف (۲) شریعت بل کا معرکہ
 (۳) کاروانِ آخرت (۴) قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ (۵) اسلام اور عصرِ حاضر،
 (۶) دعواتِ حق ۲ جلد (۷) نظامِ اکل و شرب میں شریعت کی راہنمائی،
 (۸) شرح شمائلِ ترمذی۔

اندازِ فتویٰ | درس و تدریس، ماہنامہ الحق کی ادارت اور دیگر مصروفیات کے باوجود آپ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے دارالافتاء سے پوچھے گئے مسوالات کے جوابات بھی دیا کرتے تھے، اسی آپ کے اکثر فتاویٰ ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ جس طرح آپ کی طبیعت تحقیق پسند ہے تو وہی رنگ آپ کے فتاویٰ پر بھی غالب ہے، آپ کے اکثر فتاویٰ طویل اور اپنے موضوع کے جملہ پہلوؤں کو شامل ہوتے ہیں۔

اسی حوالہ سے آپ کے چند اہم مضامین القضا، حوادث و نوازل، فائدانی منصوبہ بندی، فتن، حقوقِ انسانی اور خصوصاً خواتین کے حقوق وغیرہ پر ماہنامہ الحق میں شائع ہوتے رہے ہیں جو کہ افادہ عام کے لیے "فتاویٰ حقانیہ" میں بھی شامل کیے گئے ہیں۔

سیاسی خدمات | درس و تدریس، تصنیف و تالیف، ماہنامہ الحق کی ادارت اور دارالعلوم کے انتظامی امور کے ساتھ ساتھ ملکی سیاست میں بھی آپ نے اہم خدمات سرانجام دی ہیں۔ ۱۹۷۹ء میں جب اکابرینِ جمعیتہ علماء اسلام حضرت مولانا عبد اللہ درخوشتی، حضرت مولانا مفتی محمود اور مجاہدِ ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب کو عام انتخابات میں حصہ لینے پر مجبور کیا تو آپ (مولانا سمیع الحق صاحب) نے مجبوراً حصہ لیا اور حضرت شیخ الحدیث صاحب کی تمام انتخابی مہم کو اپنی خداداد صلاحیتوں سے کامیابی سے ہمکنار کیا، حضرت شیخ الحدیث صاحب کی کامیابی کے بعد قومی اسمبلی میں ساری کاروائی پس پردہ آپ ہی چلاتے رہے، تحریک التواد کی قراردادیں اور ۱۹۷۲ء کے آئین میں ترامیم پیش کرنے میں بھی آپ پیش پیش رہے۔

جنرل محمد ضیا الحق مرحوم کے دورِ مارشل میں آپ کو وفاقی مجلسِ شوریٰ کا ممبر نامزد کیا گیا تو زکوٰۃ و عشر، حدود، قصاص و دیت اور اتنا راع قادیانیت آرڈیننس کا نفاذ اور آئین میں بشمار اسلامی

شقوق اور دفعات کا شمول آپ ہی کی شبانہ روز جدوجہد کی بدولت ممکن ہو سکا۔ اور جب (۱۹۸۵ء میں) سینٹ آف پاکستان کے آپ ممبر بنے تو آٹھ سال کی طویل تاریخی جدوجہد کے بعد سینٹ سے شریعت بل منظور کروایا۔

اسلامی جمہوری اتحاد کا قیام | مملکتِ خدا داد پاکستان پر جب سیکولرزم کے منحوس سائے دوبارہ پھیلنے لگے تو اس کے تدارک کے لیے آپ ہی نے اس وقت اسلامی جمہوری اتحاد کی بنیاد رکھی جس میں نویسی و مذہبی جماعتیں شامل ہوئیں اور متفقہ طور پر آپ کو اس اتحاد کا سینئر نائب صدر منتخب کیا گیا۔

متحدہ علماء کونسل کا قیام | ۱۹۸۸ء میں جب بینظیر کی حکومت قائم ہوئی تو آپ نے اس کے خاتمہ کے لیے متحدہ علماء کونسل کے پلیٹ فارم پر تمام مکاتب فکر کے علماء اور اکابرین کو جمع کیا جس کی بدولت نسوانی حکومت کا خاتمہ ممکن ہو سکا۔

متحدہ دینی محاذ کی تشکیل | بھارت میں جب بابر مسجد کے انہدام کا دھواں بلند ہوا تو ملک میں دینی اقدار و آثار کو تباہی سے بچانے کے لیے ۱۵ دسمبر ۱۹۹۲ء کو ایک بار پھر تمام دینی جماعتوں کے قائدین کو جمع کر کے ”متحدہ دینی محاذ“ کی تشکیل کی۔

تحریک تحفظ مدارس دینیہ | ۱۹۹۴ء میں جب بینظیر حکومت نے مدارس دینیہ کے خلاف بے بنیاد الزامات لگانے، مدارس کی انکوائریاں اور تحقیقات کرانے کا سلسلہ شروع کیا تو مولانا صاحب نے یکم جنوری ۱۹۹۵ء کو تمام مکاتب فکر کے علماء اور ارباب مدارس کو جمع کر کے ”تحریک تحفظ مدارس دینیہ“ قائم کی اور حکومت کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا۔

اب جبکہ جنرل مشرف کی فوجی حکومت اور اس کے ناعاقبت اندیش وزراء نے امریکہ کے خوشنوی حاصل کرنے کے لیے مدارس دینیہ کے خلاف مہم شروع کی تو اسی مرد مجاہد نے ۳۰ اپریل ۲۰۰۲ء کو دارالعلوم حقانیہ میں تمام مدارس کے مہتممین کو جمع کر کے منصوبہ کو خاک میں ملا دیا۔

ملی یکجہتی کونسل کا قیام | ۱۹۹۶ء میں ملک عزیز میں فرقہ واریت کی آگ بھڑک اٹھی اور حکومتی سطح پر امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کی تکمیل کی سازشیں شروع ہوئیں تو اس نازک وقت میں آپ ہی نے تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے ”ملی یکجہتی کونسل“ قائم کی۔

سی ٹی بی ٹی | ۱۹۹۸ء میں جب نواز حکومت سی ٹی بی ٹی پر دستخط کے لیے ہوئی تو مولانا صاحب نے نہ صرف اپنے ادارہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے اس کی مخالفت میں مدلل شرعی فتویٰ شائع کر کے راتوں رات سیتھ اور قومی و صوبائی اسمبلیوں کے ممبران میں تقسیم کروایا بلکہ ۵ مئی ۱۹۹۸ء کو تمام دینی جماعتوں کی آل پارٹیز کانفرنس طلب کر کے اس ناپاک سازش کو ناکام بنا دیا۔

دفاع افغانستان و پاکستان کونسل کا قیام | جہاد افغانستان اور تحریک طالبان میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کا کلیدی کردار کسی مخفی نہیں کہ انہوں نے اس جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا اور کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ تحریک طالبان میں شامل طلباء اور ان کے قائدین کے نہ صرف مربی ہیں بلکہ دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم کی حیثیت سے ہزاروں کی تعداد میں علماء اور طالبان لیڈر آپ کے براہ راست شاگرد ہیں، آج سے تقریباً ایک سال قبل جب امریکہ نے افغانستان پر پابندیاں لگانے کا فیصلہ کیا تو مولانا صاحب نے ملک کی تمام دینی اور سیاسی جماعتوں کے مرکزی قائدین کو دارالعلوم حقانیہ میں جمع کیا۔ اس کانفرنس میں امریکی استعمار اور سادراج کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہوئے ”دفاع افغانستان و پاکستان کونسل“ کے قیام کا باضابطہ اعلان کیا گیا اور اتفاق رائے سے مولانا صاحب کو اس کونسل کا چیئر مین نامزد کیا گیا۔

سود کے خلاف آل پارٹیز کانفرنس کا انعقاد | پاکستان کے اعلیٰ عدالتی ادارے سپریم کورٹ نے حکومت

کو ۳۰ جون ۱۹۹۸ء تک سودی نظام ختم کرنے کا حکم دیا تو حکومت نے حسب سابق اس سلسلہ میں لیت و لعل کی پالیسی اختیار کرتی شروع کی تو مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے

۱۹ مئی ۲۰۰۲ء کو کراچی میں تمام دینی اور سیاسی جماعتوں کا مشترکہ سربراہی اجلاس طلب کیا اور حکومت کو سپریم کورٹ کے فیصلہ پر عمل کرنے کا نوٹس دیا اور بصورت دیگر حکومت کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان کیا۔

حضرت مولانا محمد ہاروت صاحب

مولانا محمد ہاروت صاحب نے مصلح سوات کے ایک پسماندہ گاؤں میں آنکھیں کھولیں۔ آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز ریاست سوات سے کیا، اس وقت سوات میں ابتدائی تعلیم بلند پایہ علماء و فقہاء موجود تھے جس کی وجہ سے ریاست سوات کو علمی مرکز کی حیثیت حاصل تھی اور تشنگانِ علوم نبوت و دراز علاقوں سے یہاں آکر اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ آپ کے ابتدائی اساتذہ میں مولانا خان بہادر صاحب مارتونگ، مولانا عبدالحلیم صاحب، مولانا محمد نذیر صاحب حق صاحب، مولانا عبدالرشید صاحب اور مولانا عبدالحنان صاحب کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

۱۳۷۰ھ میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب اور دوسرے اکابر اساتذہ سے دورہ حدیث کی تکمیل کی، آپ کا شمار دارالعلوم حقانیہ کے ممتاز فضلا میں ہوتا ہے۔

درس و تدریس فراغت کے بعد آپ نے مردان اور شمس آباد رانک میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ بعد ازاں ۱۳۷۳ھ بمطابق ۱۹۵۴ء کو دارالعلوم حقانیہ میں بحیثیت مدرس آپ کا تقرر ہوا اور آخری دم تک اسی مرکز علوم نبوت میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آخر کار اگست ۱۹۹۰ء میں اس دار فانی سے رحلت کر گئے۔

افتاء اگرچہ افتاء میں آپ نے مستقل طور پر کسی سے استفادہ تو نہیں کیا لیکن فقہ و منطق میں کمال جہارت کی وجہ سے اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔ چونکہ آپ تدریس اور دیگر مصروفیات کی وجہ سے فتویٰ نویسی کے لیے مستقل طور پر فارغ نہیں تھے اس لیے دارالعلوم کی طرف سے آپ کو یہ ذمہ داری نہیں سونپی گئی تھی تاہم سالانہ تعطیلات میں مفتیان کرام نہ ہوتے اور آپ کے دارالعلوم میں ہی مقیم ہونے کی وجہ سے دارالعلوم

کی انتظامیہ نے آپ کو یہ ذمہ داری سونپی تھی۔ رجسٹروں میں درج شدہ فتاویٰ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے اکثر میراث کے مسائل کے جوابات دیئے ہیں جبکہ فن میراث میں آپ کو مکمل عبور حاصل تھا۔

بیعت و سلوک | تصوف و سلوک میں آپ نے حضرت مولانا خواجہ عبدالملک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت کی، چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت خواجہ صاحب نے آپ کو خلافت سے نوازا۔

تصانیف | چونکہ آپ کا زیادہ تر وقت تدریس میں گذرتا تھا اس لیے آپ تصنیف و تالیف کی طرف بھرپور توجہ نہ دے سکے، لیکن اس کے باوجود آپ نے منطق کی ابتدائی کتاب ”ایسا غوجی“ پر کچھ تعلیقات لکھی تھیں جو ”افادات ہاروتی“ کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہیں۔ میراث میں ”میزان الاعتدال“ نامی کتاب لکھی جو آپ کی حیات میں تو شائع نہ ہو سکی البتہ بعد از وفات شائع ہو چکی ہے۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب مدظلہ

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب ایک ممتاز علمی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں، آپ ۱۳ اگست ۱۹۵۳ء کو ضلع مانسہرہ تحصیل اوگی کے ملحقہ علاقے بیلپاں میں مولانا شمس الحق صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری سکول بیلپاں میں حاصل کی، پرائمری کی تکمیل کے ساتھ ساتھ آپ نے قاری غلام حبیب صاحب سے ۱۹۶۹ء میں قرآن کریم بھی حفظ کر لیا، دینی علوم کی تحصیل کے لیے دو سال کا عرصہ جامعہ فرقانیہ راولپنڈی میں گزارا اور مزید تعلیم کے لیے ۱۹۷۱ء میں برصغیر کے دیوبند ثانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا اور عرصہ چھ سال تک دارالعلوم میں رہ کر علوم دینیہ کی تکمیل کی، دینی علوم کے ساتھ ساتھ آپ نے عصری تعلیم کی تحصیل بھی جاری رکھی اور ۱۹۷۳ء میں میٹرک پاس کر لیا۔ ۱۹۷۷ء میں آپ نے وفاق المدارس العربیہ کے تحت دورہ حدیث کا امتحان پاس کیا اور ملک بھر کے مدارس میں سے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ ۱۹۸۶ء میں جامعہ ازہر (مصر) سے دورہ تدریس کیا۔ علوم دینیہ کے

ساتھ ساتھ آپ علوم عصریہ سے بھی فیضیاب ہوتے رہے، چنانچہ ۱۹۸۰ء میں پشاور یونیورسٹی سے بی اے، ۱۹۸۲ء میں ایم اے اسلامیات اور ۱۹۹۶ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔

اساتذہ حدیث | آپ کے حدیث کے مشائخ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب، مولانا عبدالحکیم زروبوی صاحب، مولانا محمد علی سواتی صاحب، مولانا مفتی محمد فرید صاحب زروبوی، مولانا محمد حسن جان صاحب مدنی، مولانا سمیع الحق صاحب اور مولانا انوار الحق صاحب جیسی نامور ہستیاں شامل ہیں۔

تدریسی خدمات | دارالعلوم حقانیہ سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد، ۱۹۷۹ء میں آپ بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب کی ہدایت پر دارالعلوم میں ہی تدریس کا آغاز کیا، آٹھ سال درس نظامی کی تدریس کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب کی شفقت سے جامع ترمذی جلد ۲، اور سنن نسائی کی تدریس آپ کے حوالہ کی گئی اور ۱۹۸۵ء میں مستقل طور پر سنن ابی داؤد جلد ۱ کی تدریس آپ کے سپرد کر دی گئی۔ تدریس کے ساتھ ساتھ دارالعلوم حقانیہ کے ناظم تعلیمات، نائب مفتی اور شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی واداء فتا کے نگران بھی رہے۔ اور سہ ماہ میں آپ پشاور میں اپنے قائم کردہ دینی ادارے جامعہ عثمانیہ تشریف لے گئے۔

افتاء | ۱۹۷۸ء میں دارالعلوم حقانیہ میں تدریس کی ذمہ داری سنبھالنے کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی کا فریضہ بھی آپ کو سونپا گیا۔ ابتداء میں حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے فتاویٰ رجسٹر میں درج کرنے کی ذمہ داری تھی، بعد ازاں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب کے حکم پر خود فتویٰ لکھنا شروع کیا۔

تصانیف | حضرت مفتی صاحب نے کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں (۱) دفاع ابوہریرہؓ، (۲) عقیقہ کی شرعی حیثیت (۳) حیات بیلانی (۴) دارالعلوم حقانیہ سے جامعہ ازہر تک "سفرنامہ" (۵) ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت، وغیرہ اپنے موضوع کے لحاظ سے منفرد مقام کی حامل ہیں۔ آج کل آپ ماہنامہ "العصر" پشاور کے مدیر اعلیٰ ہیں۔

حضرت مولانا مفتی سیف اللہ ہاشم خان صاحب مدظلہ

نام و نسب | مولانا مفتی سیف اللہ حقانی صاحب ۲۶ دسمبر ۱۹۲۹ء کو جناب ہاشم خان صاحب کے گھر واقع سالار پور تحصیل و ضلع لکی مروت میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم | آپ نے ابتدائی تعلیم دارالعلوم اسلامیہ لکی مروت میں حاصل کی اور دورہ حدیث اور اعلیٰ تعلیم کے لیے ایشیا کی عظیم اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، یہاں سے آپ نے ۱۹۴۱ء میں دورہ حدیث کر کے سند فراغت حاصل کی۔

اساتذہ کرام | آپ کے اساتذہ کرام میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب، مولانا عبدالحق صاحب، مولانا محمد علی صاحب، مولانا مفتی محمد فرید صاحب، مولانا سید شیر علی شاہ صاحب، مولانا عبد الغنی دیروی صاحب، مولانا سمیع الحق صاحب، مولانا مفتی محمد یوسف صاحب، مولانا عبد اللہ صاحب درخواستی شامل ہیں۔

تدریس | فراغت علوم دینیہ کے بعد آپ نے دارالعلوم حسینیہ میرانشاہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور نور علم کو پھیلانے میں مصروف ہو گئے۔

افتاء | کچھ عرصہ دارالعلوم حسینیہ میں گزارنے کے بعد مادر علمی دارالعلوم اسلامیہ لکی مروت تشریف لائے، یہاں تدریس کے ساتھ ساتھ ۱۹۴۳ء میں افتاء کا سلسلہ بھی شروع کیا جو آج تک جاری ہے۔

دارالعلوم حقانیہ میں تقرری | ۱۹۸۶ء میں آپ نے مولانا سمیع الحق صاحب کی خواہش اور حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے حکم پر دارالعلوم حقانیہ میں تدریس کا کام

سنبھالا، کچھ عرصہ حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب اور دیگر مفتیان کے ساتھ معاون مفتی اور بعد میں مستقل مفتی کے طور پر ذمہ داریاں سنبھالیں، اب تک ہزاروں فتاویٰ آپ کے قلم سے نکل چکے ہیں۔ اور تادم تحریر آپ حقانیہ میں ہی یہ فریضہ بطریق احسن انجام دے رہے ہیں۔

بیعت | آپ نے رئیس المشائخ حضرت مولانا خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ کے دست حق پرست پر سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت فرمائی اور ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ سے بیعت فرمائی۔



حضرت مولانا مفتی عبدالکلیم کلاچوی

سلسلہ نسب | آپ حضرت مولانا عبدالکلیم صاحب کے ہاں ڈیرہ اسماعیل خان کے مشہور و معروف گاؤں کلاچی میں پیدا ہوئے۔

آپ کے سلسلہ نسب سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نجیب الطرفین اور ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔

ابتدائی تعلیم | آپ بچپن ہی سے تعلیم کے شوقین تھے اس لیے آپ نے بچپن ہی میں اپنے والد صاحب کے قائم کردہ دینی مدرسہ بحسم المدارس کلاچی سے اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز کیا، زیادہ تر کتابیں اپنے والد صاحب ہی سے پڑھیں، اس کے ساتھ ساتھ دوسرے اساتذہ کرام سے بھی استفادہ ہوتے رہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے ایشیاء کی عظیم دینی یونیورسٹی، دیوبند ثانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تشریف لائے اور ۱۹۵۵ء میں یہاں سے دورہ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ تکمیل کی کتابیں جامعہ قائم العلوم ملتان میں حضرت مولانا موسیٰ خان صاحب سے پڑھیں۔ اس کے بعد تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کے لیے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی تشریف لے گئے اور وہاں محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی سے استفادہ کیا۔

اساتذہ کرام | آپ کے اساتذہ کرام میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ، شیخ الاسلام علامہ شمس الحق صاحب افغانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ، حضرت مولانا عبدالکلیم صاحب زرو بوی رحمہ اللہ اور آپ کے والد محترم حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

درس و تدریس | فراغت کے بعد آپ نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ہی سے درس و تدریس کا آغاز کیا اور یہ سلسلہ تین سال تک جاری رہا۔ تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نائب مفتی کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد آپ خانیوال کی مشہور دینی درسگاہ میں بحیثیت صدر المدرسین تشریف لے گئے، وہاں ایک سال گزارنے کے بعد آپ جامعہ انوریہ اسلام آباد تشریف لائے، یہاں بھی آپ صرف ایک سال رہے۔ اس کے بعد آپ اپنے والد صاحب کے قائم کردہ مدرسہ ”نجم المدارس کلاچی“ چلے گئے اور تا دم تحریر ہذا اسی مدرسہ میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

بیعت و سلوک | ۱۹۶۷ء میں آپ نے حضرت علامہ شمس الحق افغانی صاحب سے بیعت کی، ان کے انتقال کے بعد حضرت مولانا جمیل احمد صاحب سواتی سے بیعت اور اصلاح نفس کا تعلق وابستہ کیا۔ ان کے انتقال کے بعد شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد علی لاہوریؒ کے خلیفہ مجاز حضرت علامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسنی صاحب کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔

حضرت مولانا عبدالحق قندہاروی

آپ کا شمار بھی جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے جید مدرسین میں ہوتا ہے۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے جامعہ کے دارالافتاء میں بھی بہت خدمت کی اور آپ کے قلم سے سینکڑوں فتوے جاری ہوئے، آپ کے فتاویٰ نہایت محققانہ ہیں۔ آپ کے لقب معلوم ہوتا ہے کہ آپ افغانستان کے صوبہ قندہار کے رہنے والے ہیں۔ کوشش و تلاش بسیار کے باوجود آپ کے مزید حالات کا پتہ نہیں چل سکا اس لیے صرف نام پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محبوب الرحمن صاحب

پیدائش | آپ مؤرخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۲۵ء کو حکیم عبدالرحمن کے ہاں زنگوڑ ڈھیری ضلع مردان میں پیدا ہوئے۔

تعلیم | ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کرنے کے بعد آپ نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۳ء میں یہاں سے سند فراغت حاصل کی۔

اساتذہ حدیث | اساتذہ حدیث میں آپ نے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ، مولانا عبدالحلیم صاحب زروبوئی رحمہ اللہ، مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ جیسے عباقرہ سے کسب فیض کیا۔

درس و تدریس | تعلیم سے فراغت کے بعد آپ جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں مدرس مقرر ہوئے، اس کے ساتھ ساتھ دارالعلوم کے دارالافتاء میں نقل فتویٰ نویسی کا کام بھی آپ کے سپرد کر دیا گیا۔

انداز فتویٰ | چونکہ آپ اکثر نقل فتاویٰ کا کام کرتے تھے اس لیے از خود فتویٰ لکھنے کا ان کو کم ہی موقع ملتا تھا۔ لیکن جو فتاویٰ آپ کے قلم سے صادر ہوئے

ان میں آپ کی کوشش یہ رہی کہ جواب مکمل، مفصل، مدلل اور باحوالہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے جواب میں سلیس انداز اختیار کیا ہے جو کہ انتہائی عام فہم ہے اور ہر خاص و عام اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔



حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب صدیقی مدظلہ

نام، نسب اور مولد | مولانا رشید احمد صاحب صدیقی حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب کے گھر زر و بی ضلع صوابی میں ۱۹۵۵ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد چھ پشتوں سے اسلام کی ترویج و اشاعت میں سرگرم عمل چلے آ رہے ہیں اور دنیا کے کونے کونے میں علم و معرفت اور رشد و ہدایت کی روشنی پھیلانے ہوئے ہیں۔

ابتدائی تعلیم | آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز ایشیاء کی مشہور و معروف دینی درس گاہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ تنگ سے کیا اور یہیں سے فارغ ہوئے۔

یہاں پر آپ کو انتہائی قابل اور شفیق و مہربان اساتذہ کرام ملے جن میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب زر و بولی، اور خود آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب، حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، حضرت مولانا انوار الحق صاحب کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

افتاء | درس نظامی سے فراغت کے بعد آپ نے فتویٰ نویسی اور افتاء میں اپنے والد محترم حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا اور دارالعلوم ہی میں منصب افتاء پر فائز ہوئے، اس کے ساتھ ساتھ آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کیا جو کہ بیس سال تک جاری رہا، اس دوران ہزاروں کی تعداد میں طالبان علوم نبویہ آپ سے مستفید ہوئے۔

بیعت و سلوک | آپ نے اپنے والد محترم مولانا مفتی محمد فرید صاحب کے دستِ حق پر سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کی اور انہی کے خلیفہ مجاز بھی ہیں۔

تصانیف | درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور کافی مفید کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں آپ کی گرانقدر تالیف ”ضروری مسائل“ کے نام سے شائع ہو چکی ہے جو کہ مقبول خاص و عام ہے۔ اس کے علاوہ ”مفید الواعظین“ اور ”دعا بعد السنۃ“ وغیرہ بھی آپ کی مایہ ناز تصنیفات ہیں۔

حضرت مولانا مفتی غلام قادر نعمانی صاحب

نام و نسب | آپ ۱۹۶۲ء میں سید محمود بن غلام رسول کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب آگے چل کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے، یعنی آپ نسباً ہاشمی ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد عرصہ ۱۵۰ سال سے علاقہ مہمند ایجنسی، قوم خوینزی، گاؤں خلوڈاگ میں آباد ہیں۔

تعلیم | آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی مولانا فضل معبود صاحب عرف صاحب ہقی فاضل دارالعلوم حقانیہ سے حاصل کی اور درجہ ثانیہ سے لے کر درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی تک کی کتابیں مرکز علوم نبوت جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں جید علماء کرام سے پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے درجہ تخصص کے پہلے طالب علم اور اس شعبہ میں پہلی سند درجہ ممتاز میں حاصل کرنے والے ہیں۔

آپ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اور وفاق المدارس کے سند یافتہ ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کراچی سے تخصص فی الدعوة والارشاد اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء بھی کر چکے ہیں۔ اسی طرح ایم اے اسلامیات و عربی کی ڈگری پشاور یونیورسٹی سے حاصل کی۔ اب تک آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں: (۱) وحدہ رمضان وعیدین (۲) مسائل سفر (اردو و پشتو) (۳) زیارت الحرمین الشریفین۔

اساتذہ کرام | حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب، شیخ الحدیث مولانا سید شیر علی شاہ صاحب، شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی جامعہ اشرفیہ لاہور، شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان صاحب، شیخ القرآن مولانا عبدلہادی ضا، شاہ منصور (صوابی) شیخ التفسیر مولانا سرفراز خان صفدر صاحب، مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی (کراچی)، مولانا سمیع الحق صاحب، مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، مولانا انوار الحق صاحب، مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب مہتمم جامعہ عثمانیہ پشاور آپ کے مشہور اساتذہ ہیں۔

تدریس | ۱۹۸۹ء/۱۴۰۹ھ سے جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اور ۱۹۹۷ء سے اب تک جامعہ حقانیہ کے درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء میں بحیثیت استاذ چلے آ رہے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی مختار اللہ صاحب حقانی

(مرتب فتاویٰ حقانیہ)

نام، نسب و مولد | آپ ۲۳ مارچ ۱۹۲۹ء کو جناب حبیب اللہ صاحب کے ہاں جہانگیرہ ضلع صوابی میں پیدا ہوئے، آپ کا خاندانی تعلق یوسف زئی خاٹھیل قبیلہ سے ہے۔

ابتدائی تعلیم | آپ نے مڈل تک عصری تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول جہانگیرہ سے حاصل کی، اس کے ساتھ ساتھ اپنے علاقہ کے جتید عالم دین مولانا عبدالحنان صاحب مدظلہ فاضل دیوبند سے صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ مڈل کے بعد حقارت الاستاذی کے مشورے سے مزید دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے جون ۱۹۸۵ء میں جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی چلے گئے اور فروری ۱۹۹۳ء میں وہاں درس نظامی کی تکمیل کی، اس کے بعد تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کے لیے جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا اور مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب مدظلہ کے زیرِ نگرانی فتویٰ نویسی سیکھتے رہے۔ تخصص سے فراغت کے بعد پشاور یونیورسٹی سے علوم اسلامیہ میں ایم اے (ماسٹر) کی ڈگری حاصل کی۔

تدریسی خدمات | ۱۹۹۶ء میں جامعہ مظہر العلوم قادریہ تودڑھیر (صوابی) تشریف لے گئے اور وہاں دو سال تک درس و تدریس کے علاوہ افتاء کی ذمہ داری بھی نبھاتے رہے۔ بعد ازاں جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے وابستہ ہو گئے اور تا دمِ تحریر جامعہ دارالعلوم حقانیہ ہی میں افتاء اور تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

اساتذہ کرام | آپ کے اساتذہ کرام میں مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار (کراچی) مولانا سید مصباح اللہ شاہ، مولانا مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا

مفتی عبدالسلام چاٹکامی، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا محمد یوسف لدھیانوی اور مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب جیسے اکابرین کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

تصنیفی خدمات | درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے بعض اہم موضوعات پر تحقیقی مضامین اور رسائل بھی لکھے ہیں، مثلاً (۱) اختلاف مطالع اور رؤیت ہلال کے شرعی حیثیت (۲) جماعت النساء کی شرعی حیثیت (۳) تعزیر بالمال کی شرعی حیثیت (۴) اس کے علاوہ ”فتاویٰ حقایقہ“ کی ترتیب نو بھی آپ ہی کے سپرد ہے (۵) شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے ”درس ترمذی“ کی ضبط و ترتیب بعنوان ”اسلام کا نظام اہل شرب اور برودہ کرہ کیلئے معیار نصاب سونا یا چاندی وغیرہ“ قابل ذکر ہیں۔

اندازِ فتویٰ | فتویٰ نویسی میں آپ کافی احتیاط سے کام لیتے ہیں، آپ کے جوابات اکثر متقدمین فقہاء کرام کی عبارات سے مزین ہوتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ آپ جواب لکھتے وقت حالات و واقعات کا بھی خاص خیال رکھتے ہیں۔

حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی صاحب

آپ مورخہ ۱۵ مارچ ۱۹۵۴ء کو ضلع صوابی کے مشہور قصبہ زروبی میں متکلم اسلام حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب صدر المدین دارالعلوم حقانیہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ ناظرہ قرآن مجید اپنے گھر ہی میں پڑھا، مڈل تک عصری تعلیم اپنے گاؤں زروبی میں حاصل کی اور میٹرک ٹوپی ہائی سکول سے کیا، میٹرک کے بعد جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں داخل ہوئے اور قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد درس نظامی کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد اپنی مادر علمی میں ہی مدرس مقرر ہوئے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ کے زیر سایہ فتویٰ نویسی کی مشق اور تمرین بھی کرتے رہے، چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ کے مدونہ دفاتر اور رجسٹرول میں آپ کے کئی فتاویٰ موجود ہیں جن میں حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا رنگ جھلکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ تصنیف و تالیف میں بھی مصروف رہے اور کئی کتابیں نثر اور نظم میں منصفہ شہود پر آچکی ہیں۔

پیش لفظ

الحمد لله وكفى والصلوة والسلام على رسولہ محمد بن المصطفیٰ و
 علیٰ آلہ النجباء واصحابہ الشرفاء الی یوم الجزاء۔
 تقسیم ہند سے پہلے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ دارالعلوم دیوبند میں
 مدرس تھے، رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کی سالانہ تعطیلات میں جب اکوڑہ خشک تشریف لائے تو
 جلد ہی تقسیم ہند کا مسئلہ درپیش آیا، جس کی وجہ سے ہر جگہ وحشت و بربریت اور قتل و غارت گری
 کا بازار گرم تھا، ان حالات کی وجہ سے دیوبند واپس جانا آپ کے لیے ممکن نہ رہا، چنانچہ ذی القعدہ ۱۳۶۶ھ
 مطابق ستمبر ۱۹۴۶ء کو آپ نے اپنے گھر کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں توکلًا علی اللہ درس و تدریس
 کا سلسلہ شروع کیا جو جلد ہی ایک عظیم اسلامی درس گاہ کی صورت اختیار کر گیا۔

تعلیم و تعلم کا یہ سلسلہ اسی مسجد میں شہتوت کے ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ کر شروع ہوا تھا،
 اس لحاظ سے جامعہ حقانیہ کی تاسیس دارالعلوم دیوبند کے ساتھ بہت مشابہت رکھتی ہے کہ اس
 کی ابتداء بھی ایک مسجد میں انار کے درخت کے نیچے محمود معلم اور محمود معلم سے ہوئی تھی مگر اخلاص نیت
 اور لٹہیت کی برکت سے ترقی کرتے کرتے دارالعلوم دیوبند نے بے پناہ شہرت حاصل کر لی اسی
 طرح حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) کا جامعہ حقانیہ
 کی خدمات اور مختصر عرصہ میں ہر دلعزیزی دیکھ کر اسے دیوبند ثانی کا خطاب دینا بھی اخلاص اور
 لٹہیت ہی کا ثمرہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی افادیت کا چرچا بہت ہی کم مدت میں چار سو ہونے لگا
 اور ملک کے کونے کونے سے علوم دینیہ کے شائقین طلبہ تحصیل علم کے لیے جامعہ حقانیہ کا انتخاب
 کر کے یہاں آکر مستفید ہوتے رہے اور اسی طرح عوام الناس میں سے دین کا درد رکھنے والے حضرات
 بھی خط و کتابت، سوال و جواب، استفادہ و افتاء کے ذریعہ اپنے مسائل کے حل کے سلسلہ میں
 جامعہ حقانیہ سے رجوع کرنے لگے۔

شعبہ دارالافتاء جس طرح ابتداء ہی میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں تبلیغ دین اور اشاعت علم کے شعبے قائم کیے گئے اسی طرح دارالافتاء جیسا کہ اہم ترین شعبہ بھی قائم کیا گیا چنانچہ عوام ہی نہیں بلکہ دنیا بھر سے علماء کرام، سکالرز اور وکلاء حضرات اپنے پیش آمدہ مسائل کا حل جامعہ ہذا سے طلب کرتے ہیں حتیٰ کہ اپنے ذاتی تنازعات اور جھگڑوں کو بھی جامعہ کے اسی شعبہ سے حل کراتے ہیں اور یہاں سے کیے گئے فیصلوں کو بھرپور اعتماد کے ساتھ بلاچون و چرا قبول کر لیتے ہیں اور بفضل اللہ تعالیٰ یہ سلسلہ ابتداء سے آج تک قائم و دائم ہے اور دارالافتاء میں کسی نیاوی عدالت کی طرح فیصلے کروانے والوں کا ہجوم رہتا ہے۔

اس اعتماد کی وجہ یہ ہے کہ دارالافتاء سے جن استفسارات کے جوابات جاری ہوتے ہیں ان میں سے اہم مسائل کے بارے میں جامعہ کے اکابر اساتذہ کرام سے بھی مشورہ لیا جاتا ہے اور ان پر ان سے تصدیقات لیے جاتے ہیں، خصوصاً رئیس دارالافتاء (جو بھی ہوں) کی نظروں سے تقریباً تمام فتاویٰ گزرتے ہیں جن پر وہ اپنے تصویبی کلمات اور دستخط ثبت کرتے ہیں جنہیں اصل ریکارڈ میں محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ ملکی و بین الاقوامی اہم مسائل پر خود بھی اشارات کرتے تھے اور دیگر اساتذہ سے بھی مشورہ لیتے تھے اسی طرح جامعہ کے موجودہ مہتمم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ بھی فتاویٰ سے متعلق تمام خطوط اور ڈاک خود کھولتے ہیں اور فتاویٰ کو ان کی نوعیت و اہمیت کے مطابق حضرات مفتیان میں تقسیم کرتے ہیں اور بعض پر اپنی رائے لکھ کر متعلقہ مفتی کو اپنے ساتھ مشاورت کرنے کی ہدایت دیتے ہیں۔ ان احتیاطی مراحل کی بناء پر ملک کی اکثر عدالتوں، خصوصاً صوبہ سرحد شمالی علاقہ جات، قبائل اور ایجنسیوں میں زیر سماعت مقدمات کے بارے میں دارالعلوم حقانیہ ہی سے شرعی حل طلب کیا جاتا ہے، اور اس کی روشنی میں جج صاحبان قانونی تقاضوں کے تحت مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جامعہ ہذا کے شعبہ دارالافتاء کے کام میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا، ابتداء میں دو ماہر مفتیان اس فریضہ کو سرانجام دیتے تھے، جب اس کام میں بہت زیادہ وسعت پیدا ہو گئی اور بیرون ملک سے بھی استفسارات کثرت سے موصول ہونے لگے تو اس کام کو نمٹانے کے لیے جلیل القدر مفتیان کرام اور معاونین کی تعداد بھی برابر بڑھتی رہی۔ اور جامعہ حقانیہ کے شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کے طلباء بھی دارالافتاء کے اس عظیم اور اہم

کام میں ہاتھ بٹلتے رہتے ہیں۔

فتاویٰ کاریکارڈ | ابتداء ہی سے فتاویٰ کی نقول رکھنے کا اہتمام جامعہ ہذا میں موجود ہے اور اس کے لیے کئی تحریریں حضرات دارالافتاء سے جاری شدہ فتاویٰ کو رجسٹروں میں نقل کرتے ہیں اور اس کے ساتھ بالمشافہ سوالات اور استفتاء کے جوابات کی فوٹو کاپیاں بھی ریکارڈ میں رکھی جاتی ہیں۔

فتاویٰ کا یہ ریکارڈ درجنوں رجسٹروں اور ہزاروں صفحات کی فوٹو کاپیوں پر مشتمل ہے دارالعلوم حقانیہ سے تادم تحریر جاری شدہ فتاویٰ کی تعداد بلاشبہ ہزاروں سے متجاوز ہو چکی ہے۔ یہ فتاویٰ فقہ، عقائد، حدیث، تفسیر، عصر حاضر کے جدید مسائل اور حوادث و نوازل کے احکامات پر مشتمل ہیں۔

دارالافتاء کی اہمیت | دارالافتاء کا قیام تمام تر دینی مدارس میں اس خلوص نیت سے عمل میں لایا جاتا ہے کہ لوگ اپنے مسائل کا حل یہاں سے بلافیس طلب کریں اور اپنے تنازعات بغیر کسی تاخیر اور ٹال مٹول کے ختم کرا سکیں۔

ہماری عدالتوں میں تنازعات اور مقدمات کے حل کا طریقہ کار کسی سے مخفی نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں روپیہ و کلاؤفیس، کورٹ فیس وغیرہ جیسے بارگراں کا کندھوں پر اٹھانے کا تحمل استطاعت سے باہر ہے، اور اس کے ساتھ طویل مدت تک تاریخوں اور پیشیوں سے گزر جانے کے بعد فیصلہ کا انتظار الگ کرنا پڑتا ہے اور نتیجہ پھر بھی دادرسی اور انصاف کی شکل میں بڑی رشوت اور مدعی و مدعی علیہ کے مالی مقابلہ کے تابع ہوتا ہے۔

اس کے برعکس دینی مدارس کے شعبہ دارالافتاء میں تنازعات کے تصفیہ کے لیے نہ تو تاریخ پر تاریخ دی جاتی ہے، نہ کورٹ فیس وغیرہ کی لوٹ کھسوٹ ہوتی ہے، بلکہ اسلامی شریعت کے عادلانہ قانون کے مطابق انصاف مفت فراہم کیا جاتا ہے، اس لیے کہ اسلام میں انصاف خریدنے اور بیچنے کی چیز نہیں۔ اگر لوگ اس کو غنیمت جان کر اور شرعی حکم پر متفق ہو کر ان مراکز اسلامیہ کی طرف رجوع کریں تو لاکھوں پریشانیوں اور مصیبتوں سے بچ سکتے ہیں۔ مگر افسوس کہ لوگ اپنی انا کی جنگ میں ہزاروں لاکھوں روپیہ برباد کر کے مختلف قسم کے سینکڑوں مسائل اور پریشانیاں سر پر اٹھا کر عدالتوں میں دھکے کھاتے رہتے ہیں، اس دوران ایک زاوے سے دیکر کئی تنازعات اور غلاوتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

بھلا اللہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کا شعبہ افتاء اس کام کو بخوبی سرانجام دے رہا ہے روزانہ متعدد تنازعات کو فریقین کی باہمی رضامندی سے بہت ہی مختصر وقت میں حل کر دیا جاتا ہے اور فریقین بخوشی اس فیصلے کو قبول کر لیتے ہیں اور شریعت مطہرہ کی برکات سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔

فتویٰ میں احتیاط | فتویٰ نویسی اپنی نوعیت کا اہم منصب ہے اس میں احتیاط سے کام لینا نہایت ضروری ہے۔ اکابر علماء امت کا یہی طریقہ چلا آ رہا ہے کہ وہ اپنے تجربہ علمی کے باوجود کتاب دیکھ کر خوب تحقیق کرنے کے بعد سوال کا جواب بصورت فتویٰ دیتے تھے، کبھی کبھار بنا بر احتیاط جواب دینے سے گریز بھی کیا کرتے تھے۔

جامعہ دارالعلوم حقانیہ بھی اپنے اکابرین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس اہم ذمہ داری کی ادائیگی میں کافی احتیاط سے کام لیتا چلا آ رہا ہے۔

زیادہ اہمیت کے حامل فتاویٰ کے حل کے سلسلہ میں جامعہ ہذا کے علماء کا فلینچ بیٹھتا ہے اور خوب غور و خوض کرنے کے بعد باہم متفق ہو کر مسئلہ حل کر دیتے ہیں۔

اختلافی مسائل، ملکی سیاسی مسائل اور متنازعہ مسائل میں بڑے استدلال سے فتویٰ جاری ہونا چلا آ رہا ہے جن پر صدر دارالافتاء کی تصدیق ثبت ہوتی ہے۔ کسی شخص یا جماعت کی تکفیر یا تفسیق کے بارے میں حتی الامکان تمام تر تحقیقات کے بعد ایسا عمومی فتویٰ جاری کیا جاتا ہے کہ وہ حتی الوسع کسی شخص فرد اور جماعت کے بارے میں غلط استعمال نہ کیا جاسکے۔ اکثر استفتاء کے جواب میں کسی معتد اور معتبر کتاب کا سہارا لیا جاتا ہے اور بعض اوقات ایک سے زیادہ کتابوں سے حوالہ دینے کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے اور بسا اوقات کثرتِ کار کی وجہ سے صرف ایک کتاب سے حوالہ دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اسی طرح جو سوالات ڈاک یا دوسرے ذرائع سے دارالافتاء کو موصول ہوتے ہیں اگر سوال پوری طرح منطقی نہ ہو، مبہم اور گول مول ہو جس سے صورتِ مسئلہ واضح طور پر سمجھ میں نہ آ سکے اور مستفتی اس سے غلط فائدہ اٹھانا چاہے تو ایسے سوالات کو نظر انداز کر کے اس سے دوبارہ مسئلہ واضح طور پر لکھ کر بھیجنے کا کہا جاتا ہے۔

اہم اور متنازعہ استفسارات کی منقح کے لیے بتلی بہ یا فریقین کو سوال کی وضاحت کے لیے طلب کیا جاتا ہے، خصوصاً متنازعہ مسائل میں فریقین کی حاضری کے بغیر جواب

دینے سے گریز کیا جاتا ہے۔

فتاویٰ کی اشاعت | چونکہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے اس محتاط شعبہ کے جاری شدہ فتاویٰ کی مقبولیت ہر خاص و عام کے دل میں جاگزیں ہو چکی تھی اور جامعہ حقانیہ کے فضلاء، دیگر علماء کرام اور عوام الناس کی خواہش اور تمنا تھی کہ ان فتاویٰ کا ایک مجموعہ زیور طباعت سے آراستہ ہو کر افادۂ عام کا ذریعہ بنے اور ہر کوئی اس سے مستفید ہو۔ ان سب کے اس بے حد اصرار پر جامعہ کے ارباب اہتمام خصوصاً حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم و ہمہ تن جامعہ دارالعلوم حقانیہ نے ان فتاویٰ کو جدید ترتیب اور تحقیق کے بعد بحوالہ کتابی شکل میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کام کے لیے آپ نے جامعہ کے نائب مفتی حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب دامت برکاتہم کو منتخب کیا اور مفتی صاحب نے اپنی تدریسی اور افتاء کی مصروفیات کے باوجود اس بارگراں کو اپنے کندھوں پر اٹھانے کی ذمہ داری قبول فرمائی۔

فتاویٰ کی تحقیق و ترتیب | ۱۴۰۹ھ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم نے شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء قائم کیا تو اس وقت اس شعبہ کی تمام تر ذمہ داری سے حضرت جناب مولانا مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب مدظلہ کے سپرد ہوئی۔

شعبہ تخصص کے آغاز سال سے جو طلباء درجہ تخصص میں داخل ہوئے تو باہمی مشورہ سے ان طلباء کو اختتامی مقالہ کے طور پر جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے جاری شدہ فتاویٰ کی ترتیب و تحقیق اور تخریج کے لیے ایک خاص جرمہ حوالہ کر دیا گیا، اور شعبہ تخصص کے نگران استاذ کرام نگرانی میں یہ طلباء کام کرتے رہے اور یہ سلسلہ تا دمِ این تحریر جاری ہے۔ اس طویل اور انتہائی محنت طلب کام میں مندرجہ ذیل شرکاء شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء نے حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب کی زیر نگرانی اور اپنے وقت کے رئیس دارالافتاء و رئیس شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ کی سرپرستی میں بھرپور حصہ لیا۔

(۱) مولانا غلام قادر نعمانی صاحب، یکہ غنڈ، مہمند ایجنسی (۲) مولانا مسعود الرحمن صاحب، مانسہرہ (۳) مولانا فضل ہادی، بے سود۔ (۴) مولانا عمر شیر، گندھاب، مہمند ایجنسی۔ (۵) مولانا حسین احمد، جڈن۔

- (۶) مولانا جاوید اقبال کرمک۔ (۷) مولانا محمد حنیف، معیار مردان (۸) مولانا عبد الولی، کنٹر۔ افغانستان۔
 (۹) مولانا حبیب حضرت۔ شکر ہزار افغانستان (۱۰) مولانا محمد عقیل سواتی (۱۱) راقم الحروف، مختار اللہ، جہانگیرہ۔
 (۱۲) مولانا محمد عارف۔ چارسدہ (۱۳) مولانا گوہر علی۔ تنگی چارسدہ (۱۴) مولانا نجم الرحمن۔ تمبرک، مردان۔
 (۱۵) مولانا ذاکر حسن۔ مصری بانڈہ، نوشہرہ (۱۶) مولانا محمد اجل۔ ڈومیل، بنوں (۱۷) مولانا نور الحق۔ بنوں۔
 (۱۸) مولانا ام الدین مہدی۔ فرمان خیل، افغانستان (۱۹) مولانا عبد الحمید۔ نوشہرہ (۲۰) مولانا ارشد احمد۔ مرغہ، صوابی
 (۲۱) مولانا محمد کبیل۔ شموڑی، سوات۔ (۲۲) مولانا دلبر شاہ۔ ڈاگٹی، صوابی (۲۳) مولانا محمد فرید۔ پشوری، ہزارہ
 (۲۴) مولانا گلزار احمد۔ سلیم خان، صوابی (۲۵) مولانا فدا محمد۔ لاہور، صوابی (۲۶) مولانا امجد الدین۔ راولپنڈی
 (۲۷) مولانا حیات اللہ۔ شہروان، افغانستان۔

اس طرح ہر سال ایک خاص مجموعہ تیار ہوتا رہا، یہاں تک کہ حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب مظلّم اپنے قائم کردہ مدرسہ جامعہ عثمانیہ پشاور تشریف لے گئے۔ ان کے بعد درجہ تخصص کے اساتذہ اور مشرفین کو تخصص کی نگرانی و تدریس کا موقع ملا، ان میں علامہ مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ الحقانی الدینی (جو جامعہ حقانیہ کے فیض یافتہ، فاضل اور اب استاذ الحدیث ہیں) حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب اور حضرت مولانا مفتی سیف اللہ صاحب حقانی کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب کے جامعہ حقانیہ سے پشاور چلے جانے کے بعد فتاویٰ کی ترتیب کا کافی کام باقی رہ گیا تھا، مسائل کی تخریج تقریباً نصف باقی تھی، بعض مسائل میں حوالہ جات کی تخریج بھی نامکمل تھی، لہذا حضرت مفتی صاحب کے جامعہ ہذا سے جلتے وقت فتاویٰ کے حوالہ جات کی تصحیح اور اس پر نظر ثانی کے لیے جامعہ کی انتظامیہ نے باہمی مشورہ سے راقم الحروف کا نام تجویز کیا، چنانچہ یہ اہم اور مشکل کام اس ناچیز کے حوالے کر دیا گیا۔

اگرچہ یہ بارگراں مجھ جیسے کمزور و ناتواں طالب علم کے لیے اٹھانا بہت مشکل تھا لیکن جامعہ کے مشفق اور اکابر اساتذہ کے زیر سایہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔ کتاب الطہارۃ سے لے کر کتاب الحج تک جب مقالہ جات پر نظر ثانی کی گئی تو فی الجملہ ان میں کافی کمی پائی گئی، جسے محنت شاقہ کے بعد پورا کیا گیا۔ اس کے بعد بعض وجوہات کی بناء پر کچھ عرصہ کے لیے یہ کام معطل رہا۔

۱۹۹۷ء کو اس ناچیز کی دارالعلوم حقانیہ میں تقرری ہوئی تو حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم جامعہ حقانیہ کے حکم پر فتاویٰ کی ترتیب و تحقیق اور فتاویٰ حقانیہ کے مدونہ دفاتر سے مزید فتاویٰ کی

تخریج (جو مقالہ جات میں درج نہیں ہوئے تھے) کا کام اور اس کے ساتھ ساتھ کتابت کی نگرانی بھی سونپی گئی، کام اگرچہ مشکل اور ذمہ داری کا تھا مگر احقر نے اپنی بے بضاعتی اور کم علمی کے باوجود حضرت مہتمم صاحب کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔ جہاں جہاں مشکلات پیش آتی رہیں حضرت مہتمم صاحب اور جامعہ حقانیہ کے مشفق اساتذہ و مفتیان کرام سے مشورہ کرتا رہا، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور ان حضرات کی رہنمائی سے کام آسان ہوتا گیا۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب اپنی گونا گوں مصروفیات درس و تدریس، جامعہ حقانیہ کے اہتمام اور ملک بھر کی سیاسی تنگ و دو کے ساتھ ساتھ اول سے آخر تک اس سارے کام کی ترتیب و تخریج و ترمیم اور کتابت کی نگرانی کے لیے بھی وقت نکالتے رہے، اس سارے کام کی دیکھ بھال کے لیے احقر کی ان کے ساتھ کئی طویل نشستیں بھی ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی مساعی کو بار آور اور مقبول فرما کر ذخیرہ آخرت بنادے۔ (دآمین)

اس نئی ترتیب کا آغاز ۱۹۹۸ء میں ہوا تھا اور تین چار سال کے اس عرصے میں فتاویٰ کے مدونہ دفاتر کے نصف حصہ کی تخریج مع تحقیق و ترتیب (جو ترتیب کنندگان سے رہ گئی تھی) مرتب شدہ مقالہ جات کی نظر ثانی اور ان میں پائی گئی کمی تکمیل اور اس کے ساتھ جدید طرز پر حوالہ جات کی تحریر و تکمیل ہوئی۔ فتاویٰ کے مدونہ دفاتر سے مسائل کی تخریج و تحقیق کا کچھ حصہ ارباب جامعہ نے بعض شرکاء و شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کو بطور مقالہ جات تفویض کیا جس کی نگرانی جامعہ نے راقم الحروف کے حوالہ کی، ان طلباء میں (۱) مولانا محمد وہاب منگھوری۔ سوات (۲) مولانا عبدالعزیز جہانگیر وی (۳) مولانا سجاد احمد کتوزئی، چارسدہ کے اسماء شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان جملہ شرکاء و شعبہ تخصص کی مساعی کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے اور ان کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔

طرز ترتیب اور خصوصیات عصری فتاویٰ سے مختلف رکھا گیا ہے تاکہ عوام الناس کے ساتھ ساتھ علماء کرام اور مفتیان عظام کو مسئلے کا حل باحوالہ مل سکے حوالہ جات کے سلسلہ میں صرف ایک کتاب پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ کئی کتابوں سے حوالہ جات نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ فتاویٰ کی ترتیب میں مندرجہ ذیل طریقہ کار پیش نظر رکھا گیا ہے۔

(۱) فتاویٰ حقانیہ چونکہ سینکڑوں دفاتر اور ہزاروں فوٹو کاپیوں پر مشتمل تھا جن سے حتی الامکان تکرارات حذف کر کے فتاویٰ کو حتمی شکل دی گئی ہے۔

(۲) فتاویٰ کی اشاعت جدیداً رد و فتاویٰ کے طرز ترتیب پر کی گئی ہے جن میں کتاب العقائد، تفسیر، حدیث، بدعات و رسومات وغیرہ کا ذکر مقدم رکھا گیا ہے اور باقی فقہی ابواب کا ذکر قدیم طرز ترتیب کے مطابق رکھا گیا ہے، البتہ کتاب انکرامیۃ والا با حتمہ کو بدعات و رسومات کے ساتھ رکھا گیا ہے۔

(۳) جواب مختصر الفاظ میں مگر اس کے جامع و مانع ہونے کا لحاظ کر کے دیا گیا ہے۔
(۴) تمہیدی کلمات کو اکثر مقامات سے خارج کر دیا گیا ہے۔ ہر جلد کے ساتھ تفصیلی فہرست مرتب کی گئی ہے جس کی وجہ سے مسائل کی تخریج میں سہولت رہے گی۔

(۵) ہر جواب کا حوالہ تلاش کیا گیا ہے اور ہر جواب کے دو تین حوالے تحریر کیے گئے ہیں، جواب کے ساتھ جواب دینے والے مفتی کا نام نہیں لکھا گیا کیونکہ بعض فتاویٰ میں مفتی کا نام نہیں مل رہا تھا مگر ہر مفتی کا تبحر علمی اور ثقافت مستم رہی، اس لیے تمام فتاویٰ کی نسبت مجموعی طور پر دارالافتاء جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی طرف کی گئی۔

(۶) حوالہ جات کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ ایک حوالہ جواب کے ساتھ رکھا گیا ہے اور دو توالے حاشیہ میں لکھ دیئے گئے ہیں مگر ان میں سے ایک حوالہ مع عبارت تحریر کیا گیا ہے جبکہ دوسرے حوالے کے لیے صرف کتاب کی جلد نمبر اور صفحہ نمبر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ حوالہ جات میں کتاب کا نام، جلد نمبر، صفحہ نمبر کے علاوہ باب و فصل ذکر کرنے کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے تاکہ قدیم و جدید نسخوں اور ایڈیشنوں کے اختلاف کی وجہ سے اصل مراجع کی طرف رجوع کرنے میں آسانی ہو۔

(۷) کوشش یہ کی گئی ہے کہ فتاویٰ کے جملہ مسائل اپنے متعلقہ ابواب میں اس کے ذیلی عنوان کے تحت ذکر کیا جائے لیکن اگر کسی جگہ ایسا کرنا ممکن نہ رہا تو ہر کتاب کے آخر میں مسائل شتی کا عنوان دے کر اس کتاب سے متعلق مسائل اس میں درج کیے گئے ہیں۔

(۸) ہر کتاب میں جو ذیلی ابواب ہیں ان کو جلی حروف سے لکھ کر اس کے متعلقہ مسائل اسی میں لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ مسئلہ تلاش کرنے والے کے لیے آسانی ہو۔

(۹) دارالعلوم حقانیہ کے موقر جریدہ ماہنامہ "الحق" میں وقتاً فوقتاً حالات حاضرہ سے متعلق جدید مسائل کے حل میں دارالعلوم کے مفتیان اور دارالافتاء کی جانب سے جو مضامین اور فتاویٰ شائع ہوئے ہیں انہیں بھی مناسبت کی وجہ سے اپنے متعلقہ ابواب میں درج کر کے فتاویٰ میں شامل کر دیا گیا ہے۔

بالخصوص موجودہ جدید مسائل، درپیش حوادث و نوازل میں حضرت مہتمم صاحب کے تحریر کردہ یا اسمبلی میں پیش کردہ مباحث وغیرہ بھی شامل کئے گئے ہیں۔

اظہارِ شکر اراقم الحروف اول اس ذاتِ عالی کا شکر گزار ہے جس نے اس عظیم کام کی تکمیل کی ہمت عطا فرمائی اور پھر ان حضرات کا تہ دل سے ممنون ہوں جنہوں نے اس گراں قدر اور مشکل کام کی تصحیح اور پروف ریڈنگ میں حصہ لیا، ان میں مولانا محمد ابراہیم قافی صاحب استاد جامعہ دارالعلوم حقانیہ، مخدوم زادہ مولانا حافظ راشد الحق سمیع استاد جامعہ دارالعلوم حقانیہ اور مدیر ماہنامہ الحق، جناب سراج الاسلام سراج صاحب، جناب پروفیسر محمد افضل رضا صاحب جناب پروفیسر مفتی محمد الیاس صاحب خصوصی طور پر شکریہ کے مستحق ہیں۔

محترم جناب ابو عثمان محمد لطیف کیدانی صاحب (کاتب فتاویٰ حقانیہ) کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اردو محاورات کی تصحیح میں کافی معاونت فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزاء خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

ضروری گزارش اہل علم حضرات کی خدمت میں التجا ہے کہ اگر فتاویٰ حقانیہ کی تصحیح و درستی کے کام پر خاص توجہ دی گئی ہے مگر پھر بھی انسان مرکب عن الخطاء والنسیان کے مطابق اغلاط کا کام رہ جانا ممکنات میں سے ہے، اس لیے اگر کسی قسم کی کوئی غلطی یا خامی کہیں نظر آ جائے تو ازراہِ کرم اس کی نشاندہی فرمائی جائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح ہو سکے۔ تشکر

(مولانا مفتی) مختار اللہ حقانی

خادم شعبہ تخصص و دارالافتاء جامعہ دارالعلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک (نوشہرہ)

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 اللَّهُمَّ افْتَحْ لَنَا بِالْخَيْرِ
 وَالْخَيْرِ لَكَ بِالْخَيْرِ وَاجْعَلْ عَمَلَنَا
 الْمُتَوَكِّلِينَ بِالْخَيْرِ أَمِين يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ
 لا تهرس ٣ عزمك ٣
 غير لمغضوب عليهم ولا الضالين
 احذنا اضطراراً مستحقين لغيرك من عذابك
 مالك يوم الدين انك نعبدوك انك نستعينك
 القرآن الكريم

کتاب العقائد والایمانیات

ایمان اور عقائد کے مسائل و احکام

اللہ تعالیٰ کی شان میں توہین آمیز کلمات کہنا | سوال :- ایک شخص نے کسی کے ساتھ ذاتی عناد کے باعث اللہ تعالیٰ کی شان عالیہ میں توہین آمیز کلمات بکے ہیں، اس شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات یا اس کے اوامر و نواہی کے لیے کتابخانہ کلمات استعمال کرنا موجب کفر و ارتداد ہے، تاہم اگر یہ شخص توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہے اور اگر شادی شدہ ہو تو توبہ کے بعد تجدید نکاح کرنا بھی لازمی ہے۔
لما قال فی الہندیۃ : ویکفر اذا وصف اللہ تعالیٰ بما لا یلیق بہ او سخر باسم من اسماءہ او بامر من او امرہ او انکر وعدہ او وعیدہ ۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۵۸ باب التاسع فی المرتدین) لہ

قرآن مجید کی توہین موجب کفر ہے | سوال :- قرآن مجید کی اہانت کرنے والا انسان کافر ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- شعائر الہی میں قرآن مجید سب سے بڑا شعیرہ ہے اور اس کا احترام اور تعظیم مسلمانوں پر فرض ہے۔ قال اللہ تعالیٰ : وَمَنْ یُعْظِمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَانْهَیْهَا مِنْ تَقْوٰی الْقُلُوْب۔ (سورۃ الحج آیت ۳۲) اور اس کی توہین و اہانت سے کفر لازم ہوتا ہے۔

لما قال ملا علی القاری رحمہ اللہ ، ومن استخف بالقران او بالمسجد او بنحوہ مما یعظم فی الشرع کفر۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۶۸ فصل فی القرأۃ والصلوۃ)

لہ قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : فیکفر اذا وصف اللہ تعالیٰ بما لا یلیق بہ او سخر باسم من اسماءہ او بامر من او امرہ او انکر وعدہ او وعیدہ الخ

(البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲ احکام المرتدین)

وَمِثْلُهُ فی خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۳۸۳ کتاب الفاظ الکفر۔ الفصل الثانی۔

لہذا قرآن مجید کی توہین کرنے والے کو تجدیدِ ایمان و نکاح ضروری ہے کیونکہ وہ اپنے فعلِ بد کی وجہ سے مرتد ہو جاتا ہے۔

لما قال العلامة المحصن: ما يكون كفراً اتفاقاً يبطل العمل والنكاح واولاده

والد، المختار علی صدر رد المحتار ج ۴ ص ۲۴۵ باب المرتد، مطلب جملة من لا يقتل اذا ارتد، لہ

کلمہ طیبہ کو گالی دینے والا کافر ہے | سوال: اگر کوئی شخص کلمہ طیبہ کو گالی دے تو از روئے شرع اس شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- جو شخص کلمہ طیبہ کو گالی دے تو اس سے وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ کلمہ طیبہ کو گالی دینا دین اسلام کے ساتھ استخفاف ہے اور استخفاف دین موجب کفر و ارتداد ہے۔

قال العلامة ابن عابدین:- ويظهر من هذا ان ما كان دليلاً للاستخفاف يكفر به وان لم

يقصد الاستخفاف لانه لو توقف على قصد ما احتاج الى زيادة عدم الاخلال بما مر لان قصد الاستخفاف مناف للتصديق - (رد المحتار جلد ۴ ص ۲۲۲ باب المرتد قبل مطلب منكر الاجماع) لہ

اسلامی نظام کو "فسودہ نظام" کہنا کفر ہے | سوال:- اگر کوئی مسلمان ہوش و حواس کے قائم ہوتے ہوئے یہ اعلان کرے کہ "اسلامی

نظام فسودہ ہے" تو شریعت کی رو سے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- اللہ تعالیٰ نے اسلام کو قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات، امن و سلامتی کا نظام ٹھہرایا ہے، لہذا اس کو "فسودہ نظام کہنا" شریعت کا

لہ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری، رجل يقرأ القرآن فقال رجل اين چه بانگ طوفان است فہذا کفر۔ (الفتاویٰ التاتاریخانیہ ج ۵ ص ۲۹۱ کتاب احکام المرتدین۔۔۔ فیما يتعلق بالقرآن)

وقال الملا علی القاری: من قال لا ادری صفة الاسلام فهو کافر۔ قال شمس الائمة الحلوانی:

فہذا رجل لا دین له ولا صلوة ولا صیام ولا طاعة ولا نكاح واولاده اولاد الزنا۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۲۶۴ فصل فی الکفر صریحاً وکنایۃ)

ومثله فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱۲ ص ۳۶۲ احکام المرتد۔

لہ قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ:- من اهان الشریعة والمسائل التي بد منها کفر۔

(شرح الفقہ الاکبر ص ۱۴۴ فصل فی العلم والعلماء)

استہزاء ہے اور بقائمی ہوش و حواس شریعت مقدسہ سے استہزاء کرنے سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: ما كان دليل الاستغفاف يكفر به وان لم يقصد الاستغفاف۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۱ باب المرتد) لہ

شاتم رسول کی توبہ کا حکم | سوال: اگر کوئی مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گالی دے اور بعد میں پشیمان ہو اور توبہ بھی کرے

تو از روئے شریعت اس کی توبہ مقبول ہے کہ نہیں؟

الجواب: جناب رسالتنا صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والا مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: اجمع المسلمون ان شاتمہ کافر وحکمہ القتل۔

(رد المحتار ج ۴ ص ۲۳۲ باب المرتد۔ مطلب مہم فی حکم سب الانبیاء)

تاہم اگر شاتم رسول اپنے اس فعل پر نادم ہو کر توبہ کرے تو اس کی توبہ مقبول ہے اور تجدیدِ ایمان کے بعد دوبارہ مسلمان سمجھا جائے گا۔

قال ابو الحسن علی بن الحسین اسعدی: من سب رسول اللہ فانه مُرتد ویفعل به

ما یفعل بالمرتد۔ (المنتف فی الفتاوی ج ۲ ص ۶۹۲ باب المرتد)

قال العلامة ابن عابدین: ظاہر فی قبول توبتہ کما لا یخفی۔

(منحة الخالق علی البحر الرائق ج ۵ ص ۱۳۵ باب المرتد) لہ

انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں توہین آمیز کلمات کہنا | سوال: ایک شخص کا یہ کہنا کہ انبیاء کرامؑ (نعوذ باللہ) گندے

لہ قال العلامة ملا علی القاری: ومن قال الشرع وامثاله لا یفیدنی ولا ینفذ عندی

کفر۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۲۶۳ فصل فی العلم والعلماء)

وَمِثْلُهُ فِي فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۱۲ ص ۳۵۳ احکام مُرتد۔

لہ قال ابن عابدین: وان مذهب ابی حنیفۃ والشافعی ان حکمہ حکم المرتد وقد علم ان المرتد

تقبل توبتہ ویؤیدہ ما نقلہ هنا عن الننف۔ (رسائل ابن عابدین ج ۳ ص ۳۳۳ تنبیہ الولاة والحکام علی احکام شاتم خیر الامم)

نطفے سے پیدا ہوئے ہیں تو ایسا نازیبا کلمہ بولنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟
الجواب:- ہر مسلمان پر تمام انبیاء علیہم السلام کا احترام واجب ہے کیونکہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور معصوم بندے ہوتے ہیں اُن پر کوئی عیب لگانا یا ان کی شان میں بے ادبی کے کلمات بولنا موجب کفر ہے، مسلمان کو ایسے کلمات سے اجتناب کرنا لازمی ہے۔
 لما قال العلامة ابن البزازی: ولوعاب نبیاً کفر۔۔۔۔۔ وقیل قال ان آدم علیہ السلام نسج الکرباس فقال نحن اذن اولاد الحائم یکفر۔ (الفتاویٰ البنزازیة علی هامش الہندیة ج ۶ ص ۳۲۴ احکام المرتدین۔ الثالث فی الانبیاء) لہ

صحبت صدیق اکبرؓ کا منکر کافر ہے | **سوال:-** حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا منکر کافر ہے یا نہیں؟

الجواب:- حضرت ابوبکر صدیقؓ کا صحابی رسول ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے۔
 قال اللہ تبارک وتعالیٰ: اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ (سورة التوبة آیت ۱۲)
 قال الامام الرازی: ان الامة مجمعة علی ان المراد من [اذ يقول لصاحبه] هو ابوبکر۔ (تفسیر الکبیر ج ۱۶ ص ۶۵ سورة التوبة)

اس لیے جو کوئی بھی آپؓ کی صحابیت کا انکار کرے فقہائے کرام نے اس کو کافر اور مرتد قرار دیا ہے۔

قال ابن عابدین: نعم لاشك في تكفير من قذف السيد عائشة أو انكر صحبة الصديق (رد المحتار ج ۴ باب المرتد) ۲۳۷
 لہ وفي الہندیة، و قال محمد درویشك بود و قال جامعہ پیغمبر، یمناك بود (ترجمہ) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم كان در لبسًا او قال كانت ملابس الرسول تذرة او قال قد كان طویل النظر فقد قيل يكفر مطلقا وقد قيل يكفر اذا قال على وجه الالهانة۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۲، ابواب التاسع فی احکام المرتدین) ۲۶۳
 ومثله في التاتارخانية ج ۵ ص ۴۸ احکام المرتدین فصل فيما يعود الى الانبياء عليهم السلام۔

۲ قال العلامة ملا علی القاری:- فقد اجمعا علی ان من انكر صحبة ابی بكر الصديق كفر بخلاف انكار صحبة غیرہ
 لودود النص في حقه حيث قال الله تعالى: "الْأَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذَا أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا" فاتفق المفسرون ان المراد بصاحبه هو ابوبكر الصديق و فيه ايماء الى انه الفرد الاكمل من اصحابه حيث يعمل الاطلاق على بابيه۔

(شرح الفقہ الاکبر ص ۱۱ تفضیل الخلفاء بعد الانبیاء)

سب شیخین موجب فسق ہے | سوال: جناب مفتی صاحب! شیعہ حضرات شیخین کو گالیاں دیتے ہیں تو کیا سب شیخین سے کفر لازم آتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی شان میں گستاخی کرنا اور گالیاں دینا محققین علماء کے نزدیک کفر نہیں ہے البتہ فسق اور گمراہی ضرور ہے اور اس فعل بد سے توبہ لازم ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: اتفق الأئمة على تضليل أهل البدع اجمع تخطئتهم وسب أحد من الصحابة وبغضه لا يكون كفراً لكن يضل - (رد المحتار ج ۳ باب المرتد مطلب حكم سب الشيخين) البتہ اگر کوئی شیخین کی توہین کو حلال سمجھنے کا عقیدہ رکھے تو پھر کفر سے خالی نہیں۔

قال العلامة ملا علی القاری: لو استحل السب والقتل فهو كافراً محالاً - (شرح الفقه الاکبر ص ۲)

امیر معاویہؓ کی شان میں گستاخی جائز نہیں ہے | سوال: بعض لوگ حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں زبان درازی کرتے ہیں اور ان کے مشاجرات

کو اعلانیہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپؓ اہل بیت رسول کے دشمن تھے، تو ان باتوں کی شرعاً کیا حقیقت ہے؟ اور بحیثیت مسلمان آپؓ کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟

الجواب: حنبلی احادیث حضرت امیر معاویہؓ کے مناقب میں وارد ہیں وہ سب اس

بات کی شاہد ہیں کہ آپؓ اجلہ صحابہؓ میں سے ہیں۔ عن عبد الرحمن بن ابی عمیرة وكان من أصحاب النبي صلعم عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال لمعاوية اللهم اجعله هادياً مهدياً واهديه -

(ترمذی ج ۲ ص ۲۲۴ مناقب معاویہ بن ابی سفیان)

اور ان کے درمیان جو مناقشات جاری ہوئے تھے تو وہ بظاہر اعتقاد تصویب کے تھے۔

قال العلامة ملا علی القاری قال ابو منصور البغدادی: واما معاوية فهو من العدول

الفضلاء والصحابة الاخيار والحروب التي جرت بينهم كانت لكل طائفة شبهة

اعتقدت تصويب نفسها بسبها وكلهم متأولون في حروبها ولهم يخرج بذلك

اے قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ: ان سب الشيخين ليس بكفر كما صححه ابو لشكر السالمی

في تمهيدہ وذلك لعدم ثبوت ميناہ وعدم تحقق معناه فان سب المسلم فسق كما في

حديث ثابت - (شرح الفقه الاکبر ص ۲) الكبيرة لا تخرج المؤمن عن الايمان

أحدٌ منهم من العدالة لأنهم مجتهدون اختلفوا في مسائل كما اختلفت المجتهدون في مسائل ولا يلزم من ذلك نقص أحد منهم - (مرقاۃ ج ۱ ص ۲۴۲ باب مناقب الصحابة) ۱۴

سوال :- بعض لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت کی نفی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بوقت وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی عمر پانچ سال تھی اور آپ نابالغ تھے، اسکے بارے میں وضاحت مطلوب ہے ؟

الجواب :- جمہور محدثین اور ارباب فتویٰ کے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حملہ فضائل و مناقب کے ساتھ صحابیت کا شرف بھی حاصل ہے، بلکہ تمام فضائل میں ام الفضائل صحابیت ہے اور ثبوت صحابیت میں کم سنی کو مانع سمجھنا کوئی قابلِ توجہ بات نہیں۔ عام محدثین کے نزدیک صحابی وہ کہلاتا ہے جس نے ایمان کی حالت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو، خواہ کسی بھی عمر میں ہو۔ بعض علماء نے صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بلوغ کی قید لگائی ہے لیکن جمہور محدثین کے نزدیک یہ قول ضعیف و مردود ہے، باقی بوقت وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عمر کا پانچ سال ہونا قطعی اور یقینی نہیں بلکہ اس بارے میں سات سال تک کی روایات ملتی ہیں، اور سات سال کی عمر میں بچہ فہم و شعور کو پہنچ جاتا ہے بلکہ کتب حدیث میں آپ کی روایات اپنے نانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے موجود ہیں اور محدثین نے ان کو معتبر قرار دیا ہے۔ لہذا کسی بھی صورت میں آپ کی عدم صحابیت کا قائل ہونا بے اصل و بے بنیاد ہے۔

ما قال الامام محمد بن اسماعيل البخاري: من صحب النبي صلى الله عليه وسلم او راى من المؤمنين فهو صحابي - (بخاري شريف ج ۱ ص ۵۵۵ باب فضائل اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم) وقال العلامة ابن حجر العسقلاني رحمه الله: - ومنهم من اشترط في ذلك ان يكون حين اجتماعه بالغاً وهو مردود لانه يخرج مثل الحسين بن علي ونحوه من احداث الصحابة والذي جزم به البخاري هو

ما قال العلامة ابن تيمية: ان هذه الاثار المروية في مساويهم..... والصحيح منه هم فيه معذورون اما مجتهدون مصيبون واما مجتهدون مخطئون وهم مع ذلك لا يعتقدون ان كل واحد من الصحابة معصوم من كبائر الاثم وصغائر الذنوب في الجملة ولم من الفضائل والسوابق ما يوجب مغفرته ما يصدق منهم ان صدقاً - (شرح العقيدة الواسطية ص ۱۹۸ تفصيل مراتب التقدم)

علماء دیوبند کو وہابی کہنے کا حکم | سوال: علماء دیوبند کے لیے وہابی کا لفظ استعمال کرنا کیسا ہے؟ نیز یہ لفظ کس فرقے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے؟

الجواب: علماء دیوبند کے متعلق لفظ ”وہابی“ کا استعمال بے بنیاد اور بے اصل ہے
 ”وہابی“ اصل میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکاروں کو کہا جاتا ہے اور آپ غیبی تھے جبکہ علماء دیوبند
 امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں اس لیے ان کو غیر مقلد یا وہابی کہنا سراسر جہل اور تعصب ہے۔

عالم دین کی تحقیر کرنا موجب کفر ہے

الجواب :- ذاتی نخب و عداوت یا دنیوی معاملات کی وجہ سے کسی کو گالی دینا موجب فسق ہے۔ لفظہ علیہ السلام، سبب المسلم فسوق و قتالہ کفر۔ (ترمذی ص ۱۹ باب ماجاء فی الشتم) ہاں اگر کسی عالم دین کی اس کے علم کی وجہ سے تحقیر کرنا مقصود ہو تو فقہاء کرام نے ایسے شخص پر کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا ہے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: من البغض عالمًا من غير سبب ظاهر
خيف عليه الكفر (خلاصة الفتاوى ج ٢ ص ٣٨٨ كتاب الفاظ الكفر)

قال العلامة ملا علي القاري: قلت الظاهر انه يكفر لانه بغض العالم من غير سبب
دنيوي او اخروي فيكون بغضه لعلم الشريعة ولا شك في كفر من انكر شرح الفقه الاكبر ^{ص ١٤١}

له قال العلامة ابن كثير: فانه من سادات المسلمين وعلماء الصحابة وابن بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم التي هي افضل بناته وقد كان عابداً وشجاعاً وسخيّاً.

(البداية والنهاية ج ٨ م ٢٠٢ قبيل مجت واما قبر الحسين رضى الله عنه)

وَمِثْلُهُ فِي الْمَشْكُوتِ ٥٤ فِي مَنَاقِبِ أَهْلِ بَيْتٍ - وَكَذَا فِي الْمَرْقَاةِ الْمَفَاتِيحِ -

٢٤ قال العلامة ابن البزاز الكردي: وشتم العالم والعلوي لا مرغير صالح في ذاته وعداوت
 خلافه الشرع لا يكون كفراً ولا خطأ. (فتاوى البزازية على هامش الهدية ج ٤ ^{٣٣٣} في الاثامن سنة ١٠٧٠ هـ)

وَمِثْلُهُ فِي إِمْدَادِ الْفَتَاوَى ج ٥ ص ٣٩٣ كِتَابُ الْعُقَاثِدِ وَالْكَلَامِ -

اسی طرح کسی مسلمان کو سکھ، ہندو یا برہمن کی طرف منسوب کرنا بھی موجب کفر ہے۔
 لما قال العلامة ملاء علی القاری: ومن قال یا کافر فسکت المحاطب کان الفقیہ ابو بکر البلخی^۲
 یقول یکفر هذا القاذف ای الشاتم۔ الخ (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۸۱ فصل فی الکفر صریحاً وکنیۃ)
سوال: جناب مفتی صاحب! کسی مسلمان کو
 گدھا کہنے کا حکم

الجواب:۔ بلا کسی سبب کے کسی مسلمان کو قبیح چیز کی طرف منسوب کرنا جرم اور گناہ
 ہے، لیکن کسی مسلمان کو گدھا کہنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا ہے تاہم ایسا کہنے والا شخص قابلِ تعزیر
 ضرور ہے کہ حاکم وقت ایسے شخص پر تعزیر جاری کر سکتا ہے۔ یہاں یہ یاد رہے کہ تعزیر نافذ
 کرنا صرف حکومت کے دائرہ اختیار میں ہے، رعایا میں سے کسی قانون ہاتھ میں لے کر از خود
 تعزیر جاری کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

قال العلامة قاضی خان: رَجُلٌ قال لصالح یا فاسق یا حمار یا فاجر یا خبیث
 یا خنزیر — ذکر لفاظی: ان علیہ التعزیر فی هذه الالفاظ۔

(فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۳^{۲۴۹} فصل فیما یوجب التعزیر)
سوال:۔ داڑھی رکھنے والے مسلمانوں کو
 داڑھی رکھنے والوں کو گالی دینے والے کا حکم
 از روئے شریعت کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ داڑھی رکھنا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محبوب سنت نہیں بلکہ
 سنت الانبیاء ہے اور شعائر دین اسلام میں سے ہے، اس لیے داڑھی کی وجہ سے کسی مسلمان
 کی تحقیر کرنے اور اس کو بُرا بھلا کہنے سے ایمان زائل ہو جاتا ہے لہذا اس قسم کے کلمات سے
 ایک مسلمان کو پرہیز کرنا چاہیئے۔

لما فی الہندیۃ: ولو قال ابن چہ رسم است سبت سبت کردن و دستار بزرگوار کردن

لہ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: ان المسبوب من الاشراف کا لفقہار
 والعلویۃ یعزرا لا نہ یلحقہم الوحشتۃ بذلک وان کان من العامة لا یعزرا۔
 (رد المحتار ج ۲ ص ۴۱۰ باب التعزیر۔ مطلب فی الجرح المجرد)

ای ماہذہ العادة تقصیر الشارب وارخاء الطیلسان تحت الرقبة) فان قال ذلك
على سبيل الطعن في سنة رسول الله فقد كفر كذا في المحيط -

(فتاویٰ الہندیہ ج ۲ ص ۲۶۵ الباب التاسع فی احکام المرتدین)

سنن اور نوافل کی توہین موجب کفر ہے | سوال: سنن (روایت) اور نوافل کو
استخفافاً ادا نہ کرنا اور اس کو چھوڑ دینا (پہاڑی

زبان میں جانور کی دم) کہنے والے کا از روئے شریعت کیا حکم ہے؟

الجواب: سنن ہدیٰ اور سنن مؤکدہ کا چھوڑنے والا گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور استخفافاً
چھوڑنا موجب کفر ہے لہذا اس قسم کے شخص کو اپنے اس قول سے توبہ اور ایمان کی تجدید کرنی چاہیے۔

قال العلامة ابن عابدین: تحت قوله لو عامداً غير مستخف) فلو غير عامد فلا إساءة أيضاً بل تندب
إعادة الصلوة كما قدمناه في أول بحث الواجبات ولو مستخفاً كفر لما في النهر من البرازية:
لو هرب السنة خفاً كفر لانه استخفاف - (رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۲ مطلب سنن الصلوة) ۲

بتوں کے تاجر اور ان کو تراشنے والے کو کافر کہنے کا حکم | سوال: فتاویٰ قاضیخان میں (من رضى
بكفر الغير يعيد كافر) تو اگر کوئی شخص بتوں

کی خرید و فروخت یا ان کو تراشنے کا کام کرتا ہو تو کیا اس کو کافر کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: بتوں کو تراشنا یا ان کی خرید و فروخت کرنا نہ بت پرستی ہے اور نہ ہی اس سے بت پرستی پر
رضامندی لازم آتی ہے، ایسے شخص کو کافر کہنا جہالت اور لاعلمی ہے، فقہاء کی عبارات میں اس کے نظائر موجود ہیں۔

قال العلامة قاضیخان: ولو استاجر رجلاً ليخت له أصناماً وليزخرف له بيتاً بالتمثيل

فلا اجر له - (فتاویٰ قاضیخان مع سراجیہ ج ۳ ص ۱۸ کتاب الاجارات) ۳

۱۱۳
قال العلامة على القاري: وقصرب من سنن الأنبياء فتبيحه كفر بلا اختلاف بين العلماء - (شرح فقہ اکبر ص ۱۴۳)
۱۱۴
وفي الہندیة: رجل ترك سنن الصلوة ان لم ير السنن حقاً فقد كفر لانه تركها استخفافاً وان رآها
حقاً فلا يصحيم انه يأتى لانه جاز استعساناً كذا في المحيط - (الفتاویٰ الہندیہ ج ۱ ص ۱۱۳ الباب التاسع فی النوافل)
وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْفَقْهِ الْاَكْبَرِ ص ۱۵۲ لَفْظُ الْقُرْآنِ اسْمٌ لِنَظْمٍ وَالْمَعْنَى -

۱۱۵
قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: ولو استاجر رجلاً ليخت له أصناماً او يجعل على اثوابه

تمثيل والصبح من رب الثوب لا شيء له - (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۵۱ کتاب الاجارات)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۲۵۵ كِتَابُ الْاِجَارَاتِ -

سُنّتِ نبوی کی توہین کرنا کفر ہے | سوال :- سنتِ نبوی کی توہین کرنے اور اس کے ساتھ استہزاء کرنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب :- جب کسی بھی عمل کا سنت ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہو جائے تو اس کی توہین اور تضحیک کرنا موجب کفر ہے۔

ما قال فی الہندیۃ : در روز عاشورا دیکے را گویند کہ سرمہ دریں روز سنت است او گوید کار زنان و مخنشان بود کافر گردد۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲۶۵ الباب التاسع فی احکام المرتدین) لہ
نماز کی تحقیق کرنا | سوال :- ایک شخص کو کہا گیا کہ نماز پڑھ لے تو اس نے جواب میں کہا کہ نماز کوئی چیز نہیں اور نماز میں کیا رکھا ہے، تو نماز کے متعلق ایسے الفاظ کہنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب :- نماز شعائرِ اللہ میں سے ہے اور واجب التعظیم عمل ہے، دینِ اسلام کا ایک اہم رکن ہے اس کے بارے میں ایسے تحقیر آمیز الفاظ کہنا موجب کفر ہے۔

ما قال فی الہندیۃ : اوقال نماز می حکم چیزے بر سر نمی آید، اوقال تو نماز کردی چہ بر سروردی فہذا کلمہ کفر کذا فی الخزانۃ المفتین۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲۶۵ احکام المرتدین) ۲

علماء کرام کے حق میں توہین آمیز کلمات بولنا | سوال :- ایک عالمِ دین کو برا بھلا کہنا اور اس کو بے دینی کی طرف منسوب کرنا

شرعاً کیسا ہے ؟

الجواب :- ایک عالمِ دین اور قبیح شریعت شخص کی اہانت کرنا اور عدم تہین یعنی بے دینی

لہ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : بل بالمواظبۃ علی ترک سنۃ استخفافاً بہا بسبب انہ فعلھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم زیادۃ او استقباحھا من استقبیح من اخرجہ عن بعض النعمۃ تحت حلقۃ واحفاد شاربہ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۲ باب المرتد۔

و مثله فی شرح الفقہ الاکبر ص ۱۵۲ استحلال المعصیۃ صغیرۃ کفر۔

۲ لہ قال العلامة ابن عابدین : قلت ویظہر من ہذا ان ما کان دلیل الاستخفاف یکفر بہ وان لم یقصد الاستخفاف۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۲ باب المرتد)

و مثله فی فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۵۷۵ باب ما ینکفراً من المسلم الخ۔

کی طرف اس کی نسبت کرنا اگر دنیاوی یا کسی ذاتی عدوت کی بناء پر ہو تو اگرچہ یہ کفر و ارتداد تو نہیں ہے لیکن فسق اور عدم مروت ضرور ہے، البتہ اگر کسی عالم دین کے ساتھ کوئی ذاتی عداوت اور دشمنی نہیں بلکہ صرف اس وجہ سے کہ وہ ایک عالم دین، تتبع شریعت ہے اور اس کی وضع قطع سنت نبوی کے عین مطابق ہے تو بناء بریں اس کی اہانت و تذلیل کرنا درحقیقت شریعت مطہرہ کی اہانت و تذلیل کے مترادف ہے اور شریعت مطہرہ کی اہانت اور اس کے ساتھ بغض و استہزاء موجب کفر ہے۔ لہذا کسی عالم دین کی اسکی دینداری کی وجہ سے توہین کرنا کفر کے مترادف عمل ہے۔

لما قال العلامة ملا علی القاری فی الخلاصة: من البغض عالماً من غیر سبب ظاہر خیف علیہ الکفر قلت الظاہر انہ یکفر لانه اذا البغض العالم من غیر سبب دنیوی او اخروی فیکون بغضه لعلم الشریعة ولا شک فی کفر من انکر فضلاً عن البغضه۔

(شرح الفقہ الاکبر ص ۲۶ فصل فی العلم والعلما) ۱۷

مسجد کے متعلق نازیبا کلمات کہنا | سوال :- ایک شخص نے مسجد کے متعلق ایسے نازیبا کلمات کہے ہیں کہ انہیں الفاظ میں ادا نہیں کیا جاسکتا

ایسے شخص کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب :- مسجد شعائر اللہ میں داخل ہے اور شعائر اللہ کی توہین بعض اوقات موجب کفر بنتی ہے اور گالی دینے سے زیادہ توہین اور کیا ہوگی! ایسے شخص پر کفر کا شدید خطرہ ہے، اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک اپنے اس قول سے توبہ اور استغفار نہ کرے، تاہم کسی مسلمان کی طرف بلا تحقیق ایسے کلمات منسوب نہیں کرنے چاہئیں جو اس نے نہ کہے ہوں۔

لما قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ، من استخف بالقران او بالمسجد او بنحوہ

لہ وقال فی الہندیۃ: فی النصاب من البغض عالماً من غیر سبب ظاہر خیف علیہ الکفر و اذا قال لرجل مصلح دیدار وے ترین چنان است کہ دیدار خوگ یخاف علیہ الکفر کذا فی الخلاصة: اذا شتم عالماً و فقیہاً من غیر سبب۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۷۷ ومنہا ما یتعلق بالعلم والعلما)

ومثله فی البزازیۃ علی هامش الہندیۃ ج ۶ ص ۳۳۶، ۳۳۷ الثامن الاستخفاف بالعلم۔

مما يعظم في الشرع كفر - (شرح الفقه الاكبر ص ۲۵ فصل في القراءة والصلوة) ۱۔
ختم نبوت کا منکر کافر ہے | سوال :- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا عقیدہ رکھنا فرض ہے یا سنت یا مستحب ؟ اور انکار ختم نبوت کفر ہے یا معمولی گناہ ؟

الجواب :- عقیدہ ختم نبوت بنص قرآن و حدیث فرض ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء والمرسلین اور آپ کے لائے ہوئے دین کو خاتم الادیان سمجھنا فرض ہے، آپ کی ختم نبوت کا منکر اور آپ کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کا معتقد کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔
 قال الله تبارك وتعالى: وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ - (سورة الاحزاب آیت ۴۰)

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثلی ومثل الانبیاء امثال قصیر احسن بنیانہ ترک منہ موضع لبنۃ قطاف بہ النظاریت عجیبون من حسن بنیانہ الاموضع تلك اللبنۃ فکنت انا فسدت موضع اللبنۃ تختم بی البیان و ختم بی الرسل وفي رواية فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین - متفق علیہ -
 (مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۶۰ حدیث ۵۴۲۵) ۲۔

حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے | سوال :- عوام الناس میں حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آپ اللہ کے نبی تھے یا ولی ؟

۱۔ وقال العلامة ابن عايدین رحمه الله : (من هزل بلفظ كفر) اي تكلم به باختياره غير قاصد معناه لان التصديق وان كان موجوداً حقيقة لكنه زائل حكماً لان الشارع جعل بعض المعاصي اماره على عدم وجوده كالهزل المذكور وبالجمله فقد ضم الى التصديق بالقلب او بالقلب واللسان في تحقيق الايمان امور الاخلال بها اخلال بالايمان اتفاقاً كترك السجود يصنم وقتل نبی والاستخفاف به وبالمصحف والكعبه -
 (مراد المختار ج ۲ ص ۲۲۲ باب المرتد)

۲۔ قال العلامة ملا علی القاری : دعوى النبوة بعد النبي صلی اللہ علیہ وسلم كفر بالاجماع - (شرح الفقه الاكبر ص ۲۰۳ فصل والكفر صريحاً وكنایة)

شرعاً ان دونوں میں کون سے قول پر عقیدہ رکھنا چاہیے؟
الجواب :- جمہور علماء اُمت حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت کے قائل ہیں اور آپ کی نبوت پر قرآن مجید کی چند آیات سے استدلال کرتے ہیں۔

قال العلامة القرطبي: تحت قوله تعالى (وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا) والآية تشهد بنبوته لان بواطن افعاله لا تكون الا بوحى وايضاً فان الانسان لا يتعلم ولا يتبع الا من كان فوقه وليس يجوز ان يكون فوق النبي من ليس بنبي - (تفسير قرطبي ج ۱۱ ص ۱۱۱)
 قرآن مجید میں مذکور آپ کے افعال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اللہ کے نبی تھے مثلاً نیچے کا قتل کرنا وغیرہ کیونکہ وحی الہی کے بغیر ایسا اقدام جائز نہیں۔

قال العلامة الآلوسی: تحت قوله (وَاتَّخَذَ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهِ) والجمهور على انها الوحى وقد اطلقت على ذلك في مواضع من القرآن - (روح المعاني ج ۵ ص ۳۲) لہ
 البتہ اگر کوئی ان کے نبی ہونے کا معتقد نہ ہو تو اس کو کافر نہیں سمجھا جائے گا۔

انبياء عليهم السلام قبل النبوة بھی معصوم تھے | سوال :- ایک شخص کا عقیدہ ہے کہ چند انبياء عليهم السلام سے نبوت سے پہلے

کبیرہ گناہ کا ارتکاب ہو چکا ہے جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے جنت میں سے قصداً گناہ کا ارتکاب کیا تھا اور یہ شخص قرآن کریم کی آیت رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا... الخ پیش کرتا، بطور استدلال اور اس عقیدہ پر مصر ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- تمام اہل سنت و الجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ انبياء عليهم السلام نے کبھی بھی قصداً جان بوجھ کر کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، نہ قبل از نبوت اور نہ بعد از نبوت، البتہ بعض مواقع میں بشری تقلص کی بناء پر بعض انبياء سے بلا قصد سہوا اور لغزش کا ارتکاب ہوا ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ حضرات انبياء عليهم السلام نے کوئی کام اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی و تقرب کے لیے کیا لیکن فی الواقع وہ کام اللہ تعالیٰ کی مرضی اور

لہ قال العلامة اسماعيل حقي البروسوي: وفي تفسير ابن حبان والجمهور على ان الحضرة نبى وكان علمه

معرفة بواطن امور اوصيت اليه - (روح البيان ج ۵ ص ۲۸۱ سورة الكهف پ ۱)

وَمِثْلُهُ فِي عَمْدَةِ الْقَارِي ج ۲ ص ۶۰ باب ما ذكر في ذهاب موسى في البحر -

منشاء کے خلاف نکلا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے کسی حالت میں بھی اپنے برگزیدہ انبیاء کو اپنی منشاء کے خلاف کام پر برقرار نہیں رکھا بلکہ وقتاً فوقتاً تنبیہ نازل فرماتے رہے، لہذا اس طرح کبھی لغزش و سہواً انبیاء کی عصمت پر اثر انداز نہیں ہوتی اس لیے کہ حقیقت میں گناہ اس کو کہتے ہیں کہ بندہ جان بوجھ کر گناہ کو گناہ سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بنیاد پر کرے، اس قسم کی معصیت سے حضرات انبیاء علیہم السلام منزہ اور پاک ہیں۔ مخالفین نے جو قرآن پاک کی آیت عصیان و غایت ظلم سے حضرت آدم علیہ السلام کا ارتکاب کبیرہ پر استدلال کیا ہے اور اس کو حقیقی عصیان و ظلم پر محمول کیا ہے، یہ قرآن پاک کی ایک دوسری آیت کے مخالف، ارشاد خداوندی ہے: وَلَقَدْ عٰمٰهَدْنٰا اِلٰی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسٰی وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (سورۃ طہ آیت ۱۱۵) یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے قصداً و عمدہ نافرمانی سے شجر ممنوعہ نہیں کھایا تھا بلکہ ہمارے وعدے کو بھول گئے تھے اور بھول کر بلا قصد ان سے یہ فعل سرزد ہوا۔ دوسرا یہ کہ جو جتنا زیادہ مقرب و نزدیک ہوتا ہے اس کے خلاف اولیٰ کام کو بھی قابلِ عتاب سمجھا جاتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں حسنات الابوار سیئات المقرّبین۔ اور لفظ ظلم سے دلیل پکڑنا بھی صحیح نہیں اس لیے کہ وضع الشیء فی غیر محلّہ ظلم ہے اور یہ عام ہے، کبیرہ صغیرہ ترک اولیٰ وغیرہ۔ لہذا اس آخری معنی پر محمول کرنا نص قرآن کے عین مطابق ہے۔ لہذا جو شخص عصمت انبیاء کا قائل نہیں وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے البتہ احتیاط کی بناء پر اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔

لوجود الاختلاف -

لما قال ابو محمد علی بن احمد بن حزم الظاہری رحمہ اللہ، وذهب جميع اهل الاسلام من اهل السنة والمعتزلة والتجارية والخوارج والشيعة الا انه لا يجوز البتة ان يقع من لبي اصلاً معصية بعمد لا صغيرة ولا كبيرة وهو قول ابن مجاهد الا شعري شيخ ابن فورك والباقلاني المذكورين - قال ابو محمد وهذا قول الذي ندين الله عليه ولا يحل لاحد ان يدين بسواه ونقول انه يقع من الانبياء السهو عن قصد ويقع فيهم ايضاً قصد الشئ يريدون به وجه الله تعالى والتقرب به منه فيوافق خلاف ما مراد الله تعالى الا انه تعالى لا يقرهم على شئ من هذين الوجهين اصلاً بل ينبههم على ذلك ولا يداثرو وقوعه منهم ويظهر عز وجل

ذَٰلِكَ لِعِبَادِهِ وَلِيُبَيِّنَ لَهُمْ - (الفصل في الملل والأهواء والنحل ج ۳ ص ۲۰۰ هل تعصى الأنبياء) ۱

لغزشاتِ انبیاء عصمت کے منافی نہیں | سوال ۱۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ انبیاء کرام سے

بمقتضائے بشریت غلطی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر غلطی نہیں ہو سکتی تو بعض انبیاء کرام جیسے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام سے غلطی ہوئی تو اس کو کس پر محمول کریں گے؟

الجواب ۱۔ انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا مطلب یہ ہے کہ وہ گناہ نہیں کرتے ہیں اور جو کچھ عمل ان سے سرزد ہو چکا ہے وہ از قسم لغزشات ہیں گناہ قصداً نہیں ہے، لغزشات زلات کا صدور انبیاء کرام کی عصمت کے منافی نہیں، اس میں قصد اور ارادہ کا دخل نہیں رہتا۔
لما قال الامام الاعظم ابو حنیفة النعمان بن ثابت رحمہ اللہ: والانبیاء علیہم السلام کلام منزهون عن الصغائر والكبائر وقد كانت منهم زلات وخطیئات۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۲۰۵)

لما قال الامام ابو حنیفة رحمہ اللہ: والانبیاء علیہم السلام کلام منزهون عن الصغائر والكبائر والكفر والقبائح وقد كانت منهم زلات وخطیئات۔ وقال ملا علی قاری: تحت قوله وقد كانت منهم زلات ای تقصیرات وخطیئات ای عثرات بالنسبة الی مالہم من اعلی المقامات و سیء الحالات كما وقع لآدم علیہ السلام فی اكله من الشجرة علی وجه النسیان او ترك العزیمۃ واختیار الرخصة ظنا منه ان المراد بالشجرة المنہیۃ المشار الیہا بقوله تعالیٰ: "ولا تقربا هذه الشجرة" هی الشخصیۃ لا الجنسۃ فاکل الجنس لا من الشخص بناء علی الحکمة الالہیۃ لیظهر ضعف قدرة البشرية وقوة اقتضاء مغفرة الربوبیۃ۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۲۰۵) الانبیاء منزهون عن الكبائر والصغائر ومثله فی شرح العقائد ص ۱۳۹ (طبع خیر کثیر)

۲۔ وقال ابو محمد علی بن احمد بن حزم الظاہری: ونقول انه یقع من الانبیاء السهو عن غیر قصد ویقع منهم ایضاً قصد الشئ یریدون به وجه الله تعالیٰ والتقرب به منه فیوافق خلاف مراد الله تعالیٰ الا انه تعالیٰ لا یقرهم علی شئ من هذین الوجهین اصلاً بل ینہم علی ذلک۔ الخ (الفصل فی الملل والاهواء والنحل ج ۳ ص ۲۰۰ هل تعصى الانبیاء) ومثله فی شرح العقائد السنفی ص ۱۳۹ (طبع خیر کثیر)۔

مسئلہ تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے | سوال :- زید نے بکر کو قتل کیا، ایک دوست اس بات پر اڑا ہوا ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور یہ ازل سے دونوں کی تقدیر میں لکھا ہوا تھا ۔ دوسرا دوست کہتا ہے

ایسا نہیں! اگر تقدیر میں لکھا ہے تو انسان قاتل کیوں ٹھہرتا ہے! یہ تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے، اس نے تو گناہ نہیں کیا اس کا حکم بجالایا ہے جو اللہ کو منظور تھا، اس لیے کہ یہ سب کچھ اس آدمی کے فعل کی وجہ سے ہے اور اس کی ساری ذمہ داری قاتل کے سر ہے اور یہ بات ازل سے ان دونوں کی تقدیر میں لکھی ہوئی نہیں ہوتی ہے ۔ ازراہ کرم اس مسئلہ پر قرآن و حدیث کے روشنی میں وضاحت فرمائیں ؟

الجواب :- تقدیر پر ایمان رکھنا فرض ہے کیونکہ عقیدہ تقدیر ایمان کا ایک لازمی جز ہے، اس کے بغیر مومن مومن نہیں رہ سکتا اور نہ اس کے بغیر کوئی عمل خدا کے ہاں مقبول ہو سکتا ہے قرآن و حدیث سے بلا کسی ابہام کے یہی ثابت ہے، اس کے خلاف کے لیے شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے خدا کے پاس جانے کے بعد اس پر کوئی سزا و جزا نہیں ملے گی اور بندے اس کے بارے میں مجبور محض ہیں۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بندوں کے اعمال و افعال اگرچہ بندوں سے تقدیر الہی کے تحت صادر ہوتے ہیں مگر ان پر بندے جزا و سزا کے مستحق ہیں اور ہونے چاہئیں، کیونکہ دنیا میں بندوں سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں تو وہ ان کے اپنے اختیار و ارادے سے صادر ہوتے ہیں۔ روزمرہ کے افعال پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائے گا کہ بندہ سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں ان میں وہ مجبور نہیں ہے جو بھی کام آپ لیں اس میں بندے کو یہ بھی اختیار ہو گا کہ اسے کرے یا اسے چھوڑ دے، کرنے اور نہ کرنے پر کوئی مجبوری نہیں ہے، مثلاً کھانے پینے کی چیزیں روزمرہ ہم استعمال کرتے ہیں تو اس میں کوئی مجبوری نظر نہیں آتی، جب چاہتے ہیں کھاتے پیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں چھوڑ دیتے ہیں، نہ کھانے پینے میں ایسی مجبوری ہے کہ چھوڑنے کا بالکل اختیار نہ ہو اور نہ چھوڑ دینے میں ایسی مجبوری پائی جاتی ہے کہ کھاتے پیتے کا اختیار بالکل مفقود ہو۔ یہی حالت تمام ان افعال کی ہے جو بندوں سے صادر ہوتے ہیں، خواہ وہ دین کے اعمال ہوں یا دنیا کے معاملات، جائز کام ہو یا ناجائز، قتل ہو یا کوئی اور کام، ان میں سے کوئی بھی کام ایسا نہیں کہ جس میں انسان مجبور ہو کیونکہ مجبوری ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کام کا ایک پہلو (کرنا یا نہ کرنا) انسان کے بس میں ہو اور دوسرا

بہلو اس کے بس ہی ہیں نہ ہو، مثلاً کرنے پر قدرت ہو اور نہ کرنے پر قدرت ہی نہ ہو، اسی کا نام مجبوری ہے اور اسی طرح کی مجبوری بندوں کے کسی فعل میں نہیں پائی جاتی ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ بندوں کے تمام افعال اختیاری ہیں تو اب یہ سمجھنا چاہیے کہ اختیاری افعال کے ساتھ تعلق کا معنی یہ نہیں کہ وہ افعال بہر حال لازمی طور پر صادر ہوں گے ورنہ پھر تو بندہ ان افعال میں مجبور ہو جائے گا بلکہ ان کے ساتھ تقدیر کے تعلق کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ ان افعال پر مصمم ارادہ کر کے باختیار خود اس کی طرف اقدام کرے گا تو وہ صادر ہو جائیں گے اور اگر وہ ان کا ارادہ کر کے باختیار خود اس کی طرف اقدام نہ کرے گا تو وہ صادر نہ ہوں گے۔ تقدیر کے اس تعلق سے بندہ اپنے تمام افعال میں مجبور نہیں بن جاتا بلکہ مکمل خود مختار رہتا ہے، اور جب اس کو مکمل خود مختاری مل گئی تو جائز اور نیک اعمال پر اس کو اجر ملنا چاہیے کیونکہ اس نے اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہے اور حرام و ناجائز کاموں پر اس کو سزا ملنی چاہیے کیونکہ پورے اختیار سے اس نے اراداً اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی ہے۔

اب قتل کے معاملہ کو لیجئے کہ زید نے بکر کو جب قتل کر دیا تو اس میں دو چیزیں ہیں۔ ایک بکر کی موت دوسری چیز زید کا مار ڈالنا، جسے ہم قتل کہتے ہیں۔ موت بھی تقدیر ہی ہے اور قتل بھی تقدیر ہی ہے۔ مگر موت کی تقدیر مبرم رائل ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ بکر بہر حال اس حالت میں مر ہی جائے گا یا کسی کے مار ڈالنے سے یا اپنی موت سے، اور قتل کی تقدیر مبرم نہیں بلکہ زید کے اختیار اور ارادے پر تعلق ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ زید اگر اپنے اختیار سے بکر کے قتل کا ارادہ کر کے اقدام کرے گا تو قتل پایا جائے گا ورنہ نہیں، اب چونکہ زید قتل کے اختیار اور ارادے پر مجبور نہیں بلکہ خود مختار ہے، اس لیے قتل اس ہی کا فعل شمار کر کے بکر کا وہ قاتل قرار دیا جائے گا۔ اور چونکہ زید کا یہ اختیاری فعل قانون کی رو سے حرام بھی ہے، اس لیے اس سے وہ سزا کا بھی مستحق ہوگا تو قتل اس معنی کے لحاظ سے تقدیر ہو کر ہی زید کا سنگین جرم قرار دیا جا سکتا ہے اور زید اس پر سزا کا مستحق گردانا جا سکتا ہے۔ جب یہ تحقیق آپ کو معلوم ہو گئی تو مذکورہ دو دوستوں میں سے ایک کا یہ کہنا کہ ”یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور دونوں کی تقدیر میں لکھا ہوا ہوتا ہے“ بالکل درست ہے، لیکن اگر اس سے اس کا مطلب یہ ہو کہ قتل کی وجہ سے زید مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ قتل زید کا ایک اختیاری فعل ہے اور اختیاری افعال کے تقدیر ہونے سے ان کا جرم ہونا فائل نہیں ہوتا، جیسا کہ اس کی

تحقیق گذرگئی۔ اور دوسرے کا یہ کہنا کہ: ”یہ تقدیر می نہیں ہے“ سراسر غلط ہے، اسے چاہیے کہ اس سے توبہ کرے، تقدیر سے انکار کرنا اسلام کے ایک اجتماعی عقیدے سے انکار کرنا ہے جو قرآن اور احادیث سے ثابت ہے۔

قال الله تبارك وتعالى: (۱) اَنَا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْتَاهُ بِقَدَرٍ (۲) خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقْدَرَهُ تَقْدِيرًا (۳) وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ

عن عبد الله بن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كتب الله مقادير الخلائق قبل ان يخلق السموات والارض بخمسين الف سنة۔

رمشکوۃ ص ۱۰۰ باب الايمان بالقدر ۱۰

حیات عیسیٰ کا عقیدہ نص قرآنی سے ثابت ہے | سوال: کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھایا گیا ہے یا دوسرے

انبیاء کی طرح وفات پا چکے ہیں؟ بحیثیت ایک مسلمان کے اس بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟
الجواب: تمام امت محمدیہ کا یہ منصوص اور بنیادی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ سلامت اٹھایا گیا ہے اور بعض فرائض کی انجام دہی تک زندہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ۔ (سورۃ النساء آیت ۱۵۷)
اور اسی طرح احادیث نبویہ بھی آپ کی زندگی پر ناطق ہیں۔

اخرج اسماعيل بن كثير: قال الحسن قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان عيسى لم يميت وانه راجع اليكم قبل يوم القيامة۔ (تفسير ابن كثير ج ۳ ص ۳۶۶) ۱۰

۱۰ قال الامام الرازي: قال القاضي: اما الاجل الذي فاما مضافا الى الله اما الكفر والفسق والايمان والطاعة فكل ذلك مضافا الى العبد فاذا كتب الله تعالى ذلك فانما يكتب بعلمه من اختيار العبد وذلك لا يخرج العبد من ان يكون هو المذموم او الممدوح۔

(تفسير الكبير ج ۴ ص ۲۲۲ من يرد ثواب الدنيا)

۲۰ قال الامام البخاري: ان سعيد بن المسيب سمع ابا هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الذي نفس بيده يوشك ان ينزل فيكم ابن مريم مقسطا فيكسر الصليب ويقتل الخنزير ويقع الجزية۔ (صحيح بخاری ج ۱ ص ۲۹۶)۔ ومثله في عقيدة الاسلام في حياة عيسى عليه السلام۔

عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق چند شبہات کا ازالہ | سوال: جناب مفتی صاحب!

کہتا ہے اسلام وہ کہتا ہے، اور جب حوالہ پوچھا جائے تو کبھی کسی طبری، کسی ابن کثیر یا کسی غزالی کا نام بتا دیا جاتا ہے، حتیٰ کہ بعض اوقات مولانا رومؒ، بلکے شاہؒ تک کے حوالے پیش کیے جاتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ کسی بات کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کے لیے کسی انسان کے منہ کی باتیں نہیں ہو سکتی ہے، خدا اور رسول کے علاوہ کسی کو حوالے کے طور پر پیش کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ اسلاف کا خیال و مقال جزء اسلام نہیں ٹھہرایا جاسکتا، کیونکہ عہد رسالت میں دین کامل ہو چکا ہے، براہ کرم درج ذیل سوالات کو قرآن و حدیث کی روشنی میں حل فرما کر عند اللہ مابور ہوں:-

(۱) مریم سلام اللہ علیہا صاحب حال ہیں، اچھا تو یہ تھا کہ وہ خود فرماتیں: وَلِدْتُ وَلَمْ اتَزَوْج۔

(۲) کیا کبھی عیسیٰ علیہ السلام نے خود اقرار کیا ہے: وَلَدَتْنِي اُمِّي مَرْيَمُ الصَّدِيقَةُ وَلَمْ تَتَزَوْج۔

(۳) کیا قرآن مجید میں کہیں اس کا ذکر ہے کہ: وَلَدَتْهُ مَرْيَمٌ وَلَمْ تَتَزَوْج۔

(۴) کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ فرمایا ہے کہ مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰؑ کو بغیر نکاح جنا ہے۔

(۵) یا کبھی یوں فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت میں باپ کا کوئی تعلق نہیں۔

اگر ان سب صورتوں کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر بتایا جائے کہ مسلمانوں میں یہ نظریہ کب سے رائج ہے اور سب سے پہلے کس نے اس کا اظہار کیا ہے؟ نیز بغیر نکاح کے حمل کی کیا حقیقت ہے؟

کیا ہر نبی علیہ السلام کا حلال نکاح سے پیدا ہونا لازم تھا؟ جیسا کہ طبرانی میں ارشاد نبوی ہے۔ کہ میرے سلسلہ نسب میں کوئی بھی بغیر نکاح کے پیدا نہیں ہوا ہے، جس قدر بھی انبیاء نبوت سے سرفراز ہوئے سب شریف النسب اور نجیب الطرفین تھے۔

اگر عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا اعتقادات اور ایمانیات سے ہے تو پھر اس کا ثبوت اہل فن کے نزدیک متواترات صریحہ سے لازم ہے اور استدلالات پر اس کا ثبوت درست نہیں۔ ہاں عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کا ثبوت میرے ذمہ نہیں بلکہ نظام الہی میں یہ طے شدہ ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے اور کلام الہی میں بھی اصل ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰی - (سورة الحجرات ۱۳) وَبَثَّ مِنْهُمَا

رَجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً۔ (سورة النساء آیت ۱) بچہ میاں بیوی دونوں سے ہوتا ہے صرف اصدا زوجین سے نہیں۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے: دكانت النفحة التي نفحها في درعها فنزلت حتى و لجت فرجها بمنزلة نكاح الاب الأم۔ (تفسیر ابن کثیر) جبریلؑ نے حضرت مریمؑ کے گریبان میں جو پھونک ماری تھی وہ اس طرح ان کی فرج میں داخل ہوئی جس طرح کسی کا باپ حمل ٹھہرانے کے لیے اس کی ماں سے میل ملاپ کرتا ہے۔ آپ لوگ تو اس عبارت محولہ کو ملتے ہیں جبکہ میں اس سے انکار کرتا ہوں کیونکہ یہ فعل ملائکہ کا نہیں بلکہ شوہر کا ہے، مجھے ہم جنس شریف انسان کو باضابطہ شرعی نکاح سے باپ ٹھہرانا پسند ہے جبکہ آپ لوگ اس کو پسند نہیں کرتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق لوگوں نے من گھڑت عقیدے بنا رکھے ہیں، کسی نے بلا نکاح کے باپ ٹھہرایا، کسی نے غیر جنس فرشتے کو باپ ٹھہرایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ باپ کا کوئی منکر نہیں ہم جنس اور نکاح کا انکار ہے، اور یہ سارے عقیدے شریعت کے خلاف ہیں، میں شریعت اسلامیہ کے مطابق ہم جنس مسلمان پاکباز سے نکاح مان کر باپ ٹھہراتا ہوں چاہے عیسیٰ ہوں یا کوئی دیگر بنی آدم میں سے ہو۔ جو کوئی بھی نبوت سے سرفراز ہوا ہے وہ شریف النسب اور نجیب الطرفین ہے، کسی نبی کا نسب اس کے معاصروں کے نزدیک اندھیرے میں نہیں ہوتا؟
الجواب:- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کے ثبوت کے لیے جتنے مقدمات آپ نے بیان کئے ہیں وہ تمام باطل اور استدلالات غلط اور ناقص ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ ہونے کے لیے قرآن مجید کی یہ ایک آیت ہی کافی ہے: وَلَمْ يَمَسَّ سِنِي بَشَرٍ وَلَمْ يَكُنْ بَغِيًّا (سورة مريم آیت ۲۰) اس میں حرام و حلال دونوں قسم کے جماع کی نفی ہے، نیز اس آیت کے سیاق و سباق سے خارق العادت طور سے پیدا ہونا بھی ظاہر ہے۔

سوال:- قرآن مجید میں مہاتما بدھ کے متعلق عقیدہ نبوت درست نہیں ہے | اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) يَكُلُّ قَوْمٌ هَادٍ (سورة البعد آیت ۷)۔ (۲) وَمَا مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (پ ۲) ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قوم کے لیے کوئی نہ کوئی پیغمبر آیا ہے تو ہندوستان میں بھی کوئی پیغمبر آیا ہوگا، جبکہ مہاتما بدھ کی تعلیمات بھی انبیاء کرام کی تعلیمات کے مطابق ہیں، تو کیا اس کو بھی نبی ماننا درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- مذکورہ بالا آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی قوم یا امت ایسی نہیں گذری ہے جس میں ہادی راہ بتلانے والا (نذیر) نہ آیا ہو، لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صریح غلطی ہے کہ جو بھی مذہبی راہنما دنیا میں گذرے ہیں وہ پیغمبر ہی ہوں گے تاکہ ہاتھ باندھ بھی نہ بن سکے۔

گذشتہ اقوام کے نبیوں کے بارے میں اسلامی شریعت کا قطعی فیصلہ یہ ہے کہ جن انبیاء کے متعلق کتاب و سنت میں کوئی تصریح نہ ہو تو ان کے متعلق ہم اجمالی طور پر یہ عقیدہ رکھیں گے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے وہ نبی ہوگا اور جس کو یہ منصب نہیں ملا وہ نبی نہیں اگرچہ اس کی تعلیمات شرائع آسمانی کے مطابق ہی کیوں نہ ہوں، زیادہ سے زیادہ اگر اس کے بارے میں کچھ کہہ سکتے ہیں تو وہ یہ کہ اس کی تعلیمات اگر شرک سے پاک اور توحید پر مشتمل ہوں تو وہ ایک نیک آدمی ہوگا۔ الحاصل: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بجز ان حضرات کے جن کی نبوت پر قرآن و حدیث میں تصریح کی گئی ہو کسی دوسرے شخص کے بارے میں خصوصی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ نبی ہے اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ نبی نہیں، احتمال ہے کہ نبی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ نبی نہ ہو۔

باقی رہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کا معاملہ تو اس کے متعلق اسلام کا قطعی فیصلہ یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد تا قیامت کسی شخص کو کسی قسم کی نئی نبوت نہیں مل سکتی، خواہ وہ تشریعی ہے یا غیر تشریعی! اور جس کسی نے بھی نئی قسم کی نبوت کا دعویٰ کیا تو وہ کافر ہو کہ دائرۃ اسلام سے خارج ہوگا اور جو بھی اس کو نبی مانے گا وہ بھی کافر ہوگا۔

قال الشيخ ظفر احمد العثماني: قال الموفق في المغني: "ومت ادعى النبوة او صدق من ادعاها فقد ارتد لان مسيئة لما ادعى النبوة قصد قلة قومه صاروا بذلك مرتدين. الخ (اعلاء السنن ج ۱۲ ص ۵۹۸ من ادعى النبوة او صدق من ادعاها) لہ

لہ وقال الشيخ المفتي محمد شفيع رحمه الله: اس لیے اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہندوستان میں بھی کوئی نبی و رسول پیدا ہوا ہو البتہ دعوتِ رسول کے پہنچانے اور پھیلانے والے علماء کا کثرت سے یہاں آنا بھی ثابت ہے۔ (معارف القرات ج ۵ ص ۱۶۲ تحت الآية لكل قوم هادي)

عقیدہ حیاتِ انبیاء علیہم السلام کا ثبوت | سوال :- جناب مفتی صاحب! مسئلہ حیاتِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن و

حدیث اور اجماعِ امت کا متفقہ فیصلہ کیا ہے، دلائل و براہین سے وضاحت فرمائیں ؟
الجواب :- حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کے بارے میں تمام اہل سنت و الجماعت اور جملہ اکابرین علماء دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفاتِ موعود کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ و مامون ہیں اور جس قدر عنقریب کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے جو حیاتِ دنیوی کے مماثل ہے، فرق صرف یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں لیکن فطرتی تقاضے کی بناء پر مشغول بالعبادت ہیں، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کے قریب جو درود و سلام پڑھا جائے اس کو آپ بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی تمام محدثین و متکلمین اہل سنت و الجماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے، اکابر علماء دیوبند کے مختلف رسائل میں اس کی تصریح موجود ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی مستقل تصنیف حیاتِ انبیاء پر ”آب حیات“ کے نام سے موجود ہے، حضرت مولانا خلیل احمد جو مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفہ راشد ہیں ان کی تالیف ”المہند علی المفند“ بھی قابل دید ہے۔ اس کے علاوہ ”حیاتِ انبیاء کرام“ مرتبہ مفتی سید عبدالشکور صاحبؒ مطالعہ کے لیے مفید ہے۔ مسئلہ ہذا پر چند دلائل ملاحظہ ہوں :-

وعن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون ۔ مستد ابی یعلی (جامع الصغیر ص ۱۲۳ و صحیح ابن حجر فی فتح الباری ص ۱۳۱) والقاری فی مرقاۃ ج ۲ ص ۲۱۲ و فیض الباری ج ۲ ص ۴۱۱ باب رفع الصوت، کتاب الصلوۃ۔
 قال اللہ تعالیٰ : وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ یَقْتُلُ فِی سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْواتًا بَلْ اَحْیَاءٌ وَلَٰکِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ (سورۃ البقرۃ رکوع ۲)

جب شہید کے لیے وقوعِ قتل کے باوجود یہ حیاتِ طیبہ حاصل ہے تو انبیاء علیہم السلام کے لیے اس سے بھی ارفع اور اعلیٰ حیات بطریقہ اولیٰ ثابت ہوگی۔ یہ آیت دلالتِ النص کے اعتبار سے انبیاء کرام کی حیات بعد الوفات پر ایک واضح دلیل ہے۔ چنانچہ علامہ قاضی شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :- ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشہداء انہم احياء یوزقون وان الحیاء فیہم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء

والمرسلین۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۲) لہ

سوال :- یہ عقیدہ رکھنا کہ ابلیس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تمام مخلوقات سے زیادہ ہے علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے؟ درست ہے کہ نہیں؟ اگر درست نہیں ہے تو پھر ”ابراہیم القاطعہ“ میں جو اس کا دعویٰ کیا گیا ہے تو اس کا کیا مطلب ہوگا؟

الجواب :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم کا اتنا حصہ دیا ہے کہ پوری کائنات میں کوئی بھی آپ کے علم کی برابری تک کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ بطور مسلمان ہمارا عقیدہ ہے کہ اولین و آخرین کے تمام علوم جو شان نبوت کے مناسب ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا مجموعی حصہ آپ کو عطا فرمایا ہے۔ رہی ”ابراہیم القاطعہ“ کی بات تو وہ اپنی جگہ بجا اور درست ہے کہ ”شیطان کا علم حضور سے زیادہ ہے“ سے مراد علم غیر نافع ہے، اور علم غیر نافع شیطان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے، کیونکہ آپ نے خود اس قسم کے علم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہم افرغ من اعوذ بک من علم لا یتفع وقلب لا یخشع۔ (الجامع الترمذی ج ۲ ص ۸۶ کتاب الدعوات۔ باب ماجاء فی جامع الدعوات) اور یہی علم اللہ تعالیٰ کی رضا، خوشنودی اور شرف و اکرام کا باعث نہیں ہے۔ اور جو کوئی علم نافع شیطان کے لیے زیادہ ثابت کرنے کی کوشش کرے تو اس کے متعلق حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

وان سیدنا وشفیعنا محمد اعلم الخلق وافضلہم جمیعاً فمن سوئ بیت علمہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبی والمجنون او علم احد من الخلاق او تفوه بان ابلیس اللعین اعلم منه صلی اللہ علیہ وسلم قہو کافر ملعون لعنة اللہ علیہ۔ (امداد الفتاویٰ ج ۶ ص ۳۲ کتاب العقائد والکلام)

لہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائياً بلغته۔ (المشکوۃ المصابیح ص ۸۷ فی باب الدعاء فی التشہد فی الفصل الثالث)۔

ومثله فی سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۵۱ باب تفریح ابواب الجمعة۔

سوال :- اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو ماکان و مایکون کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے

الجواب :- علم غیب کلی اور علم محیط اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے ساتھ علم غیب ہے اور نہ ہی علم محیط ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی علم غیب کلی نہیں تھا بلکہ بعض مغیبات کا علم آپ کو بذریعہ وحی عطا کیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے تو بعض مغیبات کی اس کو اطلاع کر دیتے ہیں، اس بات کا اعلان آپ کی زبان مبارک سے یوں کرایا :-

(۱) قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ - (سورة النمل آیت ۲۵)

(۲) وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سْتَكْبَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ - (سورة الاعراف آیت ۱۸)

لہذا ہمارے نزدیک حق بات بھی یہی ہے کہ یہی علم اللہ تبارک و تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اور جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ماکان و مایکون کے علم کا اعتقاد رکھتا ہے تو وہ نص قطعی کا مخالف ہے اس لیے ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر ہے، اس کو تجدید ایمان اور اگر شادی شدہ ہو تو تجدید نکاح بھی لازم ہے۔

لما صرح به ملا علی القاری رحمہ اللہ : قال لعلم بالغیب تفرد به سبحانه وتعالى ولا سبيل للعباد اليه الا باعلام منه والهام بطريق المعجزة والكرامة والارشاد الى الاستدلال بالامارات فيما يمكن فيه ذلك ولهذا ذكر في الفتاوى ان قول القائل عند رؤية هالة القمر اى دائرته يكون مطروداً عن علم الغيب لا بعلامة كفر - (شرح الفقه الاكبر ص ۱۵۱ تصديق الكاهن بما يخبره)

اے قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : واما ما وقع بعض الخواص كالانبياء والاولياء بالوحى والا لاهام فهو باعلام من الله فليس مباحن فيه قلت وحاصله ان دعوى علم الغيب معارضة لنص القرآن فيكفر بها - (رد المحتار ج ۴ ص ۲۲۳ باب المرتد، مطلب في دعوى علم الغيب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں نور نہیں | سوال :- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں یا نور؟ اور قرآن مجید میں جو جابجا آپ کیلئے

نور کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کا معنی کیا ہے، وضاحت سے بیان کریں؟
الجواب :- اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں لیکن یہ نور دو معنوں میں آتا ہے، ایک یہ کہ کیفیت ظاہرہ بنفسہا مظهر لغیرہ۔ اور دوسری یہ کہ عالم عناصر کی کیفیات و آثار مخصوصہ سے علیحدہ ہو کر ہوا کی طرح غیر مرئی ہو۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور بمعنی اول ہیں بمعنی ثانی نہیں۔ بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بمعنی ثانی نور ہیں اور بالکل ہی بشر نہیں ہیں اور دلیل میں سورۃ المائدہ کی یہ آیت پیش کرتے ہیں: لَقَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ۝ اور یہ حدیث بھی دلیل میں لاتے ہیں: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي۔ اور حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں بھی فرمایا ہے: واجعلني نوراً۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلقت کے اعتبار سے بشر ہیں اور قرآن حکیم آپ کی بشریت پر گواہ ہے :-

(۱) قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ ۖ (سورۃ کہف آیت ۴۷)
 (ترجمہ) تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم، حکم آتا ہے مجھ کو کہ معبود تمہارا ایک معبود ہے یعنی میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں خدا نہیں۔

(۲) وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ۖ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۹۴)۔ (ترجمہ) اور لوگوں کو روکا نہیں ایمان لانے سے، جب پہنچی ان کو ہدایت مگر کہنے لگے کہ اللہ نے بھیجا آدمی پیغام دے کر۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت سب کی نظروں میں مسلم تھی تاہم اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یوں دیا: ^(۱) قُلْ لَوْ كَانَتْ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا ۖ (سورۃ الاسراء آیت ۹۵) اگر زمین پر رہنے والے فرشتے ہوتے تو ہم ان کی راہنمائی اور ہدایت کے لیے فرشتہ رسول بنا کر بھیجتے، مگر چونکہ زمین پر رہنے والے لوگ بنی آدم ہیں اسلئے ہم نے ان کی راہنمائی کے لیے بنی آدم کو رسول بنا کر بھیجا تاکہ افادہ و استفادہ آسان ہو۔

(۲) لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ ۖ (سورۃ آل عمران آیت ۱۶۴)

مِنْ أَنْفُسِهِمْ اس کی تصریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرح بشر ہیں فرشتوں کی طرح نور نہیں۔
سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے: کَمَا أَرْسَلْنَا فَيُكْفَرُ رَسُولًا مِّنْكُمْ (آیت ۱۵) مَنكُم سے یہ
بات صاف ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں نور نہیں ہیں۔

بعض مقامات پر اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں لفظ نُور استعمال ہوا ہے
تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق مجازاً ہے، اس معنی پر کہ النور
کیفیت ظاہرۃ بنفسہا مظهر لغیرہا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ظاہر بنفسہا اور بالصفات
جو کہ نبوت ہے اور مظهر ملحق ہے۔ اور حدیث اول ما خلق اللہ نورہی کا جواب یہ ہے کہ
بشرطِ صحت حدیث اس میں بھی نور کا اطلاق مجازاً ہے۔

قال اسماعیل بن کثیر رحمہ اللہ: تحت قوله "مِنْ أَنْفُسِهِمْ" ای من جنسہم لیتمکنوا
من مخاطبۃ وسوالہ ومجالستہ والانتفاع بہ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۲) ۱۷

سوال: یا محمد اور یا رسول اللہ کہنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب: یا محمد اور یا رسول اللہ درود و سلام کے ساتھ پڑھنے والا
اگر یہ سمجھ کر نہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری آواز بذاتِ خود ہر وقت اور ہر جگہ سنتے
ہیں یا یہ کہ بنفس نفیس خود مجلسِ درود میں تشریف فرما ہوتے ہیں تو یہ نہ ناجائز بلکہ موجبِ کفر ہے
اس لیے کہ یہ صورتیں غیر اللہ کے لیے علم غیب کو ثابت کرنے کی متضمن ہیں، اور علم غیب اللہ تعالیٰ
جل شانہ کی صفتِ خاصہ ہے۔ اور شریعت کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفاتِ مختصہ
بذاتہ یا عبادت میں کسی غیر خدا کو شریک کرتے کا نام شرک ہے۔ کما ہو مصرح
فی کتب الکلام۔

ومنها ما قال العلامة ملا علی القاری: وبالجملة العلم بالغیب تقریبہ وسمانہ و
تعالی ولا سبیل للعباد الیہ الا باعلام منه والہام بطریق المعجزة والکرامة والارشاد

۱۸ قال العلامة الزمکشی رحمہ اللہ: ہانہ صلی اللہ علیہ وسلم سراج ونور کا شمس فی ہذا العالم
مثال نورہ فی العوالم کلہا مثل نور الشمس فکما ان الشمس یورڈھا من المشرق
الی المغرب فی ساعة واحدة وبصفات مختلفہ کذلک ہو صلی اللہ علیہ وسلم۔
وقطب الارشاد ص ۳۹ المقصد السادس فی الصلوۃ علی النبی۔ الفصل الثالث

الى الاستدلال بالامارات فيما يمكن فيه ذلك وذكر الخفية تصريحاً بالتكفير باعتقاده
ان النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى: "قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ" (شرح الفقه الاكبر ط ۱۵۱ حكم تصديق الكاهن الخ)

قال العلامة ابن البزاز رحمه الله: وعلى هذا قال علماءنا من قال ارواح المشائخ
حاضرة تعلم يكفر (الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج ۶ ط ۳۲۶ الثاني فيما يتعلق بالله)
اور اگر مذکورہ بالا عقیدہ نہیں ہے بلکہ محض تخیل کے طور پر شاعرانہ اور عاشقانہ انداز میں خطا
کرتا ہے تو یہ صورت فی ذاتہ جائز ہے جیسا کہ اہل معانی و بلاغت نے بیان کیا ہے کہ بعض اوقات
معدوم کو موجود فرض کر کے یا غیر حاضر کو حاضر فرض کر کے خطاب کیا جاتا ہے اور یہ ایک نوع بلاغت
ہے جو قرآن پاک میں بھی بکثرت موجود ہیں، اشعار اور نظم میں یہ نوع بلاغت بلا کسی نکیر کے تمام علماء
کے نزدیک جائز ہے، بلکہ خود بڑے بڑے علماء کا معمول رہا ہے اور اس میں درحقیقت کسی
باطل عقیدہ کا دخل نہیں ہوتا بلکہ ایسا کثرت محبت کے آثار میں سے ہے، لہذا فرط محبت میں اور
ذوق میں اگر بلا عقیدہ حاضر ناظر کے کلمات خطابیہ بولے تو کوئی مضائقہ نہیں البتہ موہم معنی شرک
ہونے کی وجہ سے مجالس و مجامع میں پڑھنا ناجائز ہے اس لیے کہ اس سے عوام الناس کا عقیدہ
خراب ہوتا ہے اور شرعاً ایسا لفظ یا فعل جو منافی الی البقیع ہو منع ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے
صحابہ کرامؓ کو جو کہ پکے اور سچے مسلمان تھے لفظ "راعنا" بولنے سے منع فرمایا حالانکہ صحابہ کرامؓ
معنی قبیلہ مراد نہیں لیتے تھے۔ قال اللہ تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَ
قُولُوا انظُرْنَا - (سورة البقرة آیت ۱۵۷)

قال العلامة ابن عابدین: فينبغي او يجب التباعد عن هذه العبارة رای موهم
المعنى الشرك - (رد المحتار ج ۴ ص ۴۲۹ باب المرتد)

البتہ بلا درود و سلام یا محمد یا رسول اللہ کہنا کسی صورت میں جائز نہیں، اس لیے کہ اگر اس
کے ساتھ کوئی باطل عقیدہ علم غیب، حاضر ناظر استمداد وغیرہ کا نہ بھی ہو تب بھی ناجائز ہے، اور
اگر کوئی کفر و شرک کا اعتقاد بھی ہو تو پھر ہلاکت در ہلاکت ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ
قرآن کریم کی آیت إِنَّ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مِثْلَ مَا تَدْعُو لَكُم مِّنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (الحجرات)
کے شان نزول میں اکثر مفسرین لکھتے ہیں کہ آداب نبوت سے ناواقف دیہاتی لوگ اگر حجرہ نبوی کے
پیچھے کھڑے ہو کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد یا محمد وفی روایت یا رسول اللہ کے ساتھ آوازیں دینے لگے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناگواری ظاہر فرما کر جواب نہ دیا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ آیت اقرع بن حابس التیمی کے متعلق نازل ہوئی جو حجرہ مبارکہ کے باہر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بایں الفاظ یا محمد یا محمد وفی روایۃ یا رسول اللہ زور زور سے آوازیں دے رہا تھا، لہذا جن الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حین حیات میں پکارنا منع کیا گیا تو بعد الوفا ان الفاظ سے پکارنا کیسے جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

لما قال العلامة ابن کثیرؒ: وقد ذکرنا أنها نزلت في الاقرع بن حابس التیمی فیما اوردہ غیر واحد۔ قال الامام احمد فی سندہ حدثنا عفان تذاکر السند عن الاقرع بن حابس انه نادى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا محمد يا محمد وفی روایۃ یا رسول الله فلم يجبه الخ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۷۷ سورۃ الحجرات)

وقال فی تفسیر القرآن العظیم: تحت قوله تعالى "إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ الْخ" وقد ذکرنا أنها نزلت في الاقرع بن حابس التیمی فیما اوردہ غیر واحد قال الامام احمد حدثنا عفان تذاکر السند عن الاقرع بن حابس التیمی انه نادى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا محمد يا محمد وفی روایۃ یا رسول الله فلم يجبه الخ۔ (تفسیر القرآن العظیم ج ۲ ص ۲۱۹) لہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد یا محمد یا رسول اللہ کے لفظ سے پکارنا بیوقوفوں کا کام ہے اور ان الفاظ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی میں ناگواری ہوتی تھی لامحالہ بعد الوفا بھی ناگواری ہوگی، لہذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد اور یا رسول اللہ کے الفاظ سے پکارنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے نہ زندگی میں اور نہ بعد الوفا، البتہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سامنے موجود ہوں تو لفظ یا رسول اللہ سے ہلکی آوازیں مخاطب کرنا عین ادب ہے اور جب پس پردہ تشریف فرما ہوں تب بھی لفظ یا رسول اللہ کے ساتھ زور زور سے آوازیں دینا بے ادبی ہے، لہذا اتنی دور مسافت پر زور زور سے آوازیں دینا ضرور بے ادبی ہوگی جیسا کہ آیت کے شان نزول سے یہ بات واضح ہو رہی ہے۔

سوال: حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں؟ ان دونوں میں کونسا عقیدہ

جیات حضرت خضر علیہ السلام کا عقیدہ

شریعت سے موافق ہے ؟

الجواب :- حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ یا انتقال کے ساتھ کوئی شرعی عقیدہ وابستہ نہیں ہے، اگر کوئی دلائل کی رو سے ان کی حیات کا قائل ہو جائے تو اس کے عقیدہ اسلام پر کوئی آنچ نہیں آتی اور جو کوئی ان کی وفات کا قائل ہو تب بھی وہ مسلمان ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کے ساتھ کوئی شرعی عقیدہ متعلق نہیں ہے اس لیے کسی پر نکیر نہیں کرنی چاہیے۔ تاہم ان دونوں میں احوط یہ ہے کہ لما فی بحر المحیط: والجمہور علی انه مات (ج ۶ ص ۱۲۷) اور جن بزرگوں کے ساتھ ان کی ملاقات ثابت ہے تو اس کے بارے میں قاضی شہداء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں :-

عن المجدد الف ثانی: فانہ حین سُئل عن حیوۃ الخضر علیہ السلام ووفاتہ توجہ الی اللہ سبحانہ مستعلماً من جنابہ عن ہذا الامر فرأی الخضر علیہ السلام حاضراً عنده فسأله عن حاله فقال أنا وایاس لسننا من الاحیاء لکن اللہ سبحانہ اعطی روحنا قوۃ نتجسد بہا ونفعل بہا افعال الاحیاء من ارشاد الضال واغاثۃ الملهوف اذا شاء اللہ وتعلم العلم اللدنی۔ (تفسیر المظہری ج ۶ ص ۶۲ سورۃ الکہف)۔

امام مہدیؑ کے آنے کے منکر کا حکم | سوال :- اگر کوئی شخص مہدی آخر الزمان کے بارے میں وارد شدہ احادیث کو موضوع اور من گھڑت کہے اور نزول مہدی سے صاف انکار کرے تو از روئے شریعت اس شخص کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- قیامت کے قریب امام مہدیؑ کا آنا صحیح احادیث اور اجماع امت سے ثابت شدہ مسئلہ ہے اس سے انکار کرنا صحیح احادیث اور اجماع سے انکار کرنے کے مترادف ہے جبکہ احادیث سے انکار کفر ہے۔

عن ابی سعید: قال ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاءٌ یصیب ہذہ الامۃ

لہ قال العلامة البغوی رحمہ اللہ: اختلف الناس فی ان الخضر حی ام میت قیل ان الخضر والیاس حیان يلتقيان كل سنة بالموسم كان سبب حیاته فیما یحکی بہ ان شرک من عین الحیوۃ۔ الخ

(تفسیر المظہری ج ۶ ص ۶۱ سورۃ الکہف)

حتى لا يجد الرجل ملجأً يلجأُ اليه من الظلم فيبعث الله رجلاً من عترتي اهل بيتي
 فيملأ به الارض قسطاً وعدلاً كما ملئت ظلماً وجوراً يرضى عنه ساكن الارض۔
 رواه الحاكم وقال صحيح وهو ابو عبد الله محمد بن عبد الله النيسابوري امام الحديث
 في وقته۔ (مشکوٰۃ باب اشرط الساعة ص ۴۲ الفصل الثاني)

اس روایت سے امام مہدی کی پوری تفصیل واضح ہوتی ہے جبکہ اس کے علاوہ دیگر کتب
 احادیث میں بھی متعدد صحیح روایات موجود ہیں، تو اتنی صحیح روایات کے انکار کا کیا جواز ہے
 اور زبان کی ایک جنبش سے صحیح احادیث کے ایک مکمل باب سے انکار کیا معنی رکھتا ہے؟
 تاہم جو شخص مہدی آخر الزمان کا انکار کرتا ہے تو دراصل وہ احادیث نبوی کا انکار کرتا ہے اور
 اس پر وہی حکم لگایا جائے گا جو ایک منکر حدیث پر لگایا جاتا ہے۔

قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ، وفي المحيط من قال لفقیه یدکر شیئاً
 من العلم او یروی حدیثاً صحیحاً ای ثابتاً لا موضوعاً هذا یس بشیء کفر۔

(شرح الفقہ الاکبر ص ۷۵۷ فصل فی العلم والعلماء)

کرامت کی حقیقت | سوال :- جناب مفتی صاحب اکرامت کی حقیقت کیا ہے ؟
 الجواب :- کسی تابع شریعت نیک شخص سے ایسے خارق عادت کام
 کا صادر ہونا جس سے عام لوگ عاجز ہوں شریعت کی روشنی میں ”کرامت“ کہلاتا ہے، تاہم
 منصب ولایت کے لیے کرامت کا ظہور لازم نہیں اور نہ یہ کوئی کمال کے
 نشان ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : فالحاصل ان الامر الخارق
 للعادة بالنسبة الى النبی معجزة..... وبالنسبة الى الولی کرامة لخلوة عن

لما قال العلامة التفتازانی : وقد وردت الاحادیث الصحیحة فی ظہور امام من
 ولد فاطمة الزهراء۔ (مشرح المقاصد ج ۲ ص ۳۰۷)

قال العلامة ملا علی القاری : واما ظہور المہدی فی آخر الزمان وانه یملاء
 الارض قسطاً وعدلاً كما ملئت ظلماً وجوراً وانه من عترته من ولد فاطمة رضی اللہ
 عنها ثابت۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۴۷ مسئلہ نصب الامام)

دعوی النبوة - رد المحتار ج ۳ ص ۵۵ فصل فی ثبوت النسب - مطلب ثبوت کرامات الاولیاء

کرامات اولیاء کا حکم | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام و راہیں مسئلہ کہ کرامات اولیاء شرعاً ثابت ہیں یا نہیں؟ اور اس کے منکر کا کیا حکم ہے؟

الجواب ۱- اللہ تعالیٰ کے نیک اور قبیح الشریعت بندوں سے مختلف زمانوں میں بے شمار کرامات کا ظہور ہوا ہے۔ صحابہ کرامؓ، تابعینؓ وغیرہم کی جیات طیبہ اور بعد مائہم میں کثرت سے ایسے مستند واقعات پائے جاتے ہیں جن کو دیکھ کر انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی جو لوگ کرامات اولیاء کو نہیں مانتے اور ان کی حقیقت سے انکار کرتے ہیں وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں اور معتزلہ کے گروہ میں داخل ہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: وعبارۃ النسب فی عقائدہ وکرامات الاولیاء حق منتظر الکرامة علی طریق نقض العادة للولی من قطع المسافة البعيدة فی المدة القليلة..... ولا یس بالمعجزة جواب عن قول المعتزلة المنکرین لکرامات الاولیاء - (رد المحتار ج ۳ ص ۵۵ فصل فی ثبوت النسب مطلب فی ثبوت کرامات الاولیاء) لہ

قرآن کریم کو مخلوق کہنا کفر ہے | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص قرآن کریم کو حادث اور مخلوق کہتا ہے جبکہ دوسرا شخص قرآن کریم کو قدیم کہتا ہے اور مخلوق ہونے کا انکار کرتا ہے۔ ان دونوں میں

لہ قال الشیخ ابن العز الحنفیؒ: فالمعجزة فی اللغة نعم کل خارق للعادة وكذلك الکرامة فی عرف ائمة المتقدمین ولكن کثیر من المتأخرین یفرقون فی اللفظ بینہما فجعلوا المعجزة للنبی والکرامة للولی - (شرح العقیدۃ الطحاویة ص ۵۵۸ فی قوله: وثؤمن بما جاء من کراماتہم وصح عن الثقات من روایاتہم)

وَمِثْلُهُ فی النبراس ص ۲۷۲ فی بحث علی المعجزات واقسام الخوارق سبعة - لہ قال العلامة ملا علی القاریؒ: والکرامات للاولیاء حق ای ثابت بالکتاب والسنة ولا عبرة بمخالفة المعتزلة واهل البدعة فی انکار الکرامة - (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۱۳ بحث فی ان الخوارق العادات للانبیاء والکرامات للاولیاء حق) وَمِثْلُهُ فی النبراس ص ۲۹۵ کرامات الاولیاء -

کس کا قول درست ہے ؟

الجواب :- قائل ثانی کا قول اسلامی عقیدہ کے موافق ہے اور قائل اول کا قول شریعت اسلامی اور عقیدہ اہل سنت و الجماعت کے مخالف ہے، معتزلہ خلق و حدوث کلام کے قائل ہیں، اہلسنت و الجماعت حدوث اور خلق قرآن کے قائل کو کافر اور معتقد کو مرتد سمجھتے ہیں۔ ان دونوں فرقوں کے مابہ النزاع کلام نفسی اور کلام لفظی ہے، اور یہ ایک طویل الذیل مسئلہ ہے جو علم کلام کے معرکہ الاراد مسائل میں سے ہے اور نزاع لفظی کے مترادف ہے۔

قال العلامة ملا علی القاری : ان لا نزاع فی هذه القضية اذ لا خلاف لاهل السنة فی حدوث کلام اللفظی ولا نزاع للمعتزلة فی قدم کلام النفسی۔
(شرح الفقہ الاکبر ص ۲۹ القرآن کلام اللہ)

کلام لفظی کے حدوث کے قائل ہیں مگر بدرجہ قرآن نہ بدرجہ مقروہ، مقروہ قدیم، قرآن باحداث کلمات و حروف حادث ہیں، مگر یہ نزاع علمی بحث ہے جس کے ساتھ عوامی عقیدہ کا تعلق نہیں بلکہ عوام کے لیے فقہاء نے جو راستہ بتلایا ہے وہ یہ ہے کہ عوام مخلوق اور حادث کا اطلاق نہ کریں کیونکہ موجودہ کلام لفظی اس مدلول نفسی کا اطلاق ہے اور احکام شرعیہ کا مظہر اور مدار یہی الفاظ ہیں، اگر اس پر مخلوق اور حادث کا اطلاق کیا جائے تو اس کے مدلول کی طرف افغناء کا احتمال ہے اس لیے منع کیا گیا ہے اور مخلوق کے اطلاق کو کفر کہا گیا ہے۔

كما ذكر مؤلفنا على القاري في عدة مواضع : والقرآن كلام الله تعالى في المصاحف مكتوب وفي القلوب محفوظ وعلى اللسان مقروء اي بحروفه الملفوظة المسموعة وهذا من قولهم المقروء قديم والقرآن حادثۃ۔ وعلى النبي صلى الله عليه واله وسلم منزل — غير مخلوق۔ وقال فخر الاسلام قد صرح عن ابي يوسف انه قال تاهلرت ابا حنيفة في مسألة خلق القرآن فاتفق رأي ورأيه وعلى ان من قال بخلق القرآن فهو كافر وصح هذا القول ايضا عن محمد رحمه الله (ص ۲۶) وما ذكره الله تعالى في القرآن عن موسى وغيره من الانبياء عليهم السلام اي اخباراً منهم او حكاية عنهم وعن فرعون وابليس ونحوها فان ذلك كله كلام الله اخباراً عنهم قد كتبت الكلمات الدالة عليه في اللوح المحفوظ قبل خلق السماء والارض والروح لا بكلام حادث حصل بعد علم حادث عند سمع من موسى وعيسى وغيرهما

من الانبياء عليهم السلام ومن فرعون وابليس وهامان وقارون وسائر الاعداء
فاذن لا فرق بين اخبار الله تعالى عن اخبارهم واحوالهم واسرارهم كسورة تبت واية
القتال الخ (ص ۲۸) ومع هذا لا يجوز لاحد ان يقول القرآن اللفظي مخلوق لما فيه
الابهام المؤدى الى الكفر — فاذا ذكر مطلقاً يحمل على الصفة الازلية (ص ۲۹)
فلا يجوز ان يقال القرآن مخلوق على الاطلاق — وبالمجمل اهل السنة كلهم
من اهل المذاهب الاربعة وغيرهم من السلف والخلف متفقون على ان القرآن
غير مخلوق۔ (ص ۳۵) — (شرح الفقه الاكبر ص ۲۸ تا ۳۰ القرآن كلام الله)

انبیاء کرامؑ کو فواحش کی طرف منسوب کرنے سے ایمان نازل ہو جاتا ہے | سوال: ایک شخص جو ذیل

کے واقعہ کے سچ ہونے کا عقیدہ رکھے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت پر فریقہ ہو گئے تھے
اور ایک بار اس سے اس کے نفس کا مطالبہ بھی کیا تھا جس پر وہ عورت بہت برہم ہوئی، تو اس
واقعہ کے سچ ہونے کا عقیدہ رکھنے والے کا ایمان سلامت رہ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: عصمت انبیاء ایمان کا بنیادی اور انتہائی اہم مسئلہ ہے، بحیثیت مسلمان
ہمارا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام قبل از نبوت اور بعد از نبوت تمام ناشائستہ امور سے محفوظ و
مأمون ہیں۔

لما قال العلامة ملا علی القاری: (الانبياء معصومون قبل النبوة وبعد ها عن كبائر
الذنوب وصغائرها ولوسهوا على ما هو الحق عند المحققين۔ (مرقاۃ ج ۱ باب کبائر الفضل الاول) ص ۱۲۴
یاد رہے کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف ایسی فواحش کی نسبت کرنے سے اور خصوصاً
امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسے واقعات کی نسبت کرنے سے ایمان کب سلامت
رہ سکتا ہے۔

پشتوزبان میں حضورؐ نور پر ”کینہ“ کا اطلاق موجب کفر نہیں | سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی توافع کو سراہتے ہوئے

لہ وفي الهندية: سئل عن ينسب الى الانبياء الفواحش كعزمهم على الزنا ونحوه قال يكفر لانه شتم لهم
استخفاف بهم۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۶۳ الباب التاسع في احكام المرتد)

اگر کوئی پشتوزبان میں آپ کو "کینہ" کی طرف نسبت کرے تو از روئے شریعت اس کا کیا حکم ہے؟
الجواب: پشتوزبان کے محاورے کے مطابق "کینہ" کا لفظ متواضع اور منکسر المزاج شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے لہذا اس کا قائل گنہگار نہیں ہے اور قائل نے خود بھی اس کو مقامِ مدح میں استعمال کیا ہے تو دوسرے احتمالات خود بخود ختم ہو کر اس کی مراد متعین ہوئی ہے لہذا اس کے کہنے پر وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوا ہے چونکہ اس لفظ کا استعمال دوسری زبانوں میں بائیں قوانین ہے اس لئے اس لفظ کے استعمال کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

سوال: انبیاء علیہم السلام کے افعال و اقوال کو مجنونانہ کہنے والا کافر ہے؟
الجواب: انبیاء علیہم السلام کے افعال و اقوال کو مجنونانہ

کہنے والا از روئے شریعت دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے یا نہیں؟
الجواب: قرآن مجید سے صراحتاً ثابت ہے کہ کفار ہی انبیاء علیہم السلام کی طرف ایسی نسبتیں کیا کرتے تھے، درج ذیل قرآنی آیات ملاحظہ ہوں:-

(۱) وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيَقُولُنَّكَ يَا بَصِيرُ هُمْ لَتَأْسِمُنَا وَالدِّكْرُ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ (سورة القلم آیت ۵)

(۲) كَذَبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدَجَرُوا (سورة القمر آیت ۹)

(۳) افترى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ بِهِ جِنَّه - (سورة السبا آیت ۷)

فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ انبیاء کرام پر جنون کا اثر نہیں ہو سکتا اس لئے اس کے قائل کو انہوں نے کافر قرار دیا ہے۔

قال العلامة ابن البرزازی الكردي الحنفی: ولوقال جن النبی ذکر فی نوادر الاصول انه کفر - (فتاویٰ البرزازیہ علی هامش السہندیہ ج ۶ ص ۵۷۴ الشافعی ما يتعلق الانبیاء)

جب کسی کے افعال و اقوال کو "مجنونانہ" کہنا اس کی ذات کو مجنون کہنے کے مترادف ہے تو انبیاء علیہم السلام کے افعال و اقوال کو یہ نسبت کرنا مذکورہ حکم کے ضمن میں داخل ہے۔

سوال: اگر کوئی عورت اللہ تعالیٰ کے لیے زوجیت اور ولایت کا عقیدہ رکھنا کفر ہے؟
الجواب: اگر کوئی عورت

لہ قال العلامة ابن نجیم: ویکنی بقولہ جن النبی ساعۃ - (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۱ باب المرتد)

شاید حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، تو اس عورت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اللہ تعالیٰ کی ذات زوجیت اور ولدیت سے پاک اور منزہ ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے نہ تو زوجہ ہے نہ بیٹا، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے لیے زوجیت اور ولدیت ثابت کرنا یا اس میں شک کرنا موجب کفر ہے۔

وقال الله تعالى: قل هو الله احد - الله الصمد - لم يلد ولم يولد - (سورة الاخلاص ۳ تا ۵)
وقال ايضا: تكاد السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًا أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا أَوْ مَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا -
(سورة مريم آیت ۹۱، ۹۲)

تاہم اگر کسی کی زبان سے نادانستہ طور پر ایسا کلمہ نکل جائے تو موجب کفر نہیں اس لیے بہت وجہ سے ایسا کلمہ زبان سے نکالنا اکثر علماء کے ہاں عذر نہیں۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصارى: من اتى بلفظة الكفر مع علمه انها لفظ الكفر عن اعتقاده فقد كفر ولو لم يقتعدوا لم يعلم انها لفظ الكفر ولكن اتى بها على اختيار فقد كفر عند عامة العلماء لا يعذر بالجھل وقال بعضهم الجاهل اذ تكلم بكفر ولم يدرك انه كفر لا يكون كفرا ويعذر بالجھل -----

وقال ايضا: وفي الاجتناس عن محمد بن من اراد ان يقول اكلت فقال كفرت انه لا يكفر - (الفتاوى التاتارخانية ج ۵ ص ۳۵۸، ۳۵۹ کتاب احكام المرتدين) لہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سمیع و بصیر ہونے کے عقیدہ کی وضاحت سوال: جو شخص آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سمیع و بصیر ہونے کا عقیدہ رکھے اس کا کیا حکم ہے؟
الجواب: سمیع اور بصیر دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، اگر سمیع و بصیر حضور انور کی

لہ وقال العلامة ابن نجيم المصرى رحمه الله: فيكفر اذا وصف الله تعالى بما لا يليق به او سخر باسم من اسماءه ----- او جعل له ولدا او زوجة ... الخ
(البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲ کتاب احكام المرتدين)
ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۳۲ ص ۳۸۳ کتاب الفاظ الكفر - الفصل الثاني -

ذاتِ اقدس میں اس معنی پر لیے جائیں کہ آدمی خواہ کتنا ہی دور ہو جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتا ہے تو حضور اس کی پکار کو سنتے اور اس کو دیکھتے ہیں اور اس کی امداد کو پہنچ جاتے ہیں، تو ایسے عقیدہ کے شرک ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ بایں معنی اسمیع و بصیر صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ہر جگہ دیکھتا ہے اور ہر کسی کی آواز ہر جگہ سنتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب کوئی دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے تو خدا کے حکم سے فرشتے اس درود کو مجھ تک پہنچا دیتے ہیں اور جب کوئی قریب سے (روضہ اطہر پر آکر) مجھ پر درود پڑھتا ہے تو میں خود سنتا ہوں۔

ماوردی الحدیث: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائياً بلغته۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۷ باب الدعاء بالشہد)

معراج النبی سے متعلق ایک بے بنیاد واقعہ کی حقیقت | سوال :- بعض تواریخ میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی تفصیل بیان فرما رہے تھے کہ وہاں بیٹھے ایک یہودی نے اس واقعہ کی تکذیب کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھ کر بازار میں آیا اور ایک بڑی سی مچھلی خرید کر اپنی بیوی کو دی اور کہا کہ جلدی سے اس کے کباب بناؤ میں غسل کر کے آتا ہوں، جب وہ غسل سے فارغ ہوا تو اپنے آپ کو جو ان عورت کی شکل میں پایا، اسی طرح اس نے سات سال گزارے اور اس سے بچے بھی پیدا ہوئے، سات سال کے بعد اس کی جنس پھر بدلی تو اپنے گھر آیا، کیا دیکھتا ہے کہ بیوی ابھی تک مچھلی صاف کر رہی ہے، تب اس نے ایمان لایا۔ کیا اس واقعہ کے بیان کرنے سے معراج النبی پر روشنی پڑ سکتی ہے؟ اور اس ضمن میں یہ واقعہ بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- سلسلہ معراج مذکورہ واقعہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے، واقعہ معراج کے اثبات کے لیے قرآن اور صحیح احادیث ہمارے لیے کافی ہیں، اس کا ثبوت غلط اور بے بنیاد حکایات سے درست نہیں اور اس کی صحت کا عقیدہ عقلاً و نقلاً قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

۱۔ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ملکة سیا حین یبلغون امتی السلام۔ (مشکوٰۃ ص ۸۶ کتاب الصلوٰۃ)
وقال العلامة ملا علی القادی: هو مخصوص بمن بعد عن حضر مرقد المنور۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۰)

واقعہ مذکورہ کسی معتبر کتاب میں نظر سے نہیں گذرا، البتہ جہانگیر بکڈپو لاہور والوں نے ”قصص الانبیاء“ کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جس کے نامعلوم مؤلف نے اس واقعہ کے علاوہ اور بھی بہت سے رطب و یابس اکٹھے کئے ہیں، ایسی کتابوں کے مطالعہ سے عوام کا عقیدہ ٹھیک نہیں رہ سکتا اس لیے ان کے مطالعہ سے اجتناب کرنا چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صیغہ خطاب سے درود بھیجنے کا حکم | سوال :- حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر خطاب کے صیغہ

سے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول درود بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب: حالت غیبت میں دور سے صیغہ خطاب کے ساتھ درود شریف اگر اس نیت سے پڑھا جاتا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں اور ”صلوٰۃ و سلام“ کو خود سنتے ہیں تو یہ ناجائز حرام ہے اور اگر نیت یہ ہو کہ صلوٰۃ و سلام فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تو پھر جائز ہے، البتہ ایسے مشتبہ الفاظ میں درود پڑھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

لما قال الشيخ رشيد احمد گنگوہی: جب انبیاء علیہم السلام کو علم غیب نہیں تو یا رسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا، اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں بسبب علم غیب کے تو یہ کفر ہے اور جو یہ عقیدہ رکھے تو کفر نہیں مگر کلمہ مشابہ کفر ہے، البتہ اگر اس کلمہ کو درود شریف کے ضمن میں کہے اور یہ عقیدہ رکھے کہ ملائکہ اس درود شریف کو آپ کے پیش عرض کرتے ہیں تو درست ہے۔ (تالیفات رشیدیہ ص ۷۲ کتاب الایمان والکفر) ۱۷

اگر میں نے فیصلہ کی خلاف ورزی کی تو قرآن کو جھوٹا سمجھوں گا۔ | سوال :- زید نے ایک فیصلہ کے بارے میں کہا: ”اگر میں اس فیصلہ کی خلاف ورزی کروں گا تو قرآن کو جھوٹا سمجھوں گا“ بعد میں زید اس فیصلہ سے منحرف ہو گیا، تو کیا

۱۷ قال الشيخ اشرف على التهانوى رحمه الله: بارادة استعانت واستغاثة يا باعتقاد حاضر و ناظر ہونے کے منہی معنی ہے اور بدون اس اعتقاد کے محض شوقاً واستلذاً اذ انا ذون فیہ ہے، چونکہ اشعار پڑھنے کی غرض محض اظہار شوق واستلذاً ہوتا ہے اس لیے نقل میں توسع کیا گیا لیکن اگر کسی جگہ اس کے خلاف دیکھا جائے گا منع کر دیا جائے گا۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۳۸۵ کتاب العقائد والکلام)

وَمِثْلُهُ فِي مَعَارِفِ الْقُرْآنِ ج ۷ ص ۲۲۲ سورة الاحزاب۔

زید اپنے قول کی وجہ سے کافر ٹھہرایا جاسکتا ہے یا نہیں؟
الجواب :- مذکورہ الفاظ موجب کفر نہیں ہیں، عام طور پر ان کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ
 قرآن کو جھوٹا نہیں سمجھ سکتا اس لیے یہ فیصلہ ضرور تسلیم کروں گا، اور کفر کا فتویٰ تب دیا جاتا ہے جس میں
 تاویل کی گنجائش نہ ہو، البتہ ان الفاظ سے یمن لازم ہو جاتی ہے اور یمن کا کفارہ ادا کر کے
 گناہ سے بچ سکتا ہے۔

لما فی الہندیۃ : ولو قال ان فعلت کذا فانابری من القرآن والقبلة
 والصلوة اوصوم رمضان فالکل یمین ہوا لمختار۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ - باب ۵۳ التا فی حکم الترتیب)

لا الہ الا اللہ ایوب خان رسول اللہ کا قائل کافر ہے | سوال: ایک شخص

کہ اگر صدر صاحب غلہ روک دیں اور لوگوں کو غلہ نہ ملے تو ہم لا الہ الا اللہ ایوب خان
 رسول اللہ کہیں گے، ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- کلمہ طیبہ میں ایوب خان رسول اللہ کے الفاظ اگر اعتقاد اور اس معنی سے کہے
 گئے ہوں کہ کسی وقت "ایوب خان" بھی "رسول اللہ" ہو سکتا ہے تو یہ کفر یہ عقیدہ ہے، کیونکہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کیلئے بھی نبوت و رسالت کا اعتقاد رکھنا کفر ہے۔
 اور اگر یہ اعتقاد کی وجہ سے نہ ہو بلکہ کسی پر بطور تعریف کہے گئے ہوں مثلاً قوم کی خوشامدی اور ذہنی
 غلامی پر طنز کے طور پر یہ کلمات کہے گئے ہوں کہ یہ قوم اب اس قدر ذہنی غلامی میں گرفتار ہے کہ
 اپنے حکمرانوں کو کسی وقت بھی خدا کا پیغمبر کہنے کو تیار ہو سکتی ہے، تو یہ کفر نہیں۔

صورت مسئلہ میں چونکہ ایوب خان رسول اللہ کہنے والے کے اعتقاد کا ہمیں پورا علم نہیں
 ہے اس لیے یقینی حکم اس پر نہیں لگایا جاسکتا۔

لہ قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ : وقال العینی وعندی ان المصحف یمین لاسیما
 فی زماننا وعند الثلاثة المصحف والقرآن وكلام اللہ یمین زاد احمد والنبی ایضاً
 ولو تبرأ من احدها فیمین اجماعاً۔ (الدر المختار علی ہاشم راجع ۵۲ کتاب الایمان، مطلب فی القرآن)
 ۲۷ قال العلامة ظفر احمد عثمانی : قال الموفق فی المغنی ومن ادعی النبوة اوصدق من ادعاه فقد ارتد
 لأن مسیلة لما ادعی النبوة فصدقه قومه صاروا بتألك مستدین۔

واعلام السنن ج ۱ ص ۶۳۶ من ادعی النبوة اوصدق من ادعاه۔

امام غزالیؒ کے کسی قول سے انکار کفر نہیں ہے | سوال :- جناب مفتی صاحب !

ابجمل دین اور دینی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے بعض لوگ علماء حق کی بے ادبی اور گستاخی کرتے ہیں اور جب کسی شرعی مسئلہ میں کسی ثقہ عالم دین کا حوالہ دیا جائے تو بلا خوف و خطر انکار کر دیا جاتا ہے، اسی طرح ہمارے گاؤں میں ایک صاحب نے امام غزالیؒ کے حوالہ سے ایک مسئلہ بیان کیا تو دو کے شخص نے اس سے انکار کر دیا۔ لہذا اگر کوئی شخص امام غزالیؒ کے کسی قول سے انکار کرے تو از روئے شریعت اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- اگر کسی عالم یا فقیہ کا قول قرآن و سنت سے متصادم نہ ہو تو اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ لہذا اگر استخفاف دین کی وجہ سے انکار کیا جائے تو پھر باعثِ زوال ہے، البتہ اگر یہ انکار استخفاف شریعت کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس عالم کے ساتھ ذاتی عناد اور بغض کی وجہ سے ہو تو پھر موجب فسق ہے کفر نہیں۔ واضح رہے کہ دوسرے مذاہب کے فقہ میں ان کی تقلید نہ کرنا اس حکم میں داخل نہیں ہے۔

قال فخر الدین الاوزجندی رحمہ اللہ : ولو قال انا لا اعمل بفتویٰ الفقہاء اولیس کما قال العلماء فانہ لا یعدو ولا یکفر۔ (فتاویٰ قاضیخان علی ہامش لہندیتہ ج ۳ کتاب الکراہیۃ)

اہل فترت کے بارے میں شرعی عقیدہ | سوال :- بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھ سو سال تک فترت کا زمانہ تھا جس میں کوئی نبی نہیں آیا، تو کیا زمانہ فترت میں جو لوگ گزرے ہیں ان کے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟ کیا وہ جنتی ہوں گے یا جہنمی؟

الجواب :- زمانہ فترت میں جو لوگ کسی رسول کی تعلیمات سے روشناس نہ ہوئے بلکہ صرف توحید باری تعالیٰ کے قائل گزرے ہوں تو جمہور علماء ان کے جنتی ہونے کے قائل ہیں، ہاں اگر کوئی بعثت نبویؐ سے پہلے کفر اور شرک کے عقیدے پر مر گئے ہوں تو ان کے مشرک اور جہنمی ہونے میں کوئی شک نہیں، البتہ اگر ان میں سے کسی کے عقیدے کا حال معلوم نہ ہو تو ان کے بارے میں توقف کرنا چاہیے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : فقد صرح النووی والفخر الدین الرازی بان من مات قبل البعثۃ مشرکاً فہو فی النار۔ وبخلاف من اہتدی منهم

بعقلہ کقیس بن ساعدہ و زید بن عمرو بن نفیل فلا خلاف فی نجاتہم۔
رد المحتار ج ۵ ص ۲۱۹ کتاب الخطر والاباحۃ) لہ

عبداللہ ابن ابی ابن سلول کے فتنی ہونے کا عقیدہ رکھنا | سوال :- کیا یہ درست

حالت ایمان پر امتحا؟ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیض اس کے کفن کے لیے
دی تھی اور اس کی مغفرت کی دعا بھی مانگی تھی جس سے اس کا مسلمان ہونا معلوم ہوتا ہے،
قرآن و حدیث سے اس بارے میں وضاحت مطلوب ہے؟

الجواب :- قرآن و حدیث کی تصریحات سے منافقین کا جہنم میں جانا ثابت
ہے۔ لما قال اللہ تعالیٰ: إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (سورة النساء ۱۴۵)
اور عبداللہ بن ابی کافر پرنا اور جہنمی ہونا روز روشن کی طرح عیاں ہے مفسرین قرآن
فرماتے ہیں کہ: إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَا تَوَّاهُمْ فَأَسَقُوا (سورة التوبة ۸۴)
یہ آیت عبداللہ ابن ابی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عبداللہ ابن ابی کے لیے مغفرت کی دعا مانگنا اور جنازہ پڑھنا،
تو اس واقعہ سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے لیے دعائے مغفرت سے صراحتاً منع نہیں
کیا گیا تھا، یہی وجہ ہے کہ جنازہ پڑھتے وقت جب حضرت عمرؓ نے مزاحمت کی تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: لَتَدْعُنِي يَا عُمَرُ إِنَّ اللَّهَ خَبَرَنِي فَأَخَذْتُ فَقَالَ
(رَأَيْتُمْ لَهُمْ أَوْلَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ) (التوبة ۸۴) فواللہ لو اعلم یا عمرؓ انی لو زدت علی
سبعین مرة ان یغفر له لزدت۔ ثم مشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معہ وقفا علی قبرہ
حتی دفن ثم یلبث اقلیلاً حتی انزل اللہ (وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ
اَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہ) (التوبة ۸۴) فواللہ ما صلی اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی اَحَدٍ
من المنافقین۔ الخ (احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۳۵۱ سورة التوبة)

لہ قال الشیخ عبدالوہاب الشعرانی: ایاک ان تحکم علی اهل الفتريات (ای بین نوح وادریس
وبین عیسیٰ و محمد) کلہم بحکم واحد۔ (الیواقیت ج ۲ ص ۵۲)
وَمِثْلُهُ فِي اَمَدَادِ الْفَتَاوٰی ج ۵ ص ۳۸۸ کتاب العقائد والکلام۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو کفن کے لیے اپنی قمیض عطا فرمانے کی چند وجوہات ہیں:-
 قال الشيخ الرازي رحمه الله: اما دفع القميص اليه فذكر وافيها وجوها الا اول ان العباس
 عظم رسول لما اخذ اسيراً بعد ما لم يجد والاه قميصاً وكان رجلاً طويلاً
 فكساه عبد الله قميصه — ان الله تعالى امره ان لا يرد سائلاً بقوله واما السائل
 فلا تنهر فلما طلب القميص منه دفعه اليه لهذا المعنى — وان ابنه عبد الله
 بن عبد الله بن ابي كان من الصالحين وان رسول الله اكرمته لمكان ابنه -

(التفسير الكبير ج ۱۶ ص ۱۵۳ سورة يوسف) لہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے انکار کفر نہیں | سوال: کسی معاملہ پر زید
 اور عمر کے درمیان تلخ کلامی

پیدا ہو گئی تو زید نے کہا کہ اگر اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بھی مجھ سے سفارش
 کریں تو میں ان کی بھی سفارش نہیں مانوں گا۔ شریعت مطہرہ کی رو سے زید اپنے اس قول کی
 وجہ سے کافر ہوا یا نہیں؟

الجواب:- اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس قسم کے الفاظ
 کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیے تاہم زید پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس کا
 کہا ہوا جملہ تفصیل طلب ہے۔ زید نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم
 ماننے سے انکار نہیں کیا ہے بلکہ ان کی سفارش ماننے سے انکار کیا ہے اور اللہ و رسول
 صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کے ساتھ جب حتمی حکم نہ ہو تو محض سفارش خود حتمی حکم نہیں ہے بلکہ
 اس لیے بعض اوقات صحابہ کرامؓ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش و مشورہ پر عمل نہیں
 کرتے تھے۔

ما ورد في الحديث: عن ابن عباسؓ قال كان زوج بريرة عبداً اسود يقال له مغيث

لہ قال العلامة ملا علی القاری: قال الخطابی هو منافق ظاهر النفاق وانزل في كفره ونفاقه
 ومن القرآن - (مرواة المفاتیح ج ۴ ص ۴۱۰ باب غسل الميت وتكفينه - الفصل الثالث)

لہ قال العلامة الكردي: وقعت بين الرجلين منازعة فقال لواحد رسول الله صلی اللہ
 علیہ وسلم ثم اتمر بما مره لا يكفر - (فتاویٰ البنزازیة علی هامش المہندیة ج ۶ ص ۳۴۵)

کافی انظر اليه يطوف خلفها في سلك المدينة يبكي ودموعه تسيل على خيتمه فقال
النبي للعباس: يا عباس! الا تعجب من حب مغيث بريرة ومن بغض بريرة مغيثا فقال
النبي لورا جعتيه فقالت يا رسول الله اُتامرني قال انما اشفع قالت لاحاجة لي فيه،
رواه البخاري - (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۹۵۵ باب المباشرة)

قال بدر الدين العيني: علمت ان امرء واجب الامتثال فلما عرض عليها ما
عرض استفصلت هل هو امر فيجب عليها امتثاله او مشورة -

(عمدة القاری ج ۹ ص ۳۲۲) لہ

بعض لوگوں پر عذاب قبر منکشف ہو سکتا ہے | سوال :- اکثر سننے میں آتا رہا ہے
کہ فلاں جگہ عذاب قبر کا مشاہدہ

کیا کیا، تو کیا از روئے شریعت دنیا میں عام لوگوں کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ عذاب قبر کا مشاہدہ
کر سکیں؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: "یسْمِعُ صَوْتَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ"
تو اس کے باوجود اس قسم کی روایات کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- دنیا میں عذاب قبر کا مشاہدہ لوگوں کے لیے ممکن اور واقع ہو چکا ہے،
خاص کر اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ بعض اوقات اہل قبور کے حالات سے آگاہ فرما دیتے ہیں۔

قال الشيخ عبد الوهاب الشعراني: قال الشيخ في الباب الثامن والسبعين وثلاثمائة
ان كل رزقه الله تعالى الامانة من الاولياء سمع عذاب القبر - (اليواقيت ج ۲ ص ۱۲۶) لہ
لیکن عذاب قبر منکشف ہونے کے لیے ولایت شرط نہیں ہے بلکہ بعض اوقات فاسق اور
فاجر بھی اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے، اور حدیث مبارک میں غیر الثقلین کی قید عادیہ ہے جبکہ
خلاف عادت ثقلین کا مشاہدہ کرنا بھی بعید نہیں۔

لہ قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ: وفيه ايماء الى عذرها في عدم
قبول الشفاعة، حيث قال الله تعالى: وَبَعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا
اصلاحًا - (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۴۴۴ باب المباشرة)

لہ قال ابن قیم: فوفية هذه النار في القبر كروية الملائكة والجن تقع احيانا لمن شاء الله ان
يريه ذلك - (كتاب الروح ص ۸۹ المسألة السابعة - فصل الامر الخامس)

جمعہ کے دن مرنے والے پر عذاب قبر نہ ہونے کا عقیدہ | سوال: کئی لوگوں سے سُننے میں آیا ہے کہ جو کوئی جمعہ کے

دن فوت ہو جائے تو اُسے عذاب قبر نہ ہوگا، تو کیا اگر جمعہ کے دن کوئی فاسق یا فاجر بھی فوت ہو جائے تو اُسے بھی عذاب قبر نہ ہوگا؟ ایسا عقیدہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حدیث مبارک میں ہے: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر

(ترمذی ج ۲ باب ما جاء في من يموت يوم الجمعة)

جمعہ کی عزت و تکریم کی وجہ سے جو کوئی بھی جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو فوت ہو جائے خواہ کتنا ہی عاصی ہو یا کوئی صالح مسلمان اور نیک ہو تو اس کو عذاب قبر کی ایک جھلک اور فقط ضغطہ قبر ہونے کے علاوہ باقی عذاب قبر سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے۔

ما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی: وفيه تجمع الامواح وتزار القبور ويا من المیت من عذاب القبر ومن مات فيه اوفى ليلته امن من عذاب القبر۔ (رد المختار علی صدر المختار ج ۱ ص ۱۵۲ باب الجمعة۔ مطلب ما اختص به يوم الجمعة)

جمعہ کی رات تک قبر کی حفاظت کرنے سے عذاب قبر نہیں ہوتا | سوال: کنزم کے حاشیہ باب الجمعة

پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے: ”وان مات في هذا اليوم اوفى ليلة الجمعة لا يكون عذاب القبر ساعة واحدة وان حفظه القبر الى ليلة الجمعة يقع العذاب ولا يعود الى يوم القيامة“ (غرائب) جمعہ کے دن فوت ہو جانے والے پر عذاب قبر اٹھ جاتا ہے، اگر جمعہ سے پہلے دفن ہو کر جمعہ کی رات تک اس کی قبر کی حفاظت جائے تب بھی عذاب قبر سے

الح قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: والمؤمن الميطع لا يعذب بل له ضغطة يجدهول ذلك وخوفه والعاصي يعذب ويضغط لكن ينقطع عنه العذاب يوم الجمعة وليلتها ثم لا يعود وان ما يومها ليلها قد يكون العذاب ساعة واحدة وضغطه القبر ثم ينقطع۔ (رد المختار علی الدر المختار ج ۲ ص ۱۶۵ باب الجمعة مطلب ما اختص به يوم الجمعة)

و مثله في شرح الفقه الاكبر ص ۱۰۲ ضغطة القبر وعذابه حق۔

محفوظ رہے گا۔ از روئے شریعت ”غرائب“ کی عبارت پر عقیدہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟
الجواب:- جو مومن جمعہ کی رات یا دن کی کسی ساعت میں فوت ہو جائے تو اس کے بارے میں احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ اس پر عذاب قبر نہیں ہوگا۔

ماوردی الحدیث: عن عبد الله ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما من مسلم يموت يوم الجمعة او ليلة الجمعة الا وقاه الله فتنة القبر رواه احمد - (مشکوٰۃ باب الجمعة ص ۱۲۱ ضغطة القبر وعذابه حق)
فقہاء اسلام نے بھی اپنی تصنیفات میں اسی طرح لکھا ہے: قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ: نعم ثبت في الجملة ان من مات يوم الجمعة او ليلة الجمعة يرفع العذاب عنه - (شرح الفقه الاکبر ص ۱۲۱ عذاب القبر حق)

رہا یہ کہ ”جو کوئی دوسرے دن یا رات میں انتقال کر جائے اور پھر جمعہ کی رات تک اس کی قبر کی حفاظت کی جائے تو یہ بھی عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔“ اس کے بارے میں نہ تو کوئی صحیح روایت اور نہ ہی کسی فقیہ کا قول ثابت ہے کہ حفاظت قبور کی وجہ سے قبر کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

باقی رہا کنز کے محشی ابوالکلام یا غرائب کا مسئلہ تو یہ قابل اعتماد اس لیے نہیں بن سکتا کہ ابوالکلام کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ یہ ایک رَجُلٌ مُجْهولٌ سے اور اس کی کتاب بھی غیر معتبر ہے۔
لما قال الشيخ عبدالحی: من الكتب الغير المعتبرة شارحو مختصر الوقاية للقهسائي المشهور بجامع الرموز وشرح الوقاية لابی المکارم - (مقدمة الرعاية ص ۱)
اسی طرح ”غرائب“ بھی غیر مشہور کتاب ہے جس کے مصنف کا حال بالکل نامعلوم ہے اس لیے اس کے مسائل بھی قابل اعتماد نہیں سمجھے جاتے ہیں۔

قال ابن عابدین: في تنقيح الفتاوى الحامدية في بحث كراهة لبس الثوب الأحمران في اثناء الرد على الشرنبلالی القائل بجواز المستندالی كلام أبي المكارم والقهسائي على ان الذي يجب على المقلد اتباع مذهب امامه - وانظاهران ما نقله هو لآء الایة هو مذهب الامام لا ما نقله ابوالکلام فانه رجل مجھول و کتابہ کذا لک والقهسائي نجار فسيل وطب خصوصاً واستنادہ الی کتب الزاهد المعترف الی انتہی (مقدمة الرعاية ص ۱)
لے قال السيد الحموی: نقلًا عن بعض رسائل مؤلف الاشباه لا تجوز الفتاوى من التصانيف الغير المشهورة - انتہی (مقدمة الرعاية ص ۱۱۱ فائدة الكتب الذي لا تجوز بها الفتوى)

عالم برزخ میں جسم و روح کو عذاب و ثواب ہوتا ہے | سوال :- بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ روح کو ہوگا اور بعض روح مع الجسم کا قول کرتے ہیں۔ تو جناب مفتی صاحب! عذاب قبر کے بارے میں جمہور علماء کی رائے کیلئے کیا یہ عذاب جسمانی ہے یا روحانی؟ نیز قرآن و حدیث سے اس کے کیا دلائل ہیں؟

الجواب :- جمہور علماء اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ برزخ میں جسم اور روح دونوں کی تعذیب یا تنعیم ہوگی۔

لما قال العلامة ملا علی القاری: واعلم ان اهل الحق اتفقوا على ان الله تعالى يخلق في الميت نوع حياة في القبر قد ما يتألم او يتلذذ۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۰۱ ضغطة القبر) اسی طرح قرآن و حدیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ قال الله تعالى: النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا۔ (ای فی البرزخ)۔ (سورة المؤمن آیت ۴۶)

زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تعودوا بالله من عذاب القبر۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵ باب اثبات عذاب القبر) | سوال :- جناب مفتی صاحب! **قبر میں نابالغ بچوں سے سوال و جواب کی وضاحت** | نابالغ فوت شدہ بچوں

سے قبر میں سوال و جواب ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- قبر میں نابالغ بچوں سے منکر نکیر کے سوال و جواب کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ قبر میں منکر نکیر کے سوال ہر ایک سے ہوں گے لیکن نابالغ بچوں کو ان کے سوالوں کے جواب کا منجانب اللہ ابہام ہوگا، بعض علماء فرماتے ہیں کہ کوئی سوال وغیرہ نہیں ہوں گے، اس لیے کہ نابالغ بچے غیر مکلف ہیں اور رائج یہی ہے۔ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: والاصح ان الانبياء لا يسألون

لما قال الشيخ ابو المعين: فيعذب اللحم متصلاً بالروح والروح متصلاً بالجسد يتألم الروح مع الجسد وان كان خارجاً عنه۔ (ابو المعين علی هامش شرح العقائد ص ۲۷ عذاب القبر) وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْفَقْهِ الْاَكْبَرِ ص ۱۲۹ الْبَاسُ مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ كَقَر۔

ولا اطفال المؤمنين - (رد المحتار ج ۲ ص ۱۹۲ في مطلب في التلقين بعد الموت) **سوال :-** اگر کسی فوت شدہ شخص
قبر یا برزخ عذاب و ثواب میں دونوں برابر ہیں | کو دفن نہ کیا جائے بلکہ اس کو جلا کر
راکھ کو ہوا میں اڑا دیا جائے یا دریا برد کر دیا جائے تو کیا اس کو بھی قبر کا عذاب و ثواب ہو گا
یا نہیں؟ نیز عذاب قبر اور عذاب برزخ میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب :- میت کو قبر میں عذاب و ثواب کا ہونا قرآن مجید اور احادیث سے صراحتاً
ثابت ہے۔ اور قبر اس جگہ کا نام ہے جہاں میت کے اجزاء پڑے ہوں خواہ حسی یعنی معروض
قبر میں ہوں یا نہ۔ مجملہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ میت کے اجزاء کو خواہ
ہوا میں اڑا دیا گیا ہو یا دریا برد کر دیا گیا ہو یا کوئی درندہ اس کو ہڑپ کر جائے تو بھی اس
کو عذاب و ثواب قبر کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ برزخ اور قبر دونوں
ایک ہی نام ہیں اور مرنے کے بعد تاقیامت زندگی کو برزخی زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
قال الحافظ ابن القيم: وما ينبغي ان يعلم ان عذاب القبر هو عذاب البرزخ

فكل من مات وهو مستحق العذاب ناله نصيبه منه قبر او لم يقبر فلو اكلته
السباع او احرق حتى صار رماداً وتسفت في الهواء او صلب او غرق في البحر وصل
الى روحه وبدنه من العذاب ما يصل الى القبور - (الروح ۵۵ المسألة السادسة)

سوال :- جناب مفتی صاحب! قبر کو سجدہ کرنے سے
قبر کو سجدہ کرنے کی اقسام کی تفصیل | آدمی صرف گنہگار ہوتا ہے یا کافر؟ برائے کرم اس

۱۔ قال العلامة ملا علی قاری: واستثنى من عموم سوال القبر الانبياء والاطفال
والشهداء - (شرح الفقه الاكبر ص ۱۰۱ سوال منكر ونكير في القبر حق)

ومثله في شرح العقيدة الطحاوية ص ۴۵ في تشریح وسؤال منكر ونكير في قبرم -

۲۔ قال العلامة فخر الدين الرازي: ان عرض النار عليهم غدواً وغشياً ما كان حاصلًا
في الدنيا فثبت ان هذا العرض انما حصل بعد الموت وقبل يوم القيامة ذلك
يدل على اثبات عذاب القبر في حق هؤلاء واذا ثبت في حقهم ثبت في حق غيرهم
لانه لا قائل بالفراق - (التفسير الكبير ج ۲ ص ۳۷ سورة المومن)

اس کی وضاحت فرمائیں ؟

الجواب :- قبر کے قریب سجدہ کرنا جبکہ درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور قبر کو سجدہ تعظیمی کرنا حرام ہے اور سجدہ عبادت کرنا شرک ہے اور بعض نے سجدہ تعظیمی کو بھی شرک قرار دیا ہے، لہذا کسی بھی قبر کو سجدہ کرنے سے پرہیز کیا جائے اور جو کہتے ہوں ان کو اس سے منع کیا جائے اور توبہ واستغفار کی تلقین کی جائے۔

لما قال فی الہندیۃ : من سجد للسلطان علی وجه التخیۃ او قبل الارض بیت یدیه لا یکفر ولكن یاثم لا یرتکابہ الکبیرۃ وهو المختار وقال ابو جعفر رحمہ اللہ وان سجد للسلطان بنیۃ العبادۃ اولم یحضرہ النیۃ فقد کفر کذا فی الجوہر الاخلاطی۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۶۸ اثبات الثامن والعشرون فی ملاقات الملوک)

غیر اللہ کی خوشنودی کے لیے جانور ذبح کرنا | سوال : کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ جو جانور کسی ولی یا

بادشاہ کی تعظیم یا خوشنودی کے لیے ذبح کیا جائے یا بایں نیت کہ بادشاہ کی نظروں میں مقبول ہو جاؤں اور وہ مجھے کوئی عہدہ دے دے یا موجودہ عہدہ پر برقرار رکھے تو اس مذبوہ جانور اور ذبح کرنے والے کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- جو جانور کسی ولی کی تعظیم و تکریم یا بادشاہ کی خوشنودی کے لیے ذبح کیا جائے یا اس نیت سے ذبح کرے کہ بادشاہ کے ہاں مقبول ہو جاؤں یا یہ کہ مجھے کوئی عہدہ دے دے یا اپنے عہدہ پر برقرار رکھے تو ان سب صورتوں میں مذبوہ جانور حرام اور مردار ہو جاتا ہے اگرچہ ذبح کرتے وقت ہزار مرتبہ اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو اور اکثر فقہاء کرام اس فعل کو موجب کفر بتاتے ہیں، البتہ بعض نے کفر قرار دینے میں احتیاط کا پہلو اختیار کیا ہے۔ بہر حال ایسا مذبوہ ما اھل لغیر اللہ، ما ذبح علی النصب

لہ قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ : وفي الخلاصة ومن سجد لہم اراد بہ التعظیم کتعظیم اللہ سبحانہ کفر وان اراد بہ التخیۃ اختار بعض العلماء انہ لا یکفر اقول ہذا هو الاظهر۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۹۳ فصل فی الکفر صریحاً وکناۃ) ومثله فی رد المحتار ج ۶ ص ۳۸۳ کتاب الکراہیۃ۔

اور لعن اللہ من ذبح لغير اللہ میں فقہاء، محدثین اور مفتیین کے نزدیک داخل ہے، تاہم اگر اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی نعمتوں کے شکریہ میں ذبح کر دیا یعنی اس نیت سے کہ نیک اور خیر خواہ بادشاہ کا ہم پر مقرر ہونا بہت بڑی نعمت ہے، محض اس نعمت کے شکریہ میں کوئی جانور ذبح کر دیا بادشاہ کی خوشنودی مقصود نہ تھی تو یہ صورت جائز ہے اور مذبح کا کھانا جائز اور حلال ہے، اور اگر بادشاہ وغیرہ کی دعوت پر ذبح کیا جائے تو بھی جائز اور حلال ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحسکفی: ذبح لقدم الامير ونحوه كواحد من العظام يحرم لانه اهل به لغير الله ولو وصليته ذكر اسم الله تعالى ولو ذبح للضيف لا يحرم لانه سنة الخليل واكرام الضيف اكرام الله تعالى والفارق ان قدم يأكل منه كان الذبح لله والمنفعة للضيف وللولىمة او للريح وان لم يقدمها لياكل منها بل يدفعها لغيره كان لتعظيم غير الله فتحرماً وهل هو يكفر؟ قولان بزازية شرح رهبانية قلت وفي صيد المنيعة انه يكره ولا يكفر لانه انظر بالمسلم انه يتقرب الى الآدمي بهذا التحرو ونحوه في شرح الوهبانية عن الذخيرة ونظمه فقال، وفاعله جمهورهم قال كافر۔ وفصلی واسماعیلی ليس يكفر۔

والدر المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۹۹ کتاب الذبائح

جانور قبروں پر لے جا کر ذبح کرنا سوال: بعض لوگ قبروں پر بکرے وغیرہ لے جاتے وہاں ذبح کرتے ہیں، شرعاً ایسے جانوروں کا

کیا حکم ہے؟

الجواب: کسی بزرگ یا ولی کے ایصالِ ثواب کے لیے کسی جانور کو ذبح کر کے اس کا گوشت غریب و مساکین میں تقسیم کرنا ایک جائز صورت ہے لیکن بکرا وغیرہ ان کے

لے قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: وفي التتمة رجل ذبح للضيف شاة فذكر اسم الله تعالى عليها فقال يحل اكله ولو ذبح لاجل قدم الامير او قدم واحد من العظام وذكر اسم الله تعالى يحرم اكله لانه ذبح لاجله تعظيماً له۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۶۸ کتاب الذبائح)

ومثله في البزازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۲۰ نوع من كتاب الصيد۔

ان کے مزارات پر لے جا کر ان کے نام پر ذبح کرنا حرام ہے اور اس سے ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے خواہ ذبح کرتے وقت کئی مرتبہ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ لیا ہو۔

لَمَّا قَالَ الْعَلَامَةُ ابْنِ نَجِيمٍ: ذَبَحَ لِقَدُومِ الْأَمِيرِ أَوْ لِوَاحِدٍ مِنَ الْعِظَمَاءِ يَحْرُمُ وَلَوْ ذَكَرَ اللَّهُ تَعَالَى۔ (الاستباه والنظام ج ۳ ص ۲۳ کتاب الصيد والذبايح) لہ

قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھانا اور چراغ روشن کرنا | سوال :- اولیاء اللہ کی قبروں کو چھونا گنج کرنا،

ان پر پھولوں کی چادریں چڑھانا اور غلاف ڈالنا، ان کے مزاروں کو چومنا اور ان پر چراغاں کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- یہ تمام افعال قبیحہ اور مفضی الی الشرک ہیں اس لیے کہ یہ امور بطور تعظیم کے کئے جاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے ماسوی کسی کی ایسی تعظیم کرنا ناجائز ہے، اور اس میں مال کا ضیاع بھی ہے اور بے فائدہ کاموں میں مال کو صرف کرنا شرعاً منع ہے، لہذا ایسے امور تشبیہ سے بچنا ضروری ہے اور سب کا م طریقہ محمدیہ (قرآن و حدیث) سے ثابت ہو اُسے اختیار کرنا چاہیے۔

لما ورد في الحديث: وعن جابرٍ قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يخصص القبر وان يبني عليه وان يقعد عليه۔ رواه مسلم۔ وقال ايضاً: عن ابي الهياج قال لي علي الا ابعثك على ما يبعثني عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تدع تمثالاً الا طمسته ولا قبراً مشرفاً الا سويته۔ رواه مسلم۔ (مشکوٰۃ ص ۱۲۸ باب في دفن الميت) قال العلامة عيني: قال الفقهاء الخراسانيون لا يمسح القبر ولا يقبله ولا يمسسه فان كل ذلك من عادة النصارى۔ (البنایۃ فی شرح الہدیۃ ج ۳ ص ۲۵۵ باب الجنازہ) لہ

لہ قال العلامة ابن نجيم المصري: وفي التتمۃ رجل ذبح للضيف شاة فذكر اسم الله تعالى عليها فقال يحل اكله ولو ذبح لاجل قدوم واحد من العظماء وذكر اسم الله تعالى يحرم اكله لانه ذبح لاجله تعظيماً لہ۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۶۸ کتاب الذبايح) ومثله في البنزاية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۰۲۔ لہ قال العلامة الحسكي: واعلم ان النذر الذي يقع للاموات من اكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم والشمع والذيت ونحوها الى صرائح الاولياء الكرام تقرباً اليهم فهو بالاجماع باطل حرام ما لم يقصد واصرفها لفقراء الانام وقد ابتلى الناس بذلك۔ (الدر المختار على صمد المحتار ج ۲ ص ۱۳۹ الصوم مطلق النذر الخ) ومثله في الهندية ج ۵ ص ۳۵۱ ابنا الساس شرقية يارة القبور۔

سوال: پیر و مرشد کو سجدہ کرنے کا حکم | جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقہ میں ایک پیر آتا ہے لوگ اس کی قدمبوسی کرتے ہیں اور اسے سجدہ بھی کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے متعلق شریعت مقدسہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: تمام امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنا جائز نہیں بلکہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا موجب کفر و شرک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں، لہذا کسی صورت میں بھی غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے البتہ قدم بوسی کو بعض علماء نے جائز لکھا ہے بشرطیکہ اس میں کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ ہو۔

قال العلامة الحصکفی: وکذا ما یفعلون من تقبیل الارض بین العلماء والعظام فحرام والفاعل والراضی بہ آثم لانہ یشبه عبادة الوثن وهل یکفران علی الوجه العبادة والتعظیم کفر وان علی وجه التحیة لا وصادراً ثماً مرتکباً للکبيرة۔

الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶^{۳۸۳} الکراہیۃ۔ باب الاستبراء^۱

سوال: بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اولیاء کرام کی قبروں کو بوسہ دیتے ہیں، تو کیا قبروں کو بوسہ دینا شرعاً جائز ہے؟

الجواب: قبر کو بطور تعظیم و تکریم بوسہ دینا کفر و ضلالت ہے اور بلا نیت تعظیم گناہ کبیرہ اور حرام ہے، اس لئے کہ یہ یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے لہذا اس سے اجتناب کیا جائے۔

قال العلامة الحصکفی: وکذا ما یفعلون من تقبیل الارض بین یدي العلماء والعظام فحرام والفاعل والراضی بہ آثم لانہ یشبه عبادة الوثن وهل یکفران کان علی وجه العبادة والتعظیم کفر وان علی وجه التحیة لا۔ وصادراً ثماً مرتکباً للکبيرة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶^{۳۸۳} الکراہیۃ۔ باب الاستبراء^۲

لہ قال العلامة ملا علی القاری: وفي الخلاصة ومن سجد لهم ان اراد به التعظیم کتعظیم الله سبحاً کفر وان اراد به التحیة اختار بعض العلماء انه لا یکفر اقول هذا هو الاظهر۔ (شرح الفقه الاکبر ص ۲۹۲ فصل

في الکفر صریحاً وکنایۃ)۔ ومثله فی الہندیۃ ج ۵^{۳۶۸} البنا الثامن والعشرون فی ملاقات الملوك۔ لہ قال العلامة ملا علی القاری: وفي الخلاصة ومن سجد لهم ان اراد به التعظیم کتعظیم الله سبحاً کفر وان اراد به التحیة

اختار بعض العلماء انه لا یکفر اقول وهذا هو الاظهر۔۔۔ واما تقبیل الارض فهو قریب من السجود۔ (شرح الفقه الاکبر ص ۲۹۲ فصل في الکفر صریحاً وکنایۃ)۔ ومثله فی الہندیۃ ج ۵^{۳۶۸} البنا الثامن والعشرون فی ملاقات الملوك۔

سوال :- کسی بزرگ کی قبر کی مٹی یا پتھر وغیرہ بدن پر ملنا
 کیا حکم ہے ؟

الجواب :- کسی بزرگ کی قبر کا مسح کرنا، پھونکا، بوسہ لینا یا اس کی مٹی اور پتھر وغیرہ کو بدن پر ملنا یہ سب امور ناجائز اور بدعاتِ قبیحہ ہیں، اسی طرح قبر کا طواف کرنا بھی حرام ہے اسلئے کہ طواف عبادتِ جوہیت اللہ کے ساتھ خاص ہے، ان سب امور سے تمام مسلمانوں کو بچنا ضروری ہے، ایک مسلمان کو ایسے افعال بجالانا زیب نہیں دیتا۔

قال العلامة بدرالدين العيني: قال الفقهاء الحرام لا يمسح القبر ولا يقبله ولا يمسسه فان كل ذلك من عادة النصارى قال وما ذكره صحيح - وقال الزعفراني: لا يستلم القبر ولا يقبله قال وعلى هذا مضت السنة وما يفعله العوام الآن فهو من البدع المنكرة شرعاً - (البنایۃ شرح الہدایۃ ج ۳ ص ۵۲) فی آخرباب الجنائز

سوال :- اگر مددکن شاہ جیلانی، مددکن شاہ بغداد کے الفاظ سے شیخ عبدالقادر جیلانی کو پکارنا کوئی شخص

شیخ عبدالقادر جیلانی کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اگر آپ کو مصیبت کے وقت مندرجہ ذیل الفاظ سے پکارا جائے تو آپ پکارنے والے کی مدد کرتے اور اس کی مصیبت کو دور کرتے ہیں :-
 اغثنی وامددنی فی قضاء حاجتی یا قاضی الحاجات - یا شیخ عبدالقادر جیلانی۔

مددکن شاہ شہانی - مددکن شاہ جیلانی - مددکن شاہ بغداد۔

اور یہ الفاظ خود بھی بطور و طبقہ پڑھتا ہو اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتا ہو تو از روئے شرع ایسا عقیدہ رکھنے والے کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- اگر کوئی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کو اس نیت اور عقیدہ کے ساتھ پکارتا ہے کہ آپ ہماری پکار کو سنتے ہیں اور پکارنے پر پہنچکر مدد بھی کرتے ہیں تو یہ ایک

لہ فی الہندیۃ : ولا یمسح القبر ولا یقبلہ فان ذلك من عادة النصارى -

الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۵ الباب السادس عشر فی زیارة القبور - الخ

مشرک نہ عقیدہ ہے اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور اس میں اس کا کوئی ہمسر و شریک نہیں ہے۔

لما قال العلامة الكردي رحمه الله : من قال ان ارواح المشائخ حاضرة تعلم يكفر۔ (فتاوى بزازية على هامش الهندية مج ۶^{۳۲۶} الفصل الثاني فيما يتعلق باللہ تعالیٰ)
فوت شدہ بزرگوں کو حاضر و ناظر سمجھنا | سوال :- ایک شخص کہتا ہے کہ اولیاء اللہ وفات کے بعد بھی حاضر و ناظر ہیں اور مشکلات

میں ان کو مدد کے لیے پکارنا صحیح ہے، اس کے خلاف ایک دوسرا شخص ان صفات کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کرنے کا قائل ہے، شرعاً کس کی بات درست ہے؟

الجواب :- مشکل کشا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وہ فَقَالَ لَمَّا يُرِيدُ ہے، اس کو ہر چیز پر قدرت کاملہ حاصل ہے، قرآن پاک اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے کہ ان صفات میں کوئی نبی کوئی ولی اللہ تعالیٰ کا سا بھی اور شریک نہیں ہے، البتہ انبیاء اور اولیاء کے وسیلہ سے دعا کرنا جائز ہے، قرآن پاک میں ہے کہ: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ“ (سورة المائدة آیت ۳۵) ”باقی غیر اللہ کو بہ اس معنی پکارنا کہ سب کچھ اس کے اختیار میں ہے شرک جلی ہے جو دائمی جہنم کا ذریعہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ“ (سورة المائدة آیت ۴) وقال الله تعالى: وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (سورة الاحقاف آیت ۲۵) ۲

۱۔ قال العلامة عبدالحی اللکھنوی رحمہ اللہ : جواب اوکا فرست فی البرازية من قال ارواح المشائخ حاضرون يعلمون يكفر۔

(مجموعۃ الفتاوى فارسی ج ۳ ص ۵۵ باب العقائد)

۲۔ وقال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله : ومنها ان ظن ان الميت يتصرف في الامور دون الله اعتقاده ذلك كفر۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۹۸ فصل عقد لبيان ما يوجب العبد على نفسه بعد ما ذكر ما اوجبه الله تعالى عليه) ومثله في البرازية على هامش الهندية مج ۶^{۳۲۶} الفصل الثاني فيما يتعلق باللہ۔

اولیاء کرام کو متصرف فی الامور سمجھنا موجب کفر و شرک ہے | سوال :- اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اولیاء اللہ ہم پر بارشیں برساتے ہیں اور بارشوں کا بند ہو جانا ان کی ناراضگی کی دلیل ہے، وہ مصائب و مشکلات میں ہماری مدد کرتے ہیں، یعنی تمام امور میں ان کو متصرف سمجھتا ہو تو ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- اولیاء کرام اگرچہ اللہ تعالیٰ کے مقربین اور محبوب ترین بندے ہوتے ہیں مگر ان کو خدا کا درجہ دینا اور متصرف فی الامور سمجھنا موجب کفر و شرک ہے۔ بارشیں برسانا، لوگوں کو نفع و نقصان پہنچانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے غیر اللہ کو اس میں شریک کرنا شرک جلی ہے، اسلئے اس قسم کے عقیدہ سے اعتنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصري : ومنها ان ظن ان المیت يتصرف في الامور دون الله اعتقاده ذلك كفر۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۹۸ فصل عقد لبيان ما يوجب العبد على نفسه بعد ما ذكر ما اوجبه الله تعالى عليه)۔

غیر اللہ کے متعلق يعلم ما فی الصدور کا عقیدہ رکھنا | سوال :- اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی نبی یا ولی کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ دلوں کے راز جانتے ہیں، اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- دلوں کے راز اور بھید جاننے والی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ وہ کسی انسان کے مافی الضمیر پر بغیر کسی اخبار کے باخبر ہو سکے، غیر اللہ کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔

قال الله تعالى : قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ۔ (سورة النمل آیت ۶۵)

قال الله تعالى : وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُخْبِرْكُمْ بِهِ اللَّهُ۔ (سورة البقرة آیت ۲۸۲)

بلکہ فقہاء کرام نے غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے اور متصرف فی الامور سمجھنے والے کو

لے قال الله تعالى : قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سْتَكْبَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔ (سورة الاعراف)

وقال الله تعالى : قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا فَرْجًا۔ (سورة الحج)

کافر تک کہا ہے۔

لما فی الہندیۃ : رجل تزوج امرأة ولم یحضرہ الشہود قال خدائے را و رسول را گواہ
کردم، قال خدائے را و فرشتگان را گواہ کردم کفر۔ (فتاویٰ الہندیۃ ج ۲۶۶ باب التاسع فی احکام المرتدین) ^۱
مصاب و مشکلات میں غیر اللہ کو پکارنا | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ
کہ کسی مشکل یا مصیبت میں غیر اللہ کو پکارنا

جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مصاب و مشکلات میں غیر اللہ سے استمداد اور اعانت ناجائز اور حرام
ہے، اور ایسا عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی فوت شدہ نبی یا ولی دنیا میں بندوں کے
امور میں مداخلت اور تصرف کر سکتے ہیں اور لوگوں کی مشکلات حل کرتے ہیں، یہ عقیدہ رکھنا
کفر ہے یعنی مافوق الاسباب بغیر کسی سبب کے سہارا لینے کے شریعت نے اللہ تعالیٰ سے
استعانت و استمداد کا حکم دیا ہے۔

كما قال الله تعالى : وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ
فَأِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظَّالِمِينَ (سورة یونس آیت ۱۰۶)

سوال :- یا شیخ
عبد القادر جیلانی کا وظیفہ پڑھنا شرک ہے

^۱ لے قال العلامة قاضی خان : رجل تزوج امرأة بغير شہود فقال الرجل والمرأة خدائے را
او پیغامبر مرا گواہ کردیم قالوا یكون کفرًا لانه اعتقد ان رسول الله صلى الله
عليه وسلم يعلم الغیب حين كان في الاحیاء فكيف بعد الموت۔

(فتاویٰ قاضی خان علی هامش الہندیۃ ج ۳۵۶ باب ما یكون اسلامًا من کافرو ما لا یكون)
ومثله فی البزازیۃ علی هامش الہندیۃ ج ۳۲۶ الشانی فیما یتعلق باللہ۔
^۲ لے وقال الله تعالى ايضا : وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى
يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (سورة الاحقاف آیت ۲۵)

لما ورد فی الحدیث : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سألته فاسأل الله واذا
استعنت فاستعن بالله۔ (مشکوٰۃ ص ۲۳۵ باب الصبر والتوکل)

شیئاً باللہ کا وظیفہ پڑھنا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً باللہ کا وظیفہ اس عقیدے کے ساتھ پڑھنا
 کہ آپ حاضر و ناظر ہیں اور ہماری اس ندا اور وظیفے کو سنتے ہیں صریح شرک ہے اور اس
 سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

قال العلامة الكردي: تزوج بلا شهود وقال رسول خداي در او فرشتگان
 را گواه كردم، يكفر لانه اعتقد ان الرسول والملك يعلمان الغيب۔
 (الفتاوى البزازية على هامش الهنديه ج ۳ ص ۳۲۵) اشافي فيما يتعلق باللہ، لہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا سمجھنا کفر ہے | سوال :- حضرت علی رضی اللہ عنہ کے
 بارے میں مشکل کشا ہونے کا عقیدہ

رکھنا شرعی نقطہ نظر سے جائز ہے کہ نہیں؟
الجواب :- اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق سے مافوق الاسباب افعال سرزد ہونے کا
 عقیدہ رکھنا شرک ہے کیونکہ اس صفت کے ساتھ مخلوق کے مصائب اور مشکلات دور کرنا
 اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، البتہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجازاً مشکل کشا کہا جائے تو اس
 سے شرک لازم نہیں آتا، تاہم عوام جو اس امتیاز کو پہچان نہیں سکتے اُن کو اس قسم کے
 عقائد رکھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

لما قال العلامة ابن نجيم: منها ان ظن ان الميت يتصرف في الامور
 دون الله اعتقاده ذلك كفر۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۹۸) فصل
 عقد لبيان ما يوجب العبد على الخ

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام ایسے شخص
 ڈاڑھی منڈانے کو جائز اور گناہ نہ سمجھنا | کے بارے میں جس کا یہ عقیدہ ہے کہ ڈاڑھی
 منڈانا جائز ہے اور اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، اور وہ زبان سے بھی اپنے اس عقیدہ کا اظہار

لما قال العلامة قاضينا: رجل تزوج امرأة بغير شهود فقال الرجل للمرأة خدائي را او پيغامبر اکريم قالوا ليون كفو
 لانه اعتقد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب حين كان في الاحياء فكيف بعد الموت۔
 (فتاوى قاضيان على هامش الهنديه ج ۳ ص ۵۴۹) باب ما يكون اسلامًا من الكفر ما لا يكون

کرتا ہے، از روئے شرع اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- دائرہی رکھنا شعائر اسلام میں داخل ہے اور روایات سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صحابہ کرامؓ کی سنت متواترہ میں سے ہے، فقہاء کے نزدیک اس کی حد مقرر ہے جس کو مد نظر رکھتے ہوئے دائرہی منڈوانا حرام اور ناجائز ہے، اگر ایک شخص ایسے گناہ کو گناہ نہ سمجھے اور دیدہ دانستہ اس کی جرأت کرے اور دائرہی رکھنے کو اپنی طرف سے خود ساختہ طریقہ سمجھے تو ایسے شخص کا عقیدہ موجب کفر ہے۔ تاہم اگر دائرہی منڈوانے کی علت کا عقیدہ نہ رکھتا ہو صرف زبانی طور پر اس پر اصرار کرتا ہو تو پھر بھی یہ اندیشہ کفر سے خالی نہیں، ایسا عقیدہ رکھنے یا اس کا اظہار کرنے سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة ملا علی القاری: ومنها ان استحلل المعصية صغيرة كانت او كبيرة کفر اذا ثبت كونها معصية بدلالة قطعية وكذا الاستهانة بها کفر بات يعدها هيئة سهلة ويرتكبها من غير مبالاة بها ويجريها مجرى المباحات في ارتكابها۔ (شرح الفقه الاکبر ۲۲۵ مسئلة في استحلال المعصية) له

ضروریات دین سے استہزا کرنا کفر ہے | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس شخص کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا

ہو کہ: توحید باری تعالیٰ (نعوذ باللہ) ایک مذاق ہے، اور شریعت سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام کی حامی ہے، نماز روزہ کوئی چیز نہیں ہے، میرا ایک مستقل دین ہے جس کے قبول کرنے میں لوگوں کی کامیابی ہے۔ شرعاً ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مرتد اور کافر ہے کیونکہ ضروریات دین کا منکر اور گستاخ ہے، با اثر اہل اسلام (حاکم وقت) کے لیے ضروری ہے کہ تائب نہ ہونے کی صورت میں اس کو مرتد کی سزا دیں اور تمام اہل اسلام اس سے قطع تعلق اختیار کریں۔

لما قال العلامة ملا علی القاری: ومن وصف الله بما لا يليق به او سخر باسم من

لما قال العلامة ابن عابدین: لكن في شرح العقائد النسفية استحلل المعصية کفر اذا ثبت كونها معصية بدليل قطعي۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۲ مطلب استحلال المعصية القطعية کفر) ومثله في شرح العقيدة الطحاوية ص ۳۶۳ لا نکفر احداً من اهل القبلة الخ

اسمائہ او بامر من آوامرہ او انکروعدہ او وعیدہ یکفر و کذا مخالفۃ ما اجمع علیہ وانکارہ بعد العلم بہ یعنی من امور الدین کفر۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۲۲۴ مسئلۃ استحلال المعصیۃ ولو صغیرۃ کفر) لہ

قرآن پاک کے اوراق کو بچاڑنا اور بیحرمتی کرنا موجب کفر ہے | سوال: قرآن حکیم کے اوراق کو

توڑ پھوڑ کر بے ادبی اور بیحرمتی سے زمین پر گراتے والے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟
الجواب :- فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ قرآن پاک کی توہین اور استخفاف کفر ہے اگرچہ توہین کرنے والا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا قائل اور معتقد ہی کیوں نہ ہو۔ ایسا شخص جس کے دل میں قرآن پاک کی عظمت نہ ہو یہاں تک کہ قرآن مجید کے اوراق کو بچاڑ کر زمین پر پھینکے تو وہ دائرۃ اسلام سے خارج ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: او وضع مصحفاً فی قازورۃ فانه یکفروا ان کان مصداً لانه ذلک فی حکم التکذیب۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۲۲۲ باب المرتد) لہ

حرام پر حلال کا عقیدہ رکھنا موجب کفر ہے | سوال :- اگر کوئی شخص حرام چیز پر حلال ہونے کا عقیدہ رکھے تو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ باوجود علم کے حرام پر حلال اور حلال پر حرام کا اعتقاد رکھنا موجب کفر ہے البتہ بعض استثنائی صورتوں کا حکم فقہاء نے علیحدہ ذکر کیا ہے کہ مذکورۃ الصدر حکم تب لازم ہوتا ہے کہ جب حرام بعینہ کو حلال سمجھے حرام بغیرہ کی حلت

لہ قال العلامة ابن عابدین: وکذا فی مخالفۃ او انکار ما اجمع علیہ بعد العلم بہ لان ذلک علی ان التصدیق مفقود۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۲۲۲ باب المرتد)

وَمِثْلُهُ فِي الْبِزَانِيَةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَةِ ج ۳ ص ۳۲۳ کتاب الفاظ الکفر سلاً۔ الشافی فیما تعلق الخ

لہ قال العلامة ملا علی القاری: من استخف بالقرآن او بالمسجد او بنحوہ مما یعظم فی الشرع کفروا من وضع رجلہ علی المصحف حالاً استخفافاً کفر۔ انتہی۔

(شرح الفقہ الاکبر ص ۲۳۹ فصل فی القراءۃ والصلوۃ)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَةِ ج ۲ ص ۲۶۶ الباب التاسع فی احکام المرتدین۔

کا عقیدہ موجب کفر نہیں ہے، حرام بعینہ کا عقیدہ بھی اس وقت موجب کفر ہے جبکہ اس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو، اگر اس کی حرمت خبر واحد سے ثابت ہو تو پھر یہ موجب کفر نہیں ہے۔

لما فی الہندیۃ : ومن اعتقد الحرام حلالاً او علی القلب یکفر اما لو قال الحرام
 ہذا حلال لترویج السعۃ او بحکم الجہل لا یكون کفراً و فی الاعتقاد ہذا اذا کان حراماً
 لعینہ وهو یعتقد حلالاً حتی یكون کفراً واما اذا کان حراماً لعینہ انما یکفر اذا
 کان حراماً لعینہ انما یکفر اذا کان الحرمۃ ثابتۃً بدلیل مقطوعاً اما اذا کان باخبار
 الاحاد فلا یکفر کذا فی الخلاصۃ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۴۲) الباقی التامع فی احکام المرتدین ص ۱۵
سوال :- ایک شخص رقص و سرود اور گانے
 بجانے کو حلال اور جائز سمجھتا ہے، شرعاً

اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- گانا، بجانا اور رقص و سرود از روئے شرع ناجائز اور حرام ہے
 مگر اس کے ارتکاب سے ایک مسلمان دائرۃ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، البتہ
 جو شخص کسی حرام فعل کو حلال سمجھ کر کرے اور اس کو حرام نہ سمجھے تو یہ موجب کفر ہے
 لہذا جو شخص رقص و سرود اور گانے بجانے کو حلال اور جائز سمجھتا ہو تو وہ دائرۃ اسلام
 سے خارج ہے۔

لما قال العلامة ابن البزاز الکوردی : قال القرطبی علی ان هذا الغناء وضرب
 القضیب والرقص حرام بالاجماع عند مالک وإبی حنیفۃ والشافعی وأحمد فی
 مواضع کتابہ وسید الطائفۃ شیخ أحمد صرح بحرمتہ وراثت فتویٰ
 شیخ الاسلام سید جلال الملتی والدين (الکلیف)
 ان استحل هذا الرقص کافراً ولما علم ان حرمتہ بالاجماع لزم

لہ قال العلامة ابن نجیم : والاصل ان من اعتقد الحرام حلالاً فان کان حراماً لغير کمال الغير
 لا یکفر وان کان لعینہ فان کان دلیلہ قطعياً کفر والا لا۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۲) باب المرتد
 ومثله فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۸۳ الفصل الثانی فی الفاظ الکفر الخ۔

ان یکفر استحلہ - (الفتاویٰ البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ ج ۶ ص ۳۴۹ کتاب الفاظ القرآن تگون اسلاماً و کفرًا و خطاء المتفرقات فی آخر الكتاب) لہ

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ میدان کر بلا میں اہلبیت

یعنی حضرت حسینؑ اور آپ کے رفقاء پر یزید و شمر نے ظلم کئے تھے اور ان کو بیدوی سے شہید کیا تھا تو ایسے سخت دل ظالم آدمی کو کافر اور لعنتی کہنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- یزید اور اس کے متبعین کے فسق و فجور اور ظلم و زیادتی میں کوئی شک و شبہ نہیں لیکن اس ظلم اور فسق کی وجہ سے ان پر کفر اور ارتداد کا حکم لگانا مشکل ہے اس لیے کہ ان سے کوئی ایسا امر متحقق نہیں ہوا ہے جو ان کے ارتداد پر دلالت کرے اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حلال سمجھ کر قتل کیا ہو، اسی طرح ان پر یزید و شمر پر لعنت کرنے سے بھی احتراز اولیٰ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیوں اور اہل قبلہ پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء محققین نے اس مسئلہ میں توقف کے پہلو کو اختیار فرمایا ہے، اس لیے کہ ایمان کا دار و مدار خاتمہ پر ہے اور اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ کس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا نہیں۔

لما قال العلامة ملا علی القاریؒ : وانما اختلفوا فی یزید بن معاویۃ حتی ذکر فی الخلاصۃ وغیرہ انه لا ینبغی اللعن علیہ ای ولا علی الحجاج لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن لعن المصلین ومن کان من اهل القبلة..... وعلى الجملة ففي لعن الشخص خطر فيجنب ولا خطر في السكوت من لعن ابليس فضلاً عن غیرہ۔ انتہی۔ ولان الامر بقتل الحسينؑ لا یوجب الکفر فان قتل غیر الانبیاء علیہم السلام کبیرۃ

لہ وقال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ : وفي السراج ودلت المسئلة ان الملاهی کلمها حرام ویدخل علیہم بلا اذنہم لانکار المتکر۔ قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ صوت اللہ والفتا ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البسات۔ (الدر المختار علی صدد رد المحتار ج ۶ ص ۲۲۸، کتاب الخطر والاباحۃ) وفي ج ۲ ص ۲۵۹ ومن يستحل الرقص قالوا بكفره۔ باب المرتد ومثله فی رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۹ باب المرتد۔

عند اهل السنة والجماعة الا ان يكون مستحلاً وهو غير مختص بالحسين ونحوه مع ان لا استحلال امر لا يطلع عليه الا ذوالجلال۔ (شرح الفقہ الاکبر) البکیر لا يخرج المؤمن الايمان له

سوال :- دو آدمیوں کا آپس میں کسی بات پر تنازع پیدا ہو گیا، ایک تنہا کہہ رہا ہے کہ ہم شریعت محمدی پر فیصلہ کریں گے، دوسرے شریعت مطہرہ پر فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے

نے صاف الفاظ میں انکار کر دیا اور کہا کہ میں انگریزی قانون کے مطابق فیصلہ کراؤں گا شریعت پر فیصلہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں، اور وہ برابر اس بات پر مصر ہے بلکہ حاکم کے سامنے انکار شریعت پر دستخط بھی کر دیئے ہیں، شرعاً اس آدمی کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- ایمان کی نشانی یہ ہے کہ مومن اپنے تمام معاملات زندگی میں فیصلہ کن قانون صرف اور صرف خدائی قانون اور اسلامی شریعت کو تسلیم کرے، اور جو شخص دل سے اسلامی شریعت کو معاملات زندگی میں فیصلہ کن قانون تسلیم نہیں کرتا وہ ہرگز ہرگز مومن نہیں بلکہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے لیکن اگر وہ دل سے اسلامی شریعت کو فیصلہ کن قانون تو مانتا ہے مگر اس پر فیصلہ کرنے سے گریز کرتا ہے تو ایسا کرنا منافقوں کی علامت ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: فَلَا وَرَيْكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء ۶۵) اور منافقین کے بارے میں یوں فرمایا ہے: وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلٰى الرَّسُوْلِ رَاٰیْتَ الْمُتَافِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُّوْا۔ (سورۃ سورۃ النساء آیت ۸۱) اس لیے کسی بھی مسلمان کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: راجل قال لاخر اذهب معي الى الشرع فقال الاخر تا پيا ده نياور عى نروم لا يكفر..... ولو قال

لما قال العلامة تفتازاني: انما اختلفوا في يزيد بن معاوية حتى ذكر في الخلاصة وغيرها انه لا ينبغي اللعن عليه ولا على الحجاج لان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن لعن المصلين ومن كان اهل القبلة۔ (شرح العقائد ۱۱۶) كفت عن ذكر الصحابة والآخريه وَمِثْلُهُ فِي مَجْمُوعَةِ الْفَتَاوَى (اربع ج ۱ ص ۵۹) كتاب العقائد۔

من شریعت چہ دائم اَوْ قَالَ دُبوس هست مرا بشریعت چہ کنم یکفر۔
(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۸۸ کتاب الفاظ الکفر۔ الجتنس الثامن) لہ

”مجھے شریعت کی ضرورت نہیں“ کہنے کا حکم | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس

ماہین خانگی تنازعہ تھا، سسر نے داماد سے کہا کہ میرے ساتھ شریعت مطہرہ کے مطابق فیصلہ کرلو، داماد نے جواب میں کہا کہ ”مجھے شریعت کی ضرورت نہیں“ ایسے شخص کے بارے میں شریعت مطہرہ کیا حکم دیتی ہے؟

الجواب:۔ ”مجھے شریعت کی ضرورت نہیں“ کے الفاظ میں کچھ ابہام پایا جاتا ہے، اور اگر اس سے کہنے والے کا مقصد یہ ہو کہ میں اس مسئلہ میں شریعت پر فیصلہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ہوں، ظاہر بات ہے کہ یہ الفاظ موجب کفر نہیں ہیں۔ لیکن اگر ان الفاظ سے مقصد شریعت سے انکار ہو تو شریعت چونکہ عالم انسانیت کے لیے پورے ضابطہ حیات کا نام ہے اس لیے اس سے انکار کرنا موجب کفر ہے۔

قال العلامة طاہر بن عبد الرشید بخاری: من بہ رسم کفر نے حکم قال الحاكم عبد الرحمن ان مراده فساد الخلق وترك الشرع واتباع التزم لادى الحكم لا يكفرون ان مراده فساد الخلق وترك الشرع والحكم يكفر۔ (خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۲ ص ۳۸۲ الفصل الثانی فی الفاظ الکفر التزم

لما قال فی الہندیۃ: رجل قال لخصمه اذهب معنی الى الشرع او قال بالفارسیۃ با من بشرع روو قال خصمه بیادہ بیارتا بروم پیے چیرنروم یکفر لانه عند الشرع۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۴۱ البنا التاسع فی احکام المرتدین ومنها ما يتعلق بالعلم والعلماء) لہ قال العلا قاضیخان: رجل بینہ وبين غیرہ خصومة فقال رجل حکم خدائی چنیں است فقال آخر من حکم خدایا چہ دائم قال ابو قاسم رحمہ اللہ ہو کفر لانه استخفاف بامر اللہ۔

(الفتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۵۷۵ باب ما یكون کفراً وما لا یكون) وَمِثْلُهُ فِي الہندیۃ ج ۲ ص ۲۴۲ کتاب احکام المرتدین، ومنها ما يتعلق بالعلم والعلماء۔

لہ قال العلا ابن بزاز الکوردی: قال من شریعت چہ دائم اَوْ قَالَ دُبوس هست من شریعت را چہ کنم یکفر۔ (فتاویٰ بزازیۃ علی ہامش الہندیۃ ج ۲ ص ۳۳۸ کتاب الفاظ الکفر او خطاء، البنا الثامن فی الاستخفاف بالعلم) وَمِثْلُهُ فِي فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۵۷۵ باب ما یكون کفراً من المسلم وما لا یكون۔

خدا اور رسول سے برأت کا اعلان موجب کفر ہے | سوال :- ایک شخص نے غصہ کی حالت میں یہ کہا کہ میرا خدا اور رسول سے کچھ واسطہ نہیں ہیں ان سے بری ہوں، اس قسم کا کلمہ بولنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- ”میرا خدا اور رسول سے کچھ واسطہ نہیں“ کا مطلب یہ ہے کہ مجھے خدا اور رسول کی ضرورت نہیں، لہذا اگر سمجھ بوجھ سے اس کلمہ کو کلمہ کفر جان کر بولا گیا ہو تو اس بول سے خدا اور رسول کا استخفاف لازم آتا ہے جو کہ موجب کفر ہے، لہذا ایسا شخص مرتد اور واجب القتل ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء انصارى: ولو قال لرجل حکم خدا تعالیٰ چنین است فقال من چه حکم خدا چه دائم فهذا استخفاف بالله فيكفر۔ (الفتاوى التاتارخانية ج ۵ ص ۳۶۸)
کتاب احکام المرتدین۔ المتفرقات (۱) لہ

نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور دل میں لانا | سوال :- حالت نماز میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور

دل میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ تشہد میں ”صلوٰۃ وسلام“ کے وقت آپ کا خیال مبارک دل میں لانا ناگزیر ہے، تو ایسی حالت میں آپ کے شامل کا تصور کرتے ہوئے ”صلوٰۃ وسلام“ کہنے کا از روئے شریعت کیا حکم ہے؟

الجواب :- نماز ایک ایسی عبادت ہے جو اول تا آخر خالصتہ عبادت خداوندی ہے اس لیے بطور عبادت و بندگی اس کا ہر جز بخداوندی اور اس کے خشوع و خضوع میں ڈوبا ہوا ہونا چاہیے، تو بطور عبادت و بندگی نماز میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی ذہن میں لانا فحش و فحش ہے۔

قال شرف الدين اسماعيل بن المقرئ في قصيدة تائسة: تخاطبه اياك نعبد۔ على غيره فيها بغير ضرورة۔ الى ان قال وبا جملة فالتفكر في الصلوة بغير ما يتعلق بها الحال ان كان دنيوياً فهو مكروه اشد الكراهة بل مفسد عند اهل الحقيقة۔

الحق العلامة ابن اليزان الكردري رحمه الله: ولو قال الله يعلم اني افعل اولاً افعل او برئ من الانبياء والملئكة يكفر اذ علم انه كاذب۔

(فتاوى بزازية على هامش المهندية ج ۶ ص ۳۲۶ الثاني فيما يتعلق بالله)

ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۴۷۵ كتاب الفاظ الكفر۔

لقوات الركن الاصلی المقصود بالذات - ر
ہاں اگر بطور عقیدت و احترام تشہد کے ضمن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور ذہن میں آجائے اور ذہن ان کی طرف منتقل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ما قال الامام الغزالی : واحضر في قلبك النبي صلى الله عليه وسلم وشخصه الكريم وقل
”سلام عليك“ ايها النبي ورحمة الله وبركاته ليصدق أملك في انه يبلغه ويرد عليك
ما هو اوفى عنه - (احياء علوم الدين ج ۱ ص ۱۶۹ ما ينبغي ان يحضر في القلب)
اسی طرح ”صلوٰۃ و سلام“ کہتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حاضر و ناظر اور براہ راست
درو نہ سننے کا عقیدہ رکھا جائے بلکہ اس عقیدہ سے پڑھا جائے کہ اللہ تعالیٰ بذریعہ ملائکہ یا دیگر ذرائع
سے میرا صلوة و سلام آپ تک پہنچاتے ہیں۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کے عقیدہ کی وضاحت

محق : اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي نُورًا - اور قرآن مجید میں بھی جا بجا آپ پر نور کا اطلاق ہوا ہے جب
آپ نور تھے تو پھر نور کا سایہ بھی نہیں ہونا چاہیے؟ جبکہ آپ کا سایہ نہ ہونے کا بعض کتب
میں تذکرہ بھی ملتا ہے، تو کیا یہ ٹھیک ہے کہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا؟
مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے؟

الجواب :- اگر نقل صحیح سے ثابت ہو جائے کہ بطور معجزہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا تو کوئی مسلمان اس کے تسلیم کرنے میں تامل نہیں کر سکتا ہے، لیکن
اس باب میں کوئی صحیح نقل موجود نہیں، حدیث کی کتب متداولہ صحاح ستہ میں اس مضمون
کی کوئی حدیث وارد نہیں ہے، البتہ علامہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ”خصائص کبریٰ“
میں اس مضمون کی ایک حدیث مرسلاً روایت کی ہے :-

عن ذكوان أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يرى له ظل في شمس ولا
قمر ولا أثر قضا حاجته - قال السيوطي قال ابن سبع من خصائصه ان ظلّه كاد ان لا
يقع على الارض وانه كان نوراً فكان اذ مر في الشمس والقمر لا ينظر له -

(خصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۶۵ باب الایۃ فی انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یرى له ظل)

لیکن یہ روایت چند وجوہات کی بناء پر ثابت و معتبر نہیں ہے :-

(۱) اس لیے کہ دھوپ اور چاندنی میں چلنے پھرتے اور اٹھنے بیٹھنے کے واقعات جو سفر و حضر، مجامع صحابہ کے سامنے تمام عمر نبویؐ میں پیش آئے ہیں اور یہ غیر محصور اور نہایت کثیر التعداد ہیں، پھر دیکھنے والے صحابہ ہزاروں میں ہیں، پھر صحابہ کرام کی عادت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضورؐ کی ذرا ذرا سی بات، نقل و حرکت اور آثار و حالات کے بیان کرنے کا انتہائی اہتمام فرماتے تھے۔ ان امور کا مقتضی یقینی طور پر یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ معجزات ثابت ہوتا تو اس کی روایات صحابہ کرام کی ایک عظیم جماعت سے منقول ہوتی اور یقیناً حدوات کو پہنچتیں، لیکن جب ذخیرہ حدیث پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اس بارہ میں صرف ایک مرسل حدیث اور وہ بھی سند اضعیف ملتی ہے جو قرینہ قویہ اس امر کا ہے کہ یہ بات خلاف واقع ہے۔

(۲) یہ حدیث مرسل ہے اور محدثین کی ایک عظیم جماعت مرسل حدیث کو حجت نہیں مانتی۔
 (۳) یہ کہ اس حدیث کا پہلا راوی عبد الرحمن بن قیس زعفرانی ضعیف و مجروح اور قابل اعتبار ہے قال الشيخ العلامة الذهبي رحمه الله: كذب ابن مهدي وابوزرعة وقال البخاري ذهب حديثه وقال احمد لم يكن بشيء وصرح له الحاكم حديثاً منكراً وصححه (ميزان الاعتدال ص ۵۸۳ و مثله في التقریب ص) وقال العلامة ابن حجر: كان ابن مهدي يكذبه - وقال احمد حديثه ضعيف ولم يكن بشيء متروك الحديث - وقال النسائي متروك الحديث - وقال زكريا الساجي ضعيف كتبت عن حوثرة المنقري عنه - وقال صالح بن محمد كان يضع الحديث - وقال ابن عدي عامة ما يرويه لا يتابعه عليه الثقات قلت - وقال الحاكم روى عن محمد بن عمرو وحماد بن سلمة احاديث منكراً منها حديث من كرامة المؤمن على الله ان يغفر لمشيئته قال وهذا عندنا موضوع وليس الحمل فيه الا عليه - وقال الحاكم ابو احمد ذهب الحديث - وقال ابو نعيم الاصبهاني لا شيء - (تهذيب التهذيب ص ۲۳۱ رقم ۴۱۳۰)

اور دوسرا راوی عبد الملک بن عبد اللہ بن الولید بھی مجہول الحال ہے، کتب متداولہ میں اس کا حال مذکور نہیں۔

الحاصل:۔ اول تو ایک ایسے عامۃ الورد واقعہ میں تمام صحابہ کرام کا سکوت اور صرف مرسل حدیث کا اس میں مذکور ہونا ہی علامت قویہ روایت کے غیر ثابت و غیر معتبر ہونے کی

ہے۔ ثانیاً روایت مرسل ہے۔ ثالثاً اس کا راوی بالکل کاذب اور واقع حدیث ہے۔
 اور بعض حضرات نے جو سایہ نہ ہونے پر اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ
 علیہ وسلم کو قرآن مجید میں نور فرمایا ہے، یا آپ اپنی دعاؤں میں اجعلنی نوراً فرمایا کرتے تھے، سو یہ
 استدلال بالکل ناقابل التفات ہے۔ ظاہر ہے کہ آیت میں نیز حدیث دعا میں نور ہونے
 سے یہ کسی کے نزدیک مراد نہیں کہ عالم عناصر کے کیفیات و آثار آپ میں نہ تھے یا آپ کی
 دعا و خواہش یہ تھی کہ عالم عناصر کے آثار مخصوصہ سے علیحدہ ہو کر (معاذ اللہ) ہوا کی طرح غیر مٹی
 ہو جائیں، بلکہ بالاتفاق عقلاء و علماء مراد یہ ہے کہ جس طرح نور ذریعہ ہدایت و بصیرت اسی طرح
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذریعہ ہدایت ہیں، اور چونکہ نبی کا انتہائی کمال اسی میں ہے کہ شان نبوت و
 ہدایت درجہ کمال میں ہو، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنی دعاؤں میں اس کا کمال طلب
 فرماتے تھے۔ اور اسی معنی کی بناء پر قرآن کو اور توریت کو بنص قرآن نور کہا گیا ہے، اسی
 معنی میں صحابہ کرامؓ کو بھی نجوم ہدایت فرمایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ دعا (اللہم اجعلنی نوراً) تو
 تمام امت کو تلقین فرمائی گئی ہے اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت بھی نہیں ہے۔
 بعض حضرات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کی یہ توجیہ کی ہے کہ آپ
 جس طرف چلتے تھے سر مبارک پر فرشتے یا ابر رحمت سایہ فگن رہتا تھا۔ یہ روایت اگر ثابت
 بھی ہو تو دوسرے صحیح و صریح روایات اس کے معارض موجود ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری کی حدیث
 میں در بارہ ہجرت بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نہ کو رہے، ان بابکر قام للناس وجلس
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صامتاً فطفق من جاء من الا نصار من امری
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحییٰ ابابکر حتی اصابته الشمس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 فاقبل ابوبکر حتی ظل علیہ بردائم فعرف الناس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند ذلك، کذا
 فی المواہب، وقال الزرقانی فی شرح المواہب: وعن ابی عقیبہ عن الزہری فطفق من
 جاء من الا نصار یحسبہ آیۃ حتی اصابته الشمس فقبل ابوبکر یتبى، اظلم بہ۔

(شرح المواہب للزرقانی ج ۱ ص ۲۵)

و بمثلہ یروى تظليلہ علیہ السلام فی حجة الوداع وهو مشہور و مذکور

فی عامة الكتب۔ ()

اس لیے یا تو سایہ نہ ہونے کی حدیث کو بمقابلہ ان روایات کے غیر ثابت قرار دیا جائے

اور یا یہ کہا جائے کہ پہلے ایسا ہوگا بعد میں یہ صورت نہ رہی، علامہ ابن حجر قسطلانی نے مواہب میں اسی صورت کو اختیار کیا ہے، چنانچہ حدیث ہجرت مذکورہ صدر کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے:

کسی غوث یا قطب کو مافوق الاسباب متصرف سمجھنا شرک سے | سوال: کسی غوث یا قطب کو مافوق الاسباب

متصرف کہنا درست ہے یا نہیں؟ اور ان اقاب کا استعمال ان کے لیے از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: احادیث میں نیک اور صالح لوگوں پر ابدال، اولیاء اور مجددین کا اطلاق

ثابت ہے۔

عن أم سلمة عن النبي قال يكون اختلاف عند موت خليفة فيخرج رجل من أهل المدينة هارباً إلى مكة فيأتيه ناس من أهل مكة فيخرجونه فيبايعونه بين الركن والمقام ويبعث إليه البعث من الشام فيخسف بهم بالبيد أربعين مكة والمدينة فإذا رأى الناس ذلك أتاه ابدال الشام۔ (المحدث)

(مشکوٰۃ منکک باب اشرط الساعة۔ الفصل الثانی)

جبکہ قطب اور غوث کا اطلاق احادیث رسول اللہ میں کہیں بھی نہیں پایا جاتا ہے، تاہم علماء کرام اور صوفیاء عظام ان الفاظ کو بھی اولیاء اللہ کے لیے استعمال کرتے ہیں قال العلامة ملا علی القاری: قلت فہم الاقطاب فی الاقطار یاخذون الفیض من قطب الاقطاب المسمی بالغوال اعظم فہم بمنزلة الوزراء تحت حکم الوزير الاعظم الخ (مرقاۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۰۸) ۲۷

۱۔ قال الشيخ اشرف علی التہانوی: سایہ نہ ہونے کی ایک بھی صریح روایت نہیں گذری صرف بعض نے واجعلنی نوراً سے استدلال کیا ہے کہ نور کا سایہ نہیں ہوتا کیونکہ سایہ ظلمت ہوتا ہے مگر ضعف اس کا ظاہر ہے۔۔۔۔۔ روایت ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے سر پر بعض اوقات سفر میں کپڑے کا سایہ کئے ہوتے تھے۔ (امداد الفتاوی ج ۵ ص ۶۰۶ کتاب العقائد والکفر)

۲۔ قال الشيخ عبد الوہاب الشعرانی: المبحث الخامس واربعون فی بیان ان اکبر اولیاء بعد الصحابة القطب ثم الاقراء علی خلاف فی ذلک ثم الامامان ثم الاوتار ثم الابدال۔

(اليواقیت الجواہر ج ۲ ص ۶۹)

ہاں اگر کوئی آدمی کسی عورت، قطب یا کسی دوسرے ولی اللہ کو مافوق الانساب متصرف سمجھتا ہو یا یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے سارے عالم کا انتظام و انصرام ان کے حوالے کیا ہے اور جزوی امور کو خود ہی حل کرتے ہیں، از روئے شریعت جائز نہیں بلکہ اس کا معتقد مشرک قرار دیا جائے گا۔

سوال:- کسی مخلوق کے بارے میں اللہ کے نور سے جدا ہونے کا عقیدہ رکھنا خلاف اسلام ہے | انبیاء کرام یا پنج تن پاک رضو صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت حسنؑ، حضرت حسینؑ، کو اللہ تعالیٰ کے نور کا جزء ماننا اور اس سے جدا ہونے کا عقیدہ رکھنا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- انبیاء کرامؑ، پنج تن پاک یا کسی بھی دوسری مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے نور سے جدا ہونا اور اس کا جزء ماننا باطل اور غلط عقیدہ ہے۔ باقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہمارا عقیدہ بحیثیت مسلمان یہ ہے کہ آپ نور ہیں مگر اس معنی سے کہ: کیفیت ظاہر بنفسہا مظہر غیرہا۔ انبیاء کرامؑ پر اس معنی سے نور کا اطلاق صحیح ہے۔ اور یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ کے نور سے علیحدہ ہوئے ہیں اور اسی عقیدہ کے پس منظر میں ان کی بشریت سے انکار کرنا قرآن و حدیث کی رو سے باطل ہے۔ اور آپ کی بشریت سے تو انکار ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود آپ ہی کے ذریعے یہ اعلان کروایا: قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (سورۃ الکہف) البتہ اگر نور معنی نور ہدایت ہو تو پھر اس کا اطلاق انبیاء کرام اور دیگر مقتدیانِ دین پر درست ہے۔

سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ معراج شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے متعلق شرکیہ اور بے بنیاد حکایات کے موقع پر جب جبریل امینؑ نے سدرۃ المنتہیٰ پر آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کندھا دے کر آپ کو وہاں سے اوپر لے گئے؟ اور جنت کی سیر کرتے وقت جب آپ کا پاؤں کیلے کے چھلکے سے پھسلتا تو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے آپ کو گرنے سے بچا لیا، یا در ہے کہ یہ پھلکا ایک حور نے کیلا کھانے کے بعد پھینکا تھا۔ تو کیا یہ واقعات شریعت سے متصادم ہیں؟ اور ان پر عقیدہ رکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ آپ ایک عالم باعمل اور

تبع شریعت ولی اللہ تھے، آپ کی ولایت اور مقام و مرتبہ خود ان کی کتب سے معلوم ہوتا ہے اس قسم کی کہانیاں بے اصل اور من گھڑت ہیں، اور اس قسم کی کہانیوں کی صداقت پر اعتقاد رکھنے سے ایمان سلامت نہیں رہتا، تاہم اس قسم کی من گھڑت اور بے اصل کہانیوں کو ماننے والوں پر توبہ لازم ہے اگر توبہ نہ کریں تو اعتقاد صریحاً کفر اور شرک ہے۔

جنت کی پیمائش دنیا میں ممکن نہیں | سوال :- کیا جنت کا طول و عرض معلوم کرنا دنیاوی پیمائشوں سے ممکن ہے؟

الجواب :- جنت کا طول و عرض دنیاوی پیمائشوں سے کس طرح معلوم کیا جاسکے گا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَجَنَّةٌ عَرْضُهَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** (سورة آل عمران ۱۳۳) اور اسی طرح متعدد احادیث میں بھی جنت کی وسعت کے متعلق مختلف قسم کے تشبہات ذکر ہوئے ہیں۔

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مائة درجة ما بين كل درجتين كما بين السماء والأرض والفردوس اعلاها درجة منها تفجر انهار الجنة الاربعة ومن فوقها يكون العرش فاذا سألتهم الله فاسألوا الفردوس۔

(مشکوٰۃ ص ۴۹۶ باب صفة الجنة۔ الفصل الاول)۔

تقویۃ الایمان کی بعض عبارات کی وضاحت | سوال :- ”تقویۃ الایمان“ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید کی

مندرجہ ذیل عبارات از روئے شریعت درست ہیں یا نہیں؟

(۱) **وَإِذْ قَالَ لُقْمَنُ لِبْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ نَظْمٌ عَظِيمٌ** اور یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہوا یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ (تقویۃ الایمان ص ۱۲-۱۳ فصل دوم شرک فی العلم کی برائی کا بیان)

۱۔ قال الشيخ فخر الدين الرازي رحمه الله: المقصود بالمبالغة في وصف سعة الجنة وذلك لانه لا شيء عندنا عرض منهما ونظيره۔ قوله تعالى: خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضُ؟ فان طول الاشياء بقاء عندنا هو السموات والأرض فخطبنا على وفق ما عرفناه فكذا أههنا۔ (تفسير الكبير ج ۳ ص ۴۲۷ آل عمران ۱۳۳)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: اَذْفُسَقًا اٰهْلًا لِغَيْرِ اللّٰهِ بِہ۔ یعنی جیسے سُور، لہو اور مردار ناپاک و حرام ہے، ایسا ہی وہ جانور بھی ناپاک و حرام ہے جو کہ خود گناہ کی صورت بن رہا ہے کہ اللہ کے سوا اور کسی کا ٹھہرایا۔ (تقویۃ الایمان ص ۳۳ کتاب العقائد)

(۳) حدیث مشکوٰۃ ”باب عشرة النساء“ اونٹ کے سجدہ کرنے کے تحت آپ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء، امام و امام زادہ، پیرو پیروزادہ و شہید یعنی حق تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمتا سے بھائی مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے۔ (تقویۃ الایمان ص ۵ کتاب العقائد)

ان عبارات کی شرعی حیثیت واضح کریں کہ ان عبارات کی رو سے حضرت شہید پر کفر کی نسبت درست ہے کہ نہیں؟ اگر درست نہ ہو تو پھر حضرت شاہ اسماعیل شہید کو کافر کہنے والے کا از روئے شریعت کیا حکم ہے؟

الجواب:- ”تقویۃ الایمان“ کی مذکورہ عبارات کا مطلب یہ ہے کہ:-

(۱) اس عبارت سے مراد حق تعالیٰ کی نہایت بڑائی ظاہر کرنا ہے کہ اس کی سب مخلوقات اگرچہ کسی درجہ کی ہو اس سے کچھ مناسبت نہیں رکھتی، مثلاً کہار مٹی کا خوبصورت اور پسندیدہ ٹوٹا بنا کر اسے نہایت احتیاط سے رکھتا ہے مگر وہ اسے توڑنے کا بھی اختیار رکھتا ہے لیکن بوٹے کو کسی بھی درجہ میں مساوات کہار سے نہیں ہوتی، پس حق تعالیٰ کی ذات پاک جو کہ خالق محض قدرت سے ہے اس کے ساتھ کسی مخلوق کو کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ چار کو شہنشاہ دنیا سے اولاد آدم ہونے میں مناسبت اور مساوات ہے اور شہنشاہ چار کا نہ خالق ہے نہ لذق ہے، تو چار کو تو شہنشاہ سے مساوات بعض وجوہ سے ہے مگر حق تعالیٰ کے ساتھ اس قدر بھی کسی کو مناسبت نہیں ہو سکتی۔ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ تمام مخلوق سے برتر و معزز اور افضل و اعلیٰ ہیں کہ کوئی ان کی مثل نہ ہوا ہے نہ ہوگا مگر حق تعالیٰ کے ذات پاک کے مقابلہ میں وہ بھی بندہ مخلوق ہیں تو یہ سب حق ہے لیکن کچھ کم فہم اپنے کم فہمی سے اعتراض بیہودہ کر کے شان حق تعالیٰ کو گھٹاتے ہیں اور اس کا نام حق سول صلعم رکھتے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۳ کتاب العقائد)

(۲) تقویۃ الایمان کی عبارت یعنی جیسے سُور، لہو اور مردار..... الخ

یہ عبارت بالکل صحیح ہے کیونکہ مَا اٰهْلًا لِغَيْرِ اللّٰهِ بِہ کے اصلی مطلب اور سچور کو مونا شہید

نے نکالا ہے اور بہت بڑے مشرکانہ عقیدے اور طریقے سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا ہے
 کیونکہ حضرت شیخ الہند و مَا أَهْلَ بِهِ يَغْيِرُ اللَّهُ دَلَالِيَّتْ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: ”ان
 جانوروں پر اللہ کے سوا بت وغیرہ کا نام پکارا جائے یعنی اللہ کے سوا کسی بت، جن یا
 کسی تجسیم روح یا پیر یا پیغمبر کے نامزد کر کے اور اس جانور کی جان اُن کی نذر کر کے
 ان کے تقرب یا رضا جوئی کی نیت سے ذبح کیا جائے اور محض ان کی خوشنودی کی غرض
 سے اس کی جان نکالنی مقصود ہو تو ان سب جانوروں کا کھانا حرام ہے گو بوقت ذبح
 تکبیر پڑھی ہو اور اللہ کا نام لیا گیا ہو کیونکہ جان کو جان آفریں کے سوا کسی دوسرے
 کے لیے نذر و نیاز کرنا ہرگز درست نہیں۔“ اس لیے کہ جس جانور کی جان غیر اللہ کی نذر
 کی نذر کی جائے تو اس کی خباثت مردار کی خباثت سے بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ مردار میں
 تو یہی خرابی تھی کہ اس کی جان اللہ کے نام پر نہیں نکلی اور اس جانور کی جان تو غیر اللہ
 کے نامزد کردی گئی جو کہ عین شرک ہے۔ سو جیسے خنزیر اور کتے کو تکبیر کہہ کر ذبح کرنے
 سے وہ حلال نہیں ہو سکتے اور مردار پر اللہ کا نام لینے سے کوئی نفع نہیں ہو سکتا، ایسے ہی
 جس جانور کی جان غیر اللہ کی نذر اور ان کے نامزد کردی گئی ہو اُس پر ذبح کے وقت
 نام الہی لینا ہرگز ہرگز کوئی نفع اور حلت اس میں نہیں آ سکتی، پس شاہ صاحب نے کیسے
 اچھے الفاظ میں یہ حقیقت ظاہر کی۔

اسی طرح امام فخر الدین رازیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اس کی یوں وضاحت فرمائی ہے:-
 قال الرازی قال العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبیحة وقصد بذبحها التقرب الى غیر اللہ
 صار مرتداً و ذبیحہ المرتد - (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۱۱ سورۃ البقرۃ)
 (۳) مشکوٰۃ شریف باب عشرة النساء میں اونٹ کے سجدہ کرنے کی حدیث یہ ہے:
 وعن عائشةؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی نفر من المهاجرین لا نصار
 فجاء یعیر قسجد لہ فقال اصحابہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسجد لک البھائم والشجر فتحن
 احق ان تسجد لک فقال اعبدوا ربکم واکرموا اباکم ولوا مراخذ ان یسجد لاحد
 لامرات المرأة ان تسجد لزوجہا ولوا مراھا ان تنقل من جبل اصفر الی جبل
 اسود ومن جبل اسود الی جبل ابیض کان ینبغی لہا ان تفعلہ۔ رواہ احمد۔ (مشکوٰۃ ص ۲۸۲)
 لما قال محمد الطیبی: یعنی اکرموا من هو لبشر مثکم ومفرع من صلب ابیکم آدم۔
 ر شرح طیبی ج ۱ باب عشرة النساء وما لکل واحد من الحقوق الفصل الثالث

اس سے معلوم ہوا کہ اخ کا اطلاق شریک فی الوصف پر جائز ہے۔ تو اگر شاہ اسماعیل شہید نے ”اکرموا اخاکم“ سے استنباط کر کے یہ فرمایا کہ انبیاء و اولیاء وغیرہم اللہ کے مقرب بندے اور ہمارے بھائی ہیں، تو انہوں نے کچھ برا نہیں کیا کیونکہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو ہمارے بھائی کہتے ہیں، تو جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظ بھائی کا اطلاق درست ہے تو دیگر انبیاء و اولیاء ائمہ و پیر پر تو بطریق اولیٰ بھائی ہونے کا اطلاق درست ہے کیونکہ وصف بشریت میں تو تمام شریک ہیں، اس لیے سید اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا عبارت بالکل صحیح ہے اور شرعاً اس میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہے۔

صراطِ مستقیم کی ایک عبارت کی وضاحت | سوال: ”اور شیخ یا اس جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ رسالتاً ہی ہوں“

اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے اپنے جیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے بہتر ہے۔“
(صراطِ مستقیم ص ۹۷)

اس عبارت کی وضاحت فرمائیں، نیز کیا یہ شریعتِ مطہرہ کے مطابق ہے یا نہیں؟
الجواب :- یہ مسئلہ تصورِ شیخ کے نام سے مشہور ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک ذاکرِ خداوندی میں لگ جاتا ہے اور مراقبہ کر لیتا ہے تو شیطان اس سالک کے دل میں سوسے ڈال دیتا ہے جس کی وجہ سے ذاکر کا خیال و فکر دوسری طرف مائل ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ سالک دفع و سادسِ شیطانی کی غرض سے اپنے شیخ کا تصور کر لیتا ہے اور جب و سوسہ دور ہو جاتا ہے تو پھر اللہ کے ذکر و فکر میں مشغول ہو جاتا ہے، یہ تصور دفع و سادسِ شیطانی کے لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ محمد معصومؒ کے سلسلے میں ایک طریقہ تھا، اور اس قسم کے تصور کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔

اسی طرح دیگر اُن احادیث میں جو صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی حالت بیان کرتے ہیں تو وقتِ بیان میں اس زمانے کا تصور کرتے ہیں۔

الحاصل :- یہ تصور شیخ کافی عرصہ تک سلسلہ تصوف میں دفع و سادسِ شیطانی کے لیے جاری رہا لیکن بعد میں بعض جہال نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا کہ تصور شیخ کو ذریعہ نجات بنا کر اس اسی پر بھروسہ کر کے ذکر و فکرِ الہی کو بالائے طاق رکھ دیا اور بس تصور شیخ ہی کو اصلی مقصد جان کر اس میں مستغرق ہو گئے، پس علماء دین نے اس طریقہ سے تصور شیخ کو منع فرمایا اور ایسا کرنے والے کو

مشرک قرار دیا ہے۔ شاہ جہاں نے اس مسئلہ کی طرف لوگوں کے خیالات مبذول کر کے فرمایا: ”شیخ یا اس
 اس جیسے اور بزرگ کی طرف خواہ جناب رسالتاً ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا یعنی اس کے
 خیالی تصور پر بھروسہ کر کے اسے کارساز و حاضر ناظر جان کر تقرب کے لیے کافی سمجھنا اپنے اپنے
 بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے برا ہے۔“ جیسا کہ گدھے اور بیل کی صورت میں
 مستغرق ہونے سے کچھ منفعت نہیں اسی طرح بزرگوں کے صرف تصور میں مستغرق ہو کر ذکر و
 فکر الہی کو چھوڑنا اس سے برا ہے اور کوئی نفع اس میں نہیں ہے، یہ تشبیہ عدم منفعت میں ہے۔
سوال: عوام الناس میں یہ بات مشہور
ارواح کی دنیا میں واپسی کا عقیدہ غلط ہے
 ہے کہ جب آدمی فوت ہو جاتا ہے تو
 ایک سال تک مسلسل اس کی روح ہر جمعہ کو گھر آتی رہتی ہے، شریعت میں اس کی کوئی گنجائش ہے؟
 الجواب: موت کے بعد روح کا گھر یا دنیا میں واپس آنا کسی صحیح روایت سے ثابت
 نہیں اور نہ ہی عقل اس کی تائید کرتی ہے بلکہ موت کے بعد روح کا جنت یا دوزخ میں ہونا صحیح
 روایات سے ثابت ہے، اس لیے ایسا عقیدہ رکھنا خلاف شرع ہے، عوام الناس کو اس غلط
 عقیدے سے منع کرنا چاہیے۔

ماوردی الحدیث: وعن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 قال ان ارواح الشهداء فی اجواف طیر حضر تعلق من ثمر الجنة او شجر الجنة۔ رواہ الترمذی
 وقال حدیث حسن۔ (الترغیب والترہیب للمذہبی ج ۲ ص ۳۱۶۔ ما جاء فی فضل الشہید۔ کتاب الجہاد)

بعض صاحبین کو بوقت وفات متجانب اللہ نجات کی خوشخبری ملنا
سوال: اقتساب
 کے لیے اللہ تعالیٰ
 نے قیامت کے دن کو مقرر فرمایا ہے لیکن بعض اولیاء اللہ کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے خواب
 میں اپنے حساب و کتاب میں کامیابی کی خوشخبری سنی ہے کہ میرے اعمال اللہ کی بارگاہ میں مقبول
 ہوئے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ قیامت سے پہلے کسی کو اپنے حساب و کتاب سے آگاہی ہوتی ہے؟
 الجواب: اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کو ”یوم الحساب“ فرمایا ہے لیکن یہ بھی ثابت ہے کہ

شاہ صاحب کی بات نماز کی حالت میں عزاللہ کے تصور کے ساتھ متعلق ہے۔ اس لیے کہ نماز اللہ تعالیٰ کیلئے
 پڑھی جاتی ہے۔ اگر آدمی کسی اور کی تعظیم کی طرف اپنی ہمت لگا دے تو یہ عبادت کے اندر شرک ہو گا۔ کما قالہ
 اورین کی تعظیم اور بزرگی جو نماز میں ملحوظ ہو وہ شرک کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ (صراطِ مستقیم ج ۱، ص ۱۶۹، رتبہ)

مؤمن صالح کو مرتے وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے بذریعہ فرشتگان یہ بشارت دی جاتی ہے کہ آپ کی نجات ہوگئی اور آپ کے اعمال قبول ہوئے۔

قال الله تعالى: إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أُنْ لَا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَالْأَسْرُ وَالْأَلْبَسُوا بِأَلْبَسَتْهُمُ اللَّهُ كُتُبُهُمْ كُتُوبٌ عَدُونَ (سورة فصلت آیت ۲۸) برزخ میں بھی بشارت کا ثبوت حضرت برادر ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہوتی ہے۔

قال - فينادى منادان قد صدق عبدى فافرشوه من الجنة والبسوة من الجنة وافتحوا باباً الى الجنة - (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵ باب اثبات عذاب القبر - الفصل الثانی) ۱

جب یہ معلوم ہوا کہ مومن صالح کو مرتے وقت اور عالم برزخ میں جنت کی بشارت دی جاتی ہے تو مومن صالح کا بذریعہ خواب کسی کو اپنے حساب و کتاب کی اطلاع دینا بھی یہ معنی رکھتا ہے کہ مجھے جنت میں جانے کی خوشخبری دی گئی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ حکومت کا کوئی وفادار ملازم کسی بڑے عہدے کا امیدوار ہو اور حکومت اس کو اطلاع دے دے کہ فلاں تاریخ سے فلاں عہدے پر تمہاری ترقی ہوگی اور وہ شخص خوشی کے مارے اپنے عزیز و اقارب سے کہہ دے کہ فلاں عہدے پر میری ترقی ہوگئی ہے۔

شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور آپ کی تصنیف تقویۃ الایمان کا تذکرہ | سوال: کیا

واقعی ایک عالم باعمل اور ولی اللہ تھے؟ نیز ان کی تصنیف ”تقویۃ الایمان“ کیسی کتاب ہے؟ بعض لوگ آپ کو کافر کہتے ہیں، آیا درست ہے یا غلط؟

الجواب: حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ کا ایک عالم باعمل، ولی کامل اور مجاہد فی سبیل اللہ ہونا ناقابل انکار ہے، اہل اسلام آج تک آپ کے کردار کو سراہتے ہیں، آپ ہی کی تعلیم جہاد نے مسلمانان ہند میں جذبہ جہاد پیدا کیا جو آزادی ہند پر منتج ہوا۔ اور آپ کی تصنیف ”تقویۃ الایمان“ کے بارے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا

۱۔ عن البرادر بن عاذب قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في جنازة رجل من أنصارنا...

فينادى مناد من السماء ان صدق عبدى فافرشوه من الجنة والبسوة من الجنة وافتحوا له باباً الى الله - (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۸ کتاب السنۃ - باب المسألة في القبر وعذاب القبر)

فتویٰ یہ ہے کہ: ”اسماعیل شہیدؑ کی تالیف ”تقویۃ الایمان“ نہایت عمدہ اور سچی کتاب ہے اور موجب قوت و اصلاح ایمان کی ہے اور قرآن و حدیث کا پورا مطلب اس میں ہے، اس کا مؤلف شاہ اسماعیل شہیدؑ ایک مقبول بندہ تھا اُن کو جو کافر جانتا ہے وہ خود شیطان ملعون حق تعالیٰ کا ہے۔“ (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب الایمان و الکفر)

دنیا میں جنت جیسی زمین تیار کرنا ناممکن ہے | سوال :- کیا جنت جیسی زمین دنیا میں تیار کرنا کسی انسان کے لیے ممکن ہے یا نہیں؟

الجواب :- جنت کی ایک بالشت زمین جیسی دنیا میں تیار کرنا کسی انسان کے لیے ممکن نہیں، کیونکہ جنت کی زمین کے اوصاف، لوازمات دنیا کی زمین سے بالکل مختلف ہیں مثلاً یہاں کی زمین کی حقیقت مٹی ہے اور جنت کی زمین کی حقیقت مُشک و زعفران ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لبنة من فضة ولبنة من ذهب وملاطهما المسك الاذفرو حصياءها التلؤ والياقوت وتربتها الزعفران۔ (ترمذی ج ۲ ص ۴۹۶ باب ما جاء في صفة الجنة ونعيمها) اسی طرح وہاں بھوک، پیاس اور برہنگی نہیں ہے۔ قال الله تعالى: اَنْ لَا تَجُوعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرَى۔ (سورة طه آیت ۷۷)

اور یہی اوصاف زمین دنیا میں پیدا نہیں کیے جاسکتے ہیں۔ اسی بنا پر جنت جیسی معمولی زمین دنیا میں تیار کرنا کسی کے بس کا کام نہیں ہے، لہذا یہ عقیدہ رکھنا سراسر اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے بلکہ

ماہِ صفر میں نزولِ بلیات و آفات کا عقیدہ رکھنا درست نہیں ہے | سوال :- ماہِ صفر

بلیات و آفات کا مہینہ کہنا کیسا ہے؟ یہ عقیدہ رکھنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- ماہِ صفر کے متعلق لوگ مختلف قسم کے نظریات و خیالات رکھتے ہیں، جو سارے کے سارے لغو اور بے بنیاد ہیں اور اس کو آفات و بلیات کا مہینہ کہنا محض توہم پرستی

لما ورد في الحديث: عن ابي هريرة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم موضع سوطي الجنة خير من الدنيا وما فيها متفق عليه۔ (مشکوٰۃ ص ۴۹۶ باب صفة الجنة واهلها)

ہے، شریعتِ مطہرہ میں اس قسم کی توہم پرستی کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے۔
 ماوردی الحدیث: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا عدوى ولا هامة ولا
 ولا صفر۔ رمشکوۃ ص ۳۹۱ باب الفال والطيرة۔ الفصل الاول

قال العلامة ملا علی القاری: قال القاضي ويحتمل ان يكون نفيا لما يتوهم ان
 شهر صفر تكثر فيه الدواهي والفتن۔ (مرواة المصابيح ج ۹ ص ۹۰ الفصل الاول)
سوال :- اشیاء سرمت کی قیمتوں
 قیمتوں میں کمی یا زیادتی منجانب اللہ ہوتی ہے
 میں ارزانی اور گرانہ منجانب اللہ

ہوتی ہے، اور یہ عقیدہ رکھنا شرعاً کیسا ہے؟
الجواب :- اشیاء صرف کی قیمتوں میں کمی اور زیادتی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر
 کی جاتی ہے کیونکہ بسا اوقات لوگوں کی مرضی کے خلاف اس میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔
 ماوردی الحدیث: عن انس بن مالك قال غلا السعر على عهد رسول الله فقالوا
 يا رسول الله قد غلا السعر فیسعدنا فقال ان الله هو المسعر القابض الباسط الرازق
 اني لا ارجو ان التقى ربي وليس احد يطالبني بمظلمة في دم ولا مال۔ (ابن ماجه ص ۱۵۹)
 ہاں اگر لوگ قیمتوں میں بے اعتدالیاں کرنا شروع کر دیں تو حکام اہل الرائے کے
 مشورہ سے کسی پیرز کی قیمت متعین کرنے کے مجاز ہیں۔

لما صرح ابن عابدین: الا اذا تعدى الارباب عن القيمة تعدياً فاحشاً فیسعد مشو
 اهل الرأي۔ (تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۸۳ کتاب الخطر والباحۃ)

سوال :- جو شخص اپنے رتبہ اور متمول ہونے کی
 نماز باجماعت کا تارک منافق ہے
 وجہ سے نماز باجماعت کو حاضر نہیں ہوتا اور عام
 لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے میں عام محسوس کرتا ہوا اور کہتا ہو کہ اس سے میرا مقام و مرتبہ گھٹتا ہے

لہ قال الشيخ اسعد الدين التفتازاني: السعر تعدى ما يباع به الشيء ويكون غلاماً ورخصاً
 باسباب من الله تعالى ولو كان البعض في اكتساب العباد فالسعر هو الله تعالى وحده۔

(المقاصد في علم الكلام علی هامش شروح المقاصد ج ۲ ص ۱۶۲)

ومثله في مجموعة الفتاوى (اردو ج ۲ ص ۲۸۴ کتاب الخطر والباحۃ)۔

از روئے شریعت اس شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- یہ شخص اگر نماز باجماعت میں اس لیے حاضر نہیں ہوتا کہ اس کے نزدیک نماز باجماعت دلائل شرعیہ سے ثابت نہیں تو اس عقیدہ کے مطابق دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

قال في الهندية: رجل ترك سنن الصلوة ان الصلوة ان لم ير السنن حقاً فقد كفر لانه تركها استخفاً وان رآها حقاً فالصحيح انه لا يتركها لانه جاز استحصاناً كذا في المحيط۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۱۲ الباب التاسع في النوافل)

اور اگر وہ نماز باجماعت کے وجوب کا تو معتقد ہو لیکن دوسری وجوہات سے بغیر شرعی عذر کے حاضر نہ ہوتا ہو تو حدیث کی رو سے عملی منافق ہے، لہذا اس کو توبہ کرنی چاہیے۔

لما في الحديث: وعن معاذ بن انس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال الجفا كل الجفا، والكفر والنفاق من سمع منادى الله الى الصلوة فلا يجيبه۔ رواه احمد والطبراني۔
(الترغيب والترهيب للمذہبی ج ۱ ص ۲۷۲)

سوال :- بے وضو نماز پڑھنے والے کا حکم | کو نماز کی امامت کرنے والے شخص کا اندوئے

شریعت کیا حکم ہے؟

الجواب :- غفلت اور بلا قصد استخفاف بغیر وضو کے نماز پڑھنا موجب فسق ضرور ہے مگر موجب کفر نہیں، البتہ اگر اس فعل کو حلال سمجھتے ہوئے یا عمدتاً بقصد استہزاء ایسے کرنے والا شخص کافر ہو کر دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ: من صلى الى غير القبلة متعمداً هو كافر كما لم يستخف وكذا اذا صلى بغیر طهارة۔
(شرح الفقہ الاکبر ص ۱۷۳، ۱۷۴ فصل في القراءة والصلوة)

لے قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی: وسننها ترك السنة لا يوجب فساداً ولا سهواً بل إساءة لو عامداً غير مستخف۔ قال العلامة ابن عابدین: ولو مستخفاً كفر لما في النهر عن البزازية لو لم ير السنة حقاً كفر لأنه استخفاف۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۱۷۷ مطلب سنن الصلوة)

کوئی شخص عمل کی وجہ سے صحابہؓ سے سبقت نہیں لے جاسکتا | سوال :- ایک

کہ اگر موجودہ امت میں کوئی ایسا شخص پیدا ہو جائے جس کا کردار و اخلاق صحابہ کرامؓ جیسا ہو تو وہ فضیلت میں صحابہؓ سے افضل ہوگا، اس پر دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ صحابہ چونکہ حضورؐ کی صحبت میں رہے، حضورؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، وحی ان کے سامنے نازل ہوئی، لہذا ان کا آپؐ پر ایمان لانا ضروری تھا، اور ہم نے چونکہ حضورؐ کو نہیں دیکھا اور نہ نزول وحی کو دیکھا پھر بھی آپؐ پر ایمان لے آئے ہیں، بناء براین اگر کوئی شخص صحیح مسلمانی اختیار کرے تو درجہ میں صحابہ کرامؓ سے بڑھ سکتا ہے، اس کی وضاحت فرماویں :

الجواب :- صحابہ کرامؓ کی شان و مرتبہ بوجہ صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے کوئی غیر صحابی، بڑے سے بڑا ولی اللہ جس کو آپؐ کی بابرکت صحبت میسر نہ ہوئی ہو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا ہے، تمام اہل حق کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کرام کے بعد صحابہؓ تمام انسانوں سے افضل اور بہتر ہیں۔ مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ نے ”ارشاد الطالبین“ میں تحریر فرمایا ہے کہ: ”عبد اللہ بن مبارک تابعین است میگوید الغبار الذی دخل الف فرس معاویۃ خیر من اولیس قرنی وعمر بن عبد العزیز المروانی“، لہذا سب مسلمانوں کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ صحابہ کرامؓ امت کے تمام اولیاء اللہ سے افضل اور بہتر ہیں، کسی بھی عمل کی بناء پر ان سے درجہ میں بڑھ نہیں سکتے۔

لما ورد فی الحدیث : قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکرمو اصحابی فانہم خیارکم۔

(مشکوٰۃ ص ۵۴۲ باب مناقب الصحابة) ۱۷

۱۷ قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ : ومنہا تفضیل سائر الصحابة بعد الاربعة رضی اللہ عنہم۔ فقال ابو منصور البغدادی من اکابر الشافعیۃ اجمع اهل السنة والجماعة علی ان افضل الصحابة ابو بکر، عمر، عثمان، فعلى فبقية العشرة المبشر بالجنة فاهل بدر فباقي اهل الاحد فباقي اهل بيعة الرضوان بالحديبية فباقي الصحابة رضی اللہ عنہم۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۱۹ تفضیل سائر الصحابة بعد الاربعة) ومثله فی العقيدة الطحاوية ص ۵۳ فضیلت الصحابة۔

”یہ چیز مجھ سے خدا بھی نہیں لے سکتا“ کہنا موجب کفر ہے | سوال :- دو آدمیوں کا کسی چیز کے متعلق

آپس میں تنازع تھا، ان میں سے ایک نے بصورتِ جرگہ چند آدمی لے کر حق کا مطالبہ کیا، اس پر دوسرے نے کہا کہ یہ چیز مجھ سے کوئی بھی نہیں لے سکتا حتیٰ کہ خدا بھی نہیں لے سکتا، نیز اس نے یہ بھی کہا کہ نہ تو میں جرگہ کو مانتا ہوں اور نہ خدا کو، اس قسم کے کلمات کہنے والے شخص کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب :- اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرتِ کاملہ رکھتا ہے، کوئی چیز اس کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں وہ واجب الوجود ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کی طرف کسی ایسی چیز کی نسبت کرنا جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ یا وجود کی نفی ہوتی ہو فقہاء کے نزدیک موجب کفر ہے، صورتِ مسئلہ میں بظاہر اس شخص کے یہ کلمات موجب کفر معلوم ہوتے ہیں لہذا توبہ و استغفار کر کے تجدیدِ نکاح کرنا ضروری ہے۔

ما قال العلامة عالم بن العلاء الانصارى : اذا وصف الله تعالى بما لا يليق به سحر باسم من اسماءه او بامر من اوامره وانكر وعده او عيده يكفره - (الفتاوى التاتارخانية ج ۵ ص ۲۶) وقال ايضا : رجل قال لا خرا خدا بترس فقال خدا کجا است يكفره - (الفتاوى التاتارخانية ج ۵ ص ۲۴) احكام المرتدين

سوال :- ایک شخص شرعی ختنہ کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ اگر اصولوں کے مطابق نہیں ہونا چاہیے کیونکہ پیشاب کے لگنے سے جراثیم پیدا ہو کر بیمار

لہ قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ : ولوان رجلاً طالب رجلاً بحق وقال بالفارسية اكر وے خدائے جہاں است از وے بستانم - قال الشيخ ابو قاسم يصيب مرتداً لانه ادعى انه يغلب الله تعالى - وقال بعضهم لا يكون كفراً لان المراد من هذا الكلام في العرف التهميل دون التحقيق - (الفتاوى قاضی خان علی هامش الہندیۃ ج ۳ ص ۵۷) باب ما یکران اسلاماً من الکافر وما لا یکران (ومثله في البرازية علی هامش الہندیۃ ج ۶ ص ۳۲۳) الثاني فيما يتعلق بالله -

پھیلتی ہے اور مسلمان تختہ کرنے کی وجہ سے بیمار ہوتے ہیں، ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟
الجواب :- اگر تو اس سے متکلم کا مقصد توہین اور استخفاف تختہ شرعیہ ہے جو اکثر فقہاء کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے اور اسلام اور اہل اسلام کی ایک شناخت ہے تو اس پر کفر کا شدید خطرہ ہے، اس لیے کہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جب کسی عمل کا سنت نبوی ہونا ثابت ہو جائے کہ یہ کام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے یا کرنے کو فرمایا ہے تو اس کا استخفاف اور توہین کرنا موجب کفر ہے، تاہم اگر یہ قول طبی نقطہ نظر سے کہا گیا ہو تو اگرچہ خلاف واقعہ ہے مگر موجب کفر نہیں لیکن ایسے کلمات سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

لما قال في الهندية : ولو قال این چه رسم است سبت بست کردن و دستار بزمہ
 کلوآوردن۔ (ترجمہ) ما هذه العادة تقصير الشارب و ارتخاء الطيسان تحت الرقبة
 فان قال ذلك على سبيل الطعن في سنة رسول الله فقد كفر كذا في المحيط۔

(الفتاوى الهندية ج ۳۶۵۲ الباب التاسع في احكام المرتدين) لے

تکفیر مسلم میں احتیاط ضروری ہے | سوال :- بقائمی ہوش و حواس اللہ تعالیٰ کی شان میں یوں کہنا کہ ”اللہ تعالیٰ بھی غریبوں

کی“ تو ایسے کلمات کہنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- واضح رہے کہ مذکورہ الفاظ انتہائی خطرناک ہیں جن سے ایمان زائل ہونے کا اندیشہ ہے تاہم بعید احتمالات کے امکان کی وجہ سے اس پر بصورت یقین کفر کا فتویٰ نہیں دیا سکتا ہے اس لیے کہ تکفیر مسلم میں احتیاط نہایت ضروری ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ : اذا كان في المسئلة وجوه
 توجب الكفر و واحد يمنع فعل المفتي الميل لما يمنعه ثم لو نيتة ذلك فمسلم

لے قال العلامة ابن البزاز الکردی : والحاصل انه اذا استخف بسنة او حديث
 من احاديث النبي صلى الله عليه وسلم كفر۔ (الفتاوى البزازية على هامش الهندية
 ج ۳۲۸ کتاب الفاظ تکوّن اسلاماً او کفراً و خطاء۔ الفصل الثالث في الانبياء)

و مثله في شرح الفقه الاکبر ص ۱۰۲ بحث في ان الكبيرة لا تخبر المؤمن عن الايمان۔

والا لم ينفعه حمل المفتي على خلافه۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۶ باب المرتد) ۱

فقہ حنفی کو معتزلہ کی تصنیف کہنے والے پر توبہ لازم ہے | سوال :- ایک بارزید نے

یہ دعویٰ کیا کہ علم فقہ دریاٹے دجلہ میں غرقاب ہو گیا ہے اور موجودہ فقہ حنفی معتزلہ کے لکھی ہوئی ہے۔ زید پر از روئے شریعت عقیدہ مذکورہ کی بناء پر کیا حکم لگایا جاسکتا ہے؟
الجواب :- زید کے مذکورہ جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک غالی قسم کا غیر مقتد ہے اور اس کی یہ بات غلط اور سراسر جہالت پر مبنی ہے، کیا اس کو یہ معلوم نہیں کہ ہدایہ، فتح القدیر، بحر الرائق، قاضی خان، بزاز یہ اور مبسوط کیا یہ سب معتزلہ کی تصنیف کردہ کتابیں ہیں؟ زید کو اگر اتنا علم تھیں کہ موجودہ فقہ کی اصلیت معلوم کر سکے تو آخر یہ ذمہ داری اُس کہاں سے عائد ہو گئی ہے کہ تمام فقہاء اسلام کی تصانیف فقہ کو یک جنبش زبان سے معتزلہ کی تصانیف قرار دیدے، زید کو اس عقیدہ سے توبہ کرنا ضروری ہے ورنہ خدا نخواستہ اس کی یہ بیباکی اس کے خسران کا باعث نہ بن جائے۔

حدیث نبوی کے منکر کا ایمان سلامت نہیں رہ سکتا | سوال :- اگر کوئی شخص صحیح حدیث

یوں کہے کہ میں فلاں فلاں حدیث کو نہیں مانتا، تو از روئے شریعت اس پر کیا حکم لگایا جائے گا؟ وضاحت مطلوب ہے؟

الجواب :- واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث دراصل وحی الہی ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۚ (سورة البنم ۱۰۲) اس لیے حدیث نبوی سے انکار موجب ضلالت ہے، اگر عقیدتاً حقارت کی بنیاد پر احادیث کو ٹھکرا دیا جائے تو اس فعل کی وجہ سے معتقد کافر ہو جاتا ہے۔

۱۔ قال العلامة ابن البزاز الكردي: إذا كان في المسئلة وجو توجب الكفر ووجه واحد يمنع ميل العالم الى ما يمنع الكفر ولا يرجح الوجوه على الوجه... الخ
(فتاوى البزازية على هامش الهندية ج ۴ ص ۳۲۱ الثاني فيما يكون كفرًا من مسلم الخ)
ومثله في مرقاة المصابيح ج ۵ ص ۱ الفصل الاول۔

لما فی الہندیۃ : من انکر المتواتر فقد کفر ومن انکر المشہور یکفر عند البعض
وقال عینی بن ابان : یُضِل ولا یکفر وهو الصحیح۔ ومن انکر خبر الواحد غیر انہ
یا ثم بترك القبول هکذا فی الظہریۃ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ باب التسبیح احکام المرتدین)
توسل بالصالحین جائز ہے | سوال :- کسی نبی یا ولی کے توسل سے دعا مانگنا
شرعاً کیسا ہے؟

الجواب :- اہل سنت و الجماعت کے نزدیک مسئلہ توسل خواہ بالاحیاء ہو یا بالاموات
اسی طرح ذوات سے ہو یا اعمال سے، بہر حال جائز ہے بلکہ ارجی للقبول ہونے میں کوئی
شبہ نہیں، اس لیے کہ اس کی حقیقت اور مرجع توسل برحمتہ اللہ تعالیٰ ہے، براین طور کہ فلاں
مقبول بندہ پر جو تیری خصوصی رحمت ہے اس کے توسط اور وساطت سے دعا کرتا ہوں، یا
اعمال صالحہ کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے تو یہ جائز ہے اور اس میں کوئی حجت
نہیں، اس کی مشروعیت قرآنی آیات، احادیث نبوی اور سلف صالحین کے اقوال و افعال
سے ثابت ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے توسل سے دعا
مانگنا اور اس کا قبول ہونا قرآن پاک میں مذکور ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضعیف ہاتھ
کے وسیلہ سے فتحیابی کی دعا کیا کرتے تھے، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قحط سالی میں
حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے توسل سے باران رحمت کے لیے اللہ تعالیٰ
سے دعا کرنا صحیح احادیث و آثار سے ثابت ہے۔ لیکن اولیاء اللہ کے توسل سے مانگی
ہوئی دعا کا اللہ تعالیٰ پر قبول کرنے کو واجب قرار دینا زیادت علی الشرع کے مترادف
ہے، اس لیے اس قسم کے اعتقاد سے پرہیز کرنا لازمی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ۔ (المائدہ ۳)
قال محی الدین الخطیب : عن أمیۃ بن خالد بن عبد اللہ بن أسید رضی اللہ عنہ

لہ قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ :- وفي المحيط من قال لفقيه يذكر شيئاً من
العلم أو يروى حديثاً صحيحاً أي ثابتاً لا موضوعاً هذا ليس بشيء..... كُفِر۔

(شرح الفقہ الاکبر ص ۱۷۱ الفصل فی العلم والعلماء)

وَمِثْلُهُ فِي فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۲۳ احکام المرتد۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه کان یستفتح بصعالبك المهاجرین۔ رواہ فی شرح السنۃ۔ (مشکوٰۃ ص ۲۲۷ باب فضل الفقراء۔ فصل الثانی) ۱۔

معتوہ کے ارتداد کا حکم | سوال :- میرا ایک دوست گونا گوں مسائل کی وجہ سے پاگل ہو چکا ہے۔ اس حالت میں کبھی کبھار اس کے منہ سے کفریہ کلمات بھی نکل جاتے ہیں، ایک بار انتہائی مفلوک الحالی کے عالم میں اس نے کہا کہ ”مجھے ایسے خدا سے نفرت ہے جس نے مجھے اس مصیبت اور تکلیف میں ڈال دیا ہے“ چند دنوں بعد پھر اسی حالت میں اس نے کہا ”میں خدا کی اس مہربانی پر پیشاب کرتا ہوں جو وہ میرے ساتھ کر رہا ہے“ شریعت کی رو سے اس کا کیا حکم ہے؟ کیا ان کلمات کی وجہ سے وہ مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- اس شخص کی حالت کے پیش نظر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص معتوہ ہے جس کی بعض باتیں دیوانوں (مجانین) کی سی ہیں اور بعض باتیں صحیح العقل آدمی کی باتوں سے مشابہ ہیں، ایسے شخص کو فقہاء اور علم اصول کی اصطلاح میں معتوہ کہا جاتا ہے اور معتوہ شخص صبی عاقل کے حکم میں شمار کیا جاتا ہے

قال العلامة الحسامی: واما العتۃ وهو اختلال العقل بحيث يختلط كلامه في شبه كلام العقل مرة وكلام المجانين مرة أخرى قال الاخسيكتي واما العتۃ بعد البلوغ فمثل الصبا مع العقل يمنع العهدة۔ (الحسامی ص ۱۷۱ القياس مجتہاتی) اب ارتداد کے بارے میں جو حکم صبی عاقل کا ہے وہ اس کا بھی ہوگا، اور صبی عاقل کا ارتداد امام ابو یوسفؒ کے نزدیک معتبر نہیں اور نہ ہی اس پر ارتداد کے احکام جاری ہو سکتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کا ارتداد معتبر ہے اور اس پر ارتداد کے

۱۔ لاورد فی الحدیث: وعن انس رضی اللہ عنہ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ فقال اللهم انا کنا نتوسل الیک بنبیا صلی اللہ علیہ وسلم فتسقینا وانا نتوسل الیک بعتم نبیتنا فاسقنا فیسقوا۔

(مشکوٰۃ ص ۳۲۲ باب الاستسقاء۔ الفصل الثالث)

ومثله فی فتح الباری شرح البخاری ج ۲ ص ۳۹۹ فی باب تحویل الرداء فی الاستسقاء۔

احکام جاری ہوں گے۔

قال العلامة الباقی: وارتداد الصبی الذی یعقل ارتداد عند ابی حنیفة و
محمد رحمہما اللہ یعنی یجری علیہ احکامہ فی بطل نکاحہ و یجرم عن المیراث
وقال ابو یوسف ارتدادہ لیس بارتداد۔ الخ (العناية علی هامش فتح القدیر ج ۳ ص ۳۱۸ احکام المرتدین)
قال العلامة ابن عابدین: واذ ارتد عاقل صح خلافاً للثانی۔ (رد المختار جلد ۳ ص ۳۳۵)
لیکن فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے امام ابو یوسف کے قول کی طرف رجوع
کیا ہے۔ قال ابن عابدین: وفي التنازع خاتمة عن الملتقى ان الامام رجع اليه۔
(رد المختار ج ۳ ص ۳۳۵ باب المرتدین)

اب صبی عاقل کے بارے میں امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ قرار پائے گا کہ اس کا ارتداد
معتبر نہیں ہے۔ اور جب یہ بات پہلے واضح ہو چکی ہے کہ معتوہ صبی عاقل کے حکم میں ہے،
تو جس طرح صبی عاقل کا ارتداد امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک بنا بہ قول مرجوح الیہ معتبر نہیں تو
معتوہ کا ارتداد بھی آپ کے نزدیک معتبر نہ ہو گا لیکن

لہذا اگر مذکورہ شخص واقعی معتوہ ہو تو مذکورہ کفریہ کلمات کی وجہ سے وہ مرتد نہیں گردانا
جائے گا، البتہ چونکہ اس مسئلہ میں اختلاف ضرور ہے تو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے
اسلام کی تجدید کرے اور دوبارہ گواہوں کی موجودگی میں بغیر کسی حلالہ کے نکاح پڑھوائے۔
سوال: فاسق و فاجر کا کیا معنی ہے اور اس کی کیا تعریف ہے؟
الجواب: شریعت مطہرہ کی اصطلاح میں فاسق اُس شخص کو

کہتے ہیں جو ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں ملوث رہے اور شریعت کے بعض یا
تمام احکامات کو پس پشت ڈال کر عمل بے راہروی اختیار کرے اور اپنے گناہوں سے غفلت

لہ قال العلامة ابن عابدین: في المغرب المعتوہ الناقص العقل وقيل المدهوش من غير
جنون۔ (رد المختار ج ۲ ص ۲ کتاب الطلاق)

وقال العلامة قاضی خان: واما ردة المعتوہ والمجنون لعنوا في الكتب المعروفة
قال مشائخنا رحمہم اللہ تعالیٰ هو فی حکم الردۃ بمنزلة الصبی۔
(الفقار قاضی خان علی هامش الہندیۃ ج ۳ ص ۵۴۰ باب ما یکتون کفرًا من المسلم)

برتنے رہے۔

لما قال ابوالقاسم الراغب الاصفهانی: تحت لفظ "فسق" فسق فلان خرج عن حجر الشرع وذلك من قولهم فسق الرطب اذا خرج من قشره وهو اعم من الكفر والفسق يقع بالقليل من الذنوب وبالكثير لكن تعورف فيما كان كثيراً واكثر ما يقال لمن النزم حكم الشرع واقر به ثم اخل بجميع احكامه او ببعضه (مفردات القرآن للراغب) ^{۳۹۲} اور فاجر وہ ہے جو خلاف شرع کاموں میں مبتلا ہو کر توبہ کا ارادہ کرتے ہوئے بھی توبہ نہ کرے۔

قال ابوالقاسم الراغب الاصفهانی: قيل معناه يذنب ويقول غدا اتوب ثم لا يفعل فيكون ذلك فجوراً لبذله عهداً لا يعني به. (مفردات القرآن للراغب) ^{۳۹۳} **فسق وفجور موجب کفر نہیں** | سوال: کیا فسق وفجور کی وجہ سے ایک مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نفس فسق وفجور کی وجہ سے کوئی مسلمان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ ان کے استحلال کا عقیدہ نہ رکھتا ہو۔ اور نہ اس پر مہر ہو۔

لما قال ابو حنیفہ: لا نکفر مسلماً بذنب من الذنوب وان كانت کبيرة اذ لم يستحلها (شرح الفقه اکبر الکبیر لا تخرج المؤمن عن الايمان)

قتل عمد سے توبہ مقبول ہے | سوال: قتل عمد سے اگر قاتل توبہ کرنا چاہے تو کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟

الجواب: قاتل اگر خلوص دل سے توبہ کرے تو توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائینگے۔ قال الله تبارك وتعالى: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ۔ (سورة النساء آیت ۴۸)

قرآن و سنت کی روشنی میں اہل سنت و اطاعت کا یہی عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ سے جب سچے دل سے توبہ کر لی جائے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے، البتہ ورنہ اسے خون معاف ہے قال العلامة محمود الآلوسی: الفاسقین جمع فاسق من الفسق وهو شرعاً خروج العقل عن الطاعة فيشمل الكفر ودونه من الكبيرة والصغيرة واختص في العرف والاستعمال بارتكاب الكبائر۔ (روح المعاني ج ۱ ص ۲۱۰ سورة البقرة آیت ۲۶)

کروانایا ان کو قصاص ادا کرنا ضروری ہے۔

قال العلامة ملا علی القاری: وفي عمدة النسفی ومن تاب عن كبيرة صمة توبة مع الاصل ر على كبيرة اخرى ولا يعاقب بها على الكبيرة التي تاب -
(شرح الفقه الاکبر ص ۱۵۶ مطلب يجب معرفة المكفرات)

قال العلامة فخرالدين الرازى: دلت الآية على ان التوبة من كل ذنب مقبولة وقول من قال التوبة غير مقبولة خطأ لان الشك اشد من القتل فاذا قبل الله توبة الكافر مقبولة توبة القاتل - (تفسير كبير ج ۵ ص ۱۳۲ سورة البقرة - المسألة الثالثة) له
کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا گویا تمام لوگوں کو قتل کرنا ہے | سوال: کسی مسلمان کو بلا وجہ قتل کرنے

سے آدمی کافر ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بے گناہ کو قتل کرنا ایک عظیم گناہ اور بدترین جرم ہے، قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا (سورة المائدة آیت ۳۲) ترجمہ: ”کہ جس نے کسی شخص کو ناحق بغیر کسی جرم کے قتل کر دیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا“ لیکن بایں ہمہ تمام اہل التبتہ والجماعۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی کو حلال جان کر قتل نہ کیا گیا ہو تو قاتل کافر نہیں ہوتا ہے البتہ بہت بڑا گنہگار اور مجرم ضرور ٹھہرے گا اور اگر مسلمان کے قتل کو حلال سمجھ کر کیا گیا ہو تو یقیناً اس سے قاتل کافر ہو جاتا ہے کیونکہ

قال العلامة التفات زانی رح فی المبحث الثانی عشر اتفقت الامم ونطق الكتاب والسنة بان الله تعالى عفو غفور يعفو عن الصغائر مطلقاً وعن الكبائر بعد التوبة - (شرح المقاصد ج ۴ ص ۲۳۵)

قال العلامة نضر احمد العثماني: اتفق الاثمة كما في رحمة الأمة على ان لا يخلد في النار وتصم توبته من القتل -

(اعلام السنن ج ۱۸ ص ۳۷ کتاب الجنایات، باب جوب القصاص)

ومثله في مرقاة المصابيح ج ۷ ص ۶۱ کتاب القصاص، الفصل الثاني

حرام قطعی کو حلال سمجھنا موجب کفر ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: والاصل ان من اعتقدا الحرام حلالاً فان كان حراماً
لغيره کمال الغير لا یکفروا ان كان لعينه فان كان قطعية کفر والا لا۔

(۵۴ المختار ج ۳ ص ۲۲۳ باب المرتد) لہ

والدین اور استاد کا نافرمان کافر نہیں | سوال :- جو شخص والدین یا استاد کا نافرمان ہو
شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ اپنے اس عمل کی
وجہ سے کافر ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- والدین اور استاد کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے لیکن ان کا نافرمان کافر
نہیں ہوگا البتہ فاسق، فاجر اور ظالم ضرور شمار ہوگا۔

لما ورد في الحديث: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم احذثکم باکبر الکبائر قالوا
بلى يا رسول الله قال الاشرار بالله وعقوق الوالدین۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۲ ابواب البر)
قال امام ابو حنیفہؒ: ولا تکفر مسلماً بذنب من الذنوب وان كانت کبيرة
اذا لم يستحلها۔ (فقه اکبر مک الکبيرة لا تخرج المؤمن عن الايمان) لہ

توبہ سے حقوق اللہ معاف ہو سکتے ہیں حقوق العباد نہیں | سوال :- کیا توبہ سے
سب صغائر و کبائر معاف

لہ وقال في الهندية: من اعتقدا الحرام حلالاً او على القلب يكفر اما لو قال لحرام
هذا حلال لترويح السلعة او بحکم الجہل لا یكون کفروا في الاعتقاد هذا اذا كان
حراماً لعينه وهو يعتقده حلالاً حتى يكون کفراً اما اذا كان حراماً لغيره
فلا وفيما اذا كان حراماً لعينه انما يكفر اذا كانت الحرمة ثابتة بدليل
متطوع به اما اذا كان باخبار الاحاد فلا يكفر كذا في الخلاصة۔

(الفتاویٰ الهندية ج ۲ ص ۲۴۲ الباب التاسع في احکام المرتدین)

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْفَقْهِ الْأَكْبَرِ ص ۱۵۱ استحل المعصية ولو صغيرة کفر۔

لہ قال العلامة التفتازانیؒ: ان الكبيرة التي هي غير اكفر لا تخرج العبد المؤمن
من الايمان۔ (التبراس على شرح العقائد ص ۲۲۶ الكبيرة لا تخرج عن الايمان)

ہو سکتے ہیں یا کہ صرف حقوق اللہ معاف ہی معاف ہوں گے اور حقوق العباد ذمے پر باقی رہیں گے؟

الجواب: توبہ اگر اپنی پوری شرائط سے ہو تو اُمید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرما کر اپنے سارے حقوق معاف فرمادیں۔

لما قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ: فاما وقوع قبولها شرعاً
هو مرجوٌ غير مقطوع - (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۵۵ التوبۃ وشرائطها)
البتہ حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے بلکہ حقوق العباد حقوق کی ادائیگی ہی سے
معاف ہوتے ہیں یا خود صاحب حق بطیب خاطر معاف کر دے۔

لما قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ: وان كانت عما يتعلق بالعباد
فان كانت من مظالم الاموال فتتوقف صحة التوبة منها مع ما قد مناه في حقوق
الله تعالى على الخروج عن عهدة الاموال وارضاء الخصم في الحال والاستقبال بان
يتحلل منهم او يردّها اليهم والى من يقوم مقامهم من وكيل او وارث هذا -
(شرح الفقہ الاکبر ص ۵۸ مطلب يجب معرفۃ لمکفرات)

والدین کے نافرمان کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی | سوال :- والدین کو زور و کوب
کے بارے میں شریعت مقدسہ کا کیا حکم ہے؟ جب تک والدین اس سے ناراض ہوں تو
بیٹے کی کوئی عبادت قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے، اس فعل بد سے توبہ کرنا اور والدین
کو راضی کرنا نہایت ضروری ہے، اور جب تک وہ اپنے اس فعل بد سے توبہ نہ کرے تو
والدین سے عاق رہے گا اور عاق والدین کی کوئی عبادت اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں

احمد عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدواوين ثلاثة ديوان لا يغفر الله الاشرار
يقول الله عز وجل ان الله لا يغفر ان يشرك به ويؤان لا يتركه الله ظلم العباد فيما بينهم حتى
يقتض بعضهم من بعض الخ - قال الملا علی قاری تحت حدیث اخروفيه اشعار بانہ
اشعار لا عفوا وشفاعة في حقوق العباد الا ان شاء الله يرضى بما اراد۔

مرقاۃ المصابیح ج ۸ ص ۸۵ کتاب الاداب - الفصل الثانی والثالث (

ہوتی اور نہ وہ جنت میں جاسکتا ہے، احادیث نبوی میں والدین کے نافرمان کی سزائیں بیان ہو چکی ہیں۔

ماوردی الحدیث: عن ابی امامۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ لا یقبل اللہ عزوجل منہم صرفاً ولا عدلاً: عاق وکامنان ومکذب بقدرہ رواہ ابن ابی عاصم فی کتاب السنۃ باسناد حسن۔ (الترویج والترہیب ج ۳ ص ۳۲۸) لہ سوال: کیا لیلۃ الاسری شرب معراج رویت باری تعالیٰ کے عقیدہ کی وضاحت (شرب معراج) رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھا ہے یا کہ ”دل کی آنکھوں“ سے؟ شریعت مقدسہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی تفصیل بیان فرمادیں؟

الجواب:- لیلۃ الاسری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رویت باری تعالیٰ کی نوعیت کے بارے میں عہد صحابہ ہی سے اختلاف چلا آ رہا ہے، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ عدم رویت باری تعالیٰ کے قائل ہیں جبکہ ابن عباسؓ، کعبؓ و حسنؓ رویت باری تعالیٰ کے قائل ہیں، قائلین رویت باری تعالیٰ کا آپس میں پھر اختلاف ہے، ان میں سے بعض رویت بصری کے قائل ہیں اور بعض رویت قلبی کے قائل ہیں۔ فذهب جماعة الى انه رأى ربه بفؤاده دون عينه وذهب جماعة الى انه رآه بعينه۔ (مرقاۃ ج ۱۰ ص ۳۲۹) اول الذکر قول کو علماء کرام ترجیح دیتے ہیں۔ ماقال العلامة ملا علی القاری: وعلى هذا رأى بقلبه ربه رواية صحيحة وهو ان الله تعالى جعل بصيرة في فؤاده او خلق لفؤاده بصيراً حتى رأى ربه رؤية صحيحة كما يرى بالعين قلت وهذا قول حسن ووجه مستحسن يمكن به الجمع بين متفرقات الاقوال۔ (مرقاۃ علی مشکوٰۃ ج ۱۰ ص ۳۲۹) لہ

۱۔ قال المفتي عزيز الرحمن: ایسا شخص فاسق وظالم وعاق والدین ہے اور حق تعالیٰ شانہ کی شان مقدس میں کوئی کلمہ گستاخی کا کھٹکھٹاؤ ارتداد ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱۲ ص ۳۶۶ احکام المرتد)

۲۔ قال العلامة النودى: والحق في هذه المسئلة وان كان كثيرة ولكننا نتمسك بالابلاقوى وهو حديث ابن عباسؓ (صحيح مسلم ج ۱ ص ۹)۔ (کذا فی یواقیت للشعرانی ج ۱ ص ۱)

۳۔ قال العلامة التفازانى: وما قال بعض السلف من وقوع الرؤية بالبصر ليلة المعراج فالجمهور على خلافه وقد روى انه سئل هل رأيت ربك فقال رأيت ربي بفؤادي۔ (شرح المقاصد ج ۲ ص ۱۲۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ درود پڑھنے کو دم کہنا | سوال :- ایک شخص

علیہ وسلم کے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ درود پڑھنے کو (دُم) لگانے سے تعبیر کیا کہ
مُجْتَد کے ساتھ درود پڑھنا (دُم) لگانے کے مترادف ہے، اذروئے شرع
ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- اللہ تعالیٰ کو تمام کائنات میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ پیارے
امام الانبیاء والمرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ کی عزت، عظمت اور
اتباع اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا سبب ہے اور آپ کی عزت و عظمت اور احترام نہ کرتا
اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنتا ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا آپ کی تعظیم و
تکریم کے لیے مشروع ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ
وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (سورۃ الاحزاب آیت ۵۶)

وقال العلامة ابن عابدین: بان المقصود من الصلوة عليه صلى الله عليه وسلم
تعظيمه - (رد المحتار ۱۴/۳۸۳) - اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتے ہیں کہ میرے
محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود و سلام پڑھو۔ اسی طرح درود نہ پڑھنے والے کے
متعلق احادیث میں کثرت سے وعیدات وارد ہوئی ہیں، علامہ ابن عابدینؒ نے رد المحتار میں وہ
تمام احادیث نقل کی ہیں۔ مستدرک کی روایت ہے: عن كعب بن عجرة لمبي
حديث ہے، اس کا ایک جملہ یہ ہے: فلما رقيت الثانية قال جبريل بعد ما ذكرت فلم يُصَلِّ
عليك فقلت آمين (الحديث) کہ جس کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی
لیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے اُس کے لیے جبریلؑ نے بددعا کی اور حضور انورؐ نے
اس پر آمین کہی۔ دوسری روایت میں دغم افت رجلٌ ذكرت عنده فلم يُصَلِّ عليك کے
الفاظ ہیں۔ ایک اور روایت میں یوں فرمایا: "شقي عبد ذكرت عنده فلم يُصَلِّ عليك"
علامہ سیوطیؒ نے "جامع صغیر" میں ایک روایت باین الفاظ نقل کی ہے: "من الجفاء ان اذكر عند
الرجل فلا يصلي علي"۔ ان تمام احادیث اور قرآنی آیات کے پیش نظر رکھ کر فقہاء نے
تحریر فرمایا ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ آپ پر درود پڑھنا فرض ہے، اور جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم
کا نام نامی اسم گرامی لیا جائے تو مذہب صحیح کی رو سے آپ پڑھنا واجب اور نماز میں پڑھنا سنت ہے۔

اور بھی جتنا زیادہ ممکن ہو پڑھنا مستحب ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی: ورجمہ فی البحر باد حدیث الوعد کرغم وابعاد و شقاء و بخل و جفاء ثم فتکون فرضاً فی العمر و واجباً کما ذکر علی الصمیم و حراماً عند الفتح المتاع۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۱ ص ۳۳۲)

ان تمام نصوص سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ درود شریف ایک امر مشروع ہے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ شریعت کے کسی امر کی توہین اور استخفاف کرنا موجب کفر ہے، درود شریف بھی ایک امر مشروع ہے لہذا اس کا انکار کرنا یا اسے دین میں معتبر چیز نہ سمجھنا یا استخفاف کرنا موجب کفر ہے۔

لما فی الہندیۃ: سألت صدر الاسلام جمال الدین عین قرأ حدیثاً من احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال رجل: "ہمہ روز غلشہ خواند" قال ان اضاف ذلك الى القاری لا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینظر ان حدیثاً ان کان حدیثاً یتعلق بالمدین و احکام الشرع یکفروا ان کان حدیثاً لا یتعلق بہ لا یکفر و تحمل مقالته علی ان ارادته قرأۃ غیرہ اولی۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۹۶ الباب التاسع فی احکام المرتدین)

سوال:۔ ایک شخص معراج نبوی کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج خواب میں ہوئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں پر بلانے کی کیا ضرورت تھی جبکہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر اور موجود ہوتا ہے، شرعاً ایسے شخص پر کیا حکم لگایا جاسکتا ہے؟

الجواب:۔ اہل سنت والجماعت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور معجزہ کے اور انتہائی زیادہ اعزاز و اکرام

لما قال العلامة عالم بن العلامة الانصاری رحمہ اللہ: واذ ادعی رجل حدیثاً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وردہ آخر قال بعض مشائخنا: "نہ یکفروا من المتأخرین من قال ان کانتوا نرا یکفروا کذا لک لو قال بطریق الاستخفاف سمعنا کثیراً یکفروا۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج ۵ ص ۲۸۱ کتاب احکام المرتدین)

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۲ باب احکام المرتدین۔

سے نوازنے کے لیے اپنے دربارِ خاص میں بلا کر اپنے ساتھ ہمکلامی کا شرف بخشا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیداری کی حالت میں اپنے جسدِ عنصری کے ساتھ حضرت جبریلؑ کے ہمراہ براق پر سوار ہو کر سب سے پہلے مسجدِ اقصیٰ تشریف لے گئے، آپ وہاں پر براق سے اترے اور اسے دروازہ کے پاس حلقہ کے ساتھ باندھا اور پھر تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت کی پھر یہاں سے آپ کو پہلے آسمان، دوسرے تیسرے حتیٰ کہ ساتوں آسمان، عرش و کرسی، جنت و جہنم کی سیر کرائی گئی، اسی کو معراج کہا جاتا ہے اور یہ حق اور ثابت ہے کہ معراج کا کچھ حصہ من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ قطعی اور یقینی ہے کیونکہ اس کا ثبوت قرآن پاک آیت کریمہ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی (سورۃ الاسراء آیت ۱) سے ہے اس کا منکر کافر اور مرتد ہے اور پھر بیت المقدس سے اوپر آسمانوں تک کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہے لہذا اس کا منکر اگرچہ کافر تو نہیں مگر فاسق و فاجر اور ضال و مبتدع ضرور ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی عادت شریفہ ہے کہ اپنے برگزیدہ نبیوں کی حقانیت اور ان کے دشمنوں کو عاجز اور ذلیل و رسوا کرنے کے لیے اپنے ان نیک بندوں کے ہاتھوں ایسے افعال صادر فرماتا ہے کہ جن کے کرنے سے عام لوگ عاجز ہوتے ہیں اور اس کو کر نہیں سکتے، اس کو معجزہ کہتے ہیں۔ تو واقعہ معراج بھی من جملہ معجزات سے ہے، لہذا یہ اعتراض کرنا کہ جب اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں پر بلانے کی کیا ضرورت تھی؟ بے جا، بے محل اور ناقابل التفات ہے، پھر تو نعوذ باللہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی مخلوقائیں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی کیوں بنایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء سابقین میں امتیازی شان کیوں بخشی؟ نعوذ بک من شر الوساوس الخناس۔

لما قال العلامة ملا علی القاری: وفي الخلاصة من انكر المعراج ينظر انكر الاسراء من مكة الى بيت المقدس فهو كافر وانكر المعراج من بيت المقدس لا يکفر۔ (شرح الفقه الاکبر ص ۱۴۲ بحث ان المعراج حق) له قال في النبراس: فالاسراء وهو من المسجد الحرام الى بيت المقدس قطعی ای یقینی ثبت بالکتاب ای القرآن والسنة ویکفر منکره والمعراج من الارض الى السماء مشهور ای ثبت بالحدیث المشہورة فلا یکفر منکره بل تفسق ومن السماء الى الجنة والعرش او غیر ذلك احاد ای مروی غیر الآحاد یا ثمر منکره۔ (النبراس ص ۲۷۲ سورۃ الاسراء) ومثله فی شرح العقیدة الطحاویة ص ۲۲۵ تحت قوله والمعراج حق الى آخره۔

قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ کا نزول ختم نبوت کے منافی نہیں | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ

ذیل کے بارے میں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمانوں سے نزول فرمائیں گے تو بحیثیت پیغمبر نزول فرمائیں گے یا امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کی حیثیت سے؟
الجواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمانوں پر اٹھایا جانا اور قیامت کے قریب ان کا نازل ہونا اور پھر قبضہ شریعت محمدی بن کر کچھ عرصہ اس دنیا میں رہنا امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے۔ قرآنی آیات اور احادیث متواتر المعنی سے اس کا ثبوت ملتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذاتی حیثیت یقیناً نبی اور پیغمبر کی ہوگی، انبیاء سابقین کی طرح آپ پر اللہ کی طرف سے وحی بھی ہوگی، اس کے باوجود آپ شریعت محمدی کے تابع ہوں گے البتہ یہ وحی شریعت محمدی کو بدلنے کے لیے نہیں ہوگی بلکہ اس وقت کے حالات کے اعتبار سے ضروری احکام ہوں گے۔ لہذا آپ نزول کے بعد دو صفات کے ساتھ متصف ہوں گے، ایک شان نبوت اور دوسرا شان امت محمدیہ، لیکن آپ کی یہ شان نبوت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے منافی نہیں ہوگی، اس لیے کہ ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو بھی منصب نبوت سے نہیں نوازا جائے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبی بن کر آئے تھے۔

ما قال الامام فخرالدين الرازى: تحت قوله تعالى: وان من اهل الكتاب الا يؤمنن به قبل موته
 اى قبل موته عيسى المراد ان اهل الكتاب الذين يكونون موجودين في زمان نزوله لا بد ان يؤمنوا به قبل بعض التكلمين
 انه يمنع نزوله من السماء الى الدنيا الا انه انما ينزل عند ارتفاع التكليف او بحيث يعرف اذ لو نزل مع بقائه التكليف
 على وجه يعرف انه عيسى عليه السلام كما ان يكون نبياً ولا نبى بعد محمد صلى الله عليه وسلم او غير وغير ذلك
 جائز على الانبياء وهذا اشكال عند ضعيف لان انتهاء الانبياء الى مبعث محمد صلى الله عليه وسلم فعند مبعثه
 انتهت تلك المدة فلا يصح بعد نزوله تبعاً لمحمد صلى الله عليه وسلم (تفسير كبير ج ۱۱-۱۲ سورة النساء آیت ۱۵۹) له
 له قال العلامة ابن البرز الكوردي: واما الايمان بسيدنا عليه السلام فيجب بانه رسولنا في الحال وخاتم الانبياء والرسول
 فاذا آمن بانه رسول ولم يؤمن بانه خاتم الرسول لا ينسخ دينه الى يوم القيامة لا يكون مؤمناً وعيسى عليه السلام
 ينزل الى الناس ويدعوهم الى شريعته وسائق الامم الى دينه (فتاوى بزازية على هامش المصنف ج ۶ نوع فيما
 بها مما يجب كفارة من اهل البدع - الثالث في الانبياء) - ومثله في شرح الفقه الاكبر ص ۱۱۲

میت کا جسم ریزہ ریزہ ہو جانے کی صورت میں قبر کا عذاب و ثواب | سوال :- بسم ہنود جو آدمی آگ میں جل کر لکھ

ہو جائے یا پانی میں ڈوب کر ریزہ ریزہ ہو جائے یا اس کو کوئی درندہ کھا جائے تو کیا اس آدمی کو بھی قبر کا ثواب و عذاب ہوگا یا نہیں؟ اور اس ثواب و عذاب کی کیا کیفیت ہوگی؟

الجواب :- عالم برزخ کا عذاب و ثواب مختلف آیات اور احادیث سے ثابت ہے جن اموات کے اجسام مذکورہ بالا طریقہ سے بالکل ختم ہو جاتے ہیں اور بظاہر آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں ان کو بھی جزا و سزا ملتی ہے جس کی حقیقت کے ادراک سے قاصر ہیں۔ ہر حال جزا اور سزا روح اور جسم دونوں کو ملتی ہے اور یہی اصح قول ہے۔ عالم برزخ میں روح کا جسم کے ساتھ ایک قسم کا تعلق اور ربط ہوتا ہے جس سے روح کو ملنے والی جزا و سزا سے جسم بھی متاثر ہوتا ہے اور جو تکلیف یا راحت روح کو ملتی ہے باقاعدہ جسم بھی اُسے محسوس کرتا ہے خواہ جسم کے اجزاء ریزہ ریزہ ہو کر بظاہر بالکل ہی نیست و نابود کیونہ ہو جائیں۔

لما قال الامام ابو حنیفۃؒ: وضغطة القبر حق وعذابہ حق کائن للکفار کلہم ولبعض المسلمین وقال ملا علی القاریؒ فی شرحہ واعلم ان اهل الحق اتفقوا علی ان اللہ تعالیٰ یخلق فی المیت نوع حیاً فی القبر قدر ما یتألم او یتلذذ۔ الخ (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۴۷ فی ان عذاب القبر حق) لہ

لہ وقال العلامة ابن ابی العز الحنفیؒ: وقد توارث الاخبار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ثبوت عذاب القبر ونعیمہ لمن کان ذلک اھلاً وسوال الملکین فیجب اعتقاد ثبوت ذلک والایمان بہ ولا تتکلم فی کیفیۃ الخ منہم وكذلك عذاب القبر یكون للنفس والبدن جميعاً باتفاق اهل السنة والجماعة تنعم النفس ویعذب مفردة عن البدن ومتصلة به واعلم ان عذاب القبر هو عذاب البرزخ فکل من مات وهو مستحق للعذاب ناله نصیب منه قبراً ولم یقبر اکلته السباع واحترق حتی صار ماداً ونسف فی الهواء وصلب او غرق فی البحر وصل الی روحہ ویدنہ من العذاب ما یصل الی المقبور۔

(شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص ۴۵-۴۵۱ الایمان بعذاب القبر)

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْعَقَائِدِ النَّسْفِي ص ۹۸ عذاب القبر۔

زیارت قبور کے موقع پر بعض غیر شرعی رسوم کا ذکر | سوال :- بعض مزارات پر کئی عجیب و غریب افعال دیکھنے میں آتے ہیں

مثلاً صاحب قبر سے مدد مانگنا، وہاں سے نمک لیکر کھانا اور چھوٹے چھوٹے ٹھیلے بنانا وغیرہ۔ شرعاً ان افعال کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب :- غیر اللہ کو اپنی حاجات میں غائبانہ پکارنا اور اس سے مافوق الاسباب امداد طلب کرنا حرام اور امور شرکیہ میں سے ہے، جیسا کہ عام نصوص قرآنی اور احادیث سے ثابت ہے، اسی طرح صاحب مزارات کے نام پر نذرین یا زینا حرام اور شرک ہے اور اس عقیدہ کے تحت وہاں سے نمک لے کر کھانا اور چھوٹے چھوٹے ٹھیلے بنانا وغیرہ ناجائز اور حرام ہے۔

قال الله تبارك وتعالى: وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنِ دُعَاءِهِمْ غَافِلُونَ (سورة الاحقاف آیت ۲۴)

لما ورد في الحديث: وعن جابر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يحمص القبر وان يبنى عليه وان يقعد عليه۔ (المشکوٰۃ ص ۱۲۸ باب دفن الميت)
وقال العلامة المحقق: واعلم ان النذر الذي يقع للاموات من كثرة العوام وما يؤخذ من الدراهم والشمع والذيت ونحوها الى ضرائح الاولياء الكرام تقرباً اليهم فهو باطل لا جماع باطل حرام ماله يقصد واصرفها الفقراء الانام وقد ابتلى الناس بذلك۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۹ کتاب الصوم) لہ

لہ قال الله تبارك وتعالى: وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِنْ الظَّالِمِينَ (سورة يونس آیت ۱۰۶)

وَعَنْ ابْنِ الهيثاج قال قال لي علي الا بعثك علي ما بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تدع تمثالاً الا طمسته ولا قبراً مشرفاً الا سوتيه۔ رواه مسلم (مشکوٰۃ ص ۱۲۸ باب دفن الميت)
وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سئلت فاسأل الله واذا استغثت فاستعن بالله۔ (مشکوٰۃ المصابيح ص ۲۵۳ باب التوكل والصبر)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى الْهَنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۳۵۱ الباب السادس عشر في زيارة القبور الخ

اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے | سوال :- کیا اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے؟ اور کیا آئے دن کے تمام جدید مسائل کا حل اسلام

میں موجود ہے؟

الجواب :- مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے، دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم، عالم گیر بھی ہے اور احوال گیر بھی ہے، زندگی کا کوئی شعبہ اور کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں اسلام نے رہبری اور راہنمائی نہ فرمائی ہو۔ اسلامی نظام معاشرتی، معاشی اور اقتصادیات کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے، اسلام میں صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں پوری انسانیت کے لیے فلاح اور بہبود کا پیغام ہے بلکہ تمام کے حقوق اور ان کی پاسداری کا لحاظ اسلام میں موجود ہے، نیز دین و شریعت محمدی کی کوئی بات عقل کے خلاف نہیں ہے، البتہ ہم چونکہ ناقص العقل ہیں اس لیے بہت سی باتیں ہمیں ماوراء العقل نظر آتی ہیں اس میں غامی ہماری ناقص اور کمزور عقل کی ہے نہ کہ دین اسلام کی۔

قال الله تبارك وتعالى: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّكُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۚ قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ ۝ (سورة الزمر ۲۸، ۲۹)
وقال ايضا: الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ ۚ وَانَّمَتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ (المائدة ۳)
وقال ايضا: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَاثًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝ (سورة التحل آیت ۸۹) ۱۰

۱۰ لما ورد في الحديث: قال ابن مسعود رضي الله عنه: من اراد العلم فعليه بالقرآن فان فيه خير الاولين والآخرين۔ رواه سعيد بن منصور في سننہ۔ وقال ايضا: انزل في هذا القرآن كل علم وبين لنا فيه كل شيء ولكن علمنا يقصر عما بين لنا في القرآن۔ (رواه ابن جرير وابن حاتم في تفسيرهما) وقال: اذا احدثتكم بحديث انباء تكرر بتصديقه من كتاب۔ (رواه ابن ابی حاتم) وقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم: ستكون فتنة قیل وما المخرج منها؟ قال کتاب الله فيه نبأ ما قبلكم وخبر ما بعدكم وحكم ما بينكم۔ (الجامع الترمذی ص ۱۱۸ باب ما جاء في فضل القرآن) وَمَثَلُهُ فِي نَزُولِ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ لَامَامَ جَلال الدین سیوطی ص ۲۱۰۔

قرآن پاک کے متعلق تبدیلی کا عقیدہ رکھنا | سوال :- جو قرآن مجید اس وقت
 وہی قرآن مجید ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصال کے وقت چھوڑ گئے تھے یا اس
 میں کوئی تبدیلی وغیرہ آچکی ہے ؟

الجواب :- امت مسلمہ کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ جو قرآن مجید اس وقت ہمارے
 پاس موجود ہے یہ بعینہ وہی قرآن ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
 پر بواسطہ حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے ۲۳ سال میں اتارا گیا تھا
 اس میں ابھی تک کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے اور نہ قیامت تک آئے گی حتیٰ کہ لہجہ اور رسم الخط
 بھی اُسی طرح محفوظ ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ سے لے کر
 اب تک ہر زمانہ میں لاکھوں کروڑوں حفاظ کرام کے سینوں میں محفوظ چلا آ رہا ہے
 اور انشاء اللہ قیامت تک ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ رہے گا، اس لیے کہ قرآن مجید
 کا ہر حرف حدیث و تواتر کو پہنچا ہوا ہے۔ تمام فقہاء کرام اور متکلمین کا اس پر اتفاق ہے
 کہ جو شخص قرآن مجید میں تغیر و تبدل کا قائل ہو وہ بلا شک و شبہ کافر ہے، اس لیے کہ
 اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

قال اللہ تعالیٰ : اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ۔ (سورۃ الحجر آیت ۹)
 وقال ایضاً : قُرْاٰنَا غَرِیْبًا غَیْرَ ذِیْ عَوْجٍ لَّعَلَّہُمْ یَّتَّقُوْنَ ۔ (سورۃ الزمر آیت ۲۸)
 وقال العلامة عماد الدین ابن کثیر : تحت قوله تعالیٰ : اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ
 ای ثم قال تعالیٰ انہ ہوا الذی انزل علیہ الذکر و ہوا القرآن و ہوا الحافظ لہ من
 التغیر والتبدیل ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ و ۵۴ سورۃ الحجر پ ۱ آیت ۵) لے

لے لما قال العلامة ابو عبد اللہ احمد القرطبی : اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ یعنی القرآن وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ
 من ان یزاد فیہ او ینقص منه قال قتادۃ وثابت البنانی حفظہ اللہ من ان یتزید فیہ الشیاطین
 باطلاً او تنقص منه حقاً فتولی سبحانه حفظہ فلم یرزل محفوظاً ۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۵۵ پ ۱ سورۃ الحجر آیت ۹)

وَمِثْلُہٗ فی شرح الفقہ الاکبر ص ۱۶ فصل فیما یتعلق بالقرآن ۔

کفار دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے | سوال :- اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ کفار ہمیشہ کفر و شرک کی سزا دوزخ میں جھگت کر جنت میں داخل ہوں گے، اس لیے کہ ایک شخص نے کفر و شرک ۶۰/۶۰ سال تک کیا اور اس پر عذاب دائمی ہونا ظلم ہے، سزا جرم کے مطابق ہونی چاہیے، ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- امت مسلمہ کا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص اس دنیا سے کفر و شرک کی حالت میں مر گیا اور موت آنے تک اس کو اسلام کی دولت نصیب نہ ہوئی تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم (دوزخ) میں رہے گا اور کبھی بھی اس کو وہاں سے پھٹکارا نہیں ملے گا، قرآن مجید کی بیشمار آیات مبارکہ اور احادیث صحیحہ سے صراحتاً اس عقیدے کا اثبات ہوتا ہے۔ اس ابدی عذاب کی وجہ اللہ تبارک و تعالیٰ یوں بیان فرماتے ہیں، ووردوا لعادۃ المانہوا عنہ۔ (سورۃ الانعام آیت ۲۸) ”کہ اگر اُن لوگوں کو دوبارہ لوٹا دیا جائے دُنیا میں تو یہ لوگ پھر کفر و شرک کی طرف لوٹ آئیں گے۔“

لہذا اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم تھا کہ اگر اس شخص کو ابدی زندگی دے دی جائے تو یہ ابدی کفر و شرک سے باز نہیں آئے گا، پس اس کا کفر و شرک بھی ابدی ہے اور سزا بھی ابدی ہوگی۔ لہذا جو شخص ناقص عقلی دلائل کے بل بوتے پر اس عقیدے سے منحرف ہو جائے تو وہ دین محمدیؐ سے خارج ہے۔

قال اللہ تبارک و تعالیٰ : اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوقُوا الْعَذَابُ (سورۃ النساء آیت ۵۶)

وقال اللہ تعالیٰ ایضاً : وَاِیَّیْهِ الْمَوْتُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَ مَا هُوَ بِمِیَّتٍ وَّمِنْ وَرَآئِهِ عَذَابٌ غَلِیْظٌ۔ (سورۃ ابراہیم آیت ۱۶، ۱۷)

وفی موضع اخر: قال إِنَّهُ مِنْ یَّأْتِ رَبِّهِ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ نَارًا جَهَنَّمَ لَا یَمُوتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی۔ (سورۃ طہ آیت ۷۴) وقال اللہ تعالیٰ : قِیْلَ ادْخُلُوا الْبُؤَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْهَا۔ (سورۃ الزمر ۷۲)

وقال الله تعالى : وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فِيمَوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا - (سورة قاطر آیت ۱۳۶) ۱۷

سوال :- اگر کوئی گنہگار مسلمان رمضان المبارک میں فوت ہو جائے تو اس سے قیامت تک عذاب قبر مرتفع ہوگا یا صرف رمضان المبارک میں ہی تخفیف ہوگی اور پھر غیر رمضان میں عذاب ہوگا یا نہیں ؟

الجواب :- حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب رمضان المبارک شروع ہو جائے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو گنہگار مسلمان رمضان شریف میں فوت ہو جائے وہ عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔

اسی طرح علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے (رد المحتار مج - آخر باب الجمعہ میں) لکھا ہے کہ اگر کوئی گنہگار مسلمان رمضان المبارک میں یا غیر رمضان میں جمعہ کے دن فوت ہو جائے تو وہ قیامت تک عذاب قبر سے محفوظ و مامون رہے گا، البتہ کافر کا عذاب دائمی ہوگا صرف جمعہ کے دن اور رمضان شریف میں اس سے عذاب ہلکا ہوگا، البتہ بعض نے

۱۷ وقال العلامة تفتازانی رحمہ اللہ :- والجنة والتارحق وهما مخلوقتا موجودتان باقستان لا تفنيان ولا يفنى اهلها - اي دائمتان لا يطرء عليهما عدم مستمر - لقوله تعالى : في حق الفرقيتين خالدين فيها ابداً - واما ما قيل من انهما تهلكان ولو لحظة تحقيقاً - لقوله تعالى : كل شيء هالك الا وجهه - فلا يتنافى البقاء بهذا المعنى لانك قد عرفت انه لا دلالة في الآية على القناء وذهبت للجمعية الى انهما تفنيان ويفنى اهلها وهو قول المخالف الكتاب والسنة والاجماع ليس عليه شبهة فضلاً عن حجة - رشرح العقائد ص ۸۲ الجنة والنار ومثله في شرح الفقه الاكبر ص ۹۸، ۹۹ الجنة والتارحقان - وكذا في شرح العقيدة الطحاوية ص ۲۸ الجنة والنار -

اس قول کو کہ ”عاصی تا قیامت عذاب قبر سے مامون رہے گا“، مرجوح قرار دیا ہے۔
 ماوردی الحدیث: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل رمضان
 فتحت ابواب السماء وفي رواية ابواب الجنة وغلقت ابواب جهنم الخ۔
 (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۳ کتاب الصوم) لہ

سوال: کیا کل شیء ہالک میں
 کل شیء ہالک الا وجهہ وکل نفس
 ذائقۃ الموت میں ہلاکت و موت کی تفصیل
 جنت، جہنم اور پطراط داخل ہیں یا نہیں؟
 اسی طرح کل نفس ذائقۃ الموت

میں حاملین عرش اور مقرب فرشتے داخل ہیں یا نہیں؟
 الجواب:۔ قرآن مجید کی آیت مبارکہ کل شیء ہالک الا وجهہ کی تفسیر میں
 متکلمین و مفسرین کے اقوال مختلف ہیں، بعض حضرات نے الفاظ کے عموم اور ظاہر کو
 دیکھ کر سب پر فناء ہونے کا حکم لگایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا تمام
 موجودات پر ہلاکت طاری ہوگی حتیٰ کہ جنت، دوزخ وغیرہ بھی صفحہ ہستی سے
 مٹ جائیں گے صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات بابرکات باقی اور دائمی رہے
 گی، البتہ جنت جہنم کے لیے یہ ہلاکت تھوڑی دیر ہوگی دائمی فناء نہ ہوگا،
 اس لیے کہ ہلاکت دائمی فناء کو مستلزم نہیں اور یہ تھوڑی دیر کے لیے فناء ہو جانا
 قرآن مجید کی اس آیت کہ میرے کل شیء ہالک الا وجهہ کی تحقیق کے لیے ہوگا،
 جیسا کہ جہنم کے متعلق اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَإِنْ مِنْكُمْ آلَا وَاَرْدَهَا كَتَحْتَ
 مفسرین لکھتے ہیں کہ ہر نیک و بد کو اس پر سے گزرنا پڑے گا لیکن نیک آدمی کے لیے

لہ قال العلامة ابن عابدین: وضغطة القبر حق ان كان كافراً فعَذَابُهُ يَدُومُ إِلَى
 يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيَرْفَعُ عَنْهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَشَهْرُ رَمَضَانَ..... وَالْعَاصِي يُعَذَّبُ
 وَيُضْغَطُ لَكِنْ يَنْقُطُ عَنْهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَتِهَا ثُمَّ لَا يَعُودُ وَمَنْ مَاتَ
 يَوْمَهَا وَلَيْلَتِهَا يَكُونُ الْعَذَابُ سَاعَةً وَاحِدَةً وَضَغْطَةٌ ثُمَّ لَا يَعُودُ۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۱۸۱ باب الجمعة)

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْفَقْهِ الْأَكْبَرِ ص ۲۸۱ ضَغْطَةُ الْقَبْرِ۔

ہر ف مرور ہوگا جہنم کی تپش اس کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکے گی۔ جبکہ بعض مفتربین فرماتے ہیں کہ چونکہ جنت اور جہنم پیدا ہو چکے ہیں اور اب بھی موجود ہیں، نصوص قرآنیہ اس پر دال ہیں کہ ان پر عدم طاری نہیں ہوگا بلکہ باقی اور دائمی رہیں گے۔ کما قال اللہ تبارک وتعالیٰ: خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا، اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ،

وغیرہ ذلک (سورۃ آل عمران آیت ۳۳) لہذا ان نصوص کی بنا پر کل شیئ اکثریت کے لیے تمام اشیاء کو محیط نہ ہوگا اور جنت و جہنم اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: وَاَوْتِيتُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں ہلاکت سے مراد موت ہے اور عمومیت ہر ذی روح جو دنیا میں موجود ہے اس کے اعتبار سے ہے یعنی ہر ذی روح کو موت آئے گی اور وہ فنا ہوگی۔ اس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے جو انہوں نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں نقل کی ہے: ”کلّ حتّ میت الا وجهہ“

علامہ ابن ابی العزاد الحنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کل شیئ ہالک سے تمام وہ موجودات مراد ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فنا اور ہلاکت کا فیصلہ فرمایا اور جنت جہنم و عرش کو باقی رکھنے کے لیے پیدا فرمایا نہ کہ فنا ہونے کے لیے، جیسے کہ قرآنی نصوص عدم فنا کی طرف مشیر ہیں لہذا جنت جہنم اور عرش وغیرہ اس حکم سے مستثنیٰ ہونگے۔ اسی طرح کلّ نفس ذالِقۃ الموت میں تمام جاندار اشیاء داخل ہیں اور فرشتے بھی اس حکم سے مستثنیٰ نہیں، سب پر ایک مرتبہ موت طاری ہوگی اور از سر نو ان کی بعث ہوگی جیسے دیگر جاندار اشیاء کی بعث ہوگی۔

لما قال العلامة تفتازانی رحمہ اللہ: وهما ای الجنة والنار مخلوقتان الا ان موجودتان باقیتان لا تفنیان ویفنی اهلها ای دائمتان لا یطرو علیہا عدم مستمر لقوله تعالیٰ: فی حقّ الفرقیین خالِدین فیہا اَبَدًا۔ (سورۃ) واما ما قیل انها تہلکان ولولحظة تحقیقاً۔ لقوله تعالیٰ: کلّ شیئ ہالک الا وجهہ۔ فلا ینافی البقاء بہذا المعنی لانتک عرفت انه لا دلالة فی الآیة علی الفناء وذهب الجہمیۃ الی انها تفنیان ویفنی اهلها وهو قول مخالف

لكتاب والسنة والاجماع - (شرح العقائد ص ١٠٦)

وقال العلامة الآكوسي: وقال غير واحد المراد بالهلاك خروج الشيء عن الانتفاع به المقصود منه اما يتفرق اجزائه او نحوه والمعنى كل شيء سيهلك ويخرج عن الانتفاع به المقصود منه الا ذاته عز وجل والظاهر انه اريد بالشيء الموجود المطلق لا الموجود وقت النزول فقط فيقول المعنى الى قولنا كل موجود في وقت من الاوقات سيهلك بعد وجوده الا ذاته عز وجل فيدل ظاهر الآية على هلاك العرش والجنة والنار والذي دل عليه الدليل عدم هلاك الآخرين وجاء في الخبر ان الجنة سقفها عرش الرحمن ولهذا اعترض بهذه الآية على القائلين بوجود الجنة والنار الآن والمنكرين له القائلين بانهما سيوجدان يوم الجزاء ويستمر ان ابد لا يباد واختلفوا في الجواب عن ذلك فمنهم من قال ان كلاً ليست للاحاطة بل للتكثير كما في قولك كل الناس جاء الا زيدا اذا جاء اكثرهم دون زيد وايد بما روى عن الضمك انه قال في الآية كل شيء هالك الا الله عز وجل والعرش والجنة والنار ومنهم من قال ان المراد بالهلاك الموت والعموم باعتبار الاحياء الموجودين في الدنيا وايد بما روى عن ابن عباس انه قال في تفسير الآية كل حي ميت الا وجهه - (تفسير روح المعاني ج ٢٠ ص ١٣١) سورة القصص باره عن آيت ٨٨) له

له وقال الامام الرازي: (تحت هذه الآية) استدلت المعتزلة به على ان الجنة والنار غير مخلوقتين قالوا لان الآية تقتضي فنا الكل فلو كانتا مخلوقتين لفيتا وهذا يناقض قوله تعالى في صفة الجنة: اكلها دائم، والجواب هذا معارض بقوله تعالى في صفة الجنة: اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ وفي صفة النار: وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ثم اما ان يحمل قوله كل شيء هالك على الاكثر كقوله (وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ) او يحمل قوله اكلها دائم على ان زمان فناها لما كان قليلاً بالنسبة الى زمان بقائهما للجبرم (باقى حاشية اكله ص ٢٠٢ ملاحظة هو)

رؤیت باری تعالیٰ | سوال :- قیامت کے دن مخلوق اپنے خالق کو دیکھ سکے گی یا نہیں؟ اور اگر دیکھ سکیں تو اس کی کیفیت کیا ہوگی؟

الجواب :- اہل السنۃ والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اہل جنت کو انکی ظاہری آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرایا جائے گا، یعنی دیدار خداوندی سے بڑھ کر ان کو کسی اور نعمت کے ملنے سے اتنی خوشی اور مسرت نہ ہوگی۔ اور اس عقیدے پر تمام صحابہ کرامؓ، تابعینؓ، تبع تابعینؓ اور ائمہ مجتہدین کا اجماع ہے۔

لما قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ: واللہ تعالیٰ یرى (بصیغۃ المجهول) ای ينظر اليه بعين البصر في الآخرة ای يوم القيامة..... ویراه المؤمنون وهم في الجنة باعين رؤوسهم بلا تشبيه ولا كيفية ولا كمية۔ الخ (شرح الفقہ لا کبرم^{۱۱۹} بحث فی انه تعالیٰ یرى فی الآخرة بلا کیف)۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) اطلق لفظ الدوام علیہ۔

(تفسیر کبیر ج ۲۵، ۲۶ ص ۲۴۱ سوق القصص آیت ۷۸ پارہ ۲)

وقال اکامام عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ: تحت قول اللہ تعالیٰ وکل نفس ذائقۃ الموت؛ یشیر اللہ تعالیٰ اخباراً عاماً یعم جمیع الخلیقۃ بان کل نفس ذائقۃ الموت کقولہ تعالیٰ: کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ؛ فهو تعالیٰ حی الذی لا یموت والجن والانس یموتون وكذلك الملائکة وحملۃ العرش ویتقرر الواحد الاحد القهار بالعدمومة والبقاء فیکون آخر ما کان اولاً۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۳ سورة آل عمران)

ومثله فی شرح العقیدۃ الطحاویۃ مفصلاً ص ۲۴۶ تا ۲۸۸

لہ وقال العلامة نجم الملة عمر النسی رحمہ اللہ: ورؤية اللہ تعالیٰ جائزۃ فی العقل واجبیۃ فی النقل وقد ورد الدلیل السمعی بإيجاب رؤیت المؤمنین اللہ تعالیٰ فی دار الآخرة۔

(شرح العقائد ص ۲۴۶ رؤیۃ باری تعالیٰ)

ومثله فی شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص ۲۱۲ رؤیۃ اللہ تعالیٰ۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے جنتی ہونے کا عقیدہ | سوال: حضور
 علیہ وسلم کے والدین مشرف بہ اسلام تھے یا نہیں؟ مسلمانوں کو اس بارے میں کیا
 عقیدہ رکھنا چاہیئے؟

الجواب: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم والدین کے مسلمان ہونے اور
 نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اور اس اختلاف کی اصل وجہ روایات میں اختلاف ہے۔
 علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے دلائل سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ حضور اکرم
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین ماجدین دونوں مسلمان ہیں۔ یا تو بایں صورت کہ
 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز و اکرام کے لیے ان کو زندہ کیا گیا اور دونوں
 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور دین محمدی کا اقرار کر لیا، یا یہ کہ
 ان کی وفات زمانہ فترت میں ہوئی ہے، لہذا اشاعرہ کے اصول کے مطابق: "من
 مات ولم تبلغه الدعوة یموت ناجیاً" یعنی جو اس حالت میں مرا کہ اس کو
 دین الہی کی دعوت نہیں پہنچی تو وہ ناجی ہوگا۔ اور ما ترید یہ کہ نزدیک نجات
 کے لیے شرط یہ بھی ہے کہ کفر و شرک کا اعتقاد نہ ہو۔ اور جن روایات سے آپ
 کے والدین کا کفر پر مرنے کا ثبوت ہوتا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے استفسار پر فرمایا: "ابی وابوہک فی النار"
 تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قبل از علم تھا۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارہ میں ایک مستقل رسالہ لکھا
 ہے جس میں آپ نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے
 والدین مسلمان اور جنتی ہیں۔

ما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: الا ترى ان النبی صلی اللہ علیہ
 وسلم قد اکرمہ اللہ تعالیٰ بحیاء ابویہ لہ حتی امنابہ کما فی حدیث
 صحیحہ القرطبی وابن ناصر الدین حافظ الشام وغیرہما فانفعنا بالایمان
 بعد الموت علی خلاف القاعدة اکراماً للنبی صلی اللہ علیہ وسلم کما
 احیا قتیل بنی اسرائیل لیخبر بقاتلہ..... وما قیل ان قوله تعالیٰ: وَتَسْئَلُ

عن اصحاب الجعیر نزل فیہا لم یصح وخبر مسلح ابی وابوک فی النار کان
قبل علم - (رد المحتار ج ۲ ص ۲۳۱ باب المرتد) لہ

عذاب قبر کی کیفیت کیا ہے | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل میں کہ
عذاب قبر کی کیفیت کیا ہے اور اس میں حساب و کتاب کیسا ہے اور گنہگار مسلمان کو کیسا عذاب دیا جائے گا ؟

الجواب :- اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ مرنے کے بعد
عالم برزخ میں کفار، منافقین اور بعض گنہگار مسلمان کو عذاب دیا جاتا ہے، قرآن و حدیث
اور تمام کتب کلام میں عذاب قبر کا ثبوت صراحتاً ملتا ہے۔ اسی طرح ہر شخص سے مرنے
کے بعد قبر میں تین سوالات ہوں گے (۱) من ربک (۲) من نبیک (۳) ما دینک، ہر
ایک کو ان کا جواب دینا ہوگا، جواب نہ دینے یا غلط دینے کی صورت میں قبر میں عذاب
ہوگا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتے
تھے اور صحابہ کرام کو بھی اس کی تعلیم فرماتے تھے۔

باقی رہی یہ بات کہ کس کو کس قسم کا عذاب ہوگا؟ تو اس کے متعلق اتنا سمجھ لینا
چاہیے کہ کافر اور منافق کا عذاب سب سے زیادہ سخت ہوگا اور تا قیامت دائمی
ہوگا۔ لقولہ تعالیٰ : اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ
اور بعض گنہگار مومنین کا عذاب گناہوں کے لحاظ سے مختلف ہوگا، کیونکہ سزا جرم
کی نوعیت کے اعتبار سے ہوا کرتی ہے لیکن کافروں کے عذاب سے گنہگار مومنین کا

لہ لما قال العلامة محمد عبدالعزیز القرہاری : تحت قوله فانه محمد بن عبد الله
..... وروی باسانید ضعیفۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا ربہ
فاحیاء و آمنۃ أم رسول صلی اللہ علیہ وسلم و آمنۃ بہ و اختار الامام
الرازی انہما ماتا علی ملتہ ابراہیم علیہ السلام والجمع ان الاحیاء کرامۃ لہما ایضا عفوا بہما
وقد الف الحافظ المحقق جلال الدین السیوطی رسائل ستا فی اثبات ایمانہا و ایمان جمیع
آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی آدم علیہ السلام و تبعہ المحققون المتأخرون۔
(النبیاس ص ۳۱۹ نصب الامام و یكون من قریش)

عذاب بہر حال ہلکا اور آسان ہوگا۔

لما ورد فی الحدیث : فسألت عائشة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عذاب القبر فقال نعم عذاب القبر حق قالت عائشة فما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد صلی صلوۃ الا تعوذ باللہ من عذاب القبر۔ متفق علیہ

(مشکوٰۃ ص ۲۵ باب اثبات عذاب القبور)

وقال ایضاً عن حدیث زید بن ثابت : قال تعوذوا باللہ من عذاب القبر لوانعوذ باللہ

من عذاب القبر۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص ۲۵ باب اثبات عذاب القبور) ۱۰

عرض اعمال کی تحقیق سوال :- کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال کا بہر اور جمعرات کے دن پیش ہونا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب :- احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سامنے بھی اپنی اپنی امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، عرض اعمال کے لیے کوئی خاص دن مقرر نہیں بلکہ ہر روز صبح و شام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور ان کو سننے کے بعد امت کیلئے دعائے مغفرت بھی فرماتے ہیں، اس کے علاوہ بعض احادیث میں عزیز و اقارب پر بھی عرض اعمال کی تصریح ہے۔

لما قال الحافظ و اخرج ابن المبارک فی الذہد من طریق سعید بن المسیب، قال لیس من یوم الا یعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعمال امتہ غروۃ و عیشۃ فیرفعہم بسماہم و اعمالہم فبذلک یشہد علیہم۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۸۶) و فی المواہب مع شرحہ للعلامة الزرقانی : (روی ابن مبارک) عبد اللہ الذی تستند

۱۰ قال ابن ابی العزى الحنفی : وقد توارث الاخبار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ثبوت عذاب القبر و نعمتہ لمن کان کذا اھلاً و سوال الملکین فیجب اعتقاد ثبوت ذلک و الايمان بہ و لا تتکلم فی کیفیتہ الخ۔ (شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص ۲۵ الايمان بعذاب القبر) و مثله فی شرح الفقہ الاکبر ص ۱۰ ضغطة القبر۔

رحمة بذكره عن سعيد بن المسيب: (التابعي الجليل ابن الصعابي) قال ليس من يوم الا و
تعرض على النبي صلى الله عليه وسلم اعمال امته غدوة وعشيا فيعرفهم بسيماهم و
اعمالهم يحمد الله ويستغفر لهم۔ (الزرقاني ج ۵ ص ۱۳) لہ

معجزہ اور کرامت کی حقیقت | سوال: عموماً کسی خارق العادت واقعہ کے ظہور کو
لوگ معجزہ سے تعبیر کرتے ہیں، تو کیا حضور صلی اللہ علیہ

وسلم پر نبوت ختم ہونے کے بعد بھی کسی سے معجزہ کا ظہور ممکن ہے؟
الجواب: معجزہ شرعاً ہر اس خارق العادة واقعہ کے ظہور کو کہا جاتا ہے جو کسی سچے
مدعی نبوت کے ہاتھوں سے ظاہر ہوا اور کسی غیر نبی بزرگ کے ہاتھوں خارق العادة امر
کے ظہور کو کرامت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کسی بے دین کے ہاتھوں خارق العادة
واقعہ کے ظہور کو استدراج کہا جاتا ہے، اس لیے ہر خرق عادت واقعہ کے ظہور کو
معجزہ سے تعبیر کرنا نامناسب ہے، اور اگر اس سے اصطلاحی معجزہ مراد نہ ہو تو لا باس۔
لما قال العلامة ابن عابدین: فالخارج من الاعمال الخارق العادة بالنسبة الى النبي صلى الله عليه
وسلم معجزة سواء ظهر من قبله او من قبل احاد امته وبالنسبة الى الولي كرامة لخلوة عن
دعوى النبوة۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۵۵ فصل في ثبوت النسب۔ مطلب في ثبوت
كرامات الاولياء) لہ

لہ وقال العلامة الأکوسی: في تفسير قوله تعالى "وَجُنَّا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا" فاعمال امته عليه السلام
تعرض عليه بعد موته فقد روى عنه صلى الله عليه وسلم انه قال جاتي خير لكم تحذرون ويحذركم ومما في خير لكم
تعرض على اعمالكم فما رأيتم من خير فحمدت الله تعالى وما رأيتم من شر استغفر الله تعالى لكم بل
جاء ان اعمال العبد تعرض على اقاربه لموتى وهكذا انقل عدة اخاد في معناه۔ (تفسير روح المعاني ج ۴ ص ۱۹۲)
وَمِثْلُهُ فِي مَشْكُوتٍ ص ۶۹ باب المساجد۔ الفصل الثاني۔

لہ وقال العلامة الفهري: وكرامته ظهورا من خارق العادة من قبله راي من جانبه
غير قات لفت لا مراو حال منه لدعوى النبوة فما لا يكون مقروناً بالايمان والعمل
الصالح يكون استدراجاً وما يكون مقروناً بدعوى النبوة يكون
معجزة۔ (النبراس ص ۲۹۵ كرامات الاولياء حق)

وَمِثْلُهُ فِي شرح الفقه الاكبر ص ۹۔ خوارق العادات۔

انبیاء کرام علیہم السلام تمام امت محمدیہ سے افضل ہیں | سوال :- کیا یہ درست ہے کہ امت محمدی کے صاحب

کرامت اولیاء کرام انبیاء سابقین سے افضل ہیں ؟
الجواب :- امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ کوئی ولی خواہ صاحب کرامت ہو یا نہ ہو کسی بھی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو منصب نبوت سے نوازا ہے تو اس میں جملہ کمالات اولیاء بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں، لہذا کسی جزوی فضیلت کی بناء پر کسی ولی کو کسی بھی نبی سے افضل سمجھنا موجب کفر ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: اجمعت الأمة على ان الانبياء افضل الخليفة وان نبينا عليه السلام افضلهم۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۵۲۴) مطلب في عدد الانبياء والرسول عليهم الصلوة والسلام

صحابہ کرامؓ سے خطا کا سرزد ہونا عدالت کے منافی نہیں | سوال :- ایک شخص

عقیدہ رکھتا ہے کہ ان سے جو خطائیں سرزد ہوئی ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی ہیں اور ان کے مابقی خطاؤں کا تذکرہ نہیں کیا، جبکہ ایک دوسرا شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے کہ صحابہؓ سے خطائیں ہوئی ہیں جن کی انہیں سزا بھی ملے گی۔ ان دونوں میں سے شرعاً کس شخص کا عقیدہ درست اور شرع کے موافق ہے ؟

الجواب :- صحابہ کرام انسان اور بشر تھے فرشتے یا انبیاء نہ تھے کہ کسی قسم کے غلطی سے معصوم و مامون رہتے، بمقتضائے بشریت اجتہادی غلطی یا کوئی اور بھول چوک ہو جاتا تقویٰ اور عدالت کے منافی نہیں۔ اہل سنت و الجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کا مرتبہ

له وقال العلامة ابن ابی العزا الحنفی: تحت قوله ولا فضل احداً من الاولياء على احد من الانبياء عليهم السلام ونقول بنی واحد افضل من جميع الاولياء / شیشیر الشیخ الی الرد علی الاتحاد به وجهلة المتصوفة الخ (شرح العقيدة الطحاوية ص ۵۵۵) تفضیل الانبياء
ومثله مفضلاً فی شرح الفقه الاکبر ص ۱۲۱ تفضیل اوکاد الصحابة -

ہے، صحابہ کرامؓ سے محبت رکھنا دین و ایمان کا حق ہے اور ان سے بغض و نفرت کفر و نفاق، فسوق و عصیان ہے۔ جس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور بہتر ہیں اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بھی باقی تمام امتوں سے افضل اور بہتر ہے۔ کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّتٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ (سورۃ آل عمران) اور تمام امت میں افضل اور بہتر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں، لہذا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی عظیم ہستیوں کو محل نزاع بنانا فسق و ضلالت ہے، قرآن پاک میں مفرین بارگاہ الہی کے لیے جن نعمتوں کا وعدہ کیا گیا ہے ان کا اولین مصداق صحابہ کرامؓ ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔

قال الله تبارك وتعالى: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ۔ (سورۃ الانفال آیت ۷۴)

ماوردی الحدیث: وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تَسْبُوا اصْحَابِي فلو ان احدكم انفق مثل احد ذهباً ما بلغ مدّاً احدہم ولا نصيفه متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۳ مناقب الصحابة) لہ

مشاجرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین | سوال :- سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لڑائی جو سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی اُس میں دونوں طرف سے صحابہ کرام شریک جنگ تھے تو ان میں کون حق پر تھا اور کون غلطی پر؟ اور ہمیں ان کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؟

الجواب :- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہم اختلافات و نزاعات پیش آئے

لہ قال العلامة ملا علی القاری: الصحابة كلهم عدول مطلقاً نظوا هرا الكتاب والسنّة واجماع من يعتمد علیہ۔ (مرقاۃ ج ۱۰ ص ۲۵۵ مناقب الصحابة) ومثله فی شرح الفقهاء الاکبر ص ۱۷۱ البکیرۃ لا تخرج المؤمن عن الايمان۔ وكذا فی اشعة اللمعات ج ۲ ص ۱۲۱ مناقب الصحابة۔

ہیں، جیسے جنگِ جبل اور جنگِ صفین وغیرہ، ان نزاعات کو نیک نیتی پر محمول کرنا چاہیئے اور خواہش پرستی، حبِ جاہ و حبِ مال سے دور سمجھنا چاہیئے کیونکہ یہ نفسِ امارہ کی ذلیل خصلتیں ہیں اور ان حضرات کے نفوس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے خواہش پرستی، حرص و ہوا، تحبِ جاہ و تحبِ مال کی آلائشوں سے آئینہ کسر طرح صاف و شفاف ہو گئے تھے۔ اسی وجہ سے تمام امت کا اجماع ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا ولی جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ و بابرکت صحبت نصیب نہ ہوئی ہو وہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ تاہم صحابیہ کرامؓ بشر اور انسان تھے اور ان سے بمقتضائے بشریت اجتہادی خطا کا سرزد ہو جانا تقوٰع و ورع اور عدالت کے منافی نہیں، لہذا دونوں گروہ متقی و پرہیزگار تھے اور دونوں گروہ جنت میں جائیں گے، ان کی صلح بھی حق کے لیے تھی اور ان کی لڑائی بھی حق کے لیے تھی، ہر ایک گروہ نے اپنے اجتہاد کے موافق عمل کیا، پس جو مہیب ہے اس کے لیے دوہرا اجر ہے اور جو مخطی ہے اس کے لیے ایک اجر ہے، علامہ نے لکھا ہے کہ ان لڑائیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر تھے لیکن یہ خطا خطا اجتہادی ہے جس پر لعن طعن کرنا بالکل جائز نہیں۔

اہلسنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ صحابیہ کے باہمی نزاعات اور مشاجرات کے متعلق لب کشائی نہیں کرنی چاہیئے بلکہ سکوت اور توقف اختیار کرنا چاہیئے، جہاں تک ممکن ہو زبان سے اس کا ذکر نہ کرے۔

حضرت امام شافعیؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے باہمی نزاع کی کیا حقیقت تھی؟ آپؐ نے فرمایا کہ جب اس خون ریزی سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا تو ہم اپنے آپ کو اس میں کیوں ملوث کریں!

اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ سے ان لڑائیوں کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: **تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَرَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ** (شرح الفقہ الاکبر ص ۷۷، ۷۸) اے

اے محمد بن علی بن احمد الظاہریؒ! وذهب سعد بن ابی وقاص وعبد اللہ بن جہم عن النخعی الی الوقوف فی علیؓ

واہل الجبل واہل صفین وہ یہ یقول جمیع اہل السنۃ والجماعۃ۔ (الفصل فی الملل والاہواء والغل

۲۴۵ ۱۵۳ کلام فی حرب علی ومن حاربہ من الصعابۃ)

مسیح موعود سے عیسیٰ ابن مریم ہی مراد ہیں | سوال کیا فرماتے ہیں علماء کلام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قیامت کے قریب نازل

ہونے والے مسیح موعود سے عیسیٰ ابن مریم مراد ہیں یا کوئی اور عیسیٰ و مسیح؟ کیونکہ آجکل کئی مسیح موعود بنے پھرتے ہیں، مخالفین کہتے ہیں کہ احادیث متعلقہ مہدی و عیسیٰ جو سنی حضرات بیان کرتے ہیں وہ سب موضوع اور ضعیف ہیں۔ ایسے عقیدہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب :- اہل سنت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام زندہ آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں اور قیامت سے قبل آسمانوں سے نزول فرمائیں گے، قرآن پاک کے کثیر نصوص قطعیہ سے یہ عقیدہ ثابت ہے، اس میں ذرہ بھر شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اس کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں کہ جن کو جمع کر کے علماء کرام نے کئی مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

حضرت علامۃ العصر مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر عقیدۃ الاسلام فی نزول عیسیٰ علیہ السلام، اور التصریح بما تواتر فی نزول المسیم مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ان حضرات نے اور اسی طرح دیگر علماء محققین نے حیات مسیح اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کو محققانہ انداز میں بیان فرمایا ہے کہ تمام روایات معنی تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ رہا یہ کہ مسیح موعود سے مراد عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام ہیں یا کوئی اور عیسیٰ و مسیح مراد ہے؟ تو اس بارہ میں خود امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث نزول عیسیٰ میں صرف حضرت ابن مریم کا تعین فرمادیا ہے کہ بعد میں آنے والا کوئی کذاب یہ دعویٰ نہ کر سکے کہ میں وہی مسیح موعود ہوں جس کی پیشین گوئی قرآن و حدیث میں پائی جاتی ہے۔ اگرچہ روایات میں عیسیٰ کا لفظ کا ذکر ہی نہیں تاکہ کل کو کوئی دجال اس سے غلط فائدہ نہ اٹھائے بلکہ زیادہ تر روایات میں ابن مریم و مریم کے بیٹے کی تصریح موجود ہے اور نزول ابن مریم کے بارہ میں ازاول تا آخر علامات بیان کی گئی ہیں، ان تمام حقائق کے ہوتے ہوئے اگر کوئی کذاب مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرے گا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ علامات سے ہٹ کر مہدی موعود یا نزول عیسیٰ یا دجال وغیرہ واقعات کے بارہ میں قیاس آریا کرے

کرے گا تو ایسے شخص کا عقیدہ قرآنی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے بلکہ قرآنی پاک کی نصوص قطعہ سے متصادم ہے۔

قال الله تبارك وتعالى: وَقَوْلُهُمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِمَّنْ مَّا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ - (سورة النساء آیت ۱۵۸)

وقال الامام فخر الدين الرازي: (تحت هذه الآية) رفع عيسى عليه السلام الى السماء ثابت بهذه الآية ونظير هذه الآية قوله تعالى في آل عمران إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الذِّمَّةِ كَفَرُوا -

(تفسیر کبیر ج ۱۳ المسألة - سورة النساء) لہ

الوہیت علیؑ کا عقیدہ رکھنا شرک ہے | سوال: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو "اللہ" ماننا اور اس کا عقیدہ رکھنے والے کا

از روئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب:- جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی مخلوق کو شریک ٹھہراتا ہے تو وہ شخص کافر اور مشرک ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھنے کو فقہاء کرام نے بالخصوص شرک قرار دیا ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: لا شك في تكفير من قذف العائشة او انكر صيحة الصديق او اعتقد الوهية عليؑ... او نحو ذلك من الكفر الصريح - (رد المحتار ج ۲ ص ۲۳۷ باب المرتد) لہ

لہ لما ورد في الحديث: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف انتم اذا نزل ابن ابی مریم فيکم واما لکم منکم، متفقاً علیہ - (مشکوٰۃ ص ۲۸ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام) وقال ایضاً: ينزل عيسى ابن مریم الى الارض فيتزوج ويولد له ويمكث خمساً واربعين سنة ثم يموت فيدفن معي في قبري فاقوم انا وعيسى ابن مریم في قبر واحد بين ابی بكر وعمر - (مشکوٰۃ المصابيح ص ۲۸) لہ قال العلامة ملا علی القاری: وبعضهم قالوا إنه "اللہ" وان صلوا الى القبلة ليسوا بمؤمنين - (شرح الفقه الاکبر ص ۱۶۲ مطلب يجب معرفة المكفرات)

عیسائیوں کا ایمان کی تعریف پر اعتراض اور اس کا جواب | سوال :- ایک عیسائی نے یہ اعتراض کیا ہے

کہ اگر میں مولانا مفتی محمود صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لوں تو بریلویوں اور اہل حدیث کے نزدیک میں پھر بھی کافر ہی رہوں گا، کیونکہ اسلام کو عالمگیر مذہب ماننے والے لوگ مسلمان اور ایمان کی کوئی جامع تعریف نہیں کر سکے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ، ملائکہ، انبیاء، کتب سماویہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ مسلمان ہے، بعض یہ کہتے ہیں کہ شہادتین اور یوم آخرت پر جو شخص ایمان رکھتا ہو اور بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہو وہ مسلمان ہے، لہذا عرض یہ ہے کہ مسلمان کی متفقہ تعریف کیا ہے، اور اس تعریف میں اختلاف کیوں ہے؟

الجواب :- واضح رہے کہ ایمان کی تعریف میں کوئی معنوی اور حقیقی اختلاف نہیں ہے وہوالتصديق بجميع ما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم مما علمه حجته به بالضرورة۔ یعنی تمام ضروریات دین اور واضحات یعنی اللہ تعالیٰ، ملائکہ، کتب سماویہ خصوصاً قرآن مجید، رسل وغیرہ کو پیغمبر اعظم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تشریحات کے مطابق ماننا، مسلمان کی اس تعریف میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے اور مومن مسلمان ہونے کا صرف دعویٰ کرنا کافی نہیں ہے کیونکہ ایمان اور اسلام ایک عملی عہد ہے۔ عیسائیوں کو چاہیے کہ وہ عیسائیت کی ایسی تعریف پیش کریں جو ان کے تمام فرقوں کو قبول ہو، عیسائیت کی متفقہ تعریف پر عیسائیوں میں بہت بڑا اختلاف ہے، جب ان کے ہاں ابھی تک انجیل کے تعین پر اتفاق نہیں ہے تو اس کی تشریحات پر ان میں کس طرح اتفاق ہو سکے گا؟

اقوال العلامة المصنف: الإيمان وهو تصديق محمد صلى الله عليه وسلم في جميع ما جاء به عن الله تعالى مما علمه حجته ضرورة۔ وقال ابن عابدين: لما علم بالضرورة انه من دين محمد صلى الله عليه وسلم بحيث تعلمه العامة من غير افتقار الى نظر واستدلال كالوحدانية والنبوة والبعث والجزاء وجوب الصلوة والزكاة وحرمة الخمر ونحوها۔ الخ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۱ باب المرتد)

کفار کا جہنم میں داخل کیے جانے پر اعتراض کا جواب | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ جہنم کے لیے

فنا ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ جس آدمی نے تمام عمر مثلاً ۶۰ سال کفر کیا اس کو اللہ تعالیٰ کیونکر دائمی عذاب دیتا ہے، یہ تو ظلم ہے، جرم کے مطابق سزا ہونی چاہیئے، ایک عالم دین سے سنا ہے کہ آخر میں کافر بھی جنت میں جائیں گے، تو کیا یہ عقائد اہل سنت والجماعت کے ہیں یا کسی اور کے؟

الجواب :- اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ دوزخ ہمیشہ کے لیے رہے گا اور کفار بھی ہمیشہ کیلئے اس میں رہیں گے، اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق خَالِدٌ فِيْهَا اَبَدًا کا لفظ استعمال کیا ہے جو کہ کفار کے دوزخ میں ہمیشہ کیلئے رہنے پر عبارتہ دال ہے اور دوزخ دائمی ہونے پر اقتضاء دال ہے، نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ۔ جو کہ دونوں مسائل پر مثل سابق کے دال ہے، اور یہ قول الہی کَلَّمَا نَضَجَتْ جُلُودُهُمْ اَسْ مَرَامٍ پر دال ہے کہ کفار نار سے عادی نہ ہوں گے بلکہ بیشمار سال عذاب بھگتنے کے بعد بھی ان کا حال دخولِ اول جیسا ہوگا۔ ویدل علیہ ما اخرجہ الطبرانی وجعل لهم الابد وما اخرجہ ایضاً خلود بلا موت وما اخرج الشیخان یا اهل النار لا موت وکذا حدیث ذبح الموت۔ واما ما روی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ وابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہما: لیا تین علی جہنم زمان لیس فیہا احد فقال البغوی ان ثبت فمعناه ان کلا یبقی فیہا احد من اهل الایمان کذا فی التفسیر المظهر ج ۵ سورۃ ہود۔ پس یہ عقیدہ رکھنے والا عالم دین کہ آخر میں کفار بھی جنت میں جائیں گے، ضروریاً کا منکر ہے، ایسے عالم کو اہل کفر اور زیغ کا امام ہونا چاہیئے۔ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیت کریمہ لَوْ رَدُّوْا اِلَیَّ لَمَّا نَهَوْا۔ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفر پر خاتمہ اس شخص کا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے متعلق معلوم ہے کہ اگر یہ ابداً زندہ رہے تو ہمیشہ کافر رہے گا۔ پس کفر بھی ابدی ہے اور اس کی سزا بھی ابدی ہے، بالکل ایسے جس طرح حکومت کسی جرم پر کوئی سزا مقرر کرے تو اس جرم کا اقسام اسی سزا کا التزام ہے۔

۱۔ سورۃ البینۃ آیت ۴، پ، ع ۱۔ ۲۔ سورۃ المائدۃ آیت ۸، پ، ع ۱۴۔
۳۔ سورۃ التساء آیت ۵۶، پ، ع ۵۔ ۴۔ سورۃ الانعام آیت ۲۸، پ، ع ۹۔

”قرآن سے جماع کیا ہوگا“ کہنے سے لزوم کفر کا حکم | سوال :- ایک شخص نے لوگوں کے سامنے یہ کہا کہ ”اگر میں نے فلاں برا کام کیا تو نعوذ باللہ قرآن کے ساتھ جماع کیا ہوگا“ بعد میں وہ کام اس سے سرزد ہو گیا، اب وہ آدمی روتلے اور پشیمان ہے کہ میں نے یہ کفریہ الفاظ کہے ہیں نہ معلوم اب مجھے کون سا عذاب دیا جائے گا۔ تو کیا یہ شخص واقعی کافر ہو گیا ہے یا نہیں، اور کفارہ دے گا یا نہیں؟

الجواب :- یہ معاملہ یمن کا ہے۔ مثل ان فعلت کذا فانما یہودی لکن جماع المصحف تو ہیئاً و کفرًا۔ پس جب اس شخص نے وہ برا کام کیا تو حانت ہووا، اور اگر اس شخص کا عقیدہ یہ تھا کہ ایسی صورت میں یہ برا کام کرنے والا کافر ہو جاتا ہے تو یہ شخص کافر بھی ہوا اور نہ کافر نہ ہوگا۔ بہر حال یہ شخص توبہ واستغفار کرے، ایمان کی تجدید کرے اور احتیاطاً کفارہ بھی ادا کرے۔

سوال :- داڑھی کی توہین اور بے عزتی کرنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور مسلمان کو گالی گلوچ کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب :- داڑھی سنت الانبیاء ہے اس لیے داڑھی کی توہین اور بے عزتی کرنے والا آدمی بلا شک و شبہ کافر ہے، نیز استقباح سنت کی وجہ سے آدمی کافر

لہ لما فی الہندیۃ: ولو قال ان فعل کذا فہو یہودی او نصرا او مجوسی او بری من الاسلام او کافرا ویعبد من دون اللہ او یعبد الصلیب او یخوذ لک مما یکون اعتقادہ کفرا فہو یمین استمسنا کذا فی البدائع۔ حتی لو فعل ذلک الفعل یلزمہ الکفارة وھل یتصور کافرا اختلف المشائخ فیہ۔ قال شمس الامۃ السرخسی رحمہ اللہ والسختار للفتاویٰ انہ ان کان عندہ انہ یکفر متی اتی بہذا الشرط ومع هذا انی یتصور کافرا لرضاءہ بالکفر۔۔۔۔۔ وان کان عندہ انہ اذا اتی بهذا الشرط لا یتصور کافرا لا یکفر الخ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲، الباب الثانی فیما یتکون یمیناً وما لا یتکون یمیناً)

ہو جاتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدین⁸: واستقبحا كما من استقبح من آخر... الى ان قال ان ما كان دليل الاستخفاف يكفر به وان لم يقصد الاستخفاف.

(مراد المختار ج ۳ ص ۳۱۱ مطلب فی منکر الاجماع)

اور گالی گلوچ کرنے والا حدیث کی رو سے فاسق و فاجر ہے۔ اے

اذان اور مؤذن کی توہین کرنے والے کا حکم | سوال :- ہمارے علاقہ میں ایک آدمی مسجد میں اذان دے رہا تھا تو

ایک عورت نے کہا کہ یہ تو بکرا بول رہا ہے، اس کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب :- اذان شعارِ دین میں سے ہے اس سے استہزاء و کفر ہے جبکہ غیر شعار

سے استہزاء کفر نہیں ہے، اور اگر آواز کی قباحت کا اظہار مقصود ہو تو یہ فسق ہے۔

يدل على الاول ما في رد المحتار ج ٣ ص ٣١١ باب المرتد قبيل مطلب في منكر الاجتماع -

واستقباحها من استقبح من آخر جعل بعض العمامة تحت حلقه واحفاً شابهه

واما الثاني فلقوله تعالى: لَا يَخْرُقُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ - (سورة الحجرات آيت ١٤) ٤٢

”تیرے سبق پر آسمانی بجلی گرے“ کہنے کی شرعی حیثیت

ہے، زید کی بیوی ہندو نے کسی وجہ سے غصہ میں آکر بچے کو گالیاں دیں اور یہ بھی کہا کہ ”ستا پہ سبق دے تندہا پر یوزی“ یعنی تیرے سبق پر آسمانی بجلی گرے۔ تو کیا اس طرح کہنے سے زید کی بیوی کے نکاح پر کچھ اثر پڑا ہے یا نہیں، اور اگر کچھ اثر پڑا ہے تو اس کا

له عن عبد الله بن مسعود رضي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سباب المسلمين

فسوق و قتاله كفر - متفق عليه - (مشکوٰۃ المصابيح ج ۲ ص ۳۱۱ باب حفظ اللسان

وَالْغَيْبَةُ وَالشَّتْمُ، الفصل الاول،

۲۷ لما فی الهندیة : فی التخییر مؤذن اذان فقال رجل " این بانگ غوغا است " یکفران قال

على وجه الإنكار (الفتاوى الهندية ج ٢ ص ٢٩٩) منها ما يتعلق بالصلوة والصوم)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ٥ ص ١٢٢ أَحْكَامُ الْمُرْتَدِّينَ -

کفارہ کیا ہے ؟

الجواب :- یہ جاہلانہ غصہ ہے، اس میں کفریہ، شرکیہ یا قسمیہ الفاظ نہیں ہیں، لہذا اس سے نہ تو ہندہ کا نکاح متاثر ہوا ہے اور نہ کفارہ لازم ہے۔ ۱۔

فقہ اور اجتہاد کے منکر کا حکم | سوال :- فقہ اور اجتہاد کے منکر کو بعض حضرات مرتد، کافر اور بعض مسلمان کہتے ہیں، لہذا اس کے

بارے میں شرعی حکم کی وضاحت کریں تاکہ لوگ اصل حقیقت سے واقف ہو سکیں ؟

الجواب :- منکر فقہ سے مراد اگر کوئی غیر معتد ہو تو یہ انکار کفر نہیں ہے، البتہ ایسا شخص اہل تقلید کی امامت کا اہل نہیں ہے، اور اگر اس سے مراد منکر اجتہاد اور ائمہ کرام کی توہین کرنے والا ہو تو بظاہر اس کو مسلمان کہنا درست اور زیبا نہیں ہے۔ ۲۔

جنات غیب کا علم نہیں جانتے | سوال :- ہمارے گاؤں میں ایک لڑکے پر جنات کا اثر ہے، یہ لڑکا گزشتہ اور آئندہ پیش آنے والے

حالات و واقعات بتا دیتا ہے، کم شدہ اشیاء کے بارے میں بھی بتا دیتا ہے، پوچھنے والوں کو ان کے ہر سوال کا جواب بھی دیتا ہے۔ تو کیا واقعی جنات غیب کی خبریں جانتے ہیں ؟

الجواب :- جنات عالم الغیب نہیں ہیں البتہ تیز رفتار ہونے کی وجہ سے جلدی اطلاع دیدیتے ہیں، لیکن ان میں سے اکثر دروغ گو ہوتے ہیں، اس لیے ان کے کلام کی تصدیق اور اس کے صدق پر جزم کرنا شرع اور عقل دونوں کے خلاف اور حرام ہے۔

ماوردی الحدیث : عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول ان الملائكة تنزل في العنان وهو السحاب فتذكر الامور قضي

۱۔ وفي الهندیة : وما كان خطأ من الالفاظ ولا يوجب الكفر فقايله مومن على حاله ولا يؤمر بتجديد النكاح والرجوع عن ذلك كذا في المحيط۔

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۸۳ قبيل الباب العاشر في البغاة)

۲۔ وفي الهندیة : من اجل قال قياس ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ حق نیست یکفر کذا فی التاتاریخانیة۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۸۳ موجب الکفر منها ما يتعلق بالعلم والعلماء)

فی السماء فتسترق الشیاطین السمع فتسمعه فتوحیه الی الکھان فیکذبون معها مائۃ کذبة من عند أنفسهم (رواہ البخاری)

(مشکوۃ المصابیح ج ۲ ص ۳۹۳ باب الکھانة - الفصل الاول) لہ
حالت نزع میں ایمان لانے کی شرعی حیثیت | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین
 کہ نزع کی حالت میں مسلمان کافر اور

کافر مسلمان ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نزع کی حالت میں ایمان لانا عند اللہ مقبول نہیں ہے۔

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله يقبل توبة العبد ما لم يغرغر
 رابوداؤد ج م

اور ایسے وقت میں ایک مسلمان سے کفریہ کلمات کا زبان سے ادا کرنا غیر متصور ہے۔

لانہ یشاہد ما کان یؤمن بہ بالغیب۔ اور ظاہراً ایسے کلمات اگر منہ سے نکل بھی
 جائیں تو غلبہ حال کی وجہ سے معاف ہو جائیں گے۔

لہ قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ: فان قال هذا لقائل انا اخبر باخبار الجن
 ایای بذالك قال هو ومن صدقه یكون كافراً بالله لقوله علیہ السلام
 من اتى کاهناً فصدقه فیما قال فقد کفر بما انزل الله علی محمد
 لا یعلم الغیب الا الله لا الجن والانس یقول الله فی الاخبار عن
 الجن فلما حرت بین الجن ان لو كانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب
 المہین۔ رفتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۵۶ باب ما یكون
 کفرًا من المسلم وما لا یكون۔

وَمِثْلُهُ رد المحتار ج ۳ ص ۳۲۵ مطلب فی دعوی علم الغیب۔

لہ قال العلامة ابن عابدین: واما ایمان الیاس فذهب اهل الحق انه لا ینفع
 عند الغرغرة ولا عند معاينة عذاب الاستئصال لقوله تعالى فلم ینفع
 ایمانهم لما رأوا بأسنا ولذا اجمعوا علی کفر فرعون الخ (رد المحتار حاشیہ علی
 الدر المختار ج ۳ ص ۳۱ مطلب توبۃ الیاس وایمان الیاس)

ذات باری تعالیٰ کے وجود کا تصور مضر عقیدہ نہیں | سوال :- مجھے نماز میں اللہ تعالیٰ کے وجود کے

متعلق مختلف خیالات کثرت سے آتے ہیں، بچپن میں کسی سے سنا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک نور ہے اس لیے اکثر اللہ تعالیٰ کے وجود کے متعلق نور کی بنی ہوئی لکیر جیسا تصور ذہن میں آتا ہے۔ چند ماہ قبل آسمان پر سبز، سرخ اور زرد رنگ کی بادل جیسی لکیریں دیکھی تھیں، اب یہ چیز نماز میں مجھے سامنے نظر آتی ہے، بعض اوقات کچھ تصاویر بھی ذہن میں آتی ہیں۔ براہ کرم اس بارے میں میری تشفی فرمائیے کہ کہیں کفر میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔

الجواب :- اس قسم کے خیالات کا آنا نہ تو شرک ہے اور نہ گناہ، بلکہ جس طرح ایک مادر زاد اندھا کسی شخص کے متعلق خیالات میں مبتلا ہو آپ کا معاملہ بھی اسی طرح ہے، بہر حال آپ کے ذہن میں ذات باری تعالیٰ کے وجود کے متعلق جو خیالات، تصاویر اور انوار آتے ہیں ان کے متعلق آپ دل میں یہ عقیدہ رکھیں کہ یہ خدا نہیں ہے۔

وفي الهندية : من خطر بقلبه ما يوجب الكفر ان تكلم به وهو كاره
لذلك فذلك محض الايمان - (الفتاوى الهندية ج ۳ ص ۲۸۳ قبیل الباب العاشر في البغاة) -

سوال :- جناب مفتی صاحب! میرا بیٹا میرا سخت گستاخ تیری عبادت پر لعنت ہو

بے ادب اور نافرمان ہے، کوئی بات بھی کرتا، تو جواب غلط دیتا ہے، اگر کوئی نصیحت کرتا، تو اس پر عمل نہیں کرتا بلکہ اٹا مجھے گالی گلوچ کرتا ہے، ایک دفعہ میں نے اُسے کہا کہ صبح سویرے اٹھا کر لوگ تمہیں باہر بلانے کے لیے آتے ہیں اور میں اُس وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہوتا ہوں، تمہارے نہ جانے کی وجہ سے مجھے بار بار باہر جانا پڑتا ہے جس کی وجہ سے میری عبادت میں خلل پڑتا ہے، اس پر اُس نے کہا تیری عبادت پر لعنت ہو، براے مہربانی آپ یہ بتائیں کہ ایسے نافرمان بیٹے کی شرع میں کیا سزا ہے؟

۱۔ قال العلامة الحسکفی: فلا تصبر مدة مجنون ومعتوه وموسوس - قال ابن عابدین: ولكن موسوس له اذ اليه اى تلقى اليه الوسوسة وقال الليث الوسوسة حديث النفس -
والد المختار على هامش رد المحتار ج ۳ مطلب ما يشك في انه مدة لا يحكم بها

الجواب :- یہ الفاظ بہت خطرناک ہیں، ایسے شخص کو فوراً توبہ کرنی چاہیئے اور والد کے نافرمان آخرت میں عذابِ جہنم ہے، اگر توبہ نہ کرے تو دنیا میں اس کو تعزیراً سزا دی جائے گی، مگر تعزیری سزا کا جاری کرنا قاضی یا حکومت وقت کا کام ہے عوام کا نہیں۔

مرتد کے دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد اس کی سابقہ نیکیوں کا حکم | سوال :- جب اس کوئی شخص ارتداد کے بعد توبہ کر کے دوبارہ مسلمان ہو جائے تو اس کے سابقہ اعمال ثواب اسے دوبارہ واپس ملے گا یا نہیں؟

الجواب :- اسلام سے پھر جانا مرتد ہونا، ایک سنگین جرم ہے جس کی وجہ سے اس (مرتد ہو جانے والے شخص) کی تمام نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں لیکن اگر وہ شخص تائب ہو کر دوبارہ مسلمان ہو جائے تو اس کے سابقہ نیک اعمال کے اجر کے واپس لوٹنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ ابو علی، ابو ہشام اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک اس کی سابقہ نیکیوں کا اجر واپس لوٹتا ہے اور یہ شخص دوبارہ اس اجر و ثواب کا مستحق نہیں رہتا اور ابوالقاسم الکعبی کے نزدیک اس کے نیک اعمال کا اجر و ثواب واپس لوٹتا ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری: قيل له: لو تاب أتعود حسنة؟ قال هذه المسئلة مختلفة فعند أبي علي وأبي هشام وأصحابنا إنها لا تعود وعند أبي القاسم الكعبی أنها تعود ونحن قلنا إنه لا يعود ما بطل من ثوابه لكنه تعود طاعته المتقدمة مؤثرة في الثواب من بعد۔

(الفتاویٰ الثاثر خانۃ ج ۵ ص ۲۶ کتاب احکام المرتدین) لہ

لہ لما قال العلامة ابن عیین: فی التاثر خانۃ معزیاً الی التتمۃ قیل لو تاب أتعود حسنة قال هذه المسئلة مختلفة فعند أبي علي وأبي هشام وأصحابنا إنه لا يعود وعند أبي القاسم الکعبی أنها تعود ونحن نقول إنه لا يعود ما بطل من ثوابه لكنه تعود طاعة المتقدمة مؤثرة في الثواب۔

(مراد المختار ج ۳ ص ۳۳ باب المرتد، مطلب المعصیۃ تبغی بعد الردۃ)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۱۲۰ باب المرتد۔

نشے کی حالت میں ارتداد کا حکم | سوال :- اگر کوئی شخص نشے کی حالت میں ایسے الفاظ کہے کہ جن سے آدمی مرتد ہو جاتا ہے، تو کیا اس پر ارتداد کا حکم لگایا جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- فقہاء کرام نے ارتداد کے لیے عقل کا صحیح ہونا شرط کے درجہ میں قرار دیا ہے، اس لئے اگر کسی آدمی کی عقل نشے کی وجہ سے ختم ہو چکی ہو اور اسی حالت میں کفریہ الفاظ اس کے منہ سے نکل جائیں تو اس سے وہ مرتد نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسے آدمی پر احکام مرتدین جاری کیے جائیں گے۔

لما قال العلامة الكاساني: وكذلك السكران الذاهب العقل لا تصح مردته استحساناً والقياس ان تصح في الاحكام - (بدائع الصنائع ج ۲، باب المردت ۱۳۲) | سوال :- جب کسی مسلمان کو غیر مسلم کلمہ کفر کہنے پر مجبور کریں اور اس نے مجبوری کے تحت کفریہ کلمہ زبان سے نکال دیا لیکن دل سے کہنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا تو کیا ایسی صورت میں بھی یہ شخص اسلام سے خارج ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- جبر و اکراہ کی صورت میں کوئی مسلمان دین اسلام سے خارج نہیں ہوتا بشرطیکہ اس کا دل وحدانیت باری تعالیٰ کے بارے میں مطمئن ہو۔ (سورۃ النحل آیت ۱۰۶) | ولما قال العلامة الكاساني: ومنها الطوع فلا تصح ردة المکره على الردة استحساناً اذا كان قلبه مطمئناً بالایمان والقياس ان تصح في احكام الدين وسندكرة وجه القياس والاستحسان في كتاب الاكراه انشاء الله تعالى - (بدائع الصنائع ج ۲، فصل في احكام المرتدين) ۲

۱۔ قال العلامة ابن نجيم رحمه الله: وكذلك لا تصح ردت السكران الذاهب العقل - رالبحر الرائق ج ۵ ص ۱۱۹ باب المرتد

وَمِثْلُهُ فِي رَدِّ الْمُخْتَارِ ج ۳ ص ۳۱۲ مطلب ما يشك في انه ردة لا يحكم بها - ۲۔ قال العلامة ابن نجيم رحمه الله: ومن شرائط صفة الردة الطوع فلا تصح ردة المکره عليها - رالبحر الرائق ج ۵ ص ۱۱۹ باب المرتد

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرَالِ الْمُخْتَارِ عَلَى هَامِشِ رَدِّ الْمُخْتَارِ ج ۳ ص ۳۱۲ باب المرتد مطلب ما يشك في انه ردة لا يحكم بها -

عورت کے ارتداد کا حکم | سوال :- اگر کوئی مسلمان عورت دین اسلام چھوڑ کر مرتد ہو جائے تو اس کو قتل کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- مسلمان عورت جب مرتد ہو جائے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے دوبارہ اسلام پر مجبور کیا جائے گا اور اسے قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ اسلام لائے یا اسی جیل میں مر جائے۔

لما قال العلامة الكاساني: واما المرأة فلا يباح دمها اذا ارتدت ولا تقتل عندنا ولكنها تجبر على الاسلام واجبارها على الاسلام ان تجلس وتخرج في كل يوم فتستتاب ويعرض عليها الاسلام فان اسلمت والا حست ثانياً هكذا الى ان تسلم او تموت وذكر الكرخي ونرا د عليه وتضرب اسواطاً في كل مدة تعزيراً لها على ما فعلت۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۳۵ فصل احكام المرتدين) لہ

سوال :- اگر کوئی شخص دین اسلام چھوڑ کر دین کفر اختیار کرے تو اس کے قتل کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب :- جب کوئی شخص دین اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کرے تو افضل طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس کو اسلام کی دعوت دی جائے تو اگر وہ اسلام قبول کرے تو نبھا اور اگر اسلام قبول نہ کرے اور مہلت طلب کرے تو حاکم اسے تین دن کی دے گا، اگر تین دن میں مسلمان ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کیا جائے گا، اور اگر اسلام بھی قبول نہ کرے اور مہلت بھی نہ مانگے تو اُسی وقت قتل کیا جائے گا۔

لما قال العلامة الكاساني رحمه الله: ومنها انه يستحب ان يستتاب ويعرض عليه الاسلام لاحتمال ان يسلم لكن لا يجب لان الدعوة قد بلغت فان اسلم فمرحباً واهلاً بالاسلام وان ابى نظر الامام في ذلك فان طمع في توبته

لہ وقال العلامة ابن نجيم: لا تقتل المرأة بل تجلس حتى تسلم لنهيہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قتل النساء۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۹ باب المرتد) ومثله في الهندية ج ۲ ص ۲۵۲ الباب التاسع في احكام المرتدين۔

اَوْ سَالُ هُوَ التَّاجِيلُ اَجَلُهُ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ وَاِنْ لَمْ يَطْمَعْ فِي تَوْبَتِهِ وَلَمْ يَسْأَلِ التَّاجِيلَ قَتْلُهُ مِنْ سَاعَتِهِ - (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۳۲ فصل في احكام المرتدين) لے

مُرتد کے مال کی تقسیم کا حکم | سوال :- اگر کوئی شخص نعوذ باللہ دین اسلام سے

ہے؟ کیا اس کے ورثاء پر مال تقسیم کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- جب کوئی شخص دین اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مُرتد ہو جاتے سے اس کی ملک اپنے اموال سے زائل ختم ہو جاتی ہے لیکن جب وہ دوبارہ اسلام قبول کر لے تو اس کی دوبارہ برقرار ہو جاتی ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک ارتداد اختیار کرنے کے بعد بھی اس کی ملکیت برقرار رہتی ہے اس لیے اس کا مال ورثاء آپس میں تقسیم نہیں کر سکتے، لہذا اگر وہ ارتداد کی حالت میں ہی مر گیا یا قتل کیا گیا تو امام صاحب کے نزدیک حالت اسلام میں کسب شدہ مال اس کے ورثاء مسلمین کو ملے گا اور حالت ردت میں مال فتنے کے حکم میں ہوگا اور صاحبین کے نزدیک دونوں حالتوں میں کسب شدہ سرمایہ ورثاء مسلمین کو ملے گا۔

لَمَّا قَالَ الْعَلَامَةُ الْمَرْغِينَانِيُّ: قَالَ وَيَزُولُ مِلْكُ الْمُرْتَدِّ عَنْ اَمْوَالِهِ بِرَدِّهِ وَالْأَمْرُ بِإِعادَةِ اِلَيْهَا قَالُوا هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَعِنْدَ هَاهَا لِيَزُولُ مِلْكُهُ لَنَّهُ مُكَلَّفٌ مُحْتَاجٌ قَالَ اِنْ يَقْتُلُ يَقِي مِلْكُهُ..... وَقَالَ وَاِنْ مَاتَ او قَتَلَ عَلَى رَدِّهِ انْتَقَلَ اَلْكُتْبَةُ فِي اِسْلَامِهِ اِلَى وَرَثَتِهِ الْمُسْلِمِينَ وَكَانَ اَلْكُتْبَةُ فِي مَالِ كَذَنَّهُ فَيَسْأَلُ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ هَاهَا لَوَرَثَتِهِ - (الهداية ج ۲ ص ۵۶۶ باب المرتد) لے

لے وَقَالَ الْعَلَامَةُ الْقُرْتَبِيُّ: مَنْ ارْتَدَّ عَرَضَ عَلَيْهِ اَلْاِسْلَامُ اسْتَجَابًا وَتَكْشِفَ شَبْهَتَهُ وَيَبْجُثَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ اِنْ اسْتَمْعَلَ لَا قَتْلَ مِنْ سَاعَتِهِ - (تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۲ باب المرتد) وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۱۲۵ باب المرتد -

لے قَالَ الْعَلَامَةُ الْقُرْتَبِيُّ: وَيَزُولُ مِلْكُ الْمُرْتَدِّ عَنْ مَالِهِ وَالْأَمْوَالُ قَائِمَةٌ اِسْلَامًا وَعَمَلُهُ اِنْ مَاتَ وَقَتَلَ عَلَى رَدِّهِ وَرَثَتُهُ اِسْلَامًا وَارَثَهُ الْمُسْلِمُ بَعْدَ قَضَاءِ الدِّينِ اَلْاِسْلَامَ وَكَسْبَ رَدِّهِ فَيُتْبَعُ بَعْدَ قَضَاءِ دِينِهِ رَدِّهِ - (تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۲۹ باب المرتد)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۱ ص ۱۳۶ فصل في احكام المرتدين -

اللہ تعالیٰ کے لیے مکان ثابت کرنے والے کا حکم | سوال :- اگر کوئی شخص
یہ عقیدہ رکھے یا یوت
کہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں جگہ میں موجود ہے اور فلاں جگہ میں نہیں تو کیا یہ شخص اس سے
کافر ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- اللہ تعالیٰ کی ذات مخلوق کی طرح جسم سے وراء الوری ہے جسے اس دنیا
میں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ اس میں دیکھنے اور مشاہدہ کرنے کی طاقت ہے اور نہ
کسی عقل میں اس ذات کے بارے میں سوچنے کی استعداد ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث
میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات کے بارے میں سوچنے سے منع کر دیا گیا ہے، اس لیے
انسانوں کی ذوات پر قیاس کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں گفتگو کرنا
ضلالت اور گمراہی کا سبب ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی کیفیت سے مکان ثابت
کرنا جو کہ مخلوق کے لیے ثابت ہے تو اس طرح کا عقیدہ رکھنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے،
ہاں اگر اللہ تعالیٰ کے لیے مکان ثابت کرنے کا مطلب محض اخبار ہو جس طرح قرآن اور
احادیث میں متعدد جگہ ثابت ہے تو ایسا کہنے یا عقیدہ رکھنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔
لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمہ اللہ : اذا قال : اللہ تعالیٰ
فی السماء عالم ان اراد به المكان کفر وان اراد به الحکایة عما جاء فی ظاہر
الاخبار کلا یکفر وان لم تکن له نية یکفر عند اکثرهم وفي التخییر وهو الاصح و
عليه الفتوى - ر الفتاوى التاتارخانية ج ۵ ص ۲۶۲ کتاب احکام المرتدین (۱) لہ

لہ وقال العلامة ابن نجيم المصری : ويكفر بقوله يجوز ان يفعل الله تعالى فعلاً لا
حكمة فيه وبإثبات المكان لله تعالى فان قال الله في السماء فان قصد به حكاية ما
جاء في ظاهرا لاخبار كلا يكفر وان اراد المكان كفر وان لم يكن له نية كفر
عند الاكثر وهو الاصح وعليه الفتوى -

البحر الرائق ج ۵ ص ۲۱۱ باب المرتد

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۲۵۹ الباب التاسع في احکام المرتدین -

کفر اختیار کرنے کا مشورہ دینے والا خود کافر ہو جاتا ہے | سوال :- ایک شخص نے

کلمہ کفر کہنے کا مشورہ دیتے ہوئے اُسے کفر اختیار کرنے کا حکم دیا، تو کیا اس طرح کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- جس طرح بذاتِ خود کفر یہ الفاظ کہنے سے ایک مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اسی طرح کسی دوسرے کو کلمہ کفر کی تلقین کرنے اور امر بالکفر کرنے والا بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الدهلوی: وفي غرض المعاني لا خلاف بين مشائخنا ان الامر بالكفر كفر - (التاتارخانية ج ۵ ص ۲۶۱ کتاب احکام المرتدین) فصل اجراء کلمة الکفر (۱)

رضا بالکفر کفر ہے | سوال :- کسی شخص کا اپنے نفس کے کفر پر رضا مندی کا اظہار کرنا کفر ہے یا نہیں؟

الجواب :- کسی شخص کے لیے اپنے نفس کے کفر پر اظہار رضا کرنا یقیناً اسلام سے خارج ہونے کا سبب ہے جس کی وجہ سے وہ کفر میں داخل ہو جاتا ہے لہذا ایسے شخص کے کفر میں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

لما فی الہندیۃ: ومن رضى بكفر نفسه فقد كفر - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۵۷) الباب التاسع فی احکام المرتدین (۲)

رضا بکفر غیر کفر ہے یا نہیں | سوال :- کیا کسی دوسرے کے کفر پر راضی ہونا کفر ہے یا نہیں؟

۱۔ وقال العلامة ابن عابدین: فمنحة الخالق والتاتارخانية وفي غرض المعاني لا خلاف بين مشائخنا ان الامر بالكفر كفر - (منحة الخالق علی هامش البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۲) باب المرتد

۲۔ وقال العلامة عالم بن العلاء الدهلوی: ومن رضى بكفر نفسه فقد كفر - (التاتارخانية ج ۵ ص ۲۶۱ کتاب احکام المرتدین) فصل فی اجراء کلمة الکفر

الجواب :- کسی غیر کے کفر پر رضا مندی کا اظہار کرنا تاکہ وہ عذاب الہی کا مستحق بن جائے تو یہ کفر نہیں البتہ اس نیت سے رضا کا اظہار کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں اس کی ذات و صفات میں نازیبا الفاظ کہے تو اس سے اس کے کفر میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا ۔

لما قال العلامة ابن عابدین فی منحة الخالق : وفي النصاب الاصح انه لا يكفر بالرضا بكفر الغير وفي شرح السيران رضا بكفر الغير ان ما يكون كفراً اذا كان يستخف الكفر وليست حسنه اما اذا احب الموت والقتل على الكفر لمن كان شديداً موزياً لطبعه حتى ينتقم الله منه فهذا الا يكون كفراً وقد عثرنا على رواية ابي حنيفة رحمه الله ان الرضا يكفر الغير كقر من غير تفصيل ۔
 رمنحة الخالق على هامش البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۲ باب المرتد (۱)

اللہ تعالیٰ کی طرف کسی کے کفر پر راضی ہونے کی نسبت کرنے کا حکم | سوال باللہ تعالیٰ کی طرف یہ نسبت

کرنا یا یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کفر پر راضی ہے اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- اللہ تعالیٰ جس طرح انسان کا خالق ہے اسی طرح اس کے تمام افعال کا بھی خالق ہے لیکن انسان کو اس کے افعال کے بارے میں مجبور محض پیدا نہیں کیا بلکہ اس کو اپنی مرضی کے موافق اس کی قدرت کے مطابق افعال کے کسب کا پورا اختیار بھی دیا ہے افعالِ بد اور نیک افعال میں تمیز اور افعال پر مرتب ہونے والے نتائج کے بیان کرنے کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا انہوں نے ان تمام افعال کے نتائج سے

لہ وقال العلامة عالم بن العلاء الدهلوی رحمہ اللہ : ومن رضى بكفر غيره فقد اختلف المشائخ وفي النصاب الاصح انه لا يكفر بالرضا بكفر الغير وفي غير المعاني لا خلاف بين مشائخنا ان الامر بالكفر كقر وفي شرح السیر الکبیر مسئلة تدل على ان الرضا بكفر الغير ليس بكفر ۔ رتاتارخانیة ج ۵ ص ۱۲۲ کتاب احکام المرتدین ، فصل فی اجراء کلمة الخیر (۲)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۲۵۷ الباب التاسع في احکام المرتدین ۔

انسانیت کو خوب آگاہ کیا، اس کے باوجود اگر کوئی شخص افعال بد کو اختیار کرتا ہے تو وہ اپنی مرضی سے اس فعل کو کرتا ہے اس لیے یہ اس کا ذاتی عمل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جبراً کسی کو نہیں روکتا اگرچہ وہ انسان کے اس فعل سے راضی نہ ہو، لہذا اللہ تعالیٰ کی طرف یہ نسبت کرنا یا یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ کسی کے کفر پر راضی ہے موجب کفر ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: ويكفران اعتقاد ان الله تعالى يرضى بالكفر - (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۰ باب المرتد) لہ

اللہ تعالیٰ کی طرف عجز کی نسبت کرنے کا حکم | سوال :- اللہ تعالیٰ کی طرف عجز کی نسبت کرنے کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- اللہ تعالیٰ جو کہ قادر مطلق ذات ہے، اس کا دست قدرت تمام مخلوق اور کائنات پر حاوی ہے اور جس طرح بھی چاہے اپنی مرضی کے مطابق اس میں تصرفات کرتا ہے، جس طرح تمام کائنات اور مخلوقات کی تخلیق اور عدم سے وجود لانے میں کسی سے کوئی مدد نہیں لی اسی طرح مخلوق اور کائنات کا نظام چلانے میں بھی کسی کی مدد کا محتاج نہیں، اس لیے کسی بھی فعل میں اس کی طرف عجز کی نسبت کرنا موجب کفر ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلامة دہلوی رحمہ اللہ: وفي خزانة الفقه و لو قال تعالى شريك او ولد او نروجة او هو جاهل او عاجز او نقص بذاته او صفاته كفر - (تاتارخانية ج ۵ ص ۲۶۳ کتاب احکام المرتدین) لہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف زنا کی نسبت کرنا بولے کا حکم | سوال :- جو لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف زنا کی نسبت کرنا بولے گا تو ان کو کیا حکم ہوگا؟

لہ وفي الہندیة: ويكفران اعتقاد ان الله تعالى يرضى بالكفر كذا في البحر -

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۵۸ الباب التاسع في احکام المرتدین)

لہ قال العلامة ابن نجيم: فيكفر اذا وصف الله بما لا يليق به او سخر باسم من اسمائه او باء من اوامره او انكر وعده او عيده او جعل له شريكاً او ولداً او زوجة او نسبته الى الجهل او العجز او النقص - (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۰ باب المرتد) ومثله في الہندیة ج ۲ ص ۲۵۸ الباب التاسع في احکام المرتدین -

کی طرف زنا کی نسبت کرتے ہیں تو کیا وہ کافر ہیں یا نہیں؟
 الجواب :- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو کہ تمام مسلمانوں کی ماں ہیں اور حضور اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں جن کی برأت پر قرآن پاک ناطق ہے جو آپ کی
 ذات مبارکہ کے عظیم ہونے کی واضح دلیل ہے اور ان کی برأت قطعی ہے، لہذا ان
 کی طرف زنا کی نسبت کرنا نہ صرف یہ کہ قرآن کریم سے واضح انکار ہے بلکہ انسانی غیرت
 کے بھی خلاف ہے اس لیے ان کی طرف زنا کی نسبت کرنے والا نہ صرف کافر بلکہ انسائیت
 کے دائرہ سے بھی خارج ہے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصارى: وفي خزائنة الفقه لو قد ف عائشة رضي عنها
 كفر بالله تعالى ولو قد ف سائر نساء النبي صلى الله عليه وسلم لا يكفر وليستحق
 اللعنة - (التاريخانية ج ۵ ص ۲۸۵ كتاب احكام المرتدين فصل فيما يعود الى الانبياء)
 اللہ تعالیٰ کے بعض افعال میں حکمت سے انکار کرنے والے کا حکم **اسوال :-** جو شخص
 اللہ تعالیٰ سے ایسے افعال بھی صادر ہوتے ہیں جن میں رنعود باللہ کوئی حکمت نہیں ہوتی،
 تو ایسا عقیدہ رکھنے والے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- اللہ تعالیٰ ایسی ذات ہے جو کہ خالق کائنات، قادر مطلق اور مختار کل ہے
 کائنات کا کوئی ذرہ بھی اس کے دائرہ اختیار سے باہر نہیں، بحیثیت انسان جو شخص
 بھی ادنیٰ درجہ کی عقل رکھتا ہو وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ سے کسی ایسے
 فعل کا صدور بھی ہو سکتا ہے جو کہ حکمت سے خالی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہونا ایک
 بدیہی امر ہے اس کا کوئی فعل بھی حکمت سے خالی نہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں
 کافی جگہ اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونے کا صراحتاً ذکر آیا ہے، فقہاء کرام کی تصریحات

لہ وفي الهنديّة: ولو قد ف عائشة رضي الله عنها بالزنا كفر يا لله تعالى ولو قد ف
 سائر نسوة النبي صلى الله عليه وسلم لا يكفر وليستحق اللعنة -
 (الفتاوى الهنديّة ج ۲ ص ۲۶۲ الباب التاسع في احكام المرتدين)
 وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۳ ص ۳۲۱ باب المرتد -

کے مطابق جو شخص بھی یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے افعال بھی ثابت ہیں جو کہ حکمت سے خالی ہیں تو وہ شخص کافر ہے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری: من اجل قال يجوز ان يفعل الله تعالى فعلاً لا حکمة فيه يكفر لانه وصف الله تعالى بالسفاهة وهو كفر۔ (تاتارخانیة ج ۵ ص ۲۶۳ کتاب احکام المرتدین) ۱۷

سوال ۱:- اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو اس کے نکاح کا کیا حکم ہے، کیا اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی یا قضاء قاضی کی ضرورت ہوگی؟

الجواب :- ارتداد ایک ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے فوراً بلا قضاء قاضی کے نکاح ختم ہو جاتا ہے، مرتد کی بیوی پر لازم ہے کہ وہ بلا تاخیر شوہر سے جدا ہو جائے تاہم اگر مرد دوبارہ مسلمان ہو جائے تو تجدید نکاح کرنا ضروری ہوگا۔

لما قال العلامة الحصکفی: وارتداد احدهما فسخ عاجل بلا قضاء۔ قال ابن عابدین: ای بلا توقف علی قضاء القاضی وقضاء بلا توقف علی مضي عده فی المدخول بها کما فی البحر۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۵ باب نکاح الکافر) ۱۸



۱۷ قال العلامة ابن نجیم: ويكفر بقوله يجوز ان يفعل الله فعلاً لا حکمة فيه۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۱۱ باب المرتد)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۲۵۸ الباب التاسع في احکام المرتدین۔
۱۸ قال العلامة ابن نجیم: ارتداد احدهما فسخ في الحال يعنى فلا يتوقف على مضي ثلاثة قروء في المدخول بها ولا على قضاء القاضی لان وجود المنامي يوجب كالمحرمة بخلاف لانه غير مناف للعصمة۔

(البحر الرائق ج ۳ ص ۲۱۴ باب نکاح الکافر)

آسمان کے وجود سے انکار | سوال :- جناب مفتی صاحب! بعض "تعلیمیافتہ" لوگوں سے سنا ہے کہ آسمان کا اپنا کوئی وجود نہیں اور یہ جو نیلگوں چھت ہمیں دکھائی دیتا ہے یہ وہ خلا ہے جو سیاہی اور سورج کی روشنی مخلوط ہو کر ایسا رنگ اختیار کر گیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی آسمان کا اپنا کوئی وجود نہیں، اگر نہیں تو قرآن و سنت میں جس آسمان (السماء، السموات) کا ذکر آیا ہے اُس سے کیا مراد ہے؟

الجواب :- تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید اُس ذات کی کتاب ہے جس نے تمام عالم کو پیدا کیا اور کارخانہ عالم کے تمام پُرسے اور ان میں جو خاصیت اور قوت رکھی گئی ہے صرف اُس ذات کے علم میں ہے، تو ایسی ذات کے کلام کا ایسے امور پر مشتمل ہونا ناممکن ہے جو واقعات اور حقائق کے مخالف ہوں۔ اسی بناء پر یہ ناممکن ہے کہ قرآن اور سائنس کی صحیح تحقیقات میں تضاد اور مخالفت ہو، سائنس کی تحقیقات قرآن کے مخالف اور متضاد معلوم ہوں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ مخلوق سے اس میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔ خالق اور مالک حقیقی کی اپنے بنائے ہوئے کارخانہ کے بارہ میں بدگمانی ناممکن ہے۔ تو ایسی رسمی تحقیقات میں اگر لوگ نظر ثانی اور مکمل تحقیق کریں اور صرف تخمینہ اور اندازہ سے کام نہ لیں تو ضرور اپنے نظریہ کا غلط ہونا ان پر منکشف ہو جائے، ہر مسلمان کو یہ طریقہ اختیار کرنا ضروری ہے۔

موجودہ دور میں سائنسدانوں نے ایسے ایسے عجیب و غریب نظریات دُنیا کے سامنے پیش کیے ہیں کہ غیر مسلم تو درکنار بعض مسلمان بھی ان سے متاثر اور مرعوب نظر آتے ہیں جو آنکھیں بند کر کے سائنسدانوں کے ہر نظریہ کو قبول کرنے پر آمادہ ہو رہے ہیں حالانکہ اندھی تقلید کرنا اور بلا دلیل کسی سے مرعوب ہونا نہ عقل کا تقاضا ہے اور نہ شرع کا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عقول میں تفاوت پیدا کیا ہے، کسی کی عقل کمزور اور نارسیدہ ہے اور کسی کی قوی اور دور رس، یہی وجہ ہے کہ گذشتہ سائنسدانوں کے نظریات جُدا تھے اور موجودہ زمانہ کے سائنسدانوں کے نظریات الگ ہیں، ایک سائنسدان کا نظریہ الگ ہوتا ہے تو دوسرے کا الگ، بلکہ بسا اوقات ایک شخص ایک وقت میں ایک نظریہ رکھتا ہے تو دوسرے وقت میں اپنی تحقیق اور نظریہ سے رجوع کر لیتا ہے۔ تو جب عقل کا یہ حال ہے تو کسی کے نظریات سے بلا دلیل مرعوب ہونا اور اس کی اندھی تقلید کرنا سراسر غلط اور سلاف عقل ہے بلکہ اس کی دلیل پر غور کرنے کے بعد

کوئی رائے قائم کرنا ہی صحیح طریقہ کار ہے۔

وہ دلائل جن کے ذریعہ ہم کسی چیز کے متعلق یقین حاصل کرتے ہیں تین ہیں:-

(۱) اول حواسِ خمسہ یعنی سامعہ، باصرہ، شامہ، لامسہ، ذائقہ ہیں جن کے ذریعہ ہم محسوسات پر علم اور یقین حاصل کرتے ہیں بشرطیکہ یہ حواس صحیح ہوں آفت رسیدہ نہ ہوں۔ تو اس حوالہ (بھٹکے شخص) کو ایک چیز کا دو محسوس ہونا اور صفراوی مزاج والے کو میٹھی چیز کا تلخ محسوس ہونا چونکہ خارجی آفت کی وجہ سے ہے تو یہ غلطی حواس کے ذرائع یقین ہونے میں ہرگز خلل انداز نہیں ہو سکتی۔

(۲) دوسری دلیل عقل ہے جس کے ذریعے ہم ایک غیر محسوس چیز پر یقین کر سکتے ہیں اور جہاں حواس کا کام ختم ہو جاتا ہے وہاں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے مثلاً جب ہم دھواں دیکھتے ہیں تو باوجود اس کے کہ ہمیں آگ نظر نہیں آرہی ہوتی ہمارا سو فیصد یقین ہوتا ہے کہ یہاں آگ موجود ہے، اور جب ہم خاک کا اڑنا اور درختوں کے پتوں کا ہلنا دیکھتے ہیں تو ہمیں یقین ہوتا ہے کہ ہوا موجود ہے اور اس کا بھی کوئی وجود ہے، اسی طرح جب ہم چاند کا گھٹنا بڑھنا دیکھتے ہیں تو ہم یہ یقین کرتے ہیں کہ چاند کی روشنی سورج سے حاصل ہے۔

(۳) تیسری دلیل کسی معتمد شخص کی اطلاع اور اخبار ہے جس کے ذریعے ہم ان چیزوں پر علم حاصل کرتے ہیں جن کی پہچان سے حواس اور عقل عاجز ہوں۔ مثلاً ایک شخص نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ نہیں دیکھا لیکن ان شہروں کے وجود پر اس کو پورا یقین ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ صرف عقل نے اپنے پر کفایت کی ہے بلکہ اسے معتمد اطلاعات کی وجہ سے یہ یقین اور علم حاصل ہوا ہے۔ اور ایک اندھا شخص جو کہ نہ تو کنواں اور سانپ دیکھ سکتا ہے اور نہ عقل کے ذریعے اسے یہ معرفت حاصل ہو سکتی ہے، تو اس کے لیے ایک معتمد شخص کی اطلاع ہی واحد ذریعہ ہے جس سے وہ یقین حاصل کر سکتا ہے، اور اندھے کا یہ کہنا کہ جب تک میری سمجھ میں نہ آئے کہ یہ سانپ اور کنواں ہے تو میں ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں، یہ سراسر اس کی بیوقوفی ہوگی۔

بسا اوقات بعض لوگ کسی چیز کے وجود سے صرف اس وجہ سے انکار کر دیتے ہیں کہ یہ چیز نہ ہم نے دیکھی ہے اور نہ ہماری سمجھ میں آتی ہے، مختصر یہ کہ ہمیں اس کے وجود پر کوئی دلیل معلوم نہیں لہذا یہ چیز موجود ہی نہیں ہے۔ لیکن اس طرح کسی چیز کے وجود کا انکار کرنا غلط ہے کیونکہ کسی کی بے علمی سے یہ لازم نہیں آتا کہ اور لوگوں کو بھی اس چیز کے وجود کا علم اور خبر نہ ہو مثلاً

ایک عامی اس سے انکار کرے کہ چاند اپنی روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے اور یہ کہے کہ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تو چونکہ اوروں کو دلیل سے یہ بات ثابت ہے کہ چاند اپنی روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے لہذا پہلی بات قابل سماعت نہ ہوگی۔

موجودہ دور کے سائنسدانوں کا خیال ہے کہ آسمان کا کوئی وجود نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ نیلگوں چیز جو نظر آتی ہے یہ انسان کی حدنگاہ ہے۔ مگر یہ سراسر غلط ہے کیونکہ قرآن و حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آسمان کا ایک مضبوط رنگدار وجود ہے جس میں دروازے بھی ہیں۔ اور بعض آثار و روایات میں تو ہر ایک آسمان کا مادہ بھی بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آسمان زمین سے پانچ سو سال کی مسافت پر دور ہے اور اگر تین میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بھی مسافت ہو تو ایک کروڑ اسی لاکھ ساٹھ ہزار میل تقریباً بنتے ہیں۔ اور رنگ کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نیلا ہے، اور بعض فرماتے ہیں کہ سُرخ ہے لیکن دُوری اور فاصلہ کی وجہ سے نیلا دکھائی دیتا ہے، جیسا کہ رگ میں خون پردہ کی وجہ سے اور سُرخ پہاڑ دُوری کی وجہ سے نیلگوں نظر آتا ہے، البتہ قیامت کے دن آسمان کا اصلی رنگ دکھائی دے گا، یا نظر کے نیز ہونے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ اس دن تمام حقائق منکشف ہوں گے۔ جس کا فکانت و ردۃ کالدہات (سورۃ الرحمن آیت ۷۷) میں ارشاد کیا گیا ہے۔

قرآن و حدیث کے دلائل حقہ سے بے خبر ہونے کی وجہ سے آسمان کو حدنگاہ خیال کرنا ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ ایک اندھا آدمی جسے کوئی چیز نظر نہ آتی ہو اُسے کسی دُور پڑی ہوئی چیز کے وجود کے بارے میں ایک عام آدمی سنجیدگی سے بتا دے تو وہ فوراً یقین کر لیتا ہے حالانکہ اُسے کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ اور ہمارے پاس آسمان کے وجود کے بارے میں ایک مُعتمد ذات (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطلاعات، اخبارات اور مشاہدات موجود ہوں اور پھر بھی ہم آسمان کو حدنگاہ کہیں تو یہ کس قدر عجیب بات ہے۔ اگر ایک سائنسدان کا مشاہدہ یا اطلاع تسلیم کی جاسکتی ہے تو کیا ایک مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی کوئی اطلاع قابل تسلیم نہیں ہو سکتی؟

واللہ اعلم بالصواب

قرآن کریم کی بے ادبی کرنے والے کا شرعی حکم | سوال :- ایک آدمی نے اپنے گھر میں

سایس کی موجودگی میں بیوی سے کسی بات پر بھگڑا کیا جبکہ اس وقت اسکی بیوی قرآن کریم کی تلاوت کر رہی تھی اُس نے خاوند سے کہا کہ گھر آئے ہوئے کسی کی بے عزتی نہیں کرنی چاہیے، اتنی سی بات پر خاوند نے بیوی سے قرآن مجید چھین کر پھاڑ دیا اور پھر کپڑے میں باندھ کر پانی میں ڈال دیا۔ ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- صورتِ مسئلہ میں بظاہر اس شخص نے قرآن مجید کی بے ادبی اور بھیمتی کی ہے لہذا اس شخص کے لیے تجدیدِ ایمان و نکاح ضروری ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۳ ص ۳۳۲ باب چہارم، احکام المرتد)

قال العلامة ابن عابدین: وفي المسألة وبالجملۃ فقد ضم الى التصديق بالقلب وباللسان في تحقيق الايمان امور الاخلال بها اخلالاً بالايان اتفاقاً كترك السجود لصنم وقتل نبي والاستخفاف به وبالمصحف والكعبة الخ (مراد المختار ج ۳ ص ۳۳۲ باب المرتد) له

سوال :- جناب مفتی صاحب! ”ڈیسٹ آف مین فام“ نامی کتاب

میں ”ڈارون کا نظریہ ارتقاء“ کے عنوان سے یوں مذکور ہے کہ ابتداءً دنیا کی تمام مخلوق اصل فطرت میں ایک تھی جس سے ترقی کر کے یہ مختلف نوعیں پیدا ہوئیں اور انسان اس فطری رفتار کا آخری مرحلہ ہے، یعنی انسان دفعۃً پیدا نہیں ہوا بلکہ چند مرحلوں سے گذر کر اپنی اس آخری منزل تک پہنچا ہے مثلاً جمادات سے نباتات، نباتات سے حیوان اور پھر حیوان سے انسان بنا۔ آپ اسلامی نقطہ نظر اور دلائل کی روش سے اس نظریہ کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب :- ڈارون کا یہ نظریہ کہ انسان پہلے نباتات پھر حیوان و بندرم تھا پھر انسان بنا، سراسر غلط اور نصوص شرعیہ کے خلاف ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں

له وفي البزازیة: ادخال آية القران في المزاج والدعاة كفر لانه استخفاف به الخ (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الهندیة ج ۶ ص ۳۳۸ کتاب الفاظ تکیون اسلاماً الخ)

میں اس نظریہ کی وضاحت کچھ اس طرح ہے :-

قرآن مجید سے دلائل

- (۱) قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: فَإِذَا اسْوَيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ. (سورة الحجر آیت ۲۹)
- (۲) وَخَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ه (سورة الرحمن آیت ۱۴)
- (۳) قَالَ أَسْجُدْ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا ه (سورة بنی اسرائیل آیت ۶۱)
- (۴) وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَكَةِ إِنِّي بَاعِعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً. (سورة البقرة آیت ۳۱)
- (۵) وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَكَةِ اسْجُدْ وَإِلَّا دَمٌ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى وَاسْتَكْبَرَ. (سورة البقرة آیت ۳۴)
- (۶) وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا. (سورة البقرة آیت ۳۵)
- (۷) وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ه (سورة البقرة آیت ۳۶)
- (۸) إِنْ مِثْلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمِثْلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ه (سورة آل عمران آیت ۵۹)
- (۹) قَالَ مَا مَنَعَكَ آلَا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِمَّنْ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ه (سورة الاعراف آیت ۱۲)
- (۱۰) قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ه (سورة الاعراف آیت ۲۲)

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دلائل

- (۱) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خلق اللہ آدم و طوله ستون ذراعاً ثم قال اذهب فسلم علی اولیک من الہ لیک۔ (الصحيح البخاری ج ۱ ص ۲۶۸ پارہ کتاب بدء الخلق، باب قول اللہ تعالیٰ: واذ قال ربک۔ (الآیۃ)
- (۲) عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لما صور اللہ آدم فی الجنة تركہ ما شاء اللہ ان يتركہ فجعل ابليس يطيف به ينظر ما هو فليما راہ اجوف عرف انه خلق خلقاً لا يمالک۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۶ باب بدء الخلق۔ الفصل الاول)
- (۳) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کان طو آدم

ستین ذراعاً فی سبع اذرع عرضاً۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۱۱ الفصل الثالث۔ باب بدء الخلق)
 (۴) عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ مرفوعاً ان اللہ خلق آدم من قبضة قبضها
 من جمیع الارض فجاء بنو آدم علی قدر الارض منهم الاحمر والابيض الخ
 (جلالین شریف ج ۱ ص ۱۸۷ حاشیہ ۷)

(۵) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال کان ابلیس من حی من احياء المملکة الی قوله
 قال ثم امر بتربة ادم فرفعت فخلق اللہ آدم من طین لازب واللازب
 اللازم الطیب من حماء مستنون متن وانما کان حماء مستنونا بعد التراب
 فخلق منه ادم بيده قال فمکث اربعین ليلة جسداً ملقى وكان ابلیس
 يأتيه فیضربه برجله فیصلصل فیصوت فهو قول اللہ تعالیٰ: ومن
 صلصال کالفخار یقول کالشئ المنفرج الذی لیس بمصمت قال ثم یدخل
 فیه ویخرج من دبره ویدخل من دبره ویخرج من فیه ثم یقول لست شیئاً
 لصلصلة ولشئ ما خلقت ولین سلطت علیک لاهلکک ولین سلطت علی
 لاعصینک قال فلما نفخ اللہ فیه من روحه اتت النفخة من قبل رأسه
 فجعل لا یجری شیء منها فی جسده الا صار لحمًا ودمًا فلما انتهت النفخة
 الی سرته نظر الی جسده فاعجبه فارأى من جسده فذهب لینهض فلم یقد
 فهو قول اللہ تعالیٰ (وخلق الانسان عجولاً) قال زجراً لاصبر له علی سراء
 ولا ضراء قال فلما تمت النفخة فی جسده عطس فقال الحمد للہ رب العالمین
 بالهام اللہ فقال اللہ له (یرحمک اللہ یا آدم) قال ثم قال تعالیٰ للمملکة الذین
 كانوا مع ابلیس خاصة دون المملکة الذین فی السُّلُوبِ اسجدوا لادم فجدوا کلهم
 اجمعون الا ابلیس ابی واستکبر لما کان حد نفسه من الکبر غتر فقال لا اسجد لله تأخیر منه
 واکبر سناً وقوی خلقاً خلقتی من نار وخلقته من طین۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۷۵)

مندرجہ بالاتمام دلائل سے معلوم ہو گیا کہ حضرت انسان ابتداء آفرینش سے مکمل اور مکمل پیدا ہوا اور
 صاحب عقل بھی تھا کیونکہ اول روز ہی اللہ تعالیٰ نے اسے عالم و مکلف بالا حکم کھڑا کیا نہ کہ جمادات سے نباتات اور نباتات
 سے حیوان اور حیوان سے انسان بنایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تراب کے بعد کُن فیکون کے صیغے استعمال کیے
 ہیں جو کہ دفعۃً پر بغیر تدریج کے دلالت کرتے ہیں۔

سوال :- اگر کوئی شخص زلیخا کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کرے **زلیخا کو زانیہ وغیرہ کہنا** کہ وہ زانیہ اور فاحشہ عورت تھی تو اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا وہ مسلمان رہ سکتا ہے؟ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہے؟ اس کی شہادت اسلام میں قبول ہو سکتی ہے؟ اور کیا اُسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاسکتا ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب :- چونکہ قرآن و حدیث میں امراءۃ العزیز کے متعلق نہ تو یہ آیا ہے کہ اس کا نام زلیخا تھا اور نہ یہ کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آئی تھی۔ اس لیے محض اسرائیلیات کی وجہ سے ایسے شخص کو اسلام سے خارج نہیں قرار دیا جاسکتا، خصوصاً جبکہ غلبہ حال کی وجہ سے علت و حرمت سے ذہن خالی ہو۔

سوال :- ایک دیندار شخص مسجد میں اللہ کی عبادت کر کے **عبادت راتہ وغی کلمہ کفر نہیں** فارغ ہو کر جب گھر آیا تو کسی بات پر بیوی سے جھگڑا ہو گیا تو غصے کی حالت میں اس کی زبان سے پشتو کے یہ الفاظ نکل گئے: ”چہ موندرہ پہ جماعت کنبہ خہ عبادت و کو چہ کودتہ راشو هغه هر خه تا سوراته وغی“ (مسجد میں عبادت کر کے جب گھر آتا ہوں تو سب کچھ تم یہود دیتی ہو) تو کیا اس شخص کا یہ کہنا کلمہ کفر تو نہیں؟ اور اس سے یہ آدمی کافر بن جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- اگرچہ ظاہری لحاظ سے مذکورہ الفاظ درست نہیں ہیں مگر پشتو زبان کے محاورہ میں کسی چیز کو برباد کرنے اور اس کو لغو کرنے کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں لیکن ان سے کسی چیز کی تحقیر و تنویر مقصود نہیں ہوتی۔ اور ویسے بھی جن الفاظ کے مختلف مطالب اور معانی ہوں تو اصول افتاء کے مطابق ان کے اسلامی معانی اور مطلب کو ترجیح دی جائے گی تاکہ ایک مسلمان فتویٰ کفر سے بچ سکے۔ لہذا صورتِ مسئلہ کے مطابق یہ دیندار شخص مسلمان ہے اس پر کفر کا کوئی شک و شبہ نہ کیا جائے۔ تاہم کسی بھی مسلمان کو اس قسم کے دو جہین الفاظ استعمال کرنے سے پرہیز ہی کرنی چاہیے جس کی وجہ سے اسلام پر حرف آنے کا اندیشہ ہو۔

ہکذا فی عقود رسم المفتی ص ۸۔

واللہ اعلم و علمہ اتم

اللہ تعالیٰ کیلئے لفظ "خدا" استعمال کرنے کا حکم | سوال :- جماعت المسلمین فرقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے

لفظ "خدا" استعمال کرنے کو ناجائز اور حرام کہتے ہیں، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا واقعی اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ "خدا" کا استعمال ناجائز و حرام ہے؟

الجواب :- "خدا" فارسی زبان کا لفظ ہے جو کہ لفظ اللہ کے قائم مقام ہے اور شرعاً اللہ تعالیٰ کے لیے کسی بھی زبان کا ہر وہ لفظ استعمال کرنا جائز ہے جو واجب الوجود القدیم کے مترادف ہو۔

لما قال العلامة عبد العزيز فرهادي: واذا اورد الشرع باطلاق اسم بلغة كل لفظ الله فهو اذن باطلاق ما يردفه من تلك اللغة كالواجب والقديم او من لغة اخرى كاسم خدا بالفارسية - (النبراس ص ۱۱۲ صفات الله تعالى)

سوال :- جناب مفتی صاحب! ایک شخص نے ہمارے سامنے ایک داڑھی والے شخص سے کہا

کہ تیم نے کیا بکری کی دم کی طرح داڑھی رکھی ہوئی ہے اور ساتھ ہی خوب زور سے قہقہہ بھی لگایا تو کیا اس طرح کہنے سے اُس آدمی کا ایمان ختم ہوا یا نہیں؟ اور اس کے نکاح و دیگر اعمال کا کیا معاملہ ہوگا؟ ازراہ کرم تفصیل سے جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب :- ایک مسلمان کے لیے داڑھی رکھنا سنت مؤکدہ بلکہ واجب ہے، اس کے ساتھ مذاق کرنا شعار اللہ کے ساتھ مذاق کے مترادف ہے جو کہ شرعاً حرام و ناجائز ہے اور ایسا کرنے والے شخص کے ایمان سے نکلنے کا خطرہ ہے، لیکن پھر بھی اس کا نکاح ختم ہو جائے گا اور نیک اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے، ایسے شخص کیلئے تجدید نکاح کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: وجهه ان السنة حد الاحكام الشرعية المتفق على مشروعيتها عند علماء الدين فاذا انكر ذلك ولعيرها شيئاً ثابتاً ومعتبراً في الدين يكون قد استحف بها واستهان بها وذلك كفر۔

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں: اذا لاد ان يتكلم بكلمته مباحته فجري على لسانه كلمة الكفر خطأ بلا قصد لا يصدقه القاضي وان كان لا يكفر فيما بينه وبين ربه تعالى..... ان ما يكون كفراً اتفاقاً يبطل العمل والنكاح وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۶)

کسی بھی نبی کی اشارۃً یعنی فرضی کہانی سے توہین کرنا کفر ہے | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین درائیں مسئلہ کہ

”میری نئی کتاب“ برائے جماعت دوم پشتو ذریعہ تعلیم راہنمائے اساتذہ راین، ڈبلیو، ایف، پی ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور میں صفحہ ۱۷۱ پر ایک کہانی بعنوان ”ابوقاسم اور اس کے گدھے“ تحریر ہے جس سے کسی شخص کی تذلیل و تحقیر ثابت ہوتی ہے۔ اس فرضی کہانی میں ابوقاسم اور موٹی کا نام استعمال ہوا ہے۔ تو کیا ابوقاسم نام کسی تذلیل آمیز کہانی میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (نوٹ) کہانی کی ایک عدد فوٹو کاپی لفٹ ہذا ہے۔

الجواب :- ابوالقاسم یا ابوقاسم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت مبارکہ ہے ائمہ میں اس نام کی کنیت رکھنے سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: **عَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ ابُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمُوا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَبُوا بَكْنِيَّتِي**۔ (عمدة القاری (۲۲/۲: ۲)۔ (ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے نام کی طرح نام رکھو لیکن میری کنیت کی طرح کنیت نہ رکھو۔ اس لیے امام شافعی رحمہ اللہ نے مطلقاً ابوالقاسم کنیت رکھنے کو ناجائز کہلے۔

چنانچہ امام ابن حجر عسقلانیؒ امام نوویؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں: **الاول المنع مطلقاً** سوادکان اسمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم **ام لا ثبت ذلك عن الشافعي**۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۷۱) (ترجمہ) اول مذہب یہ ہے کہ اس طرح کی کنیت مطلقاً منع ہے چاہے کسی کا نام محمد ہو یا نہ ہو اور یہ امام شافعیؒ سے ثابت ہے اگرچہ اس کے جوازیں اور اقوال بھی پائے جاتے ہیں مگر یہ اقوال صرف نفس کنیت تک محدود ہیں۔ اور اگر اس کنیت کی تذلیل و تحقیر مقصود ہو یا اس میں تذلیل کا کوئی شبہ بھی ہو تو اس قسم کے اسماء یا الفاظ استعمال کرنا بنص قرآنی جائز نہیں۔ **كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ** (سورۃ البقرہ آیت ۱۷۱)۔ (ترجمہ) ”اے ایمان والو! تم راعنا نہ کہو بلکہ انظرنا کہو اور سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے“

علامہ قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: **في هذه الآية دليلان: أحدهما على تجنب الالفاظ المتعملة التي فيها التعريض للتقصيص والغضب**۔ (تفسیر احکام القرآن للقرطبی ج ۲ ص ۵۷)۔ (ترجمہ) ”اس آیت میں دو دلیلیں ہیں:

ایک تو ایسے الفاظ کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیئے جو تنقیص کی طرف مشیر ہوں۔“
اسی طرح علامہ ابو بکر الجصاص الرازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”وہذا يدل على ان كل
لفظ احتمل الخير والشر فغير جائز اطلاقه حتى يقيد بما يقيد الخیر۔
(احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۷۷)۔ (ترجمہ) ”یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ ہر وہ لفظ
جو خیر و شر دونوں کو متحمل ہو اس کا مطلقاً استعمال جائز نہیں، یہاں تک کہ اس کو خیر کے ساتھ
مقید کیا جائے۔“

چنانچہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالی میں ایسے
الفاظ کے استعمال سے منع فرما رہے ہیں جو تنقیصِ نبی کے متحمل ہوں متکلم کی مراد چاہے کچھ بھی ہو۔
چونکہ استفاء کے ساتھ اصل کتاب کے لف شدہ صفحات کے مطالعہ سے خوب وضاحت
کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ یہودی لابی نے یہ فرضی کہانی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص
کے لیے بنائی ہے جس پر مندرجہ ذیل امور دلالت کرتے ہیں:

(۱) ابوقاسم کے نام کا استعمال جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ہے۔
(۲) ان کے دوست موسیٰ کا ملنا، چونکہ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام
انبیاء کرام علیہم السلام پر فوقیت حاصل ہے، تو موسیٰ جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام
ہے) کو ابوقاسم (جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت مبارکہ ہے) کے مقابلے میں
لانا اس عقیدہ کی غمازی کرتا ہے اور پھر اس کہانی میں موسیٰ کو عقل و فراست میں ابوقاسم
پر ترجیح دینا اور ابوقاسم کو موسیٰ کے مقابلے میں حقیر ثابت کرنا اس نظریہ کی واضح گافض
کرتی ہے۔

(۳) اسی طرح ۹ کی تعداد بھی اس بات کی غماز ہے کہ اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی
ازواج مطہرات ہیں اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس وقت وصال ہوا تھا
اُس وقت آپ کی ۹ بیبیاں حیات تھیں
(۴) پھر گدھوں کا تعین بھی اس بات کی طرف مشیر ہے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ
کے موقع پر گدھے پر سوار تھے۔

(۵) پھر تصویر میں ابوقاسم کا پگڑی پہننا جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ ہے اس
اس خلافتِ شرع نظریہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۶) پھر ترتیب اور نظر ثانی بھی ایک غیر مسلم مسٹر برینڈین روز دایڈ وائٹڈ سٹیریل ڈویلپمنٹ) نے کی ہے۔

ورنہ وہ ان ناموں کے علاوہ اور نام بھی استعمال کر سکتے تھے لہذا اس کہانی میں ان ناموں یا ایسے ناموں کو جن کے ذریعہ کسی بھی پیغمبر کی ذات کی تذیل و تحقیر مقصود ہوگا استعمال جائز نہیں۔ اب اگر ان ناموں کے استعمال سے متکلم کی مراد کسی رسول کی تذیل مقصود ہو تو وہ شخص خارج عن الاسلام ہے، اور اگر تذیل مقصود نہ بھی ہو مگر شبہ تذیل مسمی ضرور ہے جس سے بیخبر مسلمان کافرینہ منصبی ہے۔ لہذا وزارت تعلیم کے ارباب اختیار کو چاہیے کہ وہ اس کتاب سے ان ناموں کو نکال دے اور ان جگہ کوئی اور نام تجویز کریں اور ساتھ تصویر سے عمامہ اور داڑھی کو بھی ختم کریں تاکہ اس سے شعائر اسلامی (گیمڑھی اور داڑھی) کی تذیل و تحقیر نہ ہو سکے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

”نماز تو گدھے اور کتے پڑھتے ہیں“ کہنے کا حکم | سوال: ایک صاحب نے نہ تو کبھی نماز پڑھی ہے اور نہ کبھی مسجد کا رخ کیا ہے، ایک تبلیغی دوست نے

اسے نماز پڑھنے کی دعوت دی تو اس نے کہا کہ نماز تو گدھے اور کتے پڑھتے ہیں، جاؤ میں نماز نہیں پڑھتا۔ تو کیا یہ شخص اسلام سے خارج ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟
الجواب: نماز شعائر اسلام میں سے ہے، اسکی توہین کرنا خروج عن الاسلام کا سبب ہے لہذا بظاہر اس شخص کے ان الفاظ سے نماز کی توہین معلوم ہوتی ہے جس کی بنا پر موصوف اسلام سے خارج ہو چکا ہے اس کے لیے تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہے، تاہم اگر اس شخص کے ان الفاظ سے نماز کی توہین مقصود نہ ہو بلکہ نا سمجھی یا کسی اور مقصد کی وجہ سے کہے تو اگرچہ اسلام سے تو خارج نہیں ہوا البتہ ان الفاظ سے گنہگار ضرور ہوا ہے۔

لما قال العلامة مفتی عبدالرحیم: الفاظ مذکورہ سے ظاہر نماز اور نمازیوں کی توہین لازم آتی ہے لیکن اسکی تاویل ممکن ہے بولنے والے کا مقصد یہ ہوگا کہ نماز اصل دین ہے لیکن عقیدہ کی درستگی مقدم ہے اگر عقیدہ فاسد ہو تو نماز نجات کیلئے کافی نہیں اس لیے اس کہنے والے کو اسلام سے خارج نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں اگر یہ شخص نماز نہ پڑھتا ہو اور نماز پڑھنے کو ضروری نہ جانتا ہو اس لیے نماز کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کیے ہوں تو بے شک اسلام سے خارج ہو جائے گا اور توبہ تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد ۱۰ ص ۱۸ کتاب الایمان)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی نبی علیہ السلام کی توہین کرنے کی سزا | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان

شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک پروفیسر ڈاکٹر یونس شیخ نے اپنی کلاس میں لیکچر کے دوران طلباء کے سامنے مندرجہ ذیل باتیں کی ہیں: (نقل کفر کفر نہ باشد)

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال تک غیر مسلم تھے۔ (معاذ اللہ، استغفروا اللہ ثم استغفروا اللہ)

(۲) چالیس سال کی عمر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نختے نہیں ہوئے تھے۔

(۳) حضورؐ نے پہلی شادی ۲۵ سال کی عمر میں کی اور چونکہ اس وقت وہ نہ نبی تھے اور نہ مسلمان

اس لیے نکاح نہ ہوا۔

(۴) چالیس سال کی عمر تک آپ بغل کے بال اور زیر ناف بال نہیں کاٹتے تھے۔

(۵) آپ کے والدین غیر مسلم تھے۔

کیا یہ کلمات گستاخی رسول کے زمرہ میں آتے ہیں یا نہیں، اور اس شخص کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟ اگر گستاخ رسول تو یہ کہے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی یا نہیں؟ یہ جو پانچ کلمات اس نے کہے ہیں ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ قرآن و حدیث سے اس کے لیے مدلل جوابات دیئے جائیں؟ نیز ان کلمات کے بارے میں مسلمانوں کا کیا عقیدہ ہونا چاہیئے؟ کیا کسی مسلمان کے لیے ایسے مجرم کی حمایت کرنا جائز ہے؟ کیا کوئی مسلمان وکیل عدالت میں اس کی وکالت کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر وکالت کرتا ہے تو اس کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟ کیا ایسے مجرم کے رشتہ دار اس کی طرف سے وکیل کر سکتے ہیں اور وہ اس کی حمایت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر وہ اس کی حمایت کریں تو ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک دور میں کسی ایسے گستاخ کو معاف فرمایا تھا؟ اب ایسے گستاخ رسول کو معاف کرنے کا کسی کو اختیار ہے یا نہیں؟ اگر کوئی عالم اس کی حمایت کرے تو اس کے لیے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ کیا گستاخ رسول اور مرتد کے احکامات اور سزائیں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

الجواب:- مندرجہ بالا سوالات کے جوابات ترتیب وار درج ذیل ہیں:

س: کیا معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال تک غیر مسلم تھے؟

ج: (۱) اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نبوت

سے قبل اور نبوت کے بعد جملہ صغائر اور کبائر گناہوں سے پاک اور منزہ ہیں، نہ ان سے قبل نبوت

کفر و شرک کے ارتکاب کا تصور تک ہو سکتا ہے اور نہ بعد النبوت، اس لیے کہ نبوت اور کفر و شرک دونوں اضداد ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ابتداء ہی سے ایسی طبیعت اور نفس مرحمت فرمایا ہوتا ہے جو فطرتاً معصیت سے دور رہتا ہے اور نشہ عبودیت سے پُور ہوتا ہے، حتیٰ کہ طاہر صغیر میں بھی وہ عبودیت کا اعتراف کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بچپن ہی میں اِنِّی عَبْدُ اللّٰہ کا کلمہ زبان مبارک سے نکال کر اس بات کا اعلان کیا تھا۔ ہماری عقائد کی کتابوں میں یہی لکھا ہے، چنانچہ امام اعظم امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں: **الانبياء عليهم الصلوة والسلام كلهم منزهون عن الصغائر والكبائر والكفر والقبائح**۔ (شرح فقہ اکبر ص ۸۸، ۸۹ بحث ان الانبياء الخ) علامہ النسفیؒ فرماتے ہیں: **وفي عصمتهم عن سائر الذنوب تفصيل وهو انهم معصومون من الكفر قبل الوحي وبعده بالاجماع وكذا عن تعدد الكبائر عند الجمهور**۔ (شرح عقائد النسفی ص ۹۸)

علامہ ابن حزمؒ و امام ابواسحق اسفرائنیؒ و ابن فورکؒ و ابن برہانؒ، نوویؒ، قاضی خانؒ وغیرہ تمام اہلسنت والجماعت کا مسلک بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: **انّهم معصومون عن الصغائر والكبائر جميعاً قال انه الذي ندين به وهو الصحيح**۔

(بحوالہ مکتوبات شیعہ الاسلام ج ۳ ص ۲۲۷)

قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں: **بزعيم اسقر انبياء عليهم الصلوة والسلام از صغار وكبار قبل النبوة وبعده النبوة بهر طور كه باشد معصوم اند**۔ (ترجمان السنہ جلد ۳ ص ۳۵۵) علامہ ابو محمد عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: **مگر کفر اور شرک سے بالاتفاق معصوم تھے کسی نبی سے قبل از نبوت بھی کفر اور شرک سرزد نہیں ہوا**۔ (عقائد اسلام ص ۳۸، ۳۹) علامہ مفتی عبدالرحیمؒ فرماتے ہیں:-

الجواب: حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ابتداء ہی سے موصوفہ ہوتے ہیں، قبل از نبوت اور بعد از نبوت کفر و شرک بلکہ شائبہ کفر و شرک سے بھی بالکل پاک صاف اور منزہ ہوتے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد ۹ ص ۲۹ کتاب العقائد)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے عالم ازل (عالم ارواح) میں اپنی عبادت اور توحید کا اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت

دینے کا مضبوط عہد لیا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَ مِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا (الاحزاب ۷۲)
تفسیر جلالین میں اس آیت کی تفسیر یوں بیان کی گئی ہے: اذکر اذاخذنا من النبیین . ميثاقهم) حين اخرجوا من صلب ادم كالدرجع ذرة وهي اصغر النمل رؤيتك وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ) بان يعبدوا الله ويدعوا الى عبادة وذكر الخمسة من عطف الخاص على العام (وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا) شديدًا بالونا بما حملوه وهو اليمين بالله تعالى - (جلالین مع صاوی ج ۳ ص ۲۵۲)
ان جملہ عبارات سے وضاحت کے ساتھ یہ بات سامنے آتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قبل النبوت بھی مسلمان ہوتے ہیں اور بعد النبوت بھی ان پر کبھی بھی کفر و شرک کا زمانہ نہیں آیا ہے۔

(۲) خصوصاً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تو قبل النبوت یا بعد النبوت گناہ اور کفر پر عقائد کے از نکاب کا تصور بھی محال ہے کہ جن کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلم قرار پائیں اور ان کے نکاح کو ناجائز قرار دیا جائے۔

امام ابو حنیفہؒ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تفصیل سے فرماتے ہیں: و محمد عليه الصلوة والسلام نبیه وعبده ورسوله ونبیه و صفيه و نقيه ولم يعبد الصنم ولم يشرك بالله تعالى طرفة عين قط ولم يرتكب صغيرة ولا كبيرة قط - (شرح فقہ اکبر ص ۹۴، ۹۶ بحث فی اثبات نبوة محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

علامہ ملا علی قاریؒ اس عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں: (ولم يعبد الصنم ای ولا غیرہ لقوله ولم يشرك بالله طرفة عين قط ای لا قبل النبوة ولا بعدها فان الانبياء عليهم الصلوة والسلام معصومون عن الكفر مطلقاً بالاجماع وان جاوز بعضهم صدراً والصغيرة بل الكبيرة قبل النبوة بل وبعدها ايضاً في مقام النزاع واما هو صلى الله عليه وسلم فكما قال الامام الاعظم (ولم يرتكب صغيرة ولا كبيرة قط) - (شرح فقہ اکبر ص ۹۶ بحث فی ان افضل الناس بعد الخ)
علامہ حافظ ابن کثیرؒ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

پاکدامنی نقل کرتے ہیں : عن جبير بن مطعم قال لقد رأيت رسول الله وهو على ديت قومه قال البيهقي معنی قوله على دين قومه ما كان بقي من اراث ابراهيم واسماعيل ولم يشرك بالله قط صلوات وسلامه عليه دائماً۔ (البدایة والنہایة ج ۲ ص ۲۶۸)
 امام فخر الدین رازیؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک روایت نقل کرتے ہیں : لما ازل نقل من اصاب الطاهرین الى ارحام الطاهرات - (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۷۲)
 سورة الشعراء آیت ۲۱۹)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی پاکدامن تھے اور آپ کے آباؤ اجداد بھی پاکدامن تھے۔
 اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی آپ کی حفاظت فرماتا تھا اور آپ میں موصالحہ و دیعت کر رکھے تھے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے : وشب رسول الله مع ابی طالب یكلوه ویحفظه ویحوطه من امور الجاهلیة ومعاثبها..... وابعدهم من الفعض والاذی ما روی ملاحیا ومما ریا احد حتی سماه قومه الامین لما جمع الله فیہ من الامور الصالحة۔
 (البدایة والنہایة ج ۲ ص ۲۶۵ فصل فی خروجه علیه الصلوة والسلام مع عمه الخ)
 (۳) آپ سے قبل النبوت اور بعد النبوت شرک سرزد نہ ہونے کی تصدیق خود آپ کے اس کلام سے ہوتی ہے جو بحیرہ نامی راہب کے طویل واقعہ میں درج ہے : قام الیہ بحیری وقال له یا غلام اسئلك بحق اللات والعزی الا اخبرتني عما اسئلك عنه انما قال له بحیری ذلك لانه سمع قومه یحلفون بهما فزعما وان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال له لا تسألني باللات والعزی شیئاً فوالله ما ابغضت شیئاً قط فقال له بحیری فوالله الا ما اخبرتني عما اسئلك عنه فقال له سلني عما بدا ذلك الخ (البدایة والنہایة ج ۲ ص ۲۶۲ فصل فی خروجه علیه الصلوة والسلام... الخ)

(۴) اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کی پیدائش کے بعد سے اللہ کے نبی اور رسول ہیں، تو جو شخص پیغمبری کے اعلیٰ منصب پر فائز ہو تو اس سے کفر و شرک اور معاصی کا ارتکاب کیسے ممکن ہے؟

علامہ سیوطیؒ نے "الخصائص الکبریٰ" میں کافی ساری روایات نقل کی ہیں جس سے صاف ظاہر

ہوتا ہے کہ آپ کی نبوت حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی قبل تھی اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے اعتبار سے سب سے آخر میں تشریف لائے ہیں۔

لما اخرجہ احمد والبخاری فی تاریخہ والطبرانی والحاکم والبیہقی وابونعیم عن
میسرة الفخر قال: قلت یا رسول اللہ متی کتبت نبیا؟ قال وادم بیت الروح والجسد۔
(الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۰۱ باب خصوصیتہ النبی)

واخرجہ الحاکم والبیہقی وابونعیم عن ابی ہریرۃ قیل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم
متی وجبت لك النبوة؟ قال بین خلق ادم ونفخ الروح فیہ۔ (الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۰۱)
اس قسم کی مزید روایات کے لیے 'الخصائص الکبریٰ' کا مطالعہ کریں۔

ان جملہ روایات اور عبارات سے واضح ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء سے ایمان کی دولت
سے مالا مال تھے، آپ پر کبھی بھی غیر مسلمی کا دور نہیں گزرا ہے اور نہ آپ سے کبھی کوئی صغیرہ یا کبیر گناہ
ہوا ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گویا پیدا ہی پیغمبر ہوئے تھے۔

(۵) چونکہ آپ کی نئی شریعت ابھی تک نازل نہیں ہوئی تھی اس لیے آپ چالیس سال تک دینِ برابری
کے مطابق عبادت ادا کرتے رہے۔

چنانچہ علامہ عینی، ابن حجر، علامہ کرمانی اور ابوالعباس القسطلانی رحمہم اللہ شارحین بخاری فرماتے
ہیں: وفي رواية وكان يخلو ابغار حرا فينحت فيه وهو التعبد الليالي الخ وسئل
ابن الاعرابي عن قوله يتحت فقال لا اعرفه وسئلت ابا عمرو والشيبياني فقال لا
اعرف يتحت انما هو يتحنف من الحنفية دين ابراهيم عليه السلام قلت وقد
روى في سيرة ابن هشام يتحنف بالفاء۔ رعمدة القاري ج ۲ ص ۲۹۔ ارشاد الساري ج ۱ ص ۶۲۔
کرمانی ج ۱ ص ۳۲: كيف كان بدأ الوحي الى رسول الله صلى الله عليه وسلم

اسی طرح علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں کہ: یہ وہی عبادت تھی جو آپ کے دادا حضرت
ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے ادا کی تھی۔ (سیرت النبی جلد ۱ ص ۱۲۶ آفتاب سالت کا طلوع)
لہذا اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی دوسرے پیغمبر کے بارے میں یہ کلمات کہے کہ وہ
نبوت ملنے سے قبل غیر مسلم تھے، ان کی شادی غیر مسلمی کی حالت میں ہوئی تھی اس لیے ان کا نکاح نہیں ہوا تھا
تو یہ کفریہ کلمات ہیں اس لیے کہ ان سب باتوں میں انبیاء کرام کی توہین ملحوظ ہے، لہذا ایسا شخص
مرتد اور واجب القتل ہے۔

کما قال العلامة ابن عابدین، اجمع المسلمون ان شامة كافر وحكمه القتل۔
(رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۳ باب المرتد)

وقال العلامة ابن تیمیة: ان من سب النبي صلى الله عليه وسلم من مسلم او كافر فانه يجب قتله هذا مذهب عليه عامة اهل العلم قال ابن المنذر اجمع عوام اهل العلم على ان حد من سب النبي القتل۔

(الصبارم المسلول ص ۳ المسألة الاولى)

علامہ ابن عابدین نے کتاب الخراج کے حوالے سے قاضی ابویوسف کا قول لکھا ہے کہ
وایما رجل مسلم سب رسول الله او كذبه او غلبه او تنقصه فقد كفر بالله تعالى ويانت منه امرأته فان تاب ولا قتل۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۳۲ باب معہم فی حکم سب الانبیاء)

تاہم اگر وہ صدقِ دل سے توبہ کرے صرف قانون سے بچنے کے لیے توبہ نہ ہو تو تنفیہ کے
ہاں اس کی توبہ قبول ہوگی۔

لما قال ابوالحسین علی بن الحسین اسعدی: من سب رسول الله فانه مرتد
ويفعل به ما يفعل المرتد۔ (النتف في الفتاوی ج ۲ ص ۲۴۴ کتاب المرتد الخ)
قال العلامة ابن عابدین: وظاهر فی قبول توبته كما لا يخفى۔
(منحة الخالق علی البحر الرائق ج ۵ ص ۱۳۵ باب المرتد)

وقال ایضاً: ان مذهب ابی حنیفة والشافعی ان حکم المرتد وقد
علم ان المرتد تقبل توبته ویؤید ما نقله هنا عن النتف۔

(رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۳۳۳ تبیہ الولاة والحکام)

لہذا توبہ و تجدیدِ ایمان کے بعد اس کو دوبارہ مسلمان سمجھا جائے گا۔

ص ۱: کیا چالیس سال کی عمر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ختنہ نہیں ہوا تھا؟

ج: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ختنہ کے بارے میں شریعت مقدسہ کی کتابوں
میں تین قسم کے اقوال پائے جاتے ہیں:-

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے تھے۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ختنہ ملائکہ نے پہلی بار شقِ صدر کے وقت کیا تھا۔

(۳) اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ختنہ عربوں کی عام عادت کے مطابق آپ کے دادا جناب عبدالمطلب نے ولادت کے ساتویں دن کرایا تھا اور لوگوں کی دعوت بھی کی تھی۔

لما قال العلامة شبیر احمد العثماني: قد اختلفت في ختانة علي ثلاثة اقوال احدها انه ولد مختوناً مسروفاً وروى في ذلك حديث لا يصح ذكره ابوالفرج ابن الجوزي في الموضوعات وليس فيه حديث ثابت ----- والقول

الثاني انه نحتن صلعم يوم شق قلبه الملكة عند ظئره حليلة والقول الثالث ان جده عبدالمطلب ختنه يوم سابعه وصنع له مادية وسماه محمداً۔ (فتح الملهم ج ۱ ص ۲۱۸ باب تحريم بيع الرطب بالتمر الا في العرايا)

ان تین اقوال کے علاوہ کوئی چوتھا قول کتب احادیث میں موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال تک غیر مختون تھے۔ اس بات کے غلط اور بے بنیاد ہونے کے لیے یہ ہی کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے تھے جو دین الہی کے شعائر پر عمل پیرا تھا اور یہ عمل (ختنہ) چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت مبارکہ میں سے تھا اور عرب بھی روزِ اول سے اپنے بیٹوں کا ختنہ کراتے چلے آ رہے تھے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ چالیس سال تک غیر مختون رہے۔ لہذا آپ کے بارے میں ایسا کہنا یا سمجھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و استخفاف ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ استخفاف بھی کفر ہے۔

لما في خلاصة الفتاوى: ولما قال لشعر محمد شعيراً يكفر۔

(خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۳۸۶)

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں: من سب رسول الله او ينقصه وكان فيه ردة۔

(خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۸۶)

لہذا اس استخفاف اور توہین کی وجہ سے وہ قاتل کافر اور خارج عن الاسلام ہے، حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ شرعی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اس رد اکٹرونیس شیخ کو قرارِ واقعی سزا دے۔

سنت: کیا یہ درست ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی شادی ۲۵ سال کی عمر میں کی، اور چونکہ اُس وقت آپ نہ ہی نبی تھے اور نہ مسلمان، اس لیے نکاح نہ ہوا؟

ج: سوالِ اول کے جواب میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ آپ روزِ اول سے مسلم اور

پاکباز تھے، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح بالکل صحیح تھا، اس کی صحت پر کوئی شک و شبہ نہیں۔ نکاح نہیں ہوا تو یہ مطلب نکلتا ہے کہ نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۵ سال عمر کے بعد ۴۰ سال کی عمر تک (۱۵ سال) زنا میں مبتلا رہے۔ حالانکہ کائنات ارضی میں ایک پیغمبر کی ذات ایسی ہوتی ہے کہ جس سے زنا کا ارتکاب تو کجا اس کا تصور بھی محال ہے، حتیٰ کہ کسی نبی علیہ السلام کی اہلیہ کافرہ تو ہو سکتی ہے مگر زانیہ نہیں۔ لہذا کسی بھی نبی علیہ السلام کے بارے میں ایسے توہین آمیز کلمات کہنا یا الزام لگانا موجب کفر ہے اور اس کی سزا قتل ہے۔

لما فی الہندیۃ : سئل عن ینسب الی الانبیاء الفواحش کعزمہم علی الزنی و نحوہ الذی یقولہ الحشویۃ فی یوسف علیہ السلام قال یکفر لا نہ تہتم لہم واستخفاف بہم۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۳۱ باب موجبات الکفر)

س: کیا واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال کی عمر تک بغل اور زیرہ بال کاٹے نہیں تھے؟

ج: زیر ناف اور بغل کے بال صاف کرنے کا رواج حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چلا آ رہا ہے اور آپ کے آباؤ اجداد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کے پیروکار تھے جبکہ زیر ناف بال وغیرہ صاف کرنا سنت ابراہیمی ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد اسی ابراہیمی سنت پر عمل کرتے ہوئے زیر ناف اور بغلوں کے بال صاف کیا کرتے تھے۔ اس بنا پر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال تک زیر ناف اور بغلوں کے بال صاف نہ کیے ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ عمل فطرت الانبیاء ہے، حدیث شریف میں ہے: عن عائشۃ قلت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشرة من الفطرة: قص الشارب و ایفا اللحية والسواک و الاستنشاق بالماء و قص الاظفار و غسل المراءجم و نتف الابط و حلق العانة انتقا ص الماء۔ (ابوداؤد علی صدرہ عون المعبود ج ۵ ص ۵۳)

علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ حدیث بالا کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ای عشر خصال من سنن الانبیاء الذین امرنا ای نقصدی بہم کانا فطرنا علیہا و کذا نقل عن اکثر العلماء السنة الابراہیمیۃ۔ (ریذل المجہود ج ۱ ص ۲۹)

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ہذہ الطہارات منقولۃ عن ابراہیم متداولۃ فی طوائف الامم الحنفیۃ اشربت فی قلوبہم و دخلت فی صمیم

اعتقاد ہم علیہا محیاہم و علیہا مماتہم عصرًا بعد عصر و لذلک سمیت بالفطرة
و ہذا شعائر الملة الحنفیة ولا بد لكل ملة من شعائر یعرفون بہا ویؤخذون
علیہا لیكون طاعتہما و عصیانہا امرًا محسوسًا۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۱۸۸) باب تحریم بیع الرطب الخ
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ نے دین ابراہیمی اور قطرة الانبیاء کی
مخالفت کر کے چالیس سال تک بغل اور زیر ناف بال نہ کٹے ہوں۔ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے بارے میں سخت عیب اور آپ پر افترا اور باندھنا ہے اور آپ کی توہین و استخفاف کرنا ہے جب کہ
کسی بھی پیغمبر کے بارے میں ایسے توہین آمیز و معیوب کلمات کہنا سبب ارتداد ہے۔

لما فی التاتارخانیة : من لم یقر ببعض الانبیاء او عاب نبیًا بشئٍ اولم یرض
بسنة من سنن المرسلین فقد کفر۔ (تاتارخانیہ ج ۵ ص ۴۷۷)

اسی طرح صاحب تاتارخانیہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں : ولو عاب النبی صلی اللہ
علیہ وسلم بشئٍ من العیوب یکفر۔ (تاتارخانیہ ج ۵ ص ۴۷۹)

علامہ طاہر بن عبد الرشید البخاری محیط کے حوالے سے لکھتے ہیں : فی المحيط من شتم
النبی و اهانہ او عابہ فی امور دینہ او فی شخصہ او فی وصف من اوصاف
ذاتہ سواء کان الشاتم مثلاً عن امتہ او غیرہا سواء کان من اهل الکتاب
و غیرہ ذمیًا کان او حربیًا سواء کان الشاتم والاہانۃ او العیب صادقاً
عنه عمدًا و سهواً او غفلة او جذا او هزلاً قد کفر خلوداً۔

(خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۳۸۶ الفاظ الکفر)

سنت : کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین غیر مسلم تھے ؟

ج : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں امت کا اختلاف ہے کہ وہ
اسلام لائے تھے یا نہیں ؟ ان کی نجات ہوگی یا نہیں ؟ یہاں تک تو یہ بات یقینی ہے کہ
آپ کے والدین کا انتقال آپ کو رسالت ملنے سے پہلے ہو گیا تھا اور یہ بھی یقینی ہے کہ
ان کا انتقال دو فرات میں ہوا تھا لہذا ان کا تعلق اہل فرات سے تھا۔

لما قال العلامة جلال الدین السيوطی : ثم رأيت الشيخ عز الدين بن عبد السلام
قال في اماليه مانصه كل بني ارسل الى قومه الانبياء صلي الله عليه وسلم قال
فعلى هذا يكون ماعدا قوم كل بني من اهل الفترة الارضية بنى سابق فانه

مغاضبون ببعثة السابق الا ان تد رس الشريعة السابقة فيصير الكل من اهل الفترة بلا شك لانهم ليسا من ذرية ولا من قومه۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۵۱)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس مسئلے کی وضاحت کے لیے آپ نے تین مسالک ذکر کیے ہیں :-
۱۔ چونکہ ان کا انتقال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ہو چکا تھا اس لیے ان کو کوئی عذاب نہ ہوگا۔

۲۔ ان سے زمن فترۃ میں کوئی شرک ثابت نہیں بلکہ وہ دین ابراہیم کے پیروکار تھے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کی برکت سے کرامتاً ان کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے اور پھر فوت ہو گئے، یہ رائے اکثر محدثین و علماء کرام وغیرہ کی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں : متهم ابن شاهين الحافظ ابو بكر الخطيب البغدادي والسهيلى والقرطبي والمحب الطبري والعلامة ناصر الدين بن المنير وغيرهم۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۲۲۴، ۲۲۸ فصل فی المولد)

علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ ابن عابدین اور علامہ آلوسی (رحمہم اللہ) وغیرہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

قال العلامة عثمان بن حمر في الزواجر ان نبينا صلى الله عليه وسلم قد اكرمه الله تعالى بحيوة ابيه حتى اصابه كفا في حديث صححه القرطبي وابن ناصر الدين حافظ الشام وغيرهما فانتفعا بالايان بعد الموت على خلاف القاعدة لراما لنبية صلى الله عليه وسلم۔ (فتح المسم ج ۳ ص ۳۴۳ باب بيان ان من مات على الكفر الخ)
قال العلامة ابن عابدین : لا ترى ان نبينا صلى الله عليه وسلم قد اكرمه الله تعالى حياة ابيه له حتى اصابه كفا في حديث صححه القرطبي وابن ناصر الدين حافظ الشام وغيرهما فانتفعا بالايان بعد الموت على خلاف القاعدة اكراما لنبية صلى الله عليه وسلم كما احيى قتيل بنى اسرائيل ليخبر بقاتله الخ

(رد المحتار ج ۴ ص ۲۳۱ کتاب السیر، مطلب في احياء ابوي النبي صلى الله عليه وسلم)

قال العلامة الآلوسی رحمہ اللہ : استدلل بالآية (تَقْلَبُكَ فِي السَّاجِدِينَ) على إيمان

ابوہ صلی اللہ علیہ وسلم کما ذهب الیہ کثیر من اجلۃ اهل السنۃ وانا اخشی
الکفر علی من یقول فیہما رضی اللہ تعالیٰ عنہما -

(روح المعانی ج ۱۹ ص ۱۳۸ سورة الشعراء)

وقال العلامة فخرالدین الرازی رحمہ اللہ: واعلم ان الرافضة ذهبوا
إلی ابراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم كانوا مؤمنین وتمسکوا فی ذلك
بہذہ الآیۃ وبالخبیر اما ہذہ الآیۃ فقالوا قولہ تعالیٰ رَوَّلْتُكَ فِي السَّاجِدِ
یتحمل الوجوہ التي ذكرتم ویتحمل الوجوہ التي ذكرتم ویتحمل ان
یکون المراد ان اللہ نقل روحہ من ساجد الی ساجد کما نقولہ نحن
واذا احتمل کل هذا الوجوہ وجب حمل الآیۃ علی کل ضرورة انہ لا
لامنافاة ولا رجحان - (تفسیر کبیر ج ۲۳ ص ۱۷۱ سورة الشعراء)

اس اختلاف کی وجہ سے بعض علماء کرام نے اس باریے میں توقف اختیار کرنے کو ترجیح
دی ہے، مگر علامہ جلال الدین السيوطیؒ اور علامہ ابن عابدینؒ کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین دونوں مسلمان ہیں اُن کو غیر مسلم کہنا صحیح نہیں ہے مگر
اس طرح کہنے سے کوئی ایمان کی دولت سے محروم نہیں ہوتا -

۱- اس تفصیلی جواب کے بعد صورت مسئلہ کے مطابق فی الجملہ کلمات رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی شان اقدس میں توہین آمیز ہیں جو کہ موجب کفر و ارتداد ہے اور مرتکب کی
سزا قتل ہے -

۲- علمائے امت کو چاہیے کہ اس قسم کے کلمات کے مرتکب شخص کو سمجھائیں ورنہ عدالت
کے حوالے کر دیں -

۳- ایسے کلمات کے کہنے والے شخص کی کسی قسم کی حمایت (زبانی یا مالی) کرنا کسی بھی مسلمان کے لیے
جائز نہیں ہے -

۴- اسی طرح اس کی وکالت (قانونی حمایت) کرنا بھی جائز نہیں ہے -

۵- اگر وکیل اس کے ان کفریہ کلمات پر راضی ہو تو رضا بالکفر کفر کی وجہ سے وکیل کے
بھی دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا قوی خطرہ ہے -

۶- وکیل چاہے رشتہ دار ہو یا غیر سب کے لیے یہی حکم ہے -

- ۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی پیغمبر کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنا موجب کفر ہے جس کی سزا شرعاً قتل ہے۔
- ۸۔ تاہم اگر کوئی مرتکب شخص صدقِ دل سے توبہ کرے تو خفیہ کے ہاں اس کی معافی کی گنجائش موجود ہے۔
- ۹۔ گستاخِ رسول اور مرتد میں کوئی فرق نہیں، دونوں کی سزا قتل ہے اور توبہ اس کی مقبول ہے۔
- ۱۰۔ کسی مسلمان کے لیے چاہے وہ عالمِ دین ہو یا کوئی جاہل ہو کسی مرتد یا گستاخِ رسول کی کسی قسم کی دزبانی، مالی، قانونی حمایت کرنا جائز نہیں، رضا کی صورت میں اس کے ایمان کے خروج کا بھی خطرہ ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص دنیاوی زندگی میں بڑا پاکباز، نیکو کار اور نماز روزے کا پابند تھا، جب اس کی زندگی کے آخری لمحات آن پہنچے تو اس کے رشتہ داروں نے بغرض تلقین اس کے سامنے باواز بلند کلمہ طیبہ پڑھا جس پر اس کی زبان سے بھی کلمہ شہادت جاری ہو گیا، ابھی وہ اشہد ان لا الہ الا اللہ ہی پڑھ سکا تھا کہ اس کی روح پرواز کر گئی الا اللہ پڑھنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ تو اس شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اس شخص کی موت کفر پر ہوئی یا اسلام پر؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب: مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کا آخری وقت قریب ہو اور اس پر نزع کی حالت طاری ہو جائے تو پاس بیٹھنے والے درمیانی آواز سے کلمہ شہادت پڑھنا شروع کریں تاکہ قریب المرگ آدمی بھی پڑھ سکے، لیکن نہ تو زیادہ زور سے پڑھیں اور نہ مرنے والے کو پڑھنے کا کہیں، صرف تلقین و تذکیر کے لیے پڑھیں۔ اگر وہ کلمہ شہادت شروع کر کے درمیان میں ہی دم توڑ جائے یعنی آدھا کلمہ پڑھ کر فوت ہو جائے تو اس کو کافر نہیں کہا جائے گا، اسلئے کہ کفر کا تعلق عمدہ کلمہ کا انکار کرنے سے ہے۔ صورتِ مسئلہ کے مطابق اس شخص نے چونکہ عمدہ الا اللہ یا محمد رسول اللہ سے انکار نہیں کیا اسلئے دنیا سے مسلمان گیلے، امید ہے اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائیں گے۔

مسئلہ تقدیر کے بارے میں ایک استفسار | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک

شخص کافر گھرانے میں پیدا ہوا ہے اور کفر کی حالت میں ہی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ اس کی تقدیر ہے، تو کیا اس کے کافر ہونے میں اس کا کوئی قصور ہے؟ اگر کافر ہونا اس کی تقدیر ہے تو اسے خلاف عقل کہہ دینا یا اسے قصور وار ٹھہرانا کیا صحیح ہے؟

الجواب :- مسئلہ قضاء و قدر اور اس پر ایک لمحہ فکریہ | مسئلہ قضاء و قدر بیشک بہت مشکل ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ جبر و قدر میں روایات سے زیادہ گفتگو کرنے کی ممانعت ثابت ہے، کیونکہ اس کے اسرار و رموز پورے کے پورے مشکل سے ہی عقل میں آتے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک خالق کائنات کا وجود تسلیم کرنے کے بعد اس کا انکار کرنا اس سے زیادہ مشکل ہے۔ جس نے بھی یہاں شریعت کی بیان کردہ راہ اعتدال چھوڑی اس کو ہدایت کا انکار کرنا پڑا، یعنی یا تو بندہ کو پتھر کی طرح مجبور محض ماننا پڑا اور یا اس کو خالقیت میں خالق کے برابر تسلیم کرنا پڑا۔ ہم یہاں آپ کے غور و فکر کی دعوت کے لیے چند سطور پیش کرتے ہیں ہو سکتا ہے ان سے مسئلہ حل نہ ہو مگر ممکن ہے کہ کسی حد تک مزید انکشاف کا باعث ہو جائے۔ وہ نستعین

جملہ اسلامی فرقوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اس سب کا اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم ہے، اور یہ بات بھی قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ علم ازل کے مطابق جو کچھ ہوتا ہے وہ سب کچھ قید کتابت میں بھی آچکا ہے، اور اب عالم کا ایک ذرہ بھی اس کے خلاف جھنجش نہیں کر سکتا، اس لیے بحث یہ پیدا ہو گئی ہے کہ اب انسانی افعال کی حقیقت کیا ٹھہری؟ کیا اس کو ان میں مجبور سمجھ لیا جائے یا مختار کہا جائے؟ اگر مختار کہا جائے تو لازمی طور سے اس میں قدرت اور اختیار کی صفت بھی تسلیم کرنی ہوگی۔ ادھر قدرت اور اختیار تسلیم کر لینے کے بعد پھر قضاء و قدر کے سامنے اس کو مجبور کہنے کا مفہوم باطل ہو جاتا ہے اور اگر مجبور کہہ دیا جائے تو یہ ضروری ہوگا کہ اس میں قدرت و اختیار کی صفت کا بھی انکار کر دیا جائے اس لیے قضاء و قدر کی بحث میں اصل نقطہ غور و فکر ”افعال عباد“ یعنی بندوں کے افعال (کام) بن جاتے ہیں۔ اس پر غور کرنے سے قبل جب آپ عالم پر ایک نظر ڈالیں گے تو آپ کے سامنے دو قسم کی

مخلوقات نظر آئیں گی۔ ایک وہ جو اختیار و ارادہ کے بدائتہ مالک نہیں، وہ کھلے طور پر قدرت الہیہ کی مستخرجی ہوئی ہے۔ مثلاً آفتاب حرکت کرتا نظر آتا ہے، یا زمین و آسمان میں جو بھی متحرک ہے یہ سب جانتے ہیں کہ یہ اپنے ارادہ سے متحرک نہیں بلکہ ارادہ و قدرت الہیہ سے متحرک ہیں۔ دوسری قسم کی مخلوق وہ ہے جو بدائتہ ارادہ و اختیار کی مالک نظر آتی ہے، یہ تین قسم کی ہے، ایک وہ جو صرف خیر ہی کا ارادہ کرتی ہے شر کا ارادہ کر ہی نہیں سکتی، یہ فرشتے کہلاتے ہیں، ان کی شان کا یصوت اللہ ما امرهم و یفعلون مایقرونہ (سورۃ —) ہے، یعنی جو حکم ان کو ملتا ہے وہ اس کے خلاف کر ہی نہیں سکتے صرف وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے۔ یہ نفی اور اثبات دونوں کو جمع کرنے سے اس مضمون کی تاکید مقصود ہے۔ دوسری مخلوق اس کے برعکس ہے وہ شر کے سوا خیر کا ارادہ کرتی ہی نہیں، یہ شیطان ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جو ہر دو نوع کے ارادہ کی مالک ہے اور دونوں قسم کے ارادے کرتی بھی ہے، یہ حضرت انسان ہے۔ انسانوں کی بھی پھر تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ قسم جس کا ایمان اور جس کی عقل و معرفت اس کی خواہشات نفسانی پر غالب ہوتی ہے یہ قسم تو ترقی کر کے فرشتوں سے جا ملتی ہے۔ دوسری اس کے برعکس ہے، یہ برادر شیطان بن جاتی ہے۔ اور تیسری قسم وہ ہے جس کی عقل اس کی قوت شہوانیہ کی مفتوح ہو جاتی ہے، یہ بہائم اور حیوانات سے ملحق ہو جاتی ہے۔ جس طرح ان جملہ مخلوقات کا وجود محض جلی و علا کی بخالتش ہے اسی طرح ان کا ارادہ و اختیار بھی اس کا عطا کردہ ہے۔

اب ہم پہلے اصطلاحات اور مذاہب کی تفصیلات سے علیحدہ ہو کر سادہ طور پر اس مسئلہ پر نظر کرنا چاہتے ہیں۔ تو یہ بات ہم کو ماننا پڑتی ہے کہ بندہ میں اختیار و قدرت کی صفت یقینی ہے، اس کا انکار کرنا اپنے بدیہی وجدان کا انکار کرنا ہوگا۔ ایک بیوقوف سے بیوقوف شخص بھی اختیاری حرکات اور ایک رعشہ زدہ شخص کی حرکات کے مابین فرق کو بخوبی سمجھتا ہے اور ہرگز دونوں کو یکساں کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ بھی بدیہی ہے کہ جس طرح بندہ کا خود وجود اور اسی کے ساتھ اس کی دیگر صفات کمزور اور ضعیف ہے، اسی طرح اس کی یہ قدرت اور اختیار بھی ضعیف در ضعیف ہے۔ دیکھئے انسان سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے اس لیے اس کو شتوا اور بینا کہا جاتا ہے، مگر

چونکہ اس کی یہ صفات ضعیف ہیں اس لیے ان کی کچھ شرائط بھی ہیں، اگر وہ نہ ہوں تو وہ نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے، پھر ان شرائط کے ساتھ جہاں وہ سنتا اور دیکھتا بھی ہے وہاں بھی کچھ دور چل کر اس کی شنوائی اور بینائی کی دونوں صفتیں معطل نظر آتی ہیں مثلاً ایک خاص فاصلہ کے بعد نہ تو وہ کچھ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے، مگر کیا اس کی اس معذوری پر کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس میں سمع و بصر کی صفت ہی نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں یہاں دُورائیں پیدا نہیں ہو سکتیں، بالاتفاق یہی کہا جائے گا کہ ضرور میں مگر اتنی ضعیف ہیں کہ زیادہ دور چل کر کام نہیں دے سکتیں۔ اگر صفت اختیار بھی ایسی ہی ضعیف صفت ہو کہ جس کا کچھ دور تک تو اثر ظاہر ہوتا رہا ہے لیکن ذرا آگے چل کر اس کا اثر ظاہر نہ ہو تو کیا اس ضعف کی وجہ سے اس کے وجود ہی کا انکار کر دینا صحیح ہوگا؟ یا اگر اس کا اقرار کر لیا جائے تو کیا پھر یہ بھی ضروری ہوگا کہ آخر تک اس کا اثر تسلیم کیا جائے۔ پس اگر ہم اپنے اختیار کے اثرات کچھ دور چل کر مضمحل یا معدوم دیکھتے ہیں تو اس بناء پر ہم کو اپنے بدیہی وجدان کے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اسی طرح اگر ہم اپنے وجدان کی بناء پر اپنے نفس میں صفت اختیار تسلیم کر لیتے ہیں تو یہ بھی کوئی لازمی امر نہیں ہے کہ پھر اس کے اثرات بھی آخر تک تسلیم کرتے چلے جائیں۔ اس لیے ہم پوری بصیرت کے ساتھ اس بات کے اقرار کرنے پر مجبور ہیں کہ ہم میں قدرت و اختیار کی صفت موجود ہے، مگر ہاں خود اس صفت اختیار پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے، یعنی اس پر ہم قدرت نہیں رکھتے کہ اس اختیار کو جدھر چاہیں لگا دیں۔ بلکہ ہماری یہ صفت مشیت الہیہ کے تحت اسی طرح جبری حرکت کرتی ہے جس طرح ایک سنگ انداز کے ہاتھ کا پھینکا ہوا پتھر ہے کہ اس پتھر کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ وہ اس سمت کو چھوڑ کر جدھر سنگ انداز نے اس کو پھینکا ہے کسی اور سمت چلا جائے، اسی طرح بندہ میں بھی یہ طاقت نہیں کہ وہ اس جانب کے سوا جس جانب قدرت نے اس کے اختیار کو لگا دیا ہے کوئی ادنیٰ بھی حرکت کر سکے۔ لہذا بندہ جو کرتا ہے یقیناً اپنے اختیار ہی سے کرتا ہے، مگر وہ اپنے اختیار سے کرتا وہی ہے جو مختار مطلق اس سے کرنا چاہتا ہے۔ پس اس لحاظ سے کہ ہم جو کرتے ہیں اپنے اختیار سے ہی کرتے ہیں، مختار کہلاتے ہیں اور اس لحاظ سے کہ اختیار وہی کر سکتے ہیں جو مشیت الہیہ ہوتی ہے، مجبور کہلاتے ہیں یا بمنزلہ مجبور، مگر یہ ایسا جبر ہے جو

جبر مطلق سے ممتاز ہے، کیونکہ جبر مطلق میں مجبور کو اپنے ارادہ کے ساتھ مزاحمت محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کسی مومن کو کلمہ کفر کہنے کے لیے مجبور کر دیا جائے، تو اگرچہ وہ کلمہ کفر زبان سے کہہ تو دیتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس خارجی جبر کی مزاحمت کا احساس بھی کرتا رہتا ہے، یا مثلاً ایک منافق زبان سے کلمہ ایمان ادا تو کرتا ہے مگر یہاں بھی ظاہری خوف اس کے باطنی ارادہ کے لیے مزاحم رہتا ہے۔ لیکن جو چیز یہاں ہے اس میں ارادہ مجبور کے ساتھ کوئی مزاحمت نہیں ہوتی۔ انسان جو افعال بھی کرتا ہے وہ اپنے احساس کے مطابق آزادانہ اور پوری خود اختیاری سے کرتا ہے، حتیٰ کہ اگر تقدیر کا جبر اس کو بتا بھی دیا جائے تو وہ اس کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا ہے۔ جس طرح یہاں بندہ کا جبر جبر مطلق سے ممتاز ہے اسی طرح اس کا اختیار بھی مطلق اختیار سے ممتاز ہے کیونکہ وہ جو چاہے اختیار نہیں کر سکتا بلکہ وہی اختیار کر سکتا ہے جس کا اختیار قادر مطلق نے اس کو دے دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے مگر چاہتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اس سے کرانا چاہتا ہے۔ اب اگر اس اختیار کے ساتھ کوئی شخص اپنے نفس کو مجبور کہتا ہے تو کہے، مگر وہ ایسا مجبور ہوگا جو معذور نہیں ٹھہر سکتا۔ پروردگار عالم کی خالقیت کا یہ کرم بھی عجیب ہے کہ اس نے ایک مجبور محض کو کس حکمت سے ایسا مختار بنا دیا ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش میں اپنے احساس کے مطابق ادنیٰ سا جبر بھی محسوس نہیں کرتا ہے حالانکہ جبر کی گرفت اس پر اس درجہ سخت ہوتی ہے کہ وہ جنبش کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صورت اس لیے پیدا ہو گئی ہے کیونکہ یہاں افعال پر جبر نہیں، افعال تو اپنے اختیار سے ہوتے ہیں مگر خود اس کا اختیار اللہ تعالیٰ کی مشیت کاملہ کے تحت ہوتا ہے اس لیے اس مختار کو اپنے جبر کا احساس نہیں ہوتا، اگر جبر افعال پر ہوتا تو ضرور اس کا احساس ہوتا، یہ صفت اب صرف قدیر کی ہے کہ وہ بندوں کے اختیار پر بھی حکومت کرتا ہے۔ قضاء و قدر کے راز ہائے سرستہ سب اسی نقطہ میں پنہاں ہیں، بندہ مجبور ہو کر اپنے مختار ہونے کا مدعی بھی اس لیے رہتا ہے کہ اس کو اپنا اختیار ہی اختیار محسوس ہوتا ہے، اور چونکہ اس کو یہاں اپنے ارادہ کے ساتھ کوئی مزاحمت محسوس نہیں ہوتی اس لیے فوقانی جبر کا اس کو کوئی احساس نہیں ہوتا، اور جب جبر و اختیار اس طرح مدغم ہو جائیں تو پھر اپنے افعال پر مسئول ہونے کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے،

کیا ایسا مختار بھی مسؤل نہ ہونا چاہیئے جو اپنے وجدان میں بھی خود مختار ہو۔ اس فوقانی جبر کا حال تو صرف انبیاء علیہم السلام نے بتایا ہے۔ حد درجہ حیرت ہے کہ یا تو انسان ایک طرف مختار مطلق بننا چاہتا ہے، ایسا مختار کہ تقدیر کے جبر کو سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا اور مسلمان ہو کر بھی اس کی تصدیق میں ہزار جھٹیں نکالنے کو بیٹھ جاتا ہے اور دوسری طرف جب تقدیر کا جبر تسلیم کرنے پر آتا ہے تو یہاں بھی اس کی روش معاندانہ ہی نظر آتی ہے، یعنی پھر جزاء و سزا میں الجھنے لگتا ہے۔ ولقد صدق اللہ عز وجل :
وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (سورۃ)۔ ”انسان فطرتاً ہی جھگڑا“
حالانکہ سوچنا تو یہ چاہیئے تھا کہ کیا محکومیت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ محکوم ہمیشہ حاکم کے زیر دست رہے۔ پھر یہاں تو رشتہ صرف محکومیت ہی کا نہیں بلکہ مخلوقیت کا بھی ہے۔ کیا یہ معقول نہیں کہ یہاں ہمارا غیر مستقل اختیار بھی مختار کل کی مشیت کا محکوم بنا رہے؟ جب یہ بات سامنے رکھی جاتی ہے تو دنیا شور بپا کر دیتی ہے کہ ہم کو مجبور بنا دیا، حالانکہ غور کی بات تو یہ تھی کہ جو سرے سے موجود ہی نہ تھا وہ مختار تھا کس دن؟ پھر جتنا کچھ مختار تھا تقدیر نے اس کو ختم کب کیا؟ بلکہ آئینی طور پر اور تسلیم کر لیا ہے۔ پس یہاں تو یہ احسان کہ ایک معدوم محض کو شرف وجود بخشا، پھر اپنی حکمت کاملہ سے ایک جماد محض (یعنی نطفہ) کو سمیع و بصیر اور مختار بنا دیا، ادھر احسان فراموشی کہ شکوہ یہ ہے کہ مختار کو مجبور بنا دیا۔ یہاں ایک مغالطہ یہ لگ گیا ہے کہ تقدیر اور بندہ کے اختیار کو علیحدہ علیحدہ سمجھ کر تقدیر کو بندہ کے اختیار پر حاکم مانا گیا ہے، حالانکہ ہمارا اختیار بھی خود تقدیر کے لیے دائرہ میں شامل ہوتا ہے۔ اسی قسم کا سوال ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تھا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم! امراض میں دوا کا استعمال اور جنگ میں ڈھال استعمال کرنا کیا خدائی تقدیر کو ٹال سکتا ہے؟ یعنی جب نہیں ٹال سکتا تو پھر ان کے استعمال کا کیا فائدہ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب کتنا مختصر مگر کیسا تسلی بخش ارشاد فرمایا کہ ”اے میرے صحابہ! تم ان اسباب کو تقدیر سے خارج سمجھتے ہو کیوں ہو؟ تقدیر میں یہ بھی لکھا ہوا ہوتا ہے کہ دوا کرو گے تو شفا یاب ہو گے، ڈھال استعمال کرو گے تو دشمن کے وار سے بچ جاؤ گے“۔ پس ارتکاب اسباب بھی احاطہ تقدیر میں داخل ہو چکا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ و بادشام کے قصہ میں نقل فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ مقام کے پاس پہنچے تو آپ کو اطلاع ملی کہ شام میں تو و باد بھیل رہی ہے، یہ سنکر آپ نے اسلامی لشکر کو واپسی کا حکم دے دیا، اس پر حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے تعجب سے فرمایا اچھا آپ تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ یعنی اگر موت مقدر ہو چکی ہے تو پھر اس واپسی کا کیا فائدہ؟ حضرت عمرؓ نے حکیمانہ انداز میں اس کا جواب دیا، فرمایا: ”اے ابو عبیدہ! اگر دو وادیاں ہوں، ایک سرسبز اور دوسری خشک، بولو اپنے اونٹ کس میں چراؤ گے؟ اگر سرسبز وادی میں چراؤ اور یقیناً اسی میں چراؤ گے تو کیا یہ تقدیر سے گریز ہو گا یا یہ بھی اسی تقدیر کے تحت ہو گا؟ اسی طرح میری واپسی کو احاطہ تقدیر سے باہر کیوں سمجھتے ہو، اگر موت کی وادی سے بچ کر جا رہا ہوں تو یہ بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہو گا جب ہی تو واپس جا رہا ہوں“ (موطا مالک)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ تدبیر و تقدیر میں جنگ نہیں ہے اور جنگ تو اس وقت ہوتی جبکہ تدبیر تقدیر کے احاطہ سے کہیں باہر ہوتی، اب تو تدبیر بھی تقدیر کا جزو بنی ہوئی ہے، تدبیر و تقدیر کے مراتب کو اس طرح محفوظ رکھنا یہ علوم نبوت کا فیض ہے۔ دیکھئے حضرت یعقوب علیہ السلام جب اپنے بیٹوں کو مہر روانہ کرتے ہیں تو نظر گذر کے خطرہ سے تحفظ کے لیے یہ بھی فرماتے ہیں: ”يَا بَنِي لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ۔“ ”اے میرے بیٹو! دیکھنا کہیں ایک ہی دروازہ سے سب کے سب مت داخل ہو جانا بلکہ متفرق دروازوں سے جانا کہیں خاندان نبوت کو کسی کی نظر نہ کھا جائے“ ”ادھر شفقت پڑی نظر گذر سے تحفظ کی یہ تدبیر بھی کرتی جاتی ہے ادھر لسان نبوت رمز تقدیر سے بھی آگاہ کئے جاتی ہے اور فرماتی ہے کہ: ”وَمَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْءٌ“ ”یعنی میری یہ تدبیر عالم اسباب کی ایک تسلی ہے جو مقدر ہو چکا ہے کہیں میں اس کو ٹال سکتا ہوں“

یہاں اس پر بھی غور کیجئے کہ جس کو آپ تقدیر کا جبر سمجھتے ہیں اس کی حقیقت ہے کیا؟ یہی کہ قدرت نے اپنے ہی دیئے ہوئے اختیار کو اپنے کنٹرول میں کھا ہے یا یہ کہ جو اختیار عطا فرمایا تھا اس کو سلب کر لیا ہے۔ پھر اس جبر کا اثر ہے تو کہاں ہے؟

کیا ان اشیاء میں ہے جہاں آپ کو تقدیر سے قبل اختیار حاصل تھا یا ان میں جہاں پہلے آپ مجبور ہی تھے۔ اس لیے یوں نہ کہئے کہ تقدیر نے ہم مختاروں کو مجبور بنا دیا بلکہ یوں کہئے کہ ہم مجبوروں کو ایک محدود پیمانہ پر مختار بنا دیا۔ ایسا مختار بھی ہماری حیثیت سے کہیں زیادہ تھا۔ ایک مجبور میں نہیں بلکہ معدوم محض میں اختیار کا تصور کرنا ہی کب معقول ہے؟ یہ تو مختیار مطلق کا کرم تھا کہ اس نے محض اپنے کرمہ قدرت سے ایک جماد کو اختیار بخش دیا اور اُس کے اس اختیار کے سامنے اپنا جبر ایسا پس پردہ کر دیا کہ اس عالم میں اس جبر کا ادراک کرنا مشکل ہو گیا۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ اَمْشَاجٍ تَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا (سورۃ الذہر آیت ۷۷)۔ ذرا اور دقت نظر سے کام لیجئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ہمارا یہ ناتمام اختیار قائم ہی تب رہ سکتا ہے جبکہ قدرت کا اختیار اس کے ساتھ ساتھ رہے، اگر قدرت کا اختیار کہیں اس کی سرپرستی چھوڑ دے تو ہمارا اختیار خود بخود فنا ہو جائے، اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ بچہ جب فسد کرتا ہے کہ وہ چلے اور اپنے پیروں ہی چلے، جبکہ اس کے والدین جانتے ہیں کہ اس غریب کے پیروں میں خود چلنے کا دم نہیں ہے اس لیے اپنی طاقت سے اس کو چلاتے ہیں اور جس طرف وہ چلنا چاہتا ہے اُسی طرف چلاتے ہیں، اس کا ناتمام اختیار جب اس طرح والدین کے اختیار مستقل کے سہارے کام کرنے لگتا ہے تو اس بچہ کے ارمان تو یوں پورے ہو جاتے ہیں کہ جو اس کی ضد تھی وہ پوری ہو گئی اور والدین یوں خوش ہو جاتے ہیں کہ اس طرح ان کا بچہ خوش ہو گیا اور ان کا کچھ بگڑا بھی نہیں، اور اگر کہیں یہ بچہ اس بات کی ضد کر بیٹھے کہ والدین کی دستگیری کے بغیر خود اپنی ہی طاقت سے چلے تو ظاہر ہے کہ جتنا فاصلہ اپنے اس ناتمام اختیار کے ساتھ اس نے طے کر لیا تھا یہ بھی طے نہ ہو۔

یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ بچہ تو اپنی مشیت بھی رکھتا ہے اور کچھ طاقت بھی، ادھر اس کے والدین کو طاقت اس سے کہیں زیادہ رکھتے ہیں مگر اپنی مشیت اور اپنی طاقت کو اس بچہ کے تابع بنائے رکھتے ہیں اور ادھر ہی اس کو صرف کرتے ہیں جدھر وہ بچہ ارادہ کرتا ہے۔ مگر خالق کے معاملہ میں بندہ کی مشیت کی ہستی ہی نہیں ہوتی، وہ اگر

کچھ قدم چل سکتی ہے تو خالق کی مشیت کے سہارے ہی چل سکتی ہے۔ وَمَا تَشَاءُونَ
 إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ۔ یعنی تم ارادہ ہی وہ کر سکتے ہو جو مشیت الہیہ چاہتی ہے۔ تعجب ہے کہ
 اتنی محکومیت کے باوجود اگر سطحی نظر ڈالیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس عالم میں مشیت الہیہ
 ہمارے ارادے کے تابع بنی ہوئی ہے اور جو ہم کرنا چاہتے ہیں وہی وہ پورا کرتی رہتی ہے۔
 یہ تمام کرشمہ اسی حکمت کا ہے کہ ہمارے افعال پر قدرت نے جبر نہیں فرمایا بلکہ خود ہمارے
 اختیار ہی کو اپنے اختیار میں لے رکھا ہے، لہذا مجبور محض ہونے کے باوجود ہمارا احساس
 یہی رہتا ہے کہ ہم مختار مطلق ہیں اور اس عالم کے لحاظ سے یہ غلطی بھی نہیں۔ جو جبر یہاں
 ہے وہ عالم غیب کے لحاظ سے ہے اور وہ ہماری دسترس سے باہر ہے۔ اب اس کے
 سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ اس معاملہ میں صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے بیان پر اعتماد
 کیا جائے یہاں دلائل کے اگر انبار بھی لگا دیئے جائیں تو انسان اپنے ذاتی وجدان کے
 بالمقابل ان کو یاور نہیں کر سکتا۔ اس لیے یہاں اسلام نے صرف تسلیم و رضا کی ایک راہ بتا دی
 ہے، حقیقت سے بے خبر بھی نہیں رکھا، اور اس کو پورے طور پر حل کرنا چونکہ ہمارے بس
 سے بالاتر تھا اس لیے اس بارے میں بحث کرنے سے بھی روک دیا۔ فاتبعوہ ہذا
 صراط مستقیم۔

مسئلہ مجازات | اجزاء اور سزا کے مسئلہ میں الجھنا بھی بیکار ہے۔
 اول تو اس لیے کہ یہ مسئلہ قاعدہ ہے کہ مالک اور خالق سے کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا بلکہ
 مالک کی تعریف ہی یہ ہے کہ جو ہر قسم کا تصرف کرنے کا مجاز ہو۔ آپ ایک چیز عاریتہ لیتے
 ہیں، کرایہ پر بھی لیتے ہیں، مگر یہاں الٹی اس کی حفاظت بھی آپ ہی کے سر پر پڑتی ہے، اور
 آپ صرف وقت مقررہ تک، وہ بھی بہت احتیاط کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھانے کے
 مجاز ہوتے ہیں، اس کو فروخت نہیں کر سکتے، ہبہ نہیں کر سکتے، اس میں کسی قسم کی ترمیم نہیں
 کر سکتے، اس کو توڑنا اور خراب کرنا تو دور کی بات ہے، لیکن جس چیز کے آپ مالک کہلاتے
 ہیں اس میں آپ کو ان تمام تصرفات کا حق حاصل ہوتا ہے، بلکہ کسی قیمتی چیز کے ضائع کر دینے
 پر بھی آپ مسئول نہیں ہو سکتے۔ جب ایک مجازی ملک کے حقوق یہ ہیں تو حقیقی ملک کے

حقوق کیا ہوں گے، پھر یہاں صرف علاقہ ایک مملوکیّت کا ہی نہیں مخلوقیت کا بھی ہے۔ اور چونکہ اس نے بلا شرکتِ غیر سے پیدا فرمایا ہے اس لیے مالکیتِ حقیقیہ کا حق بھی صرف اسی کا رہنا چاہیے، اب ایسے مالک سے جو خالق بھی ہو جزاء و سزا کا سوال ہی کیا۔

دیکھئے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مالکیت نہیں صرف ملوکیّت عطا فرمائی تھی اور وہ بھی بہت محدود پیمانہ پر، لیکن اس ناتمام ملوکیّت کے لیے بھی جو امتیازی شان عطا فرمائی وہ قرآنِ کریم کے ان الفاظ سے ظاہر ہے: هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ وَاْمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ یہ ہماری بخشش ہے، اب آپ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں آپ سے اس کا کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔

علامہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی مشہور زمانہ تصنیف ”البدایہ والنہایہ“ کی جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو چونکہ نبوت کے ساتھ سلطنت بھی مرحمت فرمائی گئی تھی اس لیے یہ تنبیہ بھی کر دی گئی کہ یہ بادشاہت ہے تو ہمارا عطیہ، مگر چونکہ بادشاہ سے کوئی باز پرس نہیں ہوا کرتی اس لیے جاؤ اس بارے میں تم سے بھی کوئی حساب نہیں ہوگا۔ اسلام میں غلامی کے مسئلہ سے ذرا سی مالکیت کا پتہ چلتا ہے، اگرچہ وہ صرف یہ جتنے کے لیے مقرر کی گئی ہے کہ جو مولائے حقیقی اور مالکِ حقیقی کی مالکیت پر راضی نہیں ہوتا اس کو پھر غلاموں کی مالکیت پر راضی ہونا پڑتا ہے۔ مگر اس مالکیت کے بھی جتنے حقوق ہیں وہ اس سے ظاہر ہیں کہ جو ابھی ابھی غلامی سے قبل خود مالک بننے کی اہلیت رکھتا تھا محکومیت کا لفظ کسی بھی پہلو سے اس پر عائد نہیں ہو سکتا تھا، ہر تصرف اس کا نافذ اور ہر حکم اس کا ناطق تھا وہی غلامی کے بعد اس طرح مملوک بن جاتا ہے کہ مالکیت کی اس میں اہلیت ہی نہیں رہتی نہ اس کا کوئی تصرف درست ہوتا ہے نہ کوئی حکم نافذ ہونے کے قابل ہوتا ہوتا ہے۔ اور اُس کے مالک کو اس کے بیچ ڈالنے کا بھی حق حاصل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اگر وہ اُس کو مار بھی ڈالے، جب بھی بعض ائمہ کے نزدیک گو اس کو گناہ کتنا ہی بڑا ہو مگر دنیا میں اُس سے قصاص نہیں لیا جاتا۔

پس جبکہ مالکیت و خالقیت کی ادنیٰ سی مشابہتوں کے بعد سوال و جواب کا مرحلہ

ختم ہو جاتا ہو تو جہاں یہ دونوں باتیں اپنی پوری حقیقت کے ساتھ جلوہ گر ہوں بھلا وہاں محاسبہ اور سوال کا حق کس کو ہو سکتا ہے؟ اس لیے فرمایا لَا يُسْأَلُ عَمَّا يُفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ (سورۃ آیت ۷۱)

دوم آپ نے کبھی اس مسئلہ پر بھی غور کیا ہے کہ آخر اس عالم کی آفرینش ہوئی کیوں؟ یہاں صرف ذات جامع صفات کا ایک اقتضام ہی تو تھا لہذا اب جس صورت سے بھی یہ اقتضام پورا ہو گا وہی مناسب ہوگی۔ کمال یہ چاہتا ہے کہ مہر و قہر دونوں ہی کا ظہور ہو اس لیے ضروری ہوا کہ دونوں کے لیے اسباب بھی پیدا فرمائے جائیں، اور چونکہ جزاء و سزا کا عنوان یہ چاہتا ہے کہ جزاء میں عمل کی کچھ تاثیر بھی عیاں رہے تاکہ اچھے عمل پر اچھی جزا اور بُرے عمل پر اس کی سزا دی جاسکے، اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ بندہ کو کچھ اختیار دے دیا جائے، اس تناسب کے لیے جتنا اختیار عقلاً ممکن تھا وہ عطا کر دیا گیا اور اسی پر جزاء و سزا کو دائر کر دیا گیا۔ اب جب کبھی بندہ اپنے اس عطا کردہ اختیار سے کوئی بُرا عمل کرتا ہے تو وہ دنیا میں بھی بُرا کہلاتا ہے، اور اگر بھلا (اچھا) عمل کرتا ہے بھلا کہلاتا ہے جب اس کے ان افعال پر دنیا میں تعریف و ندمت کرنا معقول ہوگئی تو آخرت میں معقول کیوں نہ سمجھی جائے؟

چلا عدم سے میں ہستی کو بول اٹھی تقدیر

بلا میں پھنسنے کو کچھ اختیار لیتا جا

رہ گئی یہ بات کہ جب بُرے افعال کرنا بری بات ہے تو اس کا پیدا کرنا کمال کیوں کر سمجھا جائے؟ تو اس کو یوں سمجھئے کہ خلق اور کسب میں بڑا فرق ہے۔ انسان جب کوئی عمل کرتا ہے تو وہ عمل اس کے ساتھ اس طرح قائم ہو جاتا ہے جیسے کپڑے کے ساتھ سفیدی اور سیاہی، اب جب اس لحاظ سے کپڑے کو سفید اور سیاہ کہہ سکتے ہیں تو ان اعمال کے لحاظ سے بندہ کو بُرا اور بھلا بھی کہہ سکیں گے، مگر مخلوق خالق سے علیحدہ رہتی ہے وہ اس کے ساتھ قائم نہیں ہو جاتی، لہذا بری مخلوق خالق کی صفت نہیں ہو سکتی، البتہ اس کا پیدا کرنا اس کی صفت ہوتی ہے، صفتِ خلق بہر کیف کمال

ہے، اسی لیے ناقص نہ خیر پیدا کر سکتا ہے نہ شر، کیونکہ خلق مطلق ایک کمال ہے۔
 اب رہا یہ سوال کہ خلق شر کمال کیوں ہے؟ تو یہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ جب خلق
 کفر میں ظہورِ قہر کی مصلحت بھی ہو تو پھر اس کو بھی مقتضائے کمال کیوں نہ کہا جائے۔
 درکارخانہ عشق از کفر ناگزیرست
 دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نہ باشد

شاعر یہاں یہی مضمون کہہ رہا ہے کہ عالم کفر کا وجود اس لیے ضروری ہے کہ اگر
 بولہب جیسا کافر نہ ہو تو پھر جہنم کی پیدائش کا کیا فائدہ؟
 بادشاہی کا کمال دونوں قسم کی طاقتوں ہی سے ظاہر ہوتا ہے، اس لیے کافر کے حق میں
 کفر کتنا ہی قبیح کیوں نہ ہو لیکن خالق کے حق میں تو مظہرِ کمال ہوتا ہے۔
 دیکھئے بیت الخلاء یعنی پاخانہ خود کتنی ہی کمتر چیز ہو لیکن ایک بڑی سے بڑی کوٹھی
 اس وقت تک ناقص ہی سمجھی جاتی ہے جب تک اس میں یہ ناقص در ناقص چیز موجود
 نہ ہو۔ جس طرح ایک کوٹھی کے لیے بیت الخلاء کا وجود ضروری ہے، اسی طرح عالم کے
 کمال کے لیے بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے مومن کامل کے بالمقابل ایک بولہب جیسے
 کافر کی بھی ضرورت ہے۔ پھر جس طرح ایک کوٹھی میں یہ سوال کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے
 کہ زمین کے اس ٹکڑے نے کیا قصور کیا تھا کہ اس پر بیت الخلاء بنا دیا اور اس ٹکڑے
 میں کیا کمال تھا کہ اس کو ثنہ نشین بنا دیا۔ اسی طرح یہاں بھی یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ بولہب
 نے کیا قصور کیا تھا کہ اس کو کافر بنا دیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں کیا کمال
 تھا کہ ان کو صدیقیت سے نواز دیا؟ یہ سب مالک الملک کے اپنے ارادہ اور پسند
 کی بات ہے کسی کو اس میں دخل در معقولات کا حق نہیں ہے۔

بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا

غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فوائد قرآن کریم میں زیر تفسیر
 آیت کریمہ وَلَا يُظْلَمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۝ (سورۃ الکہف آیت ۴۹) مسئلہ تقدیر کا

حل اس طرح تحریر فرمایا ہے:-

”اب جو کرے ظلم نہیں سب اس کا مال ہے، ظاہر میں جو ظلم نظر آئے وہ بھی نہیں کرتا۔ بے گناہ دوزخ میں نہیں ڈالتا اور نیکی ضائع نہیں کرتا اور جو کوئی کہے (یعنی اعتراض کرے) کہ گناہ میں ہمارا کیا اختیار ہے؟ سو یہ بات نہیں ہے اپنے دل سے پوچھ لے، جب گناہ پر دوڑتا ہے تو اپنے قصور سے دوڑتا ہے۔ اور جو کوئی دیکھے کہ (قصہ بھی اس نے دیا، تو قصہ دونوں طرف لگتا ہے، اور جو کوئی کہے اُسی نے ایک طرف لگا دیا۔ سو بندہ کی دریافت سے باہر ہے، بندہ سے معاملہ ہوتا ہے اُس کی سمجھ پر، بندہ بھی پکڑے گا اسی کو جو اس سے بدی کرے، یہ نہ کہے گا کہ اس کا کیا قصور اللہ نے کر دیا؟“ اھ ان سطور کو بار بار بغور پڑھئے تو مسئلہ تقدیر کا حل جتنا واضح اور جتنے سادگی سے آپ کو یہاں ملے گا۔ بڑی بڑی ضخیم کتابوں میں بھی نہیں ملے گا، بلکہ سمجھنے کا ارادہ بھی ہوا اعتراض برائے اعتراض نہ ہو۔

فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

نوٹ: ”مسئلہ تقدیر اور مجازات“ کے متعلق یہ تفصیل بندہ نے چند اہم کتابوں سے جمع کی ہے جس میں اکثر حصہ ”ترجمات السنۃ“ مؤلفہ حضرت مولانا الحاج محمد بدر عالم صاحب مہاجر مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کا ہے۔ ان تفصیلات کا بغور مطالعہ کرنے سے انشاء اللہ العزیز مسئلہ تقدیر اور مجازات سمجھ میں آجائے گا۔

ایمان میں کمی بیشی کا مسئلہ اور اس کی تحقیق | سوال :- جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں ایک غیر مقلد عالم دین نے برسرِ منبر یہ مسئلہ بیان کیا کہ اچھے اعمال کرنے سے ایمان بڑھتا ہے اور برے اعمال کے صدور سے اس میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اور بطور دلیل اس پر قرآنی آیات اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کیں۔ اس کے بعد جب میں نے اپنے محلے کی مسجد کے امام صاحب سے اس مسئلے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ایمان میں کمی اور زیادتی واقع نہیں ہوتی، غیر مقلد مولوی صاحب نے مسئلہ صحیح بیان نہیں کیا۔ آنجناب سے گزارش ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کو صحیح وضاحت فرما کر ہماری راسخانی فرمائیں؟

الجواب :- ایمان میں کمی اور زیادتی ہونے اور نہ ہونے کا مسئلہ زمانہ قدیم سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف کی اصل وجہ ایمان کی تعریف میں اختلاف ہے۔ اور جمہور محققین کے ہاں ایمان صرف تصدیقِ قلبی سے عبارت ہے، اور اقرار باللسان وغیرہ اس کے شرائط ہیں۔ امام نخعیؒ اور علامہ بزدویؒ وغیرہ کے نزدیک تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان کا نام ایمان ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے الفقہ الاکبر میں الایمان ہوا لاقرار والتصدیق کا مقولہ درج ہے۔ جبکہ محدثین عظام کے ہاں ایمان تصدیقِ قلبی، اقرار باللسان اور عمل بالارکان سے عبارت ہے۔ اس لحاظ سے جن کے ہاں ایمان ان تین اشیاء سے عبارت ہے اُن کے ہاں تو ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے اور جن کے ہاں ایمان تصدیقِ قلبی سے عبارت ہے اُن کے نزدیک ایمان میں کمی و زیادتی پیدا نہیں ہوتی۔

لیکن اگر اس اختلاف پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ اختلاف صرف لفظی نزاع ہے اس لیے کہ ایمان کے تین معنی ہیں :-

۱۔ نفسِ ایمان یعنی ہوا التصدیق بما جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور اس کا تعلق صرف دل کے ساتھ ہے جس میں گھٹاؤ اور بڑھاؤ دونوں نہیں آتے، البتہ شدت اور ضعف پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کمی و زیادتی کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) حقیقی (۲) مجازی۔ حقیقی میں اشیاء کی کمیت اور مقدار میں تفاوت ہوتا ہے۔ اور مجازی میں کیفیت کے اندر اشیاء شدید اور ضعیف ہوتی ہیں۔ تو ایمان کی اس تعریف میں کمی و زیادتی سے کمیت اور مقدار کی نفی مراد ہے

کیفیت کی نہیں۔

۲۔ ایمان دنیاوی: دنیاوی احکام اس شخص پر لازم ہوتے ہیں جو زبان سے کلمہ کا ورد کرے۔ اس لیے بعض علماء کرام نے دنیاوی احکامات کے اجراء کے لیے اقرار باللسان کو لازم قرار دیا ہے۔

۳۔ ایمان کامل: جس ایمان پر آخری نجات بلا حساب و کتاب موقوف ہے، ایمان کی اس قسم کے لیے اعمال صالحہ کی شدید ضرورت ہے، اور اعمال ہی کی وجہ سے تو علماء کرام نے ایمان کی اس قسم کے لیے اعمال صالحہ کو ایمان کا جز قرار دیا ہے۔ مگر پھر بھی جو شخص اعمال صالحہ قصداً و عمدتاً ترک کرے ان کے ہاں وہ کافر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ کامل ایمان کے لیے ضروری ہیں نفس ایمان کے لیے۔ لہذا اس مسئلہ میں جو اختلاف ہے وہ صرف سطحی اور لفظی نزاع ہے حقیقت میں ان کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پنجگانہ کا تارک ہو یا کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو تو محدثین کے نزدیک وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں، صرف قاسق و فاجر شمار ہوگا اور آخرت میں اپنے اعمال بد کی سزا پانے کے بعد نجات حاصل کرے گا۔ اگر محدثین حضرات کے ہاں اعمال نفس ایمان کا جزاء ہوتے تو وہ ضرور اس شخص کو دائرہ اسلام سے خارج تصور کرتے اور اس پر کفر کا فتویٰ صادر کرتے جیسے خوارج نے کیا ہے یا کم از کم اس کو ایمان و کفر کے درمیان رکھتے جیسا کہ معتزلہ کی رائے ہے، اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ محدثین کے ہاں بھی اعمال نفس ایمان کا جزء نہیں بلکہ ایمان کامل کا جزء ہیں، اس لئے کہ ایمان میں کمی بیشی اعمال ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

صورت مذکورہ کے مطابق ایمان کی زیادتی اور کمی کے بارے میں جو آیات مبارکہ اور احادیث پیش کی ہیں وہ سب ایمان کامل کے بارے میں ہیں ورنہ تصدیق قلبی جو کہ نفس ایمان ہے اس کے لیے قرآن کریم اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کافی دلائل موجود ہیں۔ مشہور مفسر قرآن علامہ قاضی بیضاویؒ نے سورۃ البقرہ کے شروع میں ہی ایمان کے بسیط ہونے کے کافی دلائل ذکر کیے ہیں، مثلاً: اُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْاِيْمَانَ (الآیۃ)۔ قَالُوا اٰمَنَّا بِاٰخُوْرِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ۔ (الآیۃ)۔ اور بسیط میں کمی یا زیادتی نہیں ہونی اور یہ نفس ایمان ہے۔ اسی نفس ایمان ہی پر امام ابو حنیفہؒ کے اقوال ایمانی کا بیان جبریلؑ

المؤمنون مستوون فی الايمان محمول ہیں، اس لیے نفس ایمان تمام مؤمنین کا ایمان، اور ہر انسان کا ایمان اور بڑے سے بڑے فرشتے کا ایمان یکساں ہے اور وہ کمی بیشی قبول نہیں کرتا کیونکہ تصدیق مقولہ کیفیت سے عبارت ہے مقولہ کم سے نہیں، اور کیفیت میں شدت و ضعف تو آتا ہے مگر کمی و زیادتی نہیں آتی۔ لہذا اچھے اعمال کرنے سے کامل ایمان میں زیادتی اور بُرے اعمال کے ارتکاب سے کامل ایمان میں کمی واقع ہوتی ہے، لیکن جس ایمان پر نجات اخروی کا مدار اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

سوال :- جناب مفتی صاحب! ہمارے ایک غیر مقلد ساتھی کا کہنا ہے کہ ایمانی کا ایمان جبرئیل امام محمدؐ نے اپنے استاد امام ابوحنیفہؒ کے قول ایمانی کا ایمان جبرئیل کو ناپسند فرمایا ہے، امام محمدؐ فرماتے ہیں کہ ایسے الفاظ نہیں کہنے چاہئیں بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ "امنت بما امن به جبرئیل" اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ واقعی امام محمدؐ نے امام ابوحنیفہؒ کے مذکورہ قول کی مخالفت کی ہے؟ نیز یہ بھی فرمائیں کہ امام صاحبؒ کے قول ایمانی کا ایمان جبرئیل کا کیا مطلب ہے؟ کیا امام صاحبؒ کا ایمان حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ایمان کے ایمان کے برابر ہے؟

الجواب :- امام محمدؐ کے حوالہ سے یہ کہنا کہ اگر ان يقول ایمانی جبرئیل کے بجائے "امنت بما امن به جبرئیل" کہنا چاہیے درست ہے، لیکن بات غلط ہے کہ آپ نے اپنے استاد کی مخالفت کی ہے بلکہ آپ اپنے اس قول سے اس وسم کو دور کرنا چاہتے ہیں تاکہ کوئی جمع وجوہ سے اپنے ایمان کو حضرت جبرئیل کے ایمان سے تشبیہ سے اس لیے کہ کسی کا بھی ایمان انبیاء و ملائکہ کے برابر نہیں ہے بلکہ دونوں کے ایمان میں فرق ہیں ہے، جیسا کہ شارح فقہ اکبر ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ومن هنا قال الامام محمد علی ما ذكره في الخلاصة عنه: ان كان يقول ایمانی کا ایمان جبرئیل علیہ السلام ولكن يقول: "امنت بما امن به جبرئیل علیہ السلام" انتہی۔ وذلك ان الاول بوجه ان ایمانه کا ایمان جبرئیل علیہ السلام من جميع الوجوه وليس الامر كذلك لما هو الفرق البين بينهما هنا ذلك۔ (شرح فقہ اکبر ص ۸۸) ایمان لا یزید ولا ینقص۔ جہاں تک امام صاحبؒ کے قول ایمانی کا ایمان جبرئیل علیہ السلام کا تعلق ہے تو اس کا مطلب بھی جمع وجوہ سے تشبیہ دینا مقصود نہیں بلکہ نفس ایمان یعنی التصدیق بما جاء بالتی صلی اللہ علیہ وسلم میں مماثلت بیان کرنا ہے، ورنہ جمیع وجوہ میں کسی کا ایمان بھی انبیاء و ملائکہ کے مماثل و برابر نہیں ہو سکتا، جس کے امام محمدؐ بھی قائل ہیں، وہ بھی بعض وجوہ میں دونوں کے ایمان میں مماثلت کے قائل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں ائمہ کے اقوال میں کوئی مخالفت نہیں۔ مزید تفصیل کیلئے ملا علی قاریؒ کی کتاب "شرح فقہ اکبر" اور حضرت شیخ الہندؒ کی کتابیں "ادلة كاملة" اور "ایضاح الادلة" کا مطالعہ ضروری ہے۔

ظہور امام مہدی اور نزول عیسیٰ کے بارے میں فتویٰ سوال - جناب مفتی صاحب

دوبارہ ظہور امام مہدی و نزول حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حسب ذیل مسائل کے بارے میں اہل سنت والجماعۃ کے صحیح عقائد سے آگاہ فرمادیں۔

- (۱) کیا امام مہدی آخر الزمان حضرت حسینؑ کی اولاد سے ہوں گے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں؛ احادیث نبویہ کی روشنی میں حضرت مہدی کے امام حسینؑ یا امام حسنؑ کی اولاد میں سے ہونا بیان فرمادیں۔
- (۲) حضرت مہدی کب اور کہاں پیدا ہوں گے ان کا اسم مبارک اور ان کے والدین کے اسم مبارک ان کے بارہ میں آواز غیب اور جامع حالات مہدی و حضرت عیسیٰ علیہ السلام تحریر فرمادیں۔
- (۳) نازل ہونے والے حضرت عیسیٰؑ سے عیسیٰؑ ابن مریمؑ مراد ہیں یا کوئی اور عیسیٰؑ؛ کیوں کہ اُجکل کئی مسیح موعود بنے پھرتے ہیں لہذا مذہب حضرات یہ کہتے ہیں کہ احادیث متعلقہ مہدی و نزول عیسیٰؑ جو سنی حضرات بیان کرتے ہیں وہ موضوع اور ضعیف ہیں بلکہ اعلیٰ مہدی ابن حسن عسکری یا مرزا غلام احمد قادیانی ہے؛ جواب سے مطلع فرمادیں۔

الجواب : ۱۔ حضرت مہدی کا فاطمی اور خاتوادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہونا احادیث قویہ صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے اکثر روایات میں حضرت مہدی کے بارہ میں رجل من اہل بیتہ یعنی میرے خاندان اہل بیت میں سے ہوگا اور من عترتی (میری اولاد میں سے) کے الفاظ موجود ہیں ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۶ میں متعدد روایات ہیں جنہیں امام ترمذیؒ نے حدیث حسن صحیح کہا ہے نیز ابوداؤد کی روایت میں ہے۔ عن ام سلمہؓ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ یقول المہدی من عترتی من اولاد فاطمۃ (مشکوٰۃ جلد ۱ بروایت ابوداؤد شریف فرماتے ہیں کہ حضرت مہدی سید اور فاطمہ الزہراءؑ کے اولاد میں سے ہیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اشعة اللمعات شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرمایا کہ اس بارہ متعدد روایات وارد ہوئے ہیں وہ معنی حد تو اتر کو پہنچ چکی ہیں یہی بات حضرت مہدی علیہ السلام والدہ اور والدہ ماجدہ دونوں جانبوں سے نجیب الطرفین سید ہوں گے والدین ایک سلسلہ حضرت امام حسنؑ اور ایک حضرت حسینؑ سے ہوگا جیسا کہ شیخ ابن حجر مکیؒ ہیثمی نے بھی یہی تصریح فرمائی ہے۔

۲۔ جواب سوال (۲) حضرت مہدی کے اجمالی حالات حضرت مہدی کے علامات ظہور ان کے حالات شکل و شباهت اور شمائل اور عادات احادیث نبویہ میں مفصلاً مذکور ہیں حضرت شاہ

رفیع الدین "دہلوی" علامات قیامت کے ضمن میں ان چیزوں کو بھی مفصل اور یکجا جمع کیا ہے اس رسالہ کی بنیاد آیات قرآنیہ اور مستند احادیث نبویہ پر ہے۔ یہاں ان کے رسالہ علامات قیامت سے اجمالاً مختصر حالات نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت امام مہدی کے ظہور کی علامت یہ ہوگی کہ اس سے قبل ماہ رمضان چاند اور سورج گم ہوں گے چمکے گا اور بیعت کے وقت آسمان سے ندا آئے گی ہذا خلیفۃ اللہ مہدی فاستمعوا لہ واطیعوا یہ خدا کا خلیفہ مہدی ہے اس کا حکم سنو اور مانو اس آواز کو اس جگہ تمام خاص دوام سن چکے حضرت امام سید اور اولاد فاطمہ کے ہونے کے آپ کا قد و قامت قدرے لمبا بدن حیرت رنگ کھلا ہوا اور چہرہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ ہوگا نیز آپ کے اخلاق پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے ہوں گے آپ کا اسم تشریف محمد والدہ صاحبہ کا نام آمنہ ہوگا زبان میں قدرے لکنت ہوگی جس کی وجہ سے تنگدل ہو کر کبھی کبھی ران پر ہاتھ مارتے ہوں گے آپ کا علم لدنی (خدا داد ہوگا) بیعت کے وقت عمر چالیس سال کی ہوگی خلافت کے مشہور ہونے پر مدینہ کی فوجیں آپ کے پاس مکہ معظمہ چلی آئے گی شام عراق اور عین کے اولیاء کرام و ابدال عظام آپ کی مصاحبت میں اور ملک عرب کے بے انتہاء آدمی آپ کی افواج میں داخل ہو جائیں گے اور اس خزانہ کو جو کعبہ میں مدفون ہے جس کو تاج الکعبہ کہتے ہیں نکال کر آسمانوں پر تقسیم فرمائیں گے آگے مفصل حالات میں یہاں تک کہ دجال کے دمشق پہنچنے سے قبل حضرت امام مہدی علیہ السلام دمشق آچکے ہوں گے اور جنگ کی پوری تیاری اور ترتیب فوج کر چکے ہوں گے اور اسباب عرب و ضرب تقیم کر چکے ہوں گے کہ مؤذن عصر کی اذان دے گا لوگ نماز کی تیاری میں ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کاندھوں پر تکیہ کیے آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کی شرقی منار سے جلوہ افروز ہو کر آواز دیں گے کہ سلم رسیڑھی لے آؤ) میں ٹھہری حاضر کی جائے گی آپ اس کے ذریعہ سے فروش ہو کر حضرت امام مہدی سے ملاقات فرما دیں گے امام مہدی نہایت تواضع اور خوش خلقی کے ساتھ پیش آئیں گے (صحیح مسلم وغیرہ) اور فرمائیں گے یا نبی اللہ امامت سنبھلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرمائیں گے کہ امامت تم میں کر دو کیوں کہ تمہارے بعض بعض کے لیے امام ہیں اور یہ عزت اسی امت کو خدا نے دی ہے پس امام مہدی غار پر ٹھہرائیں گے حضرت عیسیٰ ابن مریم اقتدار کریں گے (اس کے بعد دونوں اکٹھے رہ کر دجال کا مقابلہ کفر و ضلالت استیصال کریں گے) تمام زمین امام مہدی کے عدل و انصاف کے چمکاروں سے منور و روشن ہو جائے گی ظلم بے انصافی کی بیخ کنی ہوگی آپ کی عمر ۹۹ سال ہوگی بعد ازاں حضرت امام مہدی کا وصال ہو جائے گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی جنازے

کی ناز پڑھا کر دفن فرمائیں گے اس کے بعد تمام چھوٹے بڑے انتظامات حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھ آجائیں گے دنیا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیام چالیس سال رہے گا یہ تمام حالات صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں مذکور رہے تفصیل کے لیے شاہ رفیع الدینؒ "کتاب علامات قیامت" دیکھئے واللہ اعلم!

جواب سوال ۳۔ اہل سنت والجماعہ کا عقیدہ ہے کہ قیامت سے قبل عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام سے نزول فرمائیں گے قرآن کے بے شمار نصوص قطعیہ سے یہ عقیدہ ثابت ہے اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں نزول عیسیٰ ابن مریم کے بارہ میں اس کثرت احادیث وارد ہوئی ہیں کہ علمائے اسے متقل کتابوں میں جمع کیا ہے۔ حضرت علامہ العصر مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے اسل موضوع پر عقیدہ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام اورالتصریح بما تواتر فی نزول المسیح (مرتبہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) میں حیات مسیح و نزول عیسیٰ علیہ السلام کو محققانہ انداز سے ثابت کیا ہے کہ تمام روایات متعددہ اور احادیث معنی تواتر کے حد تک پہنچ گئی ہیں رہا یہ کہ عیسیٰ ابن مریمؑ ہیں کیا کوئی اور عیسیٰ تو اس بارہ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث نزول عیسیٰ میں صرف ابن مریمؑ کہہ کر ان دجالین اور کذابین کی جڑ کاٹ دی ہے عیسیٰ کا لفظ اکثر روایات میں ذکر ہی نہیں تاکہ کل کوئی دجال اس نام سے غلط فائدہ نہ لے سکے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشہور حدیث ہے۔

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم والذى نفسى بيدي ابن لبوشلثن ان ينزل ابن مريم حكما عدلا فيكسر الصايب ويقتل انحضريو يصنع البخرية ويغيض المال حتى لا يقبل احدٌ۔ (حدیث حسن صحیح مشکوٰۃ صفحہ ۲۹۹ بحوالہ مسلم ترمذی جلد ۲ ص ۴۶)

فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم رب کی قرب ہے کہ مریم کا بیٹا تم میں اتریں جو عادل و منصف فیصلہ کرنے والے ہیں صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر کے کفار سے جزیہ نہ قبول کرنے کے احکام صادر کر لیں گے مال و دولت کی اتنی فراوانی ہو جائے گی کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا۔ بخاری شریف مسلم شریف کی دوسری حدیث میں ہے۔

قال كيف انتم اذا نزل ابن مريم فيكم واما مكم منكم۔

(متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ تشریف ص ۲۸۰)

اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب ابن مریم تم میں نازل ہوں گے اور تمہارے امام (مہدی) تم ہی میں سے ہوں گے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے۔

قال فينزل عيسى بن مريم مشكوة بحواله مسلم شريف
فرمايا حضور صلي الله عليه وسلم نے کہ پھر عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے۔
حضرت عبداللہ بن عمر کے روایت ہے۔

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ينزل عيسى بن مريم الى الارض فيتزوج
ويولد له ويعلث خمسا واربعين سنة ثم يموت فيدفن معي في قبرى فاقوم انا و
عيسى بن مريم في قبر واحد بين ابى بكر وعمر (مشكوة باب نزول عيسى)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
بن مریم زمین میں نازل ہوں گے شادی کریں گے اور ان کی اولاد بھی پیدا ہوگی اور ۴۵ سال تک ٹھہریں
گئے پھر وفات پا کر میرے پہلو میں دفن ہوں گے پھر قیامت کے دن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اکٹھے
حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے درمیان قبر سے اٹھیں گے۔

اس کے علاوہ کئی احادیث ہیں جن میں ابن مریم ر مریم کے بیٹے کی تصریح موجود ہے اور نزول
عیسیٰ بن مریم کے بارہ انزال تا آخر علامات بیان کئے گئے ہیں ان تمام حقائق کے ہوتے ہوئے اگر
کوئی مسیح موعود یا مہدی کا خراج زمان ہونے کا دعویٰ کرے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ علامات
سے ہٹ کر کوئی شخص مہدی موعود یا نزول مسیح موعود یا دجال وغیرہ واقعات کے بارہ میں قیاس آرائیاں
کرے تو اسے مجنون کی طرح زیادہ وقعت نہیں دینی چاہیے۔

۱۔ رہا امام بن حسن عسکری کا مہدی موعود ہونا اہل سنت و جماعت کے نزدیک اس کی کوئی حقیقت
نہیں شیعوں نے ابتداء سے خراج مہدی کے بارہ میں از خود ائمہ عظام اہل بیت کو منسوب کر کر قیاس
آرائیاں کی ہیں جو ہمیشہ غلط ثابت ہوئی ہیں شیعہ کتب میں مذکور ہے کہ

(۱) ائمہ نے سنہ ۳۱۵ میں خروج مہدی کا وعدہ کیا تھا مگر وہ پورا نہ ہوا (نصیحة الشيعة ج ۲ بحوالہ مافی شرح کافی
(۲) امام جعفر صادق خود مہدی ہونے والے تھے مگر نہ ہوئے (نصیحة الشيعة ج ۲ ص ۲۳۸ بحوالہ کتاب
الغیبت للطوسی)

(۳) امام موسیٰ کاظمؑ نے خروج مہدی کے لیے ۲۰۰ مقرر کیا تھا وہ بھی پورا نہ ہوا (ج ۲ ص ۲۳۸)
یہ روایات اور یہ خروج مہدی کے اوقات ائمہ کے نام پر شیعوں کی ارتداد سے روکنے کے لیے
کڑے جاتے رہے کہ مہدی کا وقت مقرر ہے اور بیت جلد آنے والے ہیں چنانچہ حسب روایات کتب
شیعہ خود امام باقرؑ نے ان کی تردید و تکذیب کی ہے اصول کافی کی روایت ہے۔

عن الفضل بن یسار عن ابی جعفر علیہ السلام قال قلت لهذا المروء فقل
کذب الوقانون کذب الوقانون کذب الوقانون۔

(نصیحة الشیعة ج ۲ ص ۲۳۸ بحوالہ اصول کافی ص ۲۳۲)

فضل بن یسار امام باقرؑ سے روایت کرتا ہے کہ میں نے پوچھا کہ کیا اس امر (خروج مہدی) کے لیے
کوئی وقت مقرر ہے امامؑ نے تین مرتبہ فرمایا کہ جھوٹ بولا تھا وقت مقرر کرنے والوں نے۔
(فقط واللہ اعلم)

حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لانے والے لوگ مسلمان تھے | سوال :- جناب مفتی صاحب !
لوگ یا آپ کی امت اسلام پر تھی یا نہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ اُس وقت یا آج سے چودہ سو سال پہلے کے
کافروں کو جو حقوڑا بہت دنیاوی فائدہ دے رہا ہے وہ مسلمانوں کے وسیلہ سے دے رہا ہے؟
کیونکہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۲۵ میں ہے :-

(ترجمہ) ”جب ابراہیمؑ نے کہا اے پروردگار! تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور یہاں
کے باشندوں کو جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں پھلوں
کی روزیاں دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں کافروں کو بھی حقوڑا فائدہ دوں گا پھر
انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کر دوں گا، یہ پہنچنے کی جگہ بُری ہے۔“
کیا مندرجہ بالا ترجمہ میں اللہ تعالیٰ کافروں کو جو حقوڑا بہت فائدہ دے رہا ہے
وہ مسلمانوں کے وسیلہ سے ہے؟ مفصل جواب سے نوازیں؟

الجواب :- جو لوگ جناب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے وہ مومن
مسلمان تھے اور جو لوگ آپ پر ایمان نہیں لائے تھے وہ کافر تھے۔ ایک حدیث کا مضمون
ہے کہ زمین پر جب تک اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا ایک انسان بھی موجود ہوگا قیامت نہ
آئے گی۔ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ دنیا کے آباد رہنے کا مدار مسلمان ہی ہیں۔
(واللہ اعلم بالصواب)

کیا قاتل ہمیشہ جہنم میں رہے گا؟ | سوال :- قرآن کریم کی آیت فجزائہ جہنم خالدًا فیہا سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتل مسلم ہمیشہ جہنم کے لیے جہنم میں رہے گا جبکہ احادیث شفاعت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔ اس تعارض کو کس طرح دور کیا جائے گا؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ چونکہ مقتول کی موت اسی وقت مقدر تھی اس لیے قاتل پر مواخذہ نہیں ہوگا، جبکہ کچھ علماء یہ کہتے ہیں کہ بے گناہ قتل ہو جانے والا شہید ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب مقتول کی موت اسی وقت مقدر تھی تو وہ شہید کیسے ہو گیا اور قاتل کیونکہ جہنم میں ڈالا جائے گا؟ اور اگر یہ قاتل پیش امام ہو تو اس کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- اہل السنۃ والجماعت عقیدہ یہ ہے کہ آدمی اگرچہ بہت سے کبیرہ گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو جائے لیکن جب وہ مومن ہو تو ضرور اللہ عزوجل کی مغفرت سے یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جہنم میں گزرا ہوں کی سزا بھگتنے اور میعادِ سزا ختم ہو جانے کے بعد ضرور جنت میں داخل ہو جائے گا اور ایمان کی بدولت ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں جائے گا۔

اسی عقیدہ کے مطابق فجزائہ جہنم خالدًا فیہا کی توجیہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ ہے کہ قاتل ایک مدت دراز تک جہنم میں پڑا رہے گا، پھر نکال کر جہنم میں لایا جائے گا نہ یہ کہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔ اسی توجیہ کے مطابق خلود سے مراد مکث طویل و دیر تک رہنا ہے، یہ اسی وقت ممکن ہے کہ قاتل مسلم حلال جان کر نہ کیا گیا ہو، اور اگر قاتل نے مقتول کو حلال جان کر قتل کیا ہو تو اس صورت میں قاتل بوجہ استحلال حرام قطعی کے کافر ہو کر ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔ (اعاذنا اللہ منہا) اسی تقدیر کی بناء پر خلود سے دوام مراد ہوگا۔ علامہ حافظ جلال الدین السیوطی، علامہ قاضی خان، علامہ بیضاوی اور دیگر مفسرین اس کی تشریح فرما چکے ہیں، اب آیت کریمہ اور حدیث شفاعت میں مخالفت نہیں رہی۔ باقی رہی یہ بات کہ علماء کہتے ہیں کہ مقتول کی موت اسی طرح مقدر تھی، تو یہ شہید کیسے ہو گیا اور قاتل جہنم میں جانے کا مستحق کیوں ہو گیا؟ تو اس کے جواب کو سمجھنے کے لیے چاہیے کہ مندرجہ ذیل امور کی طرف توجہ فرمائی جائے :-

(الف) ایک مسلمان اگر یہ چاہے کہ میں دنیا سے رخصت ہو کر خدا کے دربار میں ایسی حالت میں حاضر ہوں کہ میرے پاس ایمان کی دولت ہو تو اس کے لیے سب سے پہلے اس چیز کی ضرورت

ہے کہ وہ اپنے ایمان اور عقائد کی بنیاد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اور احکام پر رکھے، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سے جو حکم ملے تو بلا چون و چرا اسے اعتقاداً تسلیم کرے اور دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کرے اور عملاً اس کا پابند رہنے کی کوشش کرے، رہی امر اور حکم کی تلاش، تو یہ اگرچہ اچھا کام ہے مگر صرف مزید اطمینان قلبی کے لیے ہے نہ کہ اصل ایمان کے لیے، تو اگر کسی حکم خداوندی کی رمز اور حکمت سمجھ میں نہ آئے تو اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ اس میں فی الواقع کوئی حکمت اور مصلحت ہے ہی نہیں بلکہ ہمارے عقل کی رسائی اس حکمت تک نہیں ہوئی ہے۔

(ب) دنیا میں جتنے بھی نظام پہلے گزر چکے ہیں یا اس وقت روئے زمین پر قائم ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نظام نہیں کہ اس کے لیے قوانین اور ان کی پابندی اور ان کی خلاف ورزی کرنے پر سزا اور جزاء دینے کے اصول نہ ہوں، بلکہ ہر نظام کی کامیابی کے لیے قوانین اور اصول ہوتے ہیں، جو ان کی پابندی اور احترام کرتا ہے اسے اچھا بدلہ ملتا ہے اور جو ان کی خلاف ورزی کرتا ہے اسے جرم کی نوعیت کے مطابق سزا دی جاتی ہے۔

(ج) کسی نظام کو چلانے والے اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو قوانین کے مطابق سزا دیتے ہیں تو کوئی عقلمند انسان اُن کے اس فعل کو قابل اعتراض نہیں سمجھتا ہے اور نہ اس بات میں تردد ظاہر کرتا ہے کہ کیوں اس طرح ہوا جبکہ جرم ثابت شدہ اور عیاں ہو چکا ہو۔ اگرچہ یہ سب کچھ بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔

اب اصل جواب یہ ہے کہ دین اسلام اور شریعت محمدی ایک الہی نظام ہے، اس نظام کے اصولوں اور قواعد و ضوابط کی پابندی بندوں پر اس لیے لازم کر دی گئی ہے کہ دنیا میں فتنہ و فساد پیدا نہ ہو۔ لیکن یہ بات ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سوچنے سمجھنے اور جاننے کی توفیق عطا فرما رکھی ہے، بھلائی اور برائی میں تمیز کرنے کی صلاحیت دی ہے، انتخاب اور ارادے کی آزادی عطا فرمائی ہے، تصرف کے اختیارات بخشے ہیں، ہمیں اچھی طرح سمجھا دیا گیا ہے کہ جس نے بھی اپنے اختیار اور ارادے سے نظام الہی کے اصولوں سے انحراف یا خلاف ورزی کی اسے سزا ضرور ملے گی اور جس نے الہی نظام کے اصولوں کی پابندی کی اسے انعام ملے گا۔ قاتل نے چونکہ الہی احکام کی خلاف ورزی یا اختیار خود کی ہوتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ اس پر سزا کا بھی مستحق ہو، مقتول سے خلاف ورزی سرزد نہیں ہوتی ہے بلکہ

قانون کا پابند رہا، وہ جذبہ انتقام کے انتہائی جوش کے وقت میں جبر اختیار کر کے پامردی دکھائی اس لیے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے شہادت کا درجہ نصیب ہو اور یہی عین عدل اور انصاف کا تقاضا بھی ہے، اسی طرف اشارہ ہے اس آیت کریمہ میں:

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ
كَالْفُجَّارِ - (سورۃ - ۱)

باقی رہی یہ بات کہ اگر قاتل امام مسجد ہو تو اس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟
تو اس بارے میں عرض ہے کہ اگر کوئی دوسرا صالح امام نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے۔

قیامت کے دن توبہ تائب شخص کا بھی حساب کتاب ہوگا | سوال :- ایک شخص صغائر و کبائر کا

توبہ کر لی، حقوق العباد جو اس کے ذمے لازم تھے ان کو ادا کیا یا معاف کرائے، حقوق اللہ کی اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر معافی طلب کی اور خوب خلوص اور صدق دل سے گناہوں سے توبہ تائب ہوا، توبہ کے بعد تو تک اس سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد نہ ہوا، حالت نزع میں اس کی زبان پر کلمہ شہادت بھی جاری ہوا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا قیامت کے دن اس شخص کا بھی حساب و کتاب ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- قرآن کریم کا ارشاد ہے: فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۖ فَسَوْفَ يُعَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۖ وَ يَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۖ وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ۖ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ۖ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ۖ (سورۃ الانشقاق ۷ تا ۱۱)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن سب کا حساب و کتاب ہوگا چاہے وہ ولی کامل ہو یا فاسق و فاجر کی، اس نے موت سے قبل توبہ و استغفار کیا ہو یا بغیر توبہ کے اس کی موت واقع ہوئی ہو، مگر ان کے حساب و کتاب میں فرق ہوگا، نیک لوگوں کا حساب و کتاب صرف بطور پیشی ہوگا، ان کا حساب آسان ہوگا، ان سے باز پرس محبت کی بناء پر ہوگی جبکہ فساق و فجار اور کفار کا محاسبہ بصورت مناقشہ ہوگا جو باعث کلفت و ہلاکت ہے۔ حدیث شریف میں ہے: فَاِنْ مِنْ نَّوْقَشْ هَلَكَ (الحديث) یعنی جس کا مناقشہ ہوا وہ ہلاک ہوا۔ لہذا توبہ و تائب شخص کا بھی حساب و کتاب ہوگا مگر برائے ہلاکت و کلفت نہیں بلکہ محبت کے طور پر ہوگا۔

آسمان اور چاند کی تحقیق | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ :-
(۱) آسمان ٹھوس جسامت رکھتا ہے یا صرف قدرتی طور پر

پردے ہیں ؟

(۲) یہ کہ چاند آسمان کے وسط میں واقع ہے یا اس سے باہر فضا میں معلق ہے ؟

(۳) حدیث کی رو سے معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو دروازے کھولے گئے تھے وہ نورانی دروازے تھے یا ٹھوس مادہ کے بنے ہوئے تھے ؟

(۴) یہ کہ قرآن و سنت کی رو سے کسی مادی چیز کا سائنسی آلات کے ذریعے چاند یا مریخ تک پہنچنا ممکن ہے یا نہیں ؟

امید ہے کہ آپ اس بارہ میں ہمارے شکوک قرآن و سنت اور ائمہ فقہاء کی آراء کی روشنی میں رفع فرمائیں گے ؟

الجواب :- آپ کے سوال کا ترتیب وار جواب حاضر ہے جو کہ امید ہے آپ کی تشفی کا باعث ہوگا :-

(۱) اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا۔ اور چنی ہم نے تم سے اوپر سات چنائی مضبوط، یعنی سات آسمان بہت مضبوط بنائے جن میں آج تک اس قدر مدت گزرنے کے باوجود کوئی رختہ نہیں پڑا۔ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا۔ یعنی قیامت کے دن آسمان پھٹ کر ایسا ہو جائے گا گویا دروازے ہی دروازے ہیں۔ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ۔ اور جس دن پھٹ جائے آسمان بادل سے۔ إِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ۔ اور جب آسمان کا پوست اتار لیں۔ یعنی جیسے جانور کا بعد زنج کے پوست اتار لیتے ہیں تو اس کے تمام اعضاء اور رگ و ریشہ ظاہر ہو جاتے ہیں، اسی طرح آسمان کے کھل جانے سے اس کے اندر کی چیزیں نظر آئیں گی۔ إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ۔ جب آسمان پھٹ جائے، إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ۔ جب آسمان چر جائے، پھٹ جائے۔ وَغَيْرَ ذَلِكَ مِنَ الْآيَاتِ مِثْلَ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا۔ یہ اور اس قسم کی دوسری آیات قرآنیہ کو جب مفسرین کی تحقیقات اور نصوص حدیثیہ کی تشریحات کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آسمان ٹھوس جسامت رکھتا ہے اور صرف قدرتی پردے نہیں ہیں، کیونکہ جو صفات مذکورہ آیات میں آسمان کے متعلق بیان کی گئی ہیں مثلاً انشقاق، انفطار، فتح ابواب شدت اسقف

محفوظ وغیرہ ایسی صفات ہیں جو ایک ٹھوس جسامت رکھنے والی چیز ہی میں ہو سکتی ہیں۔ اس حقیقت کی بناء پر معراج کی رات کو حدیث کی رو سے جو دروازے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھولے گئے تھے وہ ٹھوس مادہ کے ہی ہو سکتے ہیں نہ کہ نورانی دروازے۔

(۲) چاند اور سورج دو ستارے ہیں، کل ستارے فضاء میں شرعی نقطہ نظر سے معلق ہیں یعنی بین السماء والارض ہیں۔ آسمان میں ایک بھی ستارہ نہیں ہے، یہ سلف کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تفسیر روح المعانی ج ۳۰ ص ۵۱ پر سورۃ التکویر کی تفسیر میں منقول ہے: النجوم قنادیل معلقة بین السماء والارض بسلاسل من نور، بایدی الملیکۃ۔ جدید فلاسفہ کا قول بھی اس کے نزدیک ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں مگر وہ جذب کے قائل ہیں، نور کی زنجیروں کے قائل نہیں۔ ویقرب منه قول الفلاسفة الجديدة لکن بالجذب۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ کے استاذ عطاء ابن رباحؒ کا بھی یہی قول ہے۔ علامہ آلوسیؒ نے سورۃ طلاق کی تفسیر میں ومن الارض مثلہن کے تحت میں لکھا ہے: ولہ یقمر دلیل علی ان شیئاً من الکواکب معروذ فی شیء من السموات کالفص فی الخاتم والمسمار فی اللوح۔ اس جگہ علامہ آلوسیؒ نے اسرائیلی روایات کی تردید بھی کی ہے اور فرمایا ہے۔ نعم اکثر الاخبار فی اموالسموات والارض لا یعول علیہا اشار الیہ النسفی فی بحر الکلام۔

باقی جن آیات سے ستاروں کا آسمان میں ہوتا مترشح ہوتا ہے اسکی تردید روح المعانی کی جلد ۱۱، ۱۲، ۱۳ میں موجود ہے۔ علامہ آلوسیؒ کُلُّ فِی فَلَکٍ یَسْبَحُونَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: قال اکثر المفسرین ہو موج مکھوف تحت السماء تجری فیہ الشمس والقمر وقال الضعافہ ہولیس بجسم بل مدار ہذہ النجوم۔ گویا اکثر مفسرین اسلام محل کواکب کو جس میں شمس و قمر گردش کرتے ہیں تحت السماء تسلیم کرتے ہیں نہ کہ فی السماء (آسمان کے نیچے نہ کہ آسمان میں)۔

(۳) روس و امریکہ کے خلائی تسخیر کے حالیہ کارناموں سے اسلامی تعلیمات پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑتا، اس کا اگر کچھ اثر پڑے گا تو یونانی علم الفلک اور ہیئت بطلمیوس پر یا پھر اسرائیلی روایات مختلفہ پر پڑے گا۔ اب تک تو چاند، مرتخ و زہرہ پر پہنچنے کی سعی جاری ہے لیکن اگر تمام کواکب تک رسائی ہو جو مستبعد ہے تو بھی اسلامی تحقیق پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی (رحمۃ اللہ) ڈاکٹر ٹنڈل کا قول جو اس نے ”جغرافیہ عالم“ میں لکھا ہے، نقل کرتے ہیں کہ خوردبینوں کے ذریعے جو ستارے نظر آ سکتے ہیں ان کا تعداد سات ارب ہے، اور جو کسی صورت میں بھی نظر نہیں آتے ان کی تعداد شمار سے باہر ہے، تاہم اگر ان سب ستاروں کی طرف رسائی ہو جائے تو بھی آسمان تک رسائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۴) سائنسی آلات کی بدولت چاند اور مریخ تک پہنچنے کی سعی جاری ہے مگر مستبعد ہے۔ (واللہ اعلم)

سوال: خلائی سفر کی شرعی حیثیت | جناب مفتی صاحب! قرآن و حدیث کی روشنی میں سورج اور چاند تک جانا ممکن ہے یا نہیں؟ اور ایک مسلمان

کا اس کے بارے میں کیا عقیدہ ہونا چاہیے؟

الجواب:۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ انسان کے لیے سورج اور چاند پر چڑھنا ممکن ہے اور اس سے قرآن و حدیث اور حکمت ایمانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ حکمت یونانی پر اس کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ اس عقیدہ پر بہت سے دلائل موجود ہیں۔ اختصار کی وجہ سے یہاں صرف تین دلائل پسا کتفاء کیا جاتے ہیں۔

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے کہ وہ آسمان پر جسید عنصری کے ساتھ اٹھائے گئے ہیں اور یہ عقیدہ قرآن و حدیث اور اقوال سلف اور اجماع امت کے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ تو اگر خلائی سفر ناممکن ہوتا تو عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف نہ اٹھایا جاتا۔

(۲) خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات کو جسید اطہر کے ساتھ آسمانوں کی طرف اٹھائے گئے اور سدرۃ المنتہیٰ بلکہ اس سے بھی بلند مقام تک پہنچائے گئے، قرآن کریم اور ذخیرہ احادیث سے یہ امر بخوبی واضح ہے۔ تو معلوم ہوا کہ خلائی سفر انسان کے لیے اگرچہ خلاف عادت ہے لیکن خلاف شریعت نہیں ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، **وَإِنْ كَانَ كِبَارُ عَلَيْهِمْ أَعْرَاضُهُمْ فَإِنْ أُسْطِطِعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سَلْمًا فِي السَّمَاءِ فَاتِّبِعْهُمْ بِآيَةٍ۔** (سورۃ الانعام ۷۷) ”اگر آپ ہی چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح یہ کافر مسلمان ہو جائیں تو آپ خود اس کا انتظام کیجئے اور اسباب کو مہیا کر کے ان کے ذریعے سے زمین یا آسمان میں جا کر کوئی فرمائشی معجزہ لے آئیے اگر

آپ کو قدرت ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں معجزہ کے غیر اختیاری ہونے اور تسلی دینے کے ضمن میں زمین کے اندر جانے اور آسمان پر چڑھنے کے اسباب کے ممکن ہونے کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے، لہذا یہ کوئی ناممکن چیز نہیں ہے بلکہ ممکن اور شدنی امر ہے۔

قرآن و حدیث کی رو سے مسلمان اور کافر میں یہ فرق موجود ہے کہ کافر کی روح خولہ جسم کے ساتھ ہو یا جسم کے بغیر آسمان تک جاسکتی ہے لیکن آسمان پر چڑھ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تَفْتَحُ لَهُمْ أَبْوَابَ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ**۔ (الاعراف ۵) ”جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور بوجہ تکبر اس سے اعراض کرتے ہیں ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور کبھی جنت میں نہ جائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ کے اندر نہ چلا جائے۔“

اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: **يَسْتَنْفَتِحُ لَهُ فَلَا يَفْتَحُ ثُمَّ قِيلَ الْآيَةُ الْمَذْكُورَةُ ثُمَّ تَطْرَحُ رُوحَهُ**۔ رواہ احمد (مشکوٰۃ ص ۱۵۶) ”کافر کی روح کے لیے آسمان کے دروازے کھولنے کا مطالبہ کیا جائے گا تو اس کے لیے نہ کھولا جائے گا اور اسے پھینک دیا جائے گا۔“

ایک شبہ اور اس کا ازالہ | یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحیحین کی روایت میں آیا ہے کہ معراج کی رات پیغمبر اسلام نے آسمانِ اول میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کے وقت انہیں ایک عجیب حالت میں پایا وہ یہ کہ ان کے دائیں بائیں کچھ لوگ نظر آتے تھے، تو جب حضرت آدم علیہ السلام دائیں طرف دیکھتے تو ہنستے اور جب بائیں طرف دیکھتے تو رو پڑتے، آپ کے استفسار پر حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کے متعلق فرمایا کہ: ”یہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، دائیں طرف جنتی ہیں اور بائیں طرف دوزخی ہیں۔“ تو سوال یہ ہے کہ دوزخی اور کافر کس طرح آسمان میں نظر آئے؟ حالانکہ کافروں کے ارواح اور اجسام آسمان پر نہیں چڑھ سکتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں ان ارواح کے آسمان میں نہ چڑھنے کا ذکر ہے جو کہ اجسام میں داخل ہو چکے ہیں، جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس وہ ارواح تھے جو کہ ابھی جسموں میں داخل نہیں کیے گئے تھے اور ابھی تک ان سے کفر کا ظہور نہ ہوا تھا۔ اور دوسرا

جواب یہ ہے کہ بعض ارواح اس وقت زمین پر اجسام میں تھے اور بعض ارواح تجہیں میں تھے اور بعض اُس جگہ میں تھے جو کہ جسم کے ساتھ تعلق سے پہلے ان کا مستقر ہے لیکن حضرت آدم علیہ السلام اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کشف کی وجہ سے قریب اور آسمان میں دکھائے گئے۔

صعود شمس و قمر | قرآن و حدیث میں سورج اور چاند کے مقام کے متعلق سکوت ہے۔ اور کُلُّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (سورۃ یس - ۷) سے یہ فہم نہ کیا جائے کہ یہ آسمان میں ہیں، کیونکہ فلک گول چیز کو کہتے ہیں اور شمس و قمر کی حرکت چونکہ مستدیر ہے اس لیے اس کے مدار کو فلک فرمایا خواہ وہ آسمان ہو یا وہ فضا جو دو آسمانوں کے درمیان ہے، یا وہ فضا جو زمین اور آسمان کے درمیان ہے اور یا آسمان کی تخت ہو، سلف صالحین سے تفسیر درمنثور وغیرہ میں مختلف تفسیریں منقول ہیں۔ علامہ آلوسی بعد ازیں آیت کریمہ کُلُّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: وقال اکثر المفسرین هو موج مكفوف تحت السماء تجري فيه الشمس والقمر "اکثر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد آسمان تلے موج مکفوف ہے جس میں سورج اور چاند اپنی گردش کرتا ہے۔"

البتہ یونانی حکماء کہتے ہیں کہ چاند پہلے آسمان میں ہے اور سورج چوتھے آسمان میں ہے۔ اب اگر کوئی کافر انسان چاند یا سورج میں گیا ہے تو قرآن و حدیث کے تقاضا کے موافق ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ چاند اور سورج آسمان سے نیچے ہیں اور یونانی حکماء کا یہ عقیدہ غلط ہے کہ چاند اور سورج آسمان میں ہیں ورنہ کافر اس تک نہ جاسکتے، بہر حال اس کا اثر حکمت ایمانی پر نہیں پڑے گا بلکہ حکمت یونانی پر پڑے گا۔

بعث ارباب عروج | سورج اور چاند میں پہنچنے کے بعد اگر کوئی وہاں مرجلے تو اس کے متعلق قرآن پاک کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بدن کے تمام اجزاء یا بعض زمین کو نفع ثانی سے پہلے دنیا میں یا قیامت میں نفع اول کے بعد پہنچیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تِلْكَ اٰخِرَةُ اَشْرَآءِ (سورۃ طہ - ۱۱) ہم نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی میں تمہیں لوٹا دیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ :-
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کے بارے میں ایک استفسار کا جواب

(۱) زید ودان تقریر یہ کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم

علیہ السلام کا خاندان بت فروش اور بت پرست تھا، اس پر عمرو نے فوراً اعتراض کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاندان تو جید پرست تھا تو کیا زید حق پر ہے یا عمرو؟

(۲) عمرو کا بیان ہے کہ آذر لفظ لغت میں خدا پرست کو کہتے ہیں، کیا عمرو کا یہ بیان صحیح ہے؟

(۳) لابیہ آذر، آب سے مراد چچا یا کوئی اور لواحق ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۴) کیا قرآن کریم میں کہیں لفظ آب بول کر اس سے مراد چچا لیا ہے یا نہیں؟ — ان تمام مسائل کا تحقیقی جواب غنایت فرمائیں؟

الجواب :- (۱) قرآن کریم اس کا شاہد ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد مشرک اور بت پرست تھے اور ان کا سارا خاندان اس وقت بت پرست تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بابل اور عراق چھوڑ کر شام کی طرف کوچ کرنا پڑا۔ صرف حضرت نوح علیہ السلام جو ہارون کے بیٹے تھے اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تابع ہو کر ان کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی۔ اور پھر حضرت نوح علیہ السلام سدوم کے علاقے کی طرف مبعوث فرمائے گئے، قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لَأَبِيهِ أَذْرَ اتَّخَذَ اصْتِمَاءً آلَهُ الْهَٰٓئِلَ ۖ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَلِّفَهُنَّ الْكُفْرَ ۚ وَكَفَّ عَنْهُنَّ لِتَوَكَّنَّ مِنْهُمْ فَيَأْخُذَهُنَّ ۚ إِنَّكُم مِّنْ عَالَمِينَ ۝** (سورۃ مریم)

آیت کریمہ صاف دلالت کرتی ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا اور وہ اور اس کی قوم گمراہ تھی کیونکہ اس (قوم) نے حق کو چھوڑ کر شرک و بت پرستی کا راستہ اختیار کر رکھا تھا۔ علماء انساب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام ”تارخ“ لکھا ہے، ممکن ہے ”تارخ“ نام اور ”آذر“ لقب ہو۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مجاہد وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ ”آذر“ ایک بت کا نام تھا، ہو سکتا ہے کہ اس بت کی خدمت میں زیادہ رہنے کی وجہ سے خود ان کا لقب بھی آذر پڑ گیا ہو۔ آذر کا معنی خدا پرست ہم نے کسی لغت میں نہیں دیکھا اور اگر بالفرض آذر کا معنی خدا پرست بھی ہو جائے، تو چونکہ وہ بھی آذر اور اس کی قوم) اپنے آپ کو خدا پرست سمجھتے تھے، باطل معبودوں کو خدائی کا درجہ دے کر خدائی صفات اور اختیارات ان کے سپرد کر رکھے تھے، اسی وجہ سے وہ اپنے آپ کو خدا پرست کہتے تھے، لیکن

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ موحد بھی تھا جبکہ قرآنی نصوص اس کی بت پرستی اور شرک کو ظاہر کرتے ہیں۔ اِنِّیْ اِرَاکَ وِقَوْمَکَ فِی ضَلٰلٍ قَبِیْنٍ ۝

اس سے صریح اور صاف گواہی ملتی ہے کہ اشرف المخلوقات انسان اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے پتھروں کو خدائی کا درجہ دے کر ان کے سامنے سر بسجود ہو جائے اور ان سے مرادیں مانگنا شروع کر دے۔ میرے نزدیک تو اس مسئلہ میں زید حق پر ہے۔

(۲) سوال ۱ کے جواب میں اس کا جواب بھی ہو گیا کہ آذر کا معنی لغت میں خدا پرست ہم نے نہیں دیکھا بلکہ آذر ایک بت کا نام تھا، اور بقول مجاہد اگر اس کا معنی خدا پرست ہو بھی جائے تو اس سے اُس کا توحید پرست ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

(۳) اَب کا اطلاق مجازاً بچا پر ہو سکتا ہے مگر اس کے لیے قرینہ ہونا چاہیے کہ یہاں اَب سے اپنا حقیقی معنی مراد نہیں ہے، جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ؟ تو بیٹوں نے جواب میں کہا: نَعْبُدُ الْهٰکَ وَالْهٰ اَبَائَکَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ الْهٰٓءِ اَحَدًا۔ تو یہاں اسماعیل علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام کا باپ کہا گیا ہے حالانکہ وہ یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے کیونکہ قرآن کریم سے یہ ثابت ہے کہ اسماعیلؑ اور اسحقؑ علیہ السلام دونوں بھائی تھے اور یعقوبؑ اسحقؑ کے بیٹے تھے۔ مگر ابراہیمؑ علیہ السلام کے باپ کا نام علماء انساب نے ”تاریخ“ لکھا ہے اور جسے قرآن کریم نے آذر کے نام یا لقب سے یاد کیا ہے لیکن یہ کہیں تصریح نہیں کہ ”تاریخ“ اور ”آذر“ کسی تیسرے شخص کے بیٹے تھے۔ سورۃ الانعام کی مذکورہ آیت کے بعد اب سورۃ توبہ پارہ ۹ کی آیت ملاحظہ فرمائیں: جو لوگ ”آذر“ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی یہ تاملتہ کوشش صرف اس لیے ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ موحد تھے مشرک نہ تھے اور ”آذر“ کو قرآن کریم نے مشرک کہا ہے اس لیے وہ دوسرے شخص تھے، مگر ان کی یہ کوشش ناکام ہے کیونکہ قرآن کریم خود تصریح کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ مشرک تھا۔ وَمَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهٖمَ لَابِیْہِ الْاٰعٰتِ مَوْعِدَہٗ وَعَدَہَا اَیَّآہُ فَلَمَّا تَبٰیۡنَ لَہٗ اَنۡہٗ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ تَبٰیۡ اَمِنَہٗ (الانبیاء) سورۃ مریم میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے قبولِ حق سے اعراض کیا ورفضِ عناد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قتل کی دھمکیاں دینے لگا تو آپؑ نے ولیدین کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا: سَلَامٌ عَلَیْکَ سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّیْ اِنَّہٗ کَانَ

فِ حَفِیَّتًا یعنی میں خدا سے تیرے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔ اس وعدہ کے موافق آپ برابر استغفار کرتے رہے، چنانچہ دوسری جگہ واغفر لابی فرمانے کی تصریح موجود ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک مشرک حالتِ شرک پر قائم رہتے ہوئے مغفرت چاہتے تھے، نہیں! بلکہ غرض یہ تھی کہ اللہ اس کو توفیق دے کہ حالتِ شرک سے نکل کر اسلام کی آغوش میں آجائے اور قبولِ اسلام اس کی غطاؤں کے معاف ہونے کا سبب بنے۔ ان الاسلام یہدم ما کان قبلہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے استغفار کو قرآن میں پڑھ کر بعض صحابہؓ کے دلوں میں یہ خیال آیا کہ ہم بھی اپنے مشرک والدین کے حق میں استغفار کریں۔ اس کا جواب حق تعالیٰ نے یہ دیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے وعدہ کی بناء پر صرف اس وقت تک اپنے باپ کے لیے استغفار کیا جب تک آپ پر یقینی طور سے یہ واضح نہیں ہوا تھا کہ اسے کفر و شرک اور خدا کی دشمنی پر ہی منا ہے، کیونکہ مرنے سے پہلے احتمال تھا کہ شاید توبہ کر کے مسلمان ہو جائے اور نجسٹا جائے، پھر جب کفر و شرک پر خاتمہ ہونے سے معاملہ صاف کھل گیا کہ وہ حق کی دشمنی سے باز آنے والا نہ تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے بالکل بیزار ہو گئے اور دعا و استغفار ترک کر دیا۔

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہِ خداوندی میں عرض کریں گے کہ خداوند ا تیرا وعدہ ہے کہ تو مجھے رسوا نہیں کرے گا مگر اس سے بڑی رسوائی کیا ہوگی کہ آج میرا باپ سب کے سامنے دوزخ میں پھینکا جائے! اسی وقت آپ کے باپ کی صورت مسخ ہو کر ضعیف و کفار کی سی ہو جائے گی اور فرشتے گھسیٹ کر اسے جہنم میں ڈال دیں گے۔

(تفسیر رفیع الشان)

فہم کامل اور عقل سلیم رکھنے والے حضرات خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ حشر ایک مشرک کا ہوتا ہے یا موحّد کا؟ اتنا جواب شافی ہوگا۔ (فقط واللہ اعلم)

سوال: محترم المقام جناب مفتی صاحب! کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بت خانوں میں جا کر تبلیغ کرنے کا حکم ہوا تھا؟ ایک شخص جو کہ امام مسجد ہے اور اپنے آپ کو قطبِ زمان، ولی اللہ اور بہت

بڑا عالم دین بھی کہتا ہے۔ ایک دن مسجد میں ظہر کی سنت ادا کرنے کے بعد کہنے لگا کہ آج کل جو آدمی جدھر تک گیا بس ادھر ہی لگا ہوا ہے، دوسری طرف دھیان ہی نہیں، جو نماز پڑھتا ہے وہ صرف نماز ہی میں مشغول ہے اُسے دنیا کی کوئی خبر نہیں۔ کوئی روزے رکھے جا رہا ہے

اسے اور کسی چیز کا پتہ نہیں، کوئی نوکری کر رہا ہے اور وہ اپنے ہی حال میں مست ہے، اُسے باقی دنیا کی فکر نہیں۔ چاہیے تو یہ کہ ہم مندروں، گردواروں اور گرجا گھروں میں جا کر ہر چیز کی تہہ کو تلاش کریں، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا کہ آپ گردواروں، مندروں اور بُت خانوں میں جایا کریں۔ مسجد میں چند نمازی موجود تھے، ان میں سے ایک نے پوچھا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم جو اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا قرآن حکیم ثابت کر سکتے ہیں؟ تو اس پر امام صاحب بڑے ناراض ہوئے دوسرے دن اپنی اس بات پر پردہ ڈالنے اور پھپھانے کے لیے لوگوں کے سامنے کہنے لگے کہ یہ راز و نیاز کی باتیں ہیں ہر ایک آدمی ان کو سمجھ سکتا، میری کل کی گفتگو کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بُت خانوں میں جا کر بُتوں کو توڑنے کا حکم دیا تھا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بُت خانے میں جا کر بُت توڑے تھے، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں بُتوں کو نام لے لے کر توڑا تھا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ۔

(۱) کیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُت خانوں میں جانے کا حکم دیا تھا؟
 (۲) کیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُت خانوں میں جا کر بُت توڑنے کا حکم دیا تھا؟ اگر اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی دیا ہو تو قرآن کریم کی سورۃ، رکوع اور آیت کا حوالہ قلمبند کریں؟

(۳) کیا ایسے امام مغتری جو اللہ تعالیٰ (امام مذکور کو توبہ واستغفار کے لیے بھی کہا گیا لیکن اس نے طرف کوئی دھیان نہیں دیا اور نہ توبہ کی) اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء باندھے، کے پیچھے بغیر توبہ کیے نماز پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

(۱) مذکورہ امام مسجد اور بھی کئی من گھڑت قصے کہانیاں مسجد میں مزید تشریح بیٹھ کر سناتے ہیں، ایک دفعہ انہوں نے اپنا ایک ذاتی قصہ سنایا کہ ایک دفعہ میں ایک صاحب کشف کے پاس گیا اور کہا کہ میری تمنا ہے کہ میں بھی آپ جیسا ہو جاؤں، انہوں نے کہا کہ میاں اس میں بڑی مشکلات ہیں اور کئی چیزوں کی قربانی بھی دینی پڑتی ہے، جو ابائیں نے ہر قسم کی مشکلات کا مقابلہ کرنے اور قربانی دینے کا اقرار کیا، انہوں نے کہا کہ اچھا تو سب سے پہلے تمہیں داڑھی صاف کرنی اور نماز چھوڑنی پڑے گی، بادلِ خواستہ میں نے

ہاں کر دی نماز تو اسی وقت چھوڑ دی اور ماتھے پر تنک بھی لگالیا اور حجام کو بلا کر داڑھی صاف کرانے کے لیے اس کے سامنے بیٹھ گیا، جونہی حجام نے اُسترا میرے منہ پر رکھا تو مجھے تمام باطنی چیزیں آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگیں۔ میں گھر سے بہت دُور اور گھر والوں سے چوری گیا تھا اور کسی کو میرا پتہ تک نہیں تھا کہ زندہ ہے یا مر گیا ہے اور گھر والے مجھے تلاش کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ میرا بھائی اور ایک دوسرا آدمی مجھے تلاش کرنے کرنے تھک ہار کر ایک ہوٹل میں بیٹھ گئے ہیں۔

(۲) ایک دوسرے موقع پر مسجد میں بیٹھے مولانا رومؒ کا ذکر کرنے لگے کہ مولانا رومؒ ایک دفعہ حضرت شاہ شمس تبریزؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ اے صاحبِ باکرامت مجھے آپ اپنے رنگ میں رنگ دیں، یعنی اپنے جیسا بنادیں، حضرت شمس تبریزؒ نے کہا کہ میاں تیری منزل دُور ہے، اسے چھوڑنا پڑے گا، مولانا رومؒ نے منظور کیا تو انہوں نے اور باتوں کے علاوہ نماز چھوڑنے کو بھی کہا۔ مولانا رومؒ گھر آئے اور سوچنا شروع کیا کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور دوسری طرف پیرو مرشد کا حکم ہے، آخر یہ فیصلہ کیا کہ چلو فرض پڑھ لیتا ہوں جو خدا کا حکم ہے اور سنتیں چھوڑ دیتا ہوں، اور ایسے ہی صرف فرض ادا کر کے سو گئے، خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاٹے اور بہت سخت ناراض ہو کر فرمایا کہ تُو نے خدا کے فرض تو پڑھ لیے اور میری سنتیں چھوڑ دیں؟ صبح مولانا رومؒ اٹھے اور مرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کیا، مرشد نے پوچھا کہ اس سے پہلے بھی کبھی تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی ہے؟ مولاناؒ نے جواب نفی میں دیا، اس پر مرشد کہنے لگے کہ بے شک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں تھے لیکن زیارت تو ہو گئی، اگر تو فرض بھی نہ پڑھتا تو خدا کا دیدار بھی ہو جاتا۔ اس کے بعد مذکورہ امام صاحب نے مولانا رومؒ کا یہ شعر پڑھا۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم

تا غلام شمس تبریزی نہ شد

اس کے بعد امام کہنے لگے کہ نماز میں کیا رکھا ہے، خدا نماز پڑھنے سے نہیں ملتا، خدا کے ملنے کے اور طریقے ہیں۔ اس قسم کے اور بھی کئی قصے اکثر سنا تے رہتے ہیں جن میں سے دو بطور تمثیل پیش کر دیئے ہیں۔

(۳) علاوہ ازیں امام مذکورہ خود صبح کی نماز پڑھنے کبھی مسجد میں تشریف نہیں لاتے، گھر پر

پڑھ لیتے ہوں تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اگر ان سے کہا جائے کہ صبح مسجد میں آکر نماز پڑھایا کریں تو کہتے ہیں کہ تم لوگوں کو کیا پتہ! اگر میں صبح کی نماز پڑھانے کے لیے سویرے اٹھوں تو نہ معلوم میرے اوپر کیا کیا آفت آتی ہے۔

(۴) مذکورہ امام صاحب بینجو (جو کہ ساز بجانے کا ایک آلہ ہے) بڑے شوق سے بجاتے ہیں اور جب اس کی دھن میں مست ہو جاتے ہیں تو لباس بیٹھے ہوئے آدمیوں سے کہتے ہیں کہ اگر کسی نے کچھ مانگنا ہے تو مانگ لے۔ راقم الحروف کی رائے میں گویا وہ صبح کی نماز کو نحوست اور یہاں (نعوذ باللہ) خدائی دعویٰ کر کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو منہ مانگی مرادیں دیتے ہیں۔ مندرجہ بالا قحطے کہانیوں کی روشنی میں علمائے کرام اس امام کے بارے میں کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ نیز ایسے امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور جو نمازیں اس کی اقتداء میں پڑھی گئی ہیں ان کا لوٹنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: جامعہ اشرفیہ لاہور کا جواب (۱) جو خود کہا کرتا ہے وہ ہوتا نہیں ہو ایسا ہوتا ہے وہ کبھی کہا نہیں کرتا بلکہ خود کو حقیر تر سمجھا کرتا ہے، کہنا ہی دلیل ہے کہ کچھ نہیں ہے غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

(۲) نہیں! نہ تلاش کرنے کا اس کو حکم ہو سکتا ہے، جس کو بتائی نہ گئی ہو۔

(۳) شریعت میں ہر گناہ و کفر کو مٹانے کا حکم ہے، اس میں بُت بھی ہیں، جس قدر قدرت ہو، وہاں جانے کا نہیں مگر امام کی کم علمی پر اس قدر چراغ پا ہونے کی ضرورت نہیں سمجھانے کی ضرورت ہے، یہ زیادہ مفید ہوگا۔

(۴) مندرجہ میں ہر چیز کی تہہ تلاش کرنا کئی وجہ سے ہو سکتا ہے، اس لیے یہ کلمہ کفریہ بننے سے نکل سکتا ہے، اس سے ترغیب کفریہ باتوں کی ہوتی ہے، اس لیے گناہ ضروری اور آگے روز کی تاویل گویا مثل ربوع کے ہے۔ مگر صاف لفظوں میں تو نہ کرتی چاہیئے اس کو بار بار، ان سے کہا جائے ورنہ اس کو بھی کافی قرار دیں اگر اور باتیں ان میں نہ ہوں۔ دوسرے کاغذ سے معلوم ہوا کہ خطرناک اور لوگوں کو گمراہ کرنے والے ہیں، فاسق ہیں، ان کی امامت مکروہ ہے، ان کو فوراً امامت سے الگ کر دینا چاہیئے بشرطیکہ مذکورہ باتیں صحیح ہوں۔

کتبہ: جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور، ۱۲/۱۲/۱۳۸۳ھ



مہر:

دارالعلوم کراچی کا جواب | جواب صحیح — یہ شخص پرے درجے کا فاسق مفتری کذاب ہے، جھوٹی روایات اور قصے بیان کرتا ہے جو لوگوں کو بد دین اور گمراہ کرنے والے ہیں اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس کو امام بنانا درست نہیں اور اس کے پیچھے نمازیں نہ پڑھیں، فوراً اس کو امامت سے علیحدہ کر کے اس کی بجائے کسی متقی صحیح العقیدہ مسائل امامت و نماز کے واقف کار شخص کو امام مقرر کریں اور جو نمازیں اس امام کے پیچھے پڑھ لیں ان کو لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم

احقر العباد محمد صابر نائب مفتی دارالعلوم کراچی (۲۸/۵/۱۳۸۵ھ)



الجواب صحیح

بندہ محمد تقی عثمانی دارالعلوم کراچی (۲۸/۵/۱۳۸۵ھ)

دارالعلوم حقانیہ کا جواب | الجواب صحیح — واقعی یہ شخص انتہائی دروغ گو

ہے اور اپنی دروغ گوئی سے لوگوں کو گمراہ اور بے دین کرنے والا ہے، ایسے قصے اور کہانیاں بیان کرتا ہے جس کا اثر سادہ لوح مسلمانوں پر زیادہ ہوتا ہے مگر حقیقت اس کی کچھ نہیں اور شرعی احکام کے سراسر خلاف ہیں۔ ایسے مفتری کو ہرگز امام نہ بنایا جائے، اس کو معزول کر کے اس کی جگہ ایک صالح مرد عالم دین کو منصب امامت پر مقرر کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

جدید سائنسی تحقیق انسانی کلوننگ کی شرعی حیثیت | سوال :- جناب مفتی صاحب! آجکل اردو، انگریزی اور دیگر

مختلف زبانوں میں شائع ہونے والے اخبارات اور رسائل و جرائد میں کلوننگ کا مسئلہ بہت زور و شور سے آ رہا ہے، اس مسئلہ میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اسکاٹ لینڈ کے ایک سائنسدان ڈاکٹر ولیم نے کلوننگ کے ذریعے کئی بھڑوں اور مختلف حیوانات کو پیدا کیا ہے اور اب وہ انسانی کلوننگ کا تجربہ کر رہا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ہی جنس سے اس جیسی دوسری جنس پیدا کی جائے؟ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق میں مداخلت ہے یا نہیں؟ جبکہ خالقیت اللہ تعالیٰ کی صفت خاص ہے کیا یہ صفت کسی انسان میں پیدا ہو سکتی ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اس بارے میں وضاحت فرمائیں؟

الجواب :- سائنسی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور دیگر حیوانات کی تخلیق خلیہ (سیل) سے ہوتی ہے۔ ماں کے پیٹ میں بچے کی پیدائش کی ابتداء دو خلیوں سے ہوتی ہے، ان میں سے ایک خلیہ باپ کا ہوتا ہے اور دوسرا ماں کا ہوتا ہے، یہ دونوں خلیے یکجان ہو کر جراثیمی نظام کے ذریعے نشو و نما پاتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ خود بخود ڈوٹ کر کئی خلیوں کی پیدائش کا ذریعہ بنتے ہیں اور ایک سو بیس دنوں تک ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ دو جنسوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

تو گویا انسان کی پیدائش بھی خلیوں سے ہوتی ہے اور ایک انسان لا تعداد خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے جن میں سے ہر خلیہ ایک مکمل فیکٹری کا کام کرتا ہے۔ مگر یہ بات حقیقت ہے کہ ان خلیوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے کوئی مخلوق ان خلیوں کو پیدا نہیں کر سکتا اور مردہ خلیوں سے کسی حیوان کی پیدائش کا کام لیا جاسکتا ہے۔ سائنسدان تو کائنات کے ظاہری مشاہدات پر غور و فکر کر کے پھر اس پر عملی تجربہ کرتے ہیں جس میں کبھی تو وہ امیاب ہوتے ہیں اور کبھی ناکام۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر سائنسدان کسی تجربہ بے کامیاب ہو بھی جائیں تو پھر جن اجزاء پر انہوں نے تجربہ کیا ہے وہ تو سائنس کی پیداوار نہیں ہوتے، ان کا خالق تو لا محالہ اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس لیے کسی کامیاب تجربہ میں بھی سائنس و خالق کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، اس لیے کہ خالق حقیقی ایک تو اپنی تخلیق میں کبھی ناکام نہیں

ہوتا اور دوسری وہ معدوم چیز کے ہر مادہ کو خود پیدا کرتا ہے اور کسی دوسرے پیدا کردہ مادہ پر بنیاد قائم نہیں کرتا۔ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ **ہل من خالق غیر اللہ (الآیۃ) کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور خالق ہے؟ لن یخلقوا ذباباً۔ (الآیۃ) وہ معبودان باطلہ تو ایک مکھی کو بھی پیدا نہیں کر سکتے۔** یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوقات میں سے کوئی بھی صفتِ خالقیت سے متصف نہیں ہو سکتا۔

لہذا اسکاٹ لینڈ کے سائنسدان ڈاکٹر ایان ولٹ اور اس کی جماعت نے جو بھیڑ اور بندرگو خلیوں سے پیدا کرنے کا تجربہ کیا ہے اس سے ان کے بارے میں خالقیت کا حقیقہ نہ رکھا جائے اور یہ تخلیق بھی نہیں بلکہ ایک کامیاب تجربہ ہے اس لیے کہ کسی چیز کا کلون اسکی ڈی این اے یا کروموسوم کی ترقی یافتہ شکل ہوتی ہے جس میں قدرتی طور پر بڑھنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر ولٹ اور اس کی جماعت نے اس کی پرورش کی جس سے بھیڑ کے کلون یعنی ڈی این اے نے بھیڑ کی شکل اختیار کی۔ چنانچہ ڈاکٹر ولٹ کا کہنا ہے کہ اس نے بھیڑ کے پستان کے ایک ڈی این اے کو ترقی دے کر اس ڈی این اے میں قدرت نے جو امکانات پوشیدہ رکھے تھے انہی کو بروئے کار لانے میں کامیاب ہوا ہے۔ (ماہنامہ الحق جلد ۳۳ شمارہ ۷)۔

لہذا اس ڈی این کو ترقی دینے یا پرورش کرنے سے وہ (ڈاکٹر ولٹ) اس بھیڑ کا خالق نہیں بنا، جیسا کہ کوئی دائی یا نرس کسی بچے کو پالنے اور اس کی پرورش کرنے سے اس کی ماں نہیں سکتی، بالکل اسی طرح سائنسی ایجادات سے کسی خلاف فطرت کارنامے پر وہ سائنسدان خالق نہیں بن سکتا، اس لیے کہ ان اجزاء کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا اور ان میں یہ تمام خصوصیات اسی نے پیدا کی ہیں۔ البتہ اس قسم کے تجربوں سے کسی جانور کا پیدا ہونا یا کسی خلاف فطرت امر کا سامنے آنا شرعاً ناممکن نہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو سائنسدانوں کے ان تجربات سے قدرتِ خداوندی کا ظہور اور اسلامی تعلیمات کی حقانیت سامنے آتی ہے۔ مثلاً سائنس کی اس ایجاد سے حیاتِ ثانی کے اسلامی عقیدے کی بھرپور تائید ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مادہ پرست اور قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہوتے کے منکرین سے لاشعوری میں یہ بات لوگوں پر عیاں کرادی کہ جب ایک مخلوق اپنے تجربہ سے کسی جانور کے ایک خلیہ سے ایک اور جانور کو بالکل اسی شکل و صورت، رنگ و دھنگ اور دیگر عادات و اطوار کے ساتھ پیدا کر سکتی ہے تو خالق کائنات، مالکِ ارض و سما بدربخشہ اولیٰ انسان کو مرنے

کے بعد دوبارہ پیدا کر سکتا ہے۔

سائنس کی اس ایجاد سے حیات بعد الموت کے بارے میں وارد بعض احادیث مبارکہ کی بھی تائید ہوتی ہے، مثلاً یہ کہ جب کوئی انسان اس دار فانی سے انتقال کر کے قبر میں چلا جاتا ہے تو اس کے جسم کے تمام اعضاء خاک ہو جاتے ہیں علاوہ دُجھی کے دُم کے سرے کی ایک ہڈی) اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسی سے انسان کو دنیاوی شکل و صورت میں اٹھائے گا۔ (بخاری و مسلم)

اور دُجھی کے بارے میں ایک روایت میں ہے کہ دُجھی رائی کے ایک دانے کی طرح ہے۔ (فتح الباری)

تو سائنس کی اس قسم کی ایجادات سے اسلامی تعلیمات کی تائید و تصدیق ہوتی ہے، البتہ انسانی کلوننگ کا عمل شرعی نقطہ نظر سے کئی وجوہات کی بنا پر ناجائز ہے :-

(۱) اس تجربے کی کامیابی سے لاشعور اور لاعلم انسانوں کے دل و دماغ میں کسی سائنسدان کے خالق ہونے کا عقیدہ راسخ ہونے کا خطرہ ہے جو بعض قرآن کریم ناجائز و حرام ہے، اس لیے کہ صفت خالقیت اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، لہذا قال اللہ تعالیٰ: هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ (الآیۃ) وَلَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا۔ (الآیۃ)

(۲) اس عمل میں تغیر خلق اللہ کا عنصر نمایاں ہے جو کہ ایک شیطانی عمل ہے جس کا شیطان نے اللہ تعالیٰ کے سامنے انسانوں کو گمراہ کرنے کا چیلنج دیا تھا۔ وَاْمُرْنَهُمْ فَلْيَغْيِرْنَ خَلْقَ اللَّهِ۔ (الآیۃ) میں انسانوں کو اس بات کی تعلیم دوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی شکل و صورت میں تغیر پیدا کریں اور اس کو بگاڑ دیں۔ کلوننگ میں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی انسانی شکل و صورت تختہ مشق بن جائے گی اور اس میں تغیر و تبدل ہوتا رہے گا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کرتے ہوئے قرآن کریم میں فرمایا ہے: لَا تَبْدِيلَ لَخَلْقِ اللَّهِ۔ (الآیۃ)

(۳) اس عمل میں غیر فطری طریقہ سے انسان کی پیدائش ہوگی اور توالد و تناسل کا جو طریقہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک چلا آ رہا ہے اس کی خلاف ورزی ہوگی۔

(۴) اس طریقہ عمل سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ ابتداء ہی سے مادر پدر آزاد ہوگا اور ماں باپ کے پیار و محبت سے محروم ہوگا، جبکہ اولاد کی تعلیم و تربیت کیلئے ماں باپ

کا ہونا از حد ضروری ہے۔

(۵) کلوننگ کے اس عمل سے پیدا ہونے والے بچے کے بارے میں جھگڑے پیدا ہونے کا قوی امکان ہے، اس لیے کہ کلوننگ میں ایک ہی اصل سے خلیہ لیا جاتا ہے اور اسے کسی دوسری عورت کے رحم میں رکھا جاتا ہے، تو اب اس بچے پر اس عورت اور جس مرد سے خلیہ لیا گیا ہے کے مابین جھگڑا پیدا ہوگا جبکہ جنگ و جدال سے اسلام نے منع فرمایا ہے اور اس کے ذرائع کو بند کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۶) کلوننگ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے کے ثبوت نسب کا بہت بڑا مسئلہ پیدا ہوگا کہ اس بچے کا نسب خلیہ والے مرد سے ثابت کیا جائے یا جس عورت کے رحم میں یہ خلیہ رکھا گیا ہے اس سے نسب ثابت کیا جائے، جبکہ اسلام نے ثبوت نسب کا بہت زیادہ خیال رکھا ہے اور حتیٰ الامکان کسی بچے کے نسب کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً یہ کہ اگر ایک شادی شدہ عورت سے کسی نے زنا کیا اور اس زنا سے اُسے حمل ہو گیا تو بچے کا نسب عورت کے زوج سے ثابت ہوگا نہ کہ زانی سے۔ ارشادِ نبویؐ ہے: الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ (الحديث)

(۷) اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مختلف رنگوں اور صورتوں میں پیدا کیا ہے، حتیٰ کہ ہر انسان کے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کی لکیروں بھی ایک دوسرے سے مختلف بنائی ہیں، ان کی آواز میں باہمی اختلاف موجود ہے اور یہ اختلاف اس لیے ہے کہ ان کی پہچان میں آسانی ہو، اور اگر کسی سے جرم کا ارتکاب ہو جائے تو اس تک قانون کی رسائی ہو سکے۔ جبکہ کلوننگ میں ایسا نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ کلوننگ کے ذریعے پیدا ہونے والا انسان اپنے اصل کے ساتھ ہر شے میں موافق ہوگا، دونوں میں کوئی امتیازی نشان نہیں ہوگا جس کی وجہ سے اصل اور نقل میں پہچان مشکل ہو جائے گی۔ اسی طرح ارتکابِ جرم کی صورت میں مجرم تک قانون کی رسائی بھی محال ہو جائے گی جس سے لاقانونیت، بد امنی، جرائم کی کثرت اور دنیا میں فسادات کے زیادہ ہونے کے امکانات بڑھ جائیں گے۔ اور اگر کسی جرم میں اصل کی بجائے اس کے کلون کو اور کلون کی بجائے اس کے اصل کو سزا دی جائے تو یہ انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے۔

(۸) اولاد دینے میں اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے جس کے تحت وہ کسی کو بیٹے عطا کرتا ہے

اور کسی کو بیٹیاں، جبکہ بعض کو دونوں اور کسی کو عقیقہ یعنی بے اولاد رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ اِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذَّكَوْرَ اَوْ يَزْوِجُھُمْ ذَكَوْرًا اَوْ اِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَاقِبَتَھَا (الآیۃ)**

کلوننگ کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا مخالف و مقابل ہے، اس لیے کہ ہر انسان میں بار آور تخلیہ جات لا تعداد مقدار میں موجود ہیں جس سے کلون کا پیدا ہونا لازمی امر ہے، تو اس عمل سے کوئی بھی عقیقہ ربیہ اولاد کا مصداق نہ ہوگا اور لوگ صرف زینہ اولاد کا ہی تقاضا کریں گے جس سے **يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ اِنَاثًا** کا مصداق مفقود ہو جائے گا۔

(۹) بعض لوگ صرف اس لیے شادی کرتے ہیں کہ ان کے ہاں بچے پیدا ہوں جبکہ بچے پیدا کرنا نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ سنت، اور شادی کرنا فی ذاتہ سنت مؤکدہ ہے، اور شادی کے بعد بچوں کا پیدا ہونا کوئی ضروری نہیں، بعض ایسے لوگ بھی ہیں کہ چار چار شادیاں کرنے کے باوجود ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا حالانکہ طبی لحاظ سے وہ بالکل تندرست ہوتے ہیں۔ لہذا اگر کلوننگ کے ذریعے بچے پیدا کرنے کو جائز قرار دیا گیا تو لوگ کلوننگ کے ذریعے بچے پیدا کریں گے اور امر مطلوب (شادی) کا سنت عمل ترک کر دیں گے جو شرعاً صحیح نہیں۔

(۱۰) کلوننگ کے اس عمل میں اجنبی عورت کے رحم میں خلیہ رکھا جاتا ہے، چنانچہ اس عمل کے لیے غیر محرم مرد کے سامنے اس عورت کا ستر عورت کھل جاتا ہے جو کہ خلاف شرع، خلاف فطرت اور حیا سوز عمل ہے۔ اسلام نے ہم جنس یا غیر جنس کے سامنے بلا ضرورت شرعی کشف عورت کی اجازت نہیں دی ہے اور اپنے ستر کو چھپانا فرض قرار دیا ہے۔ لہذا ان وجوہات کی بنا پر انسانی کلوننگ کا عمل ناجائز و حرام ہے۔

مسلم اور غیر مسلم محققین کی آراء اور تبصرے | ذیل میں انسانی کلوننگ کے اس غیر فطری، مخرب اخلاق، حیا سوز اور غیر شرعی طریقہ تولید کے مضرات، نقصانات اور توالد و تناسل کے شرعی طریقہ (زکاح) کی تائید میں مسلم اور غیر مسلم محققین، مذہبی و حکومتی زعماء کی آراء درج کی جاتی ہیں:-

(۱) انسانی کلوننگ کے بارے میں مصر کے مشہور مفتی جناب فرید واصل صاحب کا فتویٰ

یہ ہے کہ :-

أَنَّ الْأَجْمَاعَ قَائِمٌ مِنَ النَّاحِيَةِ الْعِلْمِيَّةِ وَالطَّبِيعَةِ عَلَى اسْتِنَاحِ
الْبَشَرِ مَرْفُوضٍ وَإِضًا مِنَ النَّاحِيَةِ الْأَخْلَاقِيَّةِ وَمِنَ النَّاحِيَةِ
الْعَقْلِيَّةِ وَمِنَ النَّاحِيَةِ الْأَجْتِمَاعِيَّةِ“ المجتمع ۲۳ ذوالقعدہ ۱۴۱۸ھ

(بحوالہ ماہنامہ الحق - شمارہ ۱ جلد ۳۲ جولائی ۱۹۹۷ء)

یعنی انسانی کلوننگ کے عدم جواز پر علمی، طبی، اخلاقی اور معاشرتی طور پر اجماع
قائم ہو چکا ہے -

(۲) اسی طرح جامعہ الازہر الشریف کے استاذ پروفیسر عبدالمطیع نے بھی انسانی کلوننگ کو مسترد
کرتے ہوئے کہلے کہ انسانی کلوننگ پر تحقیق فوراً بند کر دی جائے اس لیے کہ اس کے
نقصانات فوائد سے کہیں زیادہ ہیں - (بحوالہ ماہنامہ الحق شمارہ ۲ جلد ۳۲ مارچ ۱۹۹۶ء)

(۳) اپنے توکجا اخبار اور غیر مسلم حکومتی زعماء نے اس تحقیق کو بند کرنے کے اقدامات کیے ہیں،
چنانچہ امریکہ کے صدر بل کلنٹن نے ایسے تمام تحقیقی مراکز کے فنڈز روک لیے ہیں جہاں پر
کلوننگ کے شعبے میں کام ہو رہا ہے اور جن کے بارے میں خیال ہے کہ وہاں انسان کی
فوٹو سٹیٹ کا پی تیاری جاسکتی ہے، بل کلنٹن نے نجی شعبے میں کام کرنے والے تحقیقی
مراکز سے بھی کہلے کہ وہ بھی اس سلسلہ میں سرکاری شعبے میں کام کرنے والے مراکز کی
تقلید کریں - (ماہنامہ الحق جلد ۳۲ شمارہ ۱ اپریل ۱۹۹۷ء)

(۴) عیسائیت کے روحانی پیشوا پوپ جان پال نے ۱۹۹۷ء کو ویٹیکن سٹی میں ہزاروں
افراد کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انسانی حیات کا احترام خطرناک تجربات
کا نشانہ بنا ہوا ہے، اس لیے دنیا کے تمام ممالک انسانی کلوننگ کی بندش پر سخت
اقدام کریں اور اس کے لیے سخت سے سخت قوانین کا اجراء کریں، اس لیے کہ غیر جنسی عمل
کے ذریعے انسان کی تخلیق اخلاقیات کے منافی اور رشتہ ازدواج کے بندھن کے وقار
کو پامال کرنے کے مترادف عمل ہے - (تلخیص ماہنامہ الحق جلد ۳۲ شمارہ ۲ مارچ ۱۹۹۷ء)

(۵) بلکہ اس ایجاد کی ٹیم میں شریک کار سائنسدان ڈاکٹر ایلن کو لین کا کہنا ہے کہ میں اپنی بیوی
اور چودہ سالہ بیٹے کو اس کام کے بارے میں قائل نہ کر سکا، ان کا کہنا ہے کہ اخلاقیات کی رو
سے یہ غیر معتبر کام ہے، یہ خوفزدہ کرنے والی سائنس ہے - (ماہنامہ الحق جلد ۳۲ شمارہ ۲ مارچ ۱۹۹۷ء)

(۶) اور خود اس جماعت کے سربراہ ڈاکٹر ایان ولٹ نے بھی انسانی کلوننگ کو غیر انسانی فعل قرار دیا ہے، چنانچہ اس نے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ کلوننگ کے عمل سے حیوان تیار کرنے کا عمل تو ٹھیک ہے لیکن انسان تیار کرنے کا عمل ایک غیر انسانی فعل ہے۔

(بحوالہ ماہنامہ الحق جلد ۳۲ شمارہ ۷ اپریل ۱۹۹۷ء)

خلاصہ کلام | شریعت مقدسہ اور غیر مسلم محققین اور دانشوروں کی آراء کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ کلوننگ کوئی غیر ممکنہ عمل نہیں اور نہ کوئی تخلیقی صفت ہے کہ جس سے کوئی سائنسدان صفت خالقیت سے متصف ہو جائے۔ البتہ اس تجربہ کو انسانی کلون پر بروئے کار لانا تفصیل میں ذکر کی گئی وجوہات کی بناء پر ناجائز حرام اور غیر اخلاقی و غیر شرعی عمل ہے۔ لہذا بین الاقوامی سطح پر اس عمل کو فوراً بند کر دینا انسانیت کی بقاء کے لیے از حد ضروری ہے۔ (ہذا مآظہر لی واللہ اعلم)

چاند تک انسان کی رسائی اور اسلام

خلائی پرواز کا اسلامی تعلیمات پر کوئی اثر نہیں پڑتا



اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کو حضرت انسان کے فائدے اور خدمت کے لیے پیدا کیا، اور اسے کو یہ قوت دے دی ہے کہ وہ تمام کائنات کو مستحضر کر سکے۔ اسے قوتِ تسخیر اور سائنسِ ایجادات کے نتیجے میں چاند اور زہرہ سیارہ تک انسان کے رسائی دینے دنیا کو ورطہٴ حیرت میں ڈال دیا ہے اور دنیا میں ایک پہلے سے مخفی کئے ہوئے اور بعض ذہنوں میں یہ شکوک و شبہات پیدا ہو گئے ہیں کہ سائنس کے یہ ترقی اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب اور حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے اپنے اپنے مضامین میں اسے قسم کے توہمات اور شکوک و شبہات کا رد کرتے ہوئے شریعتِ مطہرہ کے روشنہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ چاند اور دوسرے سیاروں تک انسان کے رسائی سے اسلامی تعلیمات پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ اسے قسم کے جدید سائنسِ ایجادات و ترقیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں۔ یہاں ”فتاویٰ حقایقہ“ میں انصاف و مضامین کو افادہ عام کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ؑ قال اللہ تعالیٰ : وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَ
حَمَلْنَاهُمْ فِي الْيَرِّ وَالْبَحْرِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى کَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۝

کائنات پر انسان کی فضیلت | محترم بزرگو! خداوند کریم نے انسان کو کائنات پر صوری و معنوی فضیلت عطا فرمائی ہے۔ حجم میں انسان بہت چھوٹا ہے مگر

صوری و ظاہری محاسن میں سارے عالم پر فائق ہے اور عقل و ادراک علم اور دوسری معنوی خوبیوں میں بھی ساری مخلوقات پر اسے سبقت حاصل ہے، گویا کہ یہ پوری کائنات اس مختصر سے جسم میں سمٹ گئی ہے اور عالم اکبر اس عالم اصغر میں پنہاں ہے۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ پوری ”آفاقی“ آیات اس چھوٹے سے ”نفس“ میں موجود ہیں۔ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (الآیۃ) خداوند کریم کا ارشاد ہے کہ، وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَا هُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَفَضَّلْنَا هُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا (ہم نے بنی آدم کو کرامت سے نوازا ہے اور اسے بر و بحر میں اٹھایا اور اسے بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔)

اس فضیلت کی وجہ بار امانت کا اٹھانا ہے | اس فضیلت کو ایک دوسری آیت میں اس طرح واضح فرمایا گیا ہے: إِنَّا عَرَضْنَا

الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَحْمِلَهَا الْإِنْسَانُ (ہم نے آسمانوں اور زمینوں پر اپنی امانت (خلافت) کے اٹھانے کی پیشکش فرمائی تو انہوں نے اس بار امانت کو اٹھانے کی ذمہ داریوں سے معذرت کی، اور انسان پر جب اسے پیش کیا تو اس نے اس ذمہ داری کو اپنے ذمے لے لیا۔)

یاد رہے کہ بار امانت کی یہ پیشکش جب مخلوقات پر ہوئی تو انہیں اختیار دیا گیا کہ اگر اس امانت کا بوجھ تم نے اٹھالیا اور اس کا حق ادا کیا اور اپنی زندگی اس کے مطابق ڈھال لی تو تمہیں ”ضائے الٰہی“ جنت اور دائمی عزت نصیب ہوگی، اور اگر ذمہ داری قبول کرنے کے بعد تم نے حق امانت پورا نہ کیا تو تمہیں دائمی عذاب اور جہنم میں داخل ہونا پڑے گا، اس لیے تمہیں اختیار ہے کہ اس امانت کے متحمل بنتے ہو یا نہیں، برداشت کرتے ہو یا نہیں، دونوں باتیں تمہاری مرضی پر ہیں مگر تم تحمل کی صورت میں نہیں اسی حالت میں رہنا ہوگا، جمادات کی طرح کہ نہ تو ترقی ہوگی نہ عروج، نہ عذاب کا خطرہ ہوگا نہ جنت کی امید ہوگی۔ تو زمین اور آسمانوں نے امانت نہ اٹھائے جلنے کو ترجیح دی کہ کہیں کتنا ہی کی صورت میں عذاب میں مبتلا نہ ہونا پڑے۔

انسان کی فطرت میں محبت ہے | مگر انسان جو کہ بالطبع اللہ رب العزت کا عاشق ہے اور عشق کے جذبہ سے اس کی روح اور اس کا قلب

سرسشار رہتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قلب ہر وقت متحرک مضطرب اور دھڑکتا رہتا ہے، گویا کہ محبوب حقیقی کی تلاش اور یاد میں اپنی ہر حرکت سے اللہ اللہ کی ضربیں لگاتا ہے، ایسے عاشق طبع کو

محبوب کا اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ توجب محبوب کی طرف سے پیشکش ہوئی اس کو فوراً جذبہ عشق نے قبولِ امانت پر آمادہ کر دیا اور یہ پرواہ نہ کی کہ ذمہ داری میں کوتاہی کی صورت میں کیا کیا مصیبتیں پیش آئیں گی؟ دیکھئے! فرما دیجو کہ مجازی عاشق تھا محبوب کے اشارہ ابرو پر پہاڑ کھودنے لگا، تو انسان جو کہ عاشقِ حقیقی ہے محبوبِ حقیقی کے اشارے پر کیوں بارِ امانت اٹھانے سے جھجھکتا۔ اور اس کا نتیجہ یہی نکلا کہ خداوندِ کریم نے اسے آسمانوں، زمینوں اور ساری مخلوقات پر فوقیت دی، یہ راعی اور وہ رعیت بنے، ساری کائنات اس کی مستخر ہوئی، اس کو بحر و بر اور آسمان و زمین کے درمیان ساری فضا پر چلنے اور ان میں تصرف کرنے کی اجازت ملی اور بنی نوع انسان کے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ کا خطاب دیا گیا اور عالم کی تمام اشیاء میں تصرف کرنے اور اس کی تحلیل و ترکیب کی اجازت ملی، اشیاء کے اسماء اور خاصیتیں اسے بتلا دی گئیں۔

کائنات میں تصرف کی راہنمائی انبیاء نے فرمائی | اس تصرف اور استعمال کی راہنمائی اپنے رسولوں کے ذریعے فرمائی جو معصوم عن الخطاء اور معلم من اللہ تھے تاکہ انسان نفس اور شیطان کے دھوکہ اور خواہشاتِ نفسانی کی وجہ سے اس امانت کو غلط طور پر استعمال نہ کرے اور تمام چیزوں کی ترکیب و تحلیل اپنے موقع پر اور نیک مقصد کے لیے کرے اشیاء میں بے جا تصرف سے بذریعہ وحی منع کر دیا گیا اور دیگر فضیلتوں کے علاوہ اسے نعمتِ علم سے نوازا گیا جو انسان کی خصوصیت ہے، ان انبیاء کو دیئے گئے علوم میں رفتہ رفتہ ترقی ہوتی رہی یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کی ذات پر علومِ نبوت کی تکمیل کر دی گئی۔

علوم کا ظہور اور تکمیل حضور کی ذات پر ہوئی | حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو جو علوم دیئے گئے اس کی نظیر سابقہ ادوار اور

گذشتہ اُمتوں میں نہیں ملتی۔ بخاری شریف میں حدیث ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج میں جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ اوپر تشریف لے جا رہے تھے تو بیت المقدس میں بطور جہانی وضیافت کے مختلف مشروبات خدمتِ عالیہ میں پیش کیے گئے۔ ایک گلاس پانی کا بھرا ہوا تھا، ایک میں شہد تھی اور ایک میں دودھ تھا اور ایک میں شراب تھی۔ مگر یاد رہے کہ یہ جنت کی شراب تھی، یعنی شرابِ طہور جو تمام مسلمانوں کو جنت میں ملے گی اور طیب و طاهر اور ہر قسم کی خرابیوں سے پاک صاف ہوگی، مگر پھر بھی شراب ہی اس کا نام تھا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پانی نہ پیا نہ شہد اور شراب بلکہ دودھ پی لیا۔ حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا الحمد للہ کہ آپ نے دودھ پی لیا یہ فطرت کے مطابق

ہے اور دودھ عالم مثال میں علم کی شکل ہے۔ گویا یہ اشارہ تھا کہ آپ کی اُمت علم میں باکمال اور سارے عالم میں ممتاز رہے گی۔ اگر آپ شہد پی لینے تو اُمت لذتوں میں پڑ جاتی اور اگر شراب پی لیتے جو اگرچہ طیب و طاہر تھی تو امت گمراہی میں مبتلا ہو جاتی، اگر پانی پی لیتے تو اُمت بے کمال رہ جاتی، کیونکہ پانی صفات اور کمالات سے خالی ہے نہ میٹھا نہ کڑوا، نہ سرخ نہ زرد، نہ خوشبودار اور نہ بدبودار، اس میں بالفعل کوئی کمال نہیں، شہد میں لذت اور مٹھاس ہے، شراب دنیوی منزلِ عقل ہے اور اخلاقِ رذیلیہ بربکھنے کرتی ہے، حضورِ قدس نے ان سب کو چھوڑ کر دودھ پی لیا جو علم سے تعبیر ہے۔

تو اُمت میں بھی علم سرایت کر گیا کیونکہ قاعدہ ہے کہ استاد کا رنگ شاگرد میں سرایت کرتا ہے اور باپ کے مخفی اثرات و کمالات اولاد میں پائے جاتے ہیں۔ حضور کا ارشاد گرامی ہے: الولد ستر لابہ (بچہ باپ کا راز ہے اس کی خفیہ صفات اس میں منتقل ہوتی رہتی ہیں)۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے: اوتیت علم الاولین والآخرین (مجھے پچھلے اور اگلے سب لوگوں کا علم دیا گیا) دوسری حدیث میں ہے: انا مدينتہ العلم (میں تو علم کا شہر ہوں)۔ تو حضور کا اثر اور پرتو ساری اُمت پر ہے کہ پوری اُمت علم کی وارث ہے، البتہ اتنا یاد رہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں: علم مادیات جس میں صنعت و فنی، زراعت، طب، سرجری اور سائنس، جغرافیہ وغیرہ شمار ہیں اور علم روحانیات جس میں تمام علومِ مذہبیہ دینیہ داخل ہیں۔

اُمتِ دعوت و اُمتِ اجابت | اسی طرح آپ کی اُمت کی بھی دو قسمیں ہیں: اُمتِ دعوت جنہیں حضور کی دعوت متوجہ ہے کہ آؤ قولوا لا الہ

الا اللہ، یہ دعوت الی الاسلام کل دنیا کے باشندوں کے لیے ہے اور قیامت تک آنے والے انسانوں کو ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ (ہم نے نہیں بھیجا تمہیں مگر نوعِ انسانی کیلئے) بِشِيرَآءٍ وَنَذِيرٍ (خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا)۔ تو کل دنیا کے انسان یورپ کے ہوں یا ایشیا کے، مشرق کے ہوں یا مغرب کے، امریکہ کے ہوں یا افریقہ کے دور دراز علاقوں کے غیر متہذبن و حشی ہوں، سب کے سب امتِ دعوت میں شامل ہیں، آج بھی حضور کی دعوت انہیں مخاطب کر رہی ہے جیسا کہ چودہ سو برس پہلے تھا، مگر اس امت نے دعوت قبول نہیں کی اس لیے کافر ہے کہ اتنی بڑی نعمت کی ناشکری کرنے والی ہے، اور جنہوں نے حضور کی دعوت قبول کی ہے وہ اُمتِ اجابت ہے کہ دعوت کی اجابت میں انہوں نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دیا ہے، ایسی امت کو امتِ مسلمہ کہا جاتا ہے۔

اصل علوم علوم نبوت تھے جو مسلمانوں کو ملے | علم ساری امت کو حضورؐ کی آمد اور بعثت کے بعد آپؐ ہی کی برکت سے

ملا مگر امت دعوت کو زیادہ حقہ علوم مادیہ کا ملا اور امت اجابت یعنی مسلمانوں کو دافرہ علوم غیبیہ علوم نبوت و آخرت کا ملا جو اشرف ترین علوم تھا۔ علوم مذہبیہ میں امت مسلمہ کو جو مقام حاصل ہوا اور جو تحقیقات ہر مسئلہ اور ہر موضوع پر علماء امت نے پیش کیں، اس کی نظیر کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی، جس کا کچھ حصہ لاکھوں کتابوں اور سینکڑوں علوم کی شکل میں آج بھی موجود ہے اس کا عشر عشر بھی گذشتہ مسلمان امتوں میں نہیں ملتا۔

مادی اور روحانی علوم کا پورا ظہور حضورؐ کے بعد ہوا | اسی طرح امت دعوت نے مادی علوم تمدنی مسائل، سائنسی تحقیقات اور

تکوینیات کے مخفی اسرار ظاہر کرنے میں جو ترقی کی اس کی مثال حضورؐ سے پہلے کی امتوں میں نہیں مل سکتی۔ الغرض ان تمام علمی کمالات کا ظہور امت محمدیہ میں اسی مخزن علم کے کمالات کا پرتو ہے جو سید الرسل اور خاتم النبیین ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر ترقی کا یہ سلسلہ کہیں جا کر ختم نہیں ہوگا بلکہ دینی اور دنیوی علوم میں قیامت تک ترقی کرتی رہے گی۔ تو جس امت کا پیغمبر سارے علوم اور کمالات کا سرچشمہ ہے اس کی امت کسی علمی انکشاف اور علمی ترقیات کی کب مخالفت کر سکتی ہے، یا علم کی کوئی صحیح اور نئی بات جامع العلوم والکمالات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی کب مخالفت ہو سکتی ہے؟

خلائی پرواز اور اسلامی تعلیمات | آج کل چاند تک انسان کی رسائی اور پرواز نے ہر فرد کی توجہ اپنی طرف مبذول کر دی ہے۔ سائنس کی اس ترقی نے

بعض مسلمانوں کو بھی حیرت میں ڈال دیا ہے اور وہ اس غلط فہمی میں ہیں کہ اس سے اسلامی تعلیمات پر زد پڑتی ہے، حالانکہ یہ تو محض ایک سائنسی اور تمدنی ترقی کا مسئلہ ہے۔ زندگی کے تمدنی مسائل میں ہر دور اور ہر زمانہ کے لوگوں میں پچھلوں کی بہ نسبت ترقی ہوتی آرہی ہے اور ہمارے اسلاف نے اس کو دیکھ کر کبھی یہ خیال ہی نہیں کیا کہ اس ترقی سے اسلامی اصول مجروح ہوتے ہیں۔ مثلاً پہلے زمانے میں سواری کا وسیلہ گھوڑا، خچر اور اونٹ تھا، پھر موٹر اور ریل ایجاد ہوئی، رفتہ رفتہ ہوائی جہاز ایجاد ہوئے، اب اس میں میزائلوں اور راکٹوں کا اضافہ ہوا ہے، اور اس کے بعد بہت ممکن ہے اور بھی تیز رفتار ذرائع سفر ایجاد ہو جائیں۔

قرآن کریم میں تیز رفتار سواروں کی طرف اشارہ | اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

والخیل و البغال و الحمیر لتربوھا و تربیتہ و یخلق ما لا تعلمون (سورۃ ١٠٠ آیت ٤) اور پیدا کیے اللہ نے گھوڑے، بچر اور گدھے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور ان میں تمہارے لیے زینت بھی ہے اور پیدا کیا ان کے علاوہ ایسی چیزوں کو جنہیں تم نہیں جانتے) و یخلق ما لا تعلمون مضارع کا صیغہ ہے اس میں قیامت تک وجود پذیر ہونے والی تمام تیز رفتار سواریاں آگئیں اسی طرح سمندری سواری کا ذکر فرما کر بعد کی ایجادات کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ وَآیۃٌ لَّہُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِّ الْمَشْحُونِ وَخَلَقْنَا لَہُمْ مِّنْ مِّثْلِہٖ مَا یُرْکَبُونَ (یس ٤٠) ان کے لیے قدرت کی نشانی ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا اور پیدا کیں ہم نے ان کیلئے کشتیوں کی مانند طرح طرح کی چیزیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں

الغرض ان آیات میں تمام نئی اور بری اور فضائی ایجادات کی طرف اشارہ موجود ہے۔ اسی طرح پہلے بات پہنچانے کا ذریعہ آئے سامنے بات چیت کا تھا، رفتہ رفتہ ترقی ہوئی تو ٹیلیفون، تار، لاسکی اور ریڈیائی لہروں سے کام لیا جانے لگا، اور بھی کئی ذرائع کلام آپہنچانے کے پیدا ہوئے۔ خلائی تسخیر خالص تمدنی اور سائنسی مسئلہ ہے | خلائی تسخیر کا مسئلہ بھی خالص تمدنی ترقی اور سائنسی تحقیق کا ہے جس میں کامیابی یا

ناکامی دونوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ انسان ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت نہیں کر سکے گا، اور نہ کبھی یہ کہا کہ خلا میں ذی روح اجسام کی پرواز ناممکن ہے، نہ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ فضا میں کرمہ نار اور کرمہ زمہر پر ہے جن سے ذی روح کا گذر نامحال ہے اور نہ یہ کہا کہ زمین کی کشش ثقل سے باہر نکلنا ناممکن ہے، یہ باتیں تو خلائی یونان کی مخترعات ہیں جن کا بطلان اور تردید اسلامی معتقدات ہی نے کر دی تھی۔

قرآن مجید اور لامحدود پرواز | قرآن مجید پلک جھپکنے میں ہزاروں میل مسافت طے کرنے کے لیے صرف امکان بلکہ وقوع کا قائل ہے۔ ملکہ سباء کا تخت پلک جھپکنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَکَ عِلْمٌ مِّنْ اَیُّکَ اَنَا اَرْسَلْتُکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّزُقَکَ اَیُّکَ طَرَفَکَ وَالنَّمْلُ (١٠) اور کہا اس شخص نے جس کے پاس علم تھا کتاب کا میں لا دیتا ہوں تیرے پاس اس تخت کو کہ پہلے اس کے کہ لوٹ آئے تیری طرف تیری نظر

اور وہ طرفۃ البین میں تخت لے آئے، گویا کہ راکٹ کی سی تیز رفتاری سے اسلام کو انکار

نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حرکت اور سرعت ممکن ہے۔

خلائی پرواز مدارِ شرافت نہیں | باقی رہی ستاروں تک پرواز، تو یہ تو آپ کو تمہید سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور

پھر مدارِ شرافت اونچی پرواز کمنا نہیں ہے۔ آج خلا میں بادل پھر رہے ہیں۔ چیل، گدھ، کوئے اور دیگر پرندے فضاء میں بہت اونچے اڑ رہے ہیں۔ ایک دیوہیکل جن نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو تختِ سباء چند لمحات میں پہنچا دینے کی پیشکش کی۔ خود انسان ایک عرصہ سے کئی کئی میل اوپر ہوائی جہاز میں پرواز کر رہا ہے، تو اب اگر اس پرواز کی حد ڈھائی لاکھ میل خلا میں چاند تک پہنچ گئی یا آئندہ اس سے بھی بڑھ جائے تو اس میں کیا استحالہ اور تعجب ہے اور قرآن مجید کے کون سے دعویٰ کا مقابلہ ہوا جو باعثِ حیرت بن جائے۔

جَنّات کی آسمانوں تک رسائی | قرآن مجید سے تو جَنّات کی آسمان تک پرواز ثابت ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے سورہ جن میں جَنّات کی آپس میں

گفتگو نقل فرمائی ہے :-

وَاِنَّا لَمِّنَّا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَا هَامِلٰتٍ حَرٰسًا شَدِيْدًا وَّ اِنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدًا لِلسَّمْعِ فَمِنْ يَسْمَعُ الْاٰنَ يَجِدُ لَهُ شَهَابًا رَّصَدًا۔ (سورہ جن آیت ۷)

(ترجمہ) اور یہ کہ ہم نے ٹٹول کر دیکھا آسمان کو بھیرا یا ہم نے اس کو کہ بھرا ہوا ہے سخت چوکیداروں سے اور انگاروں سے اور یہ کہ ہم بیٹھا کرتے تھے ٹھکانوں میں سننے کے واسطے پھر اب جو کوئی سننا چاہے وہ پائے گا اپنے واسطے انگارہ گھات میں۔

اس کی تفصیل بخاری شریف میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جَنّات اور شیاطین آسمانی دنیا تک پہنچ کر خفیہ ٹھکانوں پر بیٹھ جاتے تاکہ فرشتوں کی آپس میں گفتگو سنکر اسے کاہنوں اور نجومیوں تک پہنچا دیں۔ اس میں سنی ہوئی کوئی بات تو درست ہوتی تھی اور سو باتیں جھوٹ اور من گھڑت ہوتی تھیں جس کا لوگوں میں مشہور ہو جانے پر اس وقت کے مذہبِ حق پر اثر پڑتا، اس کے بعد دوسرے نبی آ جاتے اور وہ اس جھوٹ اور حق سے مخلوط باطل کو جدا کر دیتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اللہ کریم کے آخری نبی تھے، خداوند کریم کو دین اسلام قیامت تک کے لیے محفوظ رکھنا اور زائفین کی زیغ سے بچانا تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جَنّات کا آسمانوں تک پہنچنا روک دیا گیا اور اگر جَنّات اوپر جانے کی کوشش

کرتے تو ان پر انکارے اور شہابِ ثاقب پھینکے جاتے تاکہ آسمانی باتیں نہ سُن سکیں اور دینِ اسلام خلطِ ملط نہ ہو۔ اور صعودِ بلکہ آسمانوں کو چھونے رُئسِ سماء تک کا بھی ثبوت ملتا ہے، بعض روشن خیال اس کی بھی تاویل کرتے ہیں جس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنات میں آسمانوں تک پرواز کی صلاحیت رکھی ہے اس لیے جنات وہاں تک پرواز کرتے تھے جہاں تک ان کی پرواز پر پابندیاں لگی ہوئی نہ تھیں۔ اب اگر انسان اپنے علم و تحقیق اور خدا کے دیئے ہوئے وسائل کی بناء پر اوپر چلا جائے تو اس میں کوئی استحالہ نہیں۔

اسلام میں ستاروں تک رسائی کے لیے
آسمانوں سے گزرنے کا کہیں ذکر نہیں

یہ غلط ہے کہ ستاروں تک پہنچنے کے لیے آسمانوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس لیے کہ اسلام میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں کہ چاند آسمانِ دنیا اور سورج

چوتھے آسمان پر ہے یا دیگر سیارے فلاں آسمان پر ہیں یا ثوابت سبعہ سیارہ ساتویں آسمان کے نیچے درجہ بدرجہ ہیں۔ یہ فلاسفہ یونان کا عقیدہ اور بطلمیوس کا مسلک ہے جس کا ذکر تصریح و شرح چغنی میں پایا جاتا ہے نہ کہ فلاسفہ اسلام کا۔

سائنس کے متضاد نظریات اور اسلام

ہم مسلمان نہ تو قدیم فلاسفہ کے معتقد ہیں اور جدید فلاسفہ کے معتقد ہیں۔ ان فلاسفہ کا ابطال آپس میں خود (مثلاً فیتا غورث وغیرہ نے) کیا ہے۔ اور آج کے سائنسدان قدیم سائنس کو خود لغو اور اور باطل قرار دے رہے ہیں، پھر جدید سائنس دانوں کا آپس میں بھی شدید اختلاف ہے اور ان کے نظریات آپس میں متضاد ہیں تو ہم خواہ مخواہ اسلام کو کیوں ایک فریق بنائیں! البتہ اتنی بات واضح ہے کہ آسمانوں کے اندر داخل ہونے کے لیے اجازت لینی پڑتی ہے، آسمانوں کے دروازے ہیں جو کہ بند رہتے ہیں، اندر جانے والا بغیر اجازت رب العالمین کے نہیں جاسکتا۔ جیسا کہ حدیثِ معراج سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آسمان کے دروازے پر پہنچے اور دستک دی تو فرشتوں نے پوچھا کہ کون؟ انہوں نے فرمایا جبرائیل، پھر انہوں نے پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ من معک قال محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیل ادسل الیہ قال نعم ففتح۔

جبرائیل نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تب دروازہ کھول دیا گیا،

اس سے معلوم ہوا کہ افلاک (آسمانوں) میں داخلہ بغیر اجازتِ خداوندی کے نہ فرشتہ کو

ہے نہ کسی نبی مُرسل کو، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا داخلہ جو آسمانوں میں ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملنے اور دروازہ کھول دینے کے بعد ہوا۔

موجودہ ترقیات کا اثر باطل مذاہب اور فلسفہ برپا ہوتا ہے | اب اگر ستاروں کے بارہ

آسمانوں کے اندر ہیں تب تو یہ اشکال درست ہوتا کہ راکٹ اور خلائی جہاز آسمان کے اندر بغیر اجازت خداوندی کے کب داخل ہوئے جو کبھی نہیں ہو سکتے۔ مگر جب ہم بطلموسی اقوال کے پابند نہیں، ہم تو اسلام کے قائل ہیں، تو یہ اشکال ہمارے اوپر وارد ہی نہیں ہوتا، جن مذاہب نے یہ دعویٰ کیا ہے ان پر اس کی زد پڑتی ہے مسلمانوں پر نہیں۔

تمام ستارے آسمان کے نیچے ہیں | قرآن مجید کا تو اعلان ہے کہ: وَلَقَدْ نَبَّأْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَارِئِهِمْ وَجَعَلْنَا هَارِجُومًا لِلشَّيَاطِينِ

(سورۃ الملک ۷) ”ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے مزین کر دیا اور ہم نے بتایا انہیں شیاطین کو مارنے کی چیز“

شیاطین تو آسمانوں تک جا کر باہر رہتے ہیں، آسمانوں میں تو داخل نہیں ہو سکتے، پھر ان ستاروں سے ان کا حجم تب ہی ہو سکتا ہے کہ ستارے بھی آسمان دنیا سے باہر ہوں اور دنیا کی زینت بھی ان ستاروں سے تب ہی ہو سکتی۔ اس لیے تو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ: النجوم قنادیل معلقة بين السماء والارض بسلاسل من نور بايدي الملكة۔ (ستارے لگے ہوئے فانوس ہیں آسمان اور زمین کے درمیان

نور کی زنجیروں کے ساتھ جنہیں فرشتے تھامے ہوئے ہیں۔)

علامہ آلوسیؒ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں: ”جدید سائنسدانوں کا قول بھی اس کے قریب قریب ہے، مگر ان کے ہاں نور کی زنجیروں کی تعبیر کشش اور مرکز ثقل کے نام سے ہوتی ہے۔“

ويقرب منه قول الفلاسفة الجديدة لكن بالجناب۔ (روح المعانی جلد ۳۰ ص ۵۷)

سورۃ طلاق کی آیت وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ کے تحت تو صاف تصریح علامہ آلوسیؒ نے کی ہے کہ:

ولم يقع دليل على ان شيئاً من الكواكب مغروضة في شيء من السموات كالفص في الخاتم والمسمار في اللوح۔ (روح المعانی جلد ۳۰ ص ۵۷) یعنی: اس بات کا کوئی ثبوت

نہیں کہ کوئی ایک ستارہ بھی آسمان میں ایسا جڑا ہوا ہے جیسا انگوٹھی میں ہیرا یا تختی میں میخ،

امام ابو حنیفہؒ کے استاد عطاء بن ابی رباحؒ کا بھی ایسا ہی قول ہے۔
 علامہ آلوسیؒ نے سورہ طلاق کی تفسیر میں اسرائیلی روایات کی بھی تردید کی ہے کہ اکثر ناقابل اعتما
 ہیں۔ باقی جن آیات سے ستاروں کا آسمانوں میں ہونا مترشح ہوتا ہے اس کی تردید روح المعانی
 کے مختلف مقامات پر موجود ہے، اور عموماً ایسے مقامات میں ادنیٰ ملا بسہ کے طور پر یا مجازاً نسبت
 کی گئی ہے۔

کُلُّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ کی تفسیر | مثال کے طور پر قرآن کریم کی آیت کُلُّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ
 سے بظاہر لوگوں نے یہ فہم لیا ہے کہ سب ستارے
 آسمان میں تیر رہے ہیں۔ مگر علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ اکثر مفسرین نے اس مراد اس موج
 کو لیا ہے جو روک دی گئی ہے آسمان کے نیچے جس میں چاند اور سورج گردش کرتے ہیں۔
 قال اکثر المفسرين هو موج مكفوف تحت السماء تجري فيه الشمس والقمر

وقال الضمك هوليس جسم بل مدار هذه النجوم۔
 حضرت ضمك کہتے ہیں کہ فلک سے مراد جسم نہیں بلکہ ان ستاروں کا مدار ہے۔ حضرت مولانا
 اشرف علی تھانویؒ نے بھی ان احتمالات کو ذکر کرتے ہوئے آیت کو آسمان کے مفہوم میں مبہم قرار
 دیا ہے۔ الغرض اکثر مفسرین محل کو اکب کو جس میں وہ گردش کرتے ہیں تحت السماء تسلیم
 کرتے ہیں نہ کہ آسمان کے نیچے میں۔ توروس اور امریکہ کی خلائی پرواز اور چاند تک رسائی کا اگر
 اثر پڑتا ہے تو یونانی ہیئت اور بطلمیوسی فلسفہ یا اسرائیلی روایات پر نہ کہ اسلام پر۔ چاند تو کیا
 اگر تمام کو اکب تک بھی انسان کی رسائی ہو جائے تو بھی اسلامی تعلیمات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اسلام کی غیبی تائید سائنس سے ہو رہی ہے | اللہ تعالیٰ ان سائنسدانوں کے ہاتھ سے ہی
 اسلام کی غیبی تائید کر رہا ہے اور ان پر

اتمام حجت ہو رہی ہے، سائنسدانوں نے اربوں روپے خرچ کیے تب کہیں اوزار اور آلات
 کے ذریعہ چاند سے مشیت خاک لائے۔ لیکن سید المرسل اور مسلمانوں کے ہادی اعظم صلی اللہ
 علیہ وسلم نے انگلی کے ایک اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے جبکہ دونوں ٹکڑوں نے
 مکہ معظمہ کی پہاڑی کو نیچے میں لے لیا، پھر اسی طرح اللہ رب العزت نے چاند کے دونوں ٹکڑوں کو
 ملا دیا۔ اقتربت الساعة والنشق القمر وان يدروا ایتہ یقولوا سحق مستم۔ (طہ ۷۸)
 اتنا بڑا کارنامہ جب بلاوا کٹ و اسباب اور بغیر کھربوں روپیہ ضائع کیے ظاہر ہوا تو یو یو کے

خردماغوں نے اس معجزہ کی اب تک منہ سی اڑائی، فلاسفہ نے مذاق اڑایا مگر آج انہیں خود قائل ہونا پڑا کہ تمام سیارے خرق والتیائم (پھٹنا اور جڑنا) اور توڑ پھوڑ قبول کرتے ہیں۔ تو حقیقت تو یہ ہے کہ آج کی سائنسی تحقیقات سے اسلامی تعلیمات کی تائید ہو رہی ہے، اور بحمد اللہ تعالیٰ جو لوگ معجزات کے منکر تھے اور محال سمجھتے تھے، ان دشمنان اسلام کی اپنی تحقیقات سے خدا نے ان کا منہ بند کر دیا ہے۔

قیامت اور معراج کی تائید | قیامت جو ان سیارات اور عالم کے فناء اور نیست و نابود ہونے اور نئے سرے سے دوبارہ قائم ہونے کا نام

ہے، آج تک فلاسفہ اس نظام کو ناقابلِ تغیر مان کر اس کی قداست کے قائل تھے اور اس توڑ پھوڑ سے خود ہی حدوثِ عالم اور تغیر پذیر ہونے کے قائل ہو سکتے ہیں۔ اسلام نے جب اعلان کیا کہ حضورِ قدس صلی اللہ علیہ وسلم اس جسدِ عنصری کے ساتھ خلاؤں سے اوپر تشریف لے گئے اور ایک رات میں واپس ہوئے تو ان لوگوں (فلاسفہ) نے انکار کیا کہ کروڑوں میل کی مسافت اتنی جلدی کیسے طے ہوئی اور بغیر آکسیجن کے کیسے زندہ رہے؟ آج کے خلا نورد اس جسمِ خاکی کے ساتھ صرف چاند تک پہنچے اور بعض جگہ انہوں نے ہزاروں میل فی سیکنڈ کی رفتار سے پرواز کی۔ تو مالک الملک جو زمین و آسمان کا خالق ہے اس کا اپنے رسولِ مکرم کو پہنچانے میں کیا استحالہ رہا؟ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا۔ (بی اسرائیل ۷۱) ”پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو راتوں رات لے گیا“

رفعِ مسح کی تائید | قرآن مجید نے اعلان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسدِ عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے، بل رفعہ اللہ الیہ مگر جدید تعلیمات ہنر

اسے ناممکن بتا رہے ہیں کہ اس جسم کے ساتھ اوپر کیسے زندگی گذر سکتی ہے مگر آج خود چاند، مریخ اور زہرہ بین اپنے لیے الاٹمنٹ کروانا چاہتے ہیں گوا بھی یہ مرحلے بہت دور ہیں۔ ہنوز دلی دور است

آدم علیہ السلام کا نزول | اسلام نے بتلایا کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام انہی میں سے پیدا ہوئے پھر انہیں جنت میں اٹھایا گیا، کچھ عرصہ جنت میں

گزارنے کے بعد خلافتِ ارض کیلئے انہیں زمین پر اتارا گیا۔ اس کا بھی ڈارون کی اولاد نے انکار کیا، مگر اسلامی تعلیمات نے تو تخلیقِ انسان حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک انسانی عروج اور صعود و نزول اور خلاء سے گذرتے رہنے کا تصور پیش کیا اور بطورِ ظہورِ معجزہ و قدرتِ خداوندی کے اس کی کئی مثالیں پیش کیں۔

تمام مسلمان ساتویں آسمان سے بھی اوپر جائیں گے | اسی طرح جنت کو لیجئے، اور ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام مومنین اور عباد مقربین جنت میں جائیں گے، پھر یہ بھی ذکر ہے کہ قیامت کے دن تمام آسمان اور زمین فنا ہو جائیں گے، اس زمین اور آسمان کی جگہ جہنم لے لے گی، اور عرش الرحمن کے نیچے اور سدۃ المنتہی کے پاس جنت ہوگی جو ساتویں آسمان سے اوپر ہے، تو گویا کل مسلمان سابقین و آخرین ان شاء اللہ جب جنت میں داخل ہوں گے اور یہ مخلد جسم اور روح دونوں کا ہوگا تو سب کی پرواز ساتویں آسمان اور اس سے اوپر ہوگی تب تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ تو افسوس ہے کہ ایک ایسی امت اعداد اسلام کے لایعنی کارناموں سے مرعوب ہو یا اسے ناقابل تسلیم سمجھے، حالانکہ یہ توصو دا و پر پرواز کا ادنیٰ درجہ ہے جو بطور اتمام حجت مادیت پرست قوموں کے ہاتھ پر ظاہر ہو رہا ہے۔

کون سا مسئلہ حل ہوا؟ | پھر اس عظیم کارنامے سے کون سا انسانی مسئلہ حل ہوا؟ بھوک، افلاس، بیماری ختم ہوگئی؟ بغض، عناد، کینہ اور خانہ جنگی ختم ہوئی؟ طبقاتی، لسانی اور رنگ و نسل کے جھگڑے ختم ہوئے؟ انسانیت کو کون سا فائدہ ہوا؟ کچھ بھی نہیں! باہمی عداوت و منافرت اور بھی بڑھ گئی، ایک دوسرے پر فخر و غرور کیا جانے لگا، پھر نتیجہ میں کون سا خاص تحقیقی انکشاف ہوا جس نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہو؟ یہی کہ چاند عناصر سے مرکب خاکستری یا سرمئی رنگ کی چیز ہے جو سورج سے روشنی لے کر دنیا کو متور کرتی ہے، جبکہ یہ تصور تو ظنی طور پر فلاسفہ قدیم نے بھی پیش کیا تھا۔ تصریح اور شرح چغنی اٹھا کر دیکھیں، اس وقت سے انہوں نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ جرم قمر خاکستری ہے، اور عربی زبان کا یہ مقولہ تو زبان زد عام ہے کہ نور القمر مستفاد من نور الشمس (چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے حاصل کی گئی ہے)

سائنس سے باطل مذاہب ہی متاثر ہوں گے | ہماری نگاہ میں اس کا رنامہ سے ایک ہی فائدہ حاصل ہوا ہے اور وہ یہ کہ باطل مذاہب لرزہ بر اندام ہیں، یہودیت اور نصرانیت کے ایوانوں میں زلزلہ آگیا ہے۔ آج ہی کے اخبارات میں ہے کہ یہودیوں نے تو اپنی بعض عبادات میں ترمیم کر دی ہے اور کلیسا والے بھی واویلہ کر رہے ہیں۔ فلاسفہ یونان کی تغلیط، ہوگئی، معجزات سے منکر شرمندہ ہوئے مگر اسلام کی تو سر اسر تائید ہی تائید ہوگئی، کوئی مسئلہ اور کوئی عبادت اسلام کی متاثر نہیں ہوئی اور نہ قیامت تک متاثر ہو سکے گی۔ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ذَلِكََ الدِّينُ الْقَيِّمُ، یہ تو دینِ قییم ہے اور قیامت

تک زندہ رہنے والا دین ہے، خداوند کریم نے اتمامِ حجت نہ صرف دلائل سے بلکہ اس زمانہ کی سائنس کی بدولت جو اس اور مشاہدہ سے بھی کرادی۔

وحی اور اسلام کے دیگر دعوؤں کی تائید | جب اسلام نے اعلان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں سے اوپر کی چیزیں نظر آتی تھیں اور وحی الہام کے ذریعہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ رب العزت کی باتیں سن سکتے تھے، تو اس کا انکار کیا گیا اور آج ڈھائی لاکھ میل دور خلائی جہاز والوں کے ساتھ گفتگو ہو رہی ہے، ٹیلیفون کیے جا رہے ہیں اور ایک انسانی ایجاد ٹیلیویشن کے ذریعے ڈھائی لاکھ میل دور کے حالات کا مشاہدہ ہو رہا ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روحانی قوت کے ساتھ بغیر آلات و وسائل کے کیوں جبرائیل امین اور خداوند کریم سے ہمکلام نہیں ہو سکتے تھے اور اگر انہیں آسمانوں کا مشاہدہ ہوتا تھا تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟

معجزہ امکان کی دلیل ہے | اتنی بات یاد رہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ہاتھوں ایسے امور کا ظہور بلاشبہ معجزہ کہلاتا تھا جو بغیر آلات و وسائل کے ہو جو کسی غیر نبی کے بس میں نہیں، مگر اس سے بہر حال یہ تو ثابت ہوا کہ ذی روح جسم کا رفع الی السماء ممکن ہے، اس لیے کہ معجزہ نام ہے اس کا کہ کسی امر کا ظہور بطور خرق عادت کے ہو جائے نہ کہ کسی محال کو ممکن بنادے۔ اب اگر کوئی وسائل اور ذرائع کے ذریعہ سے ایسا کر دے تو یہ ممکن ہے مگر اسے معجزہ نہیں کہا جاسکتا، مثلاً ایک شخص بغیر و ذرائع کے کراچی پہنچ جائے تو یہ اس کی کرامت ہے اور اگر ریل، موٹر کار، ہوائی جہاز وغیرہ کے ذریعہ جائے تو اسباب عادیہ کا عمل خرق عادت نہیں تو اس کو کرامت نہیں کہا جاسکتا۔

قرآن کریم کا بنیادی مقصد | رہا یہ امر کہ موجودہ ترقیات کا ذکر قرآن مجید میں صراحتاً کیوں نہیں تو یاد رکھیں کہ قرآن کریم کا موضوع آخرت کی دائمی اور حقیقی زندگی کے حصول کے لیے دنیا کی چند روزہ زندگی کو استوار رکھنے کا طریقہ بتلاتا ہے اور اسی مقصد کے لیے زندگی کے کسی مرحلہ پر بھی پیش آنے والی ضرورتوں کو تشنہ نہیں چھوڑتا، سعادتِ اخروی کے طریقوں کو ترغیب و ترہیب سے بیان کرتا ہے اور تجارت، سیاست، ملازمت، زراعت سب شعبوں میں سلال و حرام کی راہنمائی کرتا ہے لیکن وہ طبیعات، نجوم اور جغرافیہ کی کتاب نہیں کہ ہر زمانہ کے عروج و ارتقاء کے سارے مراحل بتلائے، البتہ بطور آیات آفاقی اور مبدا و معاد میں غور و فکر کرنے کے لیے

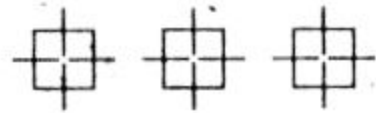
کہیں ضرورت پیش آئی تو ان استنباط کا ذکر ایسے جامع کلمات سے کرتا ہے جس سے قیامت تک اہم فنی مسائل بھی مستنبط ہو سکیں، مگر یہ نہ تو ہر شخص کا کام ہے نہ اس کا فہم ایمان کے لیے ضروری ہے۔

قرآن کریم میں علوم کا لامتناہی ذخیرہ | اولوالابصار اور عقلمندوں کے لیے علوم کا لامتناہی ذخیرہ
قرآن مجید میں موجود ہے اور ان کلیات سے قیامت

تک جزئیات نکالی جاسکتی ہیں۔

محترم بھائیو! قرآن کریم کی کائنات بے حدود بے حساب ہے، اسکی وسعتوں کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ ایک حدیث میں اس کی تعبیر ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ عرش معلق کے نیچے ایک ہزار قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں اور یہ ساتوں آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کچھ صرف ایک قندیل میں سمایا ہوا ہے باقی قنادیل میں کیا ہے؟ ان کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کس کو ہو سکتا ہے؟ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ۔

مختصراً یہی کچھ عرض ہوا، آئندہ کسی موقع پر خدا نے چاہا تو مزید تفصیل کی جائے گی، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتنوں سے محفوظ رکھے۔ وَابْتَغُوا الْوَسِيلَةَ إِلَيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔



سائنسی کارنامے

پچھلے دنوں روسی سائنسدانوں کے اس اعلان نے علم و تحقیق کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا کہ روس کے محکمہ خلائی تحقیقات نے لوناہیم کو سطح چاند پر اتار دیا۔ اور وہاں سے معلوماتی اطلاعات فراہم کیں۔ پھر چند دن بعد زہرہ سیارہ پر بھی کمند ڈالنے کی خبروں نے دنیا کو مزید حیرت میں ڈال دیا۔ جبکہ چاند کی مسافت کا اندازہ سائنسدانوں کے نزدیک اڑھائی لاکھ میل کے قریب ہے۔ اور نظام شمسی کے اس دوسرے سیارہ زہرہ کی مسافت (بقول سائنسدانوں کے) اس وقت ہم سے ساڑھے سترہ کروڑ میل دور ہے۔

اکتشافات کا عہد | موجودہ دور جو اپنے طبعی تحقیقات، علمی و فنی ایجادات اور اکتشافات کے لحاظ سے بجا طور پر تاریخ کا اہم ترین دور ہے اور مستحق ہے کہ اسے اکتشافات و ایجادات کے عہد سے یاد کیا جائے۔ روس کے اس مجید العقول کارنامہ سے جو بلاشبہ سائنس اور اکتشافات کی دنیا میں ایک عظیم اور قابل فخر کارنامہ ہے جہاں علم اور سائنس کی دنیا میں ایک غلغلہ بلند ہوا ہے، وہاں بعض حلقوں میں اس پر حیرت اور تعجب کے بلے جلے جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مذہب کا عمیق مطالعہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض سطحی اذہان شکوک و شبہات کے شکار ہوئے۔ کہ سائنس کے ان نت نئے اکتشافات اور محسوسات کے اس مشاہدہ اور تجربوں میں اسلام کہاں تک ساتھ دیتا ہے۔ اور کیا تسخیر کائنات کی یہ لائق تہنیتی کامیابیاں اور یہ برق رفتار پیش قدمیاں اسلام کے کسی اصول سے ٹکراتی تو نہیں؟ اور اس عالم کائنات و مادیات کے بارہ میں اسلام کا کوئی ایسا متواتر نظریہ یا عقیدہ تو نہیں جو انکشاف اور تسخیر کے کسی کارنامہ سے جوڑ نہ کھاتا ہو؟ — آج کی فرصت میں ہم اس نقطہ نگاہ سے تسخیر

کائنات اور سائنس کے دیگر کارناموں کا جائزہ لیتے ہیں۔ تاکہ ایک طرف ان شکوک و شبہات کا ازالہ ہو سکے جو اذہان کی ناپختگی کی وجہ سے اسلام کے بارہ میں پیدا ہو رہے ہیں۔ اور دوسری طرف اس احساس کہتری کا ازالہ بھی ہو جن کے شکار بعض حضرات ان کارناموں کی پُر فریب چمک دمک کی وجہ سے ہو رہے ہیں۔ اور بالآخر یہ احساس ان اسلامی اذہان و قلوب کو اپنے مذہب کے بارہ میں مایوسی اور افلاس، غیروں کی ذہنی غلامی، اور فکری مرعوبیت میں مبتلا کر کے رکھ دیتا ہے۔

مذہب اور سائنس کے حدود کار | جہاں تک مذہب اور سائنس کے باہمی ٹکراؤ اور تضادم کے خدشات اور وسوس کا تعلق ہے عقل و فہم کی اس کج روی اور فہم و نظر کی اس گمراہی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان اذہان میں مذہب اور سائنس کے دائرہ کار اور حدود و رفتار کا تعین نہیں ہو سکا۔ حالانکہ مذہب اور سائنس کی راہیں بنیادی طور پر جدا جدا اور دونوں کے دائرے الگ الگ ہیں۔ سائنس تحقیق اور علم و انکشاف کا سر و کار اس عالم محسوسات و مادیات سے ہے۔ جو کسی طرح بھی ہمارے حواس و مشاہدات میں آسکتے ہیں۔ اور مذہب کی ساری جولانی غیب کی اس دنیا میں ہے جو ہمارے محسوسات سے وراء الورد ہے، وہ ہمیں اس دنیا کی حقیقتوں کی خبر دیتا ہے۔ جہاں تک ہمارے عقل و ادراک اور احساس و شعور کی رسائی قطعی ناممکن ہے۔

فطری تجسس | مذہب ہمارے ان سوالات اور گتھیوں کا حل پیش کرتا ہے جس کے سلجھانے سے سائنس اور فلسفہ، علم و شعور کی طاقتیں داماندہ اور درماندہ ہو جاتی ہیں عالم کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا رخانہ ہست و بود کی یہ ہنگامہ آریاں کہاں جا کر ختم ہوں گی؟ اس عالم آب و گل کی تخلیق کیونکر اور کس مقصد کے لئے ہے؟ پھر اس کائنات کی وہ جوہری ہستی جسے ہم "انسان کے نام سے پکارتے ہیں جسم و مادہ کے اس کارخانہ اور قدرت کے ان لامتناہی خزانوں پر کیونکر قابض و حاوی ہے؟ اور بالآخر تسخیر و غلبہ کی یہ

توت و طاقت جسم و خون سے بنے ہوئے اس عالم اصغر (چھوٹے عالم) انسان کے
ہاتھوں میں کیوں اور کس مقصد کیلئے ودیعت کی گئی ہے؟ عقل و فکر ان سوالات کے
جواب دینے سے قاصر ہے۔

سائنس کی درماندگی اور سائنس انوکھا اعتراف
سائنس و تحقیق کا عالم انسانی جبلت کے ان فطری
مطالبات کا جواب نہیں دے سکتا۔ اسے خود اپنی
عجز و درماندگی کا اعتراف ہے۔ اور التشاف و انکشاف کی اس دنیا کا بڑے سے بڑا فلسفی
اور مجدد، اسباب و مسببات کے معجز حل کرنے والا بڑے سے بڑا محقق بھی بانگ دہل
اپنے تصور اور لاعلمی کا اعلان کر رہا ہے کہ :

”کائنات کے آغاز و انجام تک مشاہدے کی رسائی نہیں ہے، اس لئے ہمارا
دائرہ کار ان دونوں سے الگ الگ ہے۔“ (فرانس کا مشہور ماہر سائنس پروفیسر لٹری)
اس دنیا کا ایک دوسرا شہسوار جے ڈبلیو این سلیمون کتنی صفائی سے اقرار کرتا ہے کہ زندگی
جو انسان کی سب سے زیادہ قریب حقیقت ہے، سائنس اسکی کیفیت و نوعیت اور
ماہیت و آغاز کے ادراک سے قاصر ہے :

”اور انسان کے گہرے مسائل سائنس کی سرحد سے باہر واقع ہیں۔ سائنس تو
محض ایک ابتدائی کوشش ہے، اور اسکی تمام سچائیاں ”شروط ہیں“ (برہان ۱/۲)
”بہت سے سائنسدانوں نے زندگی کے آغاز کا پتہ لگانے کی کوشش کی
ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اب تک اس کے متعلق کوئی قطعی علم حاصل نہ ہو سکا۔“
تھامس ہنری ہیکلے مزید وضاحت سے عقل و سائنس کے اس بے دست و پا ہونے پر
روشنی ڈالتا ہے :-

”جب ہم پچھلے زمانہ کی طرف مڑ کر دیکھتے ہیں تو ہمیں زندگی کے آغاز کا
کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں ہوتا اور ہم اس ظہور کی کیفیت پر قطعی رائے قائم

نہیں کر سکتے۔

انہی کے ہم نام جو لین کسلے کو اقرار ہے کہ :

”ہم صرف مظاہر تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور جہاں تک سائنٹفک تحقیقات کا تعلق ہے، ہمارا علم صرف مظاہر کی تشریح اور ترجمانی کرتا ہے۔ سائنس کی حقیقت آزادانہ تحقیقات اور تجربات میں مضمر ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے اصول و مبادی غیر متغیر ہیں۔ اس میں حذف و اضافہ و ترمیم کا ہر وقت امکان ہے۔ (برہان ص ۲۴ ج ۶ ش ۱)

کسلے کے اس قول کے خط کشیدہ الفاظ خاص طور سے اس حقیقت کی غمازی کر رہے ہیں کہ استدلال و فلسفہ کی بنیاد پر کھڑے کئے گئے اصول و مبادی کتنے کمزور اور بے تمکین ہوتے ہیں، پھر زندگی کے فطری سوالات اور حقائق کی رہنمائی ان تغیر پذیر نظریات و مبادی سے کس طرح ممکن ہے؟

کائنات کی حقیقت اور سائنس کی اصول و نظریات کی یہی بے ثباتی اور کمزوری ہے کہ جب بھی سائنس کی دنیا میں کائنات کی حقیقت اور ماہیت کے بارے میں سوچا گیا تو اس کی بنیادوں میں تزلزل پیدا ہوا، جہل اور لاعلمی کی آندھیاں اٹھنے لگیں اور اعلان کیا گیا کہ :

”ہمارے دماغ کی فطری ساخت ہی اشیاء کی ماہیت اور کیفیت کے ادراک سے عاجز ہے ہم صرف کمیّت کا ادراک کر سکتے ہیں۔ کیفیت کا نہیں (پروفیسر کلیئر برہان ج ۶ ش ۱)

پروفیسر ٹنڈل نے سمجھانے کے لئے گھڑی کی مثال دیکر سائنس کے حدود اختیارات کا تعین کیا اور کہا کہ :

”مجسّمہ یہی حال واقعات و حوادث فطری کا ہے۔ عالم کی اس مشین کے اندر بھی

ایک مخفی مشین کا رہا ہے۔ اور ایک خزانہ قوت ہے، جو اس مشین اور ذخیرہ قوت سے پردہ ہٹا کر یہ بتاتا ہے کہ واقعات و حوادث اپنی دنوں کے باہمی تعلق کا نتیجہ ہیں۔ لیکن کارخانہ عالم کی یہ اندرونی مشین خود کیا ہے؟ یہ کیسے بنی؟ اور اس گھڑی کو کس نے کوکا —؟ اور اسکی چلانے والی قوت کہاں سے آئی؟ یہ وہ سوالات ہیں، جن کا جواب سائنس کے بس سے باہر ہے۔

(از مولانا مناظر احسن گیلانی ص ۲۸)

لاریب کہ عالم سائنس کسے یہی شہباز آج خلا کو مسخر اور نظام شمسی کے بڑے سے بڑے اجرام کو زیر کر رہے ہیں، مگر زندگی کے وہ فطری حقائق جن کے سمجھنے اور پانے سے خدا و آخرت پر ایمان لانے والا کوئی شخص بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ نہ ہر وہ شخص جس کے سر میں انسانی دماغ ہے، گو بر نہیں۔ اس کے تسلی بخش حل سے مستغنی ہو سکتا ہے۔ سائنس، اختراع اور ایجاد کی دنیا اس بارہ میں کوئی رہنمائی نہیں کر سکی۔ اور پکار پکار کر کہا جا رہا ہے کہ: "سائنس کسی چیز کی بھی کمال تو جیہہ نہیں کر سکتی نہ اس کے اسباب اول تا آخر بتائے جاسکتے ہیں، کیونکہ انسان کا اعلیٰ سے اعلیٰ علم بھی تاویل و توجیہ میں آغاز اشیاء کی طرف چند قدم آگے نہیں بڑھ سکا۔" (یکسٹ)

اسی یکسٹ نے عالم سائنس کے بنیادی اصول و مباحث، سلسلہ علت و معلول ازرجی الیکٹرون سالمات (اجزاء لا تجزئی) وقت اور زمانہ کی گتھیاں سلجھانے میں ایک زندگی کھپا دی۔ مگر بالآخر اسباب و مسببات کے درمیان زمین و آسمان کے قلابے ملائے اور عقل نارسا کے گھوڑے دوڑانے کے بعد اسے بر ملا اپنی کتاب اصول و نتائج میں اعتراف کرنا پڑا کہ:

"وجود کی علت اولیٰ کا مسئلہ میرے حقیر قوتوں کی دسترس سے باہر ہے۔ اس باب میں جتنی لایعنی ہرزہ سرائیاں پڑھنے کا موقعہ مجھے ملا ان میں سب سے

بدتر ان لوگوں کے دلائل ہوتے ہیں۔ جو آغازِ عالم کے متعلق موشگافیاں کرتے ہیں۔

مگر ان لوگوں کے مہملات ان سے بھی زیادہ بڑھ جاتے ہیں، جو یہ ثابت کرنا

چاہتے ہیں کہ کوئی خدا نہیں ہے۔ (الدین القیم)

یہ صرف چند نمونے اور اقتباسات ہیں جن سے عینب اور غیر محسوس عالم کے بارہ میں سائنس کی در ماندگی اور زندگی کے فطری تقاضوں اور سوالات سے اس کے فرار دگریز پر روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مذہب اور سائنس کے دائرے قطعی جدا ہیں، ان میں تعارض و تصادم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا خوب فرمایا ایک بالغ نظر فلسفی اور صاحبِ دل عالم نے کہ: "اگر خشکی کی ٹرین سمندر کے جہاز سے ٹکرا سکتی ہے۔ تو سائنس بھی مذہب سے ٹکرا سکتی ہے۔"

غرض آج جن لوگوں کو سائنسی کارناموں سے مذہب کی بنیادیں گرتی اور رزقی معلوم

ہو رہی ہیں۔ یہ ان کی اپنی نظر کی کوتاہی اور عقل کے فتور کی دلیل ہے۔

برچہ حقیقت اگر ماند پر دہ

جرم نگاہ دیدہ صورت پرست ماست

اقلیم مذہب کی حدود اور وسعتیں | مشاہدات و محسوسات کی وہ آخری سرحد جہاں

سائنس ہمیں بے یار و مددگار ظلمتِ بعضنا فوق بعض۔ (تہ بہ تہ اندھیرے) کے عالم

جہل و بے خبری میں چھوڑ کر الگ ہو جاتی ہے۔ ٹھیک وہاں سے اقلیم مذہب کی حدود کا

آغاز ہوتا ہے، جسکی پنہائیاں لامحدود ہیں، اور جسکی وسعتیں علم و ہدایت، فکر و فہم، عقل و خرد

کے تمام خزانوں کو سمیٹی ہوئی ہیں، جہاں ظلم و جہل نام کی کوئی شے موجود نہیں، نور ہی نور ہے۔

علم حقیقی کی ضیا پاشیاں اور قدرت و فطرت کے اہل اصول اور لازوال مبادی کی فرمانروائیاں

ہیں۔ فطرۃ اللہ التي فطر الناس علیہا لا تبدل الخلق اللہ ذلک الدین القیم و لکن

اکثر الناس لا یعلمون۔ جس سرحد پر محسوسات و مشاہدات کا علم ہمیں حیران و سرگردان

چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے۔ وہاں سے مذہب آکر ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اور انسانی فطرت کے سوالات کے جوابات دیتا ہے۔ ہمیں تخلیق کائنات اور انسانی پیدائش کے مقاصد سے روشناس کرانا اور شکوک و شبہات کی تمام گتھیاں سلجھا کر انسانی قلوب و اذہان کو سکون و اطمینان کی نعمت سے مالا مال کر دیتا ہے۔

تسخیر کائنات میں مذہب کی رہنمائی | زندگی کی حقیقت اور عالم کے آغاز و انجام کے بارے میں انسانی رہبری کے بعد مذہب ہمیں سکھاتا ہے کہ یہ زندگی کن خطوط پر بسر ہونی چاہیے، اور قدرت نے تسخیر و غلبہ کی جو استعداد انسان کو دی ہے، اسے کن مقاصد میں لگانا چاہیے؟ مذہب کہتا ہے کہ شہادت و محسوسات کی یہ ساری کائنات اُن اعلیٰ مقاصد کے حصول کا وسیلہ ہے، جس کی بنیاد پر عالم کے اس جسم صغیر انسان کو پوری کائنات پر مہیقت دی گئی اسے اشرف المخلوقات یہاں تک کہ اسے خلافتِ ربانی کے آخری مقام عروج پر فائز کیا گیا، مذہب کہتا ہے کہ اس زندگی کو جس کے ادراک سے ہماری سائنس و عقل قاصر تھی، آخرت اور ایک ابدی زندگی کا ذریعہ بناؤ اور اس طرح بقائے دوام اور لافانی ہونے کی وہ فطری خواہشیں حقیقی معنوں میں پوری کر دو جس کا دلولہ اور تڑپ تمہارے خمیر میں شامل ہے۔ مذہب ہمیں ہرگز ان تسخیری قوتوں کو کام میں لانے سے نہیں روکتا جو ہماری شریعت میں قدرت کے دستِ فیاض نے رکھیں، وہ کہتا ہے کہ تم ستاروں کو گن سکتے ہو آفتاب و قمر کو زیر کر سکتے ہو، پہاڑوں کو چیر سکتے ہو۔ ہواؤں اور سمندروں کو مغلوب کر سکتے ہو زمین و آسمان کی وسعتیں سمیٹ کر اپنی مٹھی میں لا سکتے ہو۔ تیز رفتار اور دیوہیکل بے جان اجسام کو خلائی سیارہ، جہاز، ریل اور بحری بیڑے کی شکل میں دوڑا سکتے ہو کائنات کے عناصرِ اربعہ کی حقیقتیں اور ماہیتیں بدل سکتے ہو۔ یہاں تک کہ ان کائنات سے ایٹمی توانائیوں کی صورت میں قوت اور طاقت کی لامحدود دولت حاصل کر سکتے ہو۔ تمہارے سب سے آسان ہے کہ پہاڑوں کے جگہ نشن کر دو اور خلا کی پنہائیاں چیر ڈالو اور ممکن ہے کہ تم زمین کے

علاوہ زہرہ و ماہتاب اور نظام شمسی کے دیگر سیاروں کو بھی اپنا مسکن اور جولا نگاہ بنا دو کہ یہ سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا گیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دجالی تہذیب کے کامل ارتقاء و عروج کے زمانہ میں تمہاری یہ تخلیقی قوت اور اختراعی صفت درجہ کمال تک پہنچ جائے۔ تم بادل برساؤ اور مصنوعی صورتوں سے احیاء اموات پر بھی قادر ہو جاؤ۔

بہت سے دعووں کی تائید و توثیق | مذہب اس دن کے انتظار میں ہے۔ کہ تم یہ

سب کچھ کر سکو کہ اس کے بہت سے دعوؤں کی مزید توثیق و تصدیق تمہارے ان سائنسی کارناموں پر موقوف ہے۔ اس طرح اخبار غیب اور رجال غیب کے وہ سارے دعوے اور حقیقتیں تم پر عیاں ہو سکتی ہیں، جسے تم اپنے ماؤف دل و دماغ اور مفلوج ذہن کی بناء پر ناممکن اور محال سمجھتے تھے۔ وہ حقیقتیں اور خوارق عادات جس کا مظاہرہ اس کائنات کے خالق نے غیبی اسرار کی مناد شخصیتوں انبیاء و رسل کے ہاتھوں کر لیا تھا۔ تم آج سائنس اور صنعت، ڈاکٹ اور میزائل کے سہارے غلاؤں کے میدان میں اتر رہے ہو۔ ہم نے مان لیا کہ صدیوں کا گد و کاوش کے بعد آج تمہاری رسائی ملاء سے پار کی دنیا تک ہو رہی ہے۔ رسول کریم اور عروج و پرواز کی منزلیں | مکر کیا آج سے چودہ سو سال قبل مخلوقات میں خلافت الہیہ کے سب سے عظیم منظر انسان نے محمد عربی فداء ابی دمی کی شکل میں عروج و پرواز کی یہ ساری منزلیں پلک جھپکنے میں طے نہیں کی تھیں۔؟ ولقد رای من آیات ربہ الکبریٰ۔

وہ جو خود انسانی ارتقاء و عروج کا آخری نقطہ معراج تھا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ جو چاند اور ستارے تو کیا آسمانوں اور ملکوتی کائنات کی ساری بلندیوں سے بھی پرے پہنچ گیا۔ جہاں دنیا کی سب سے بڑی محرم راز اور طاقتور ہستی جبریل امین کی رسائی بھی ناممکن تھی۔ ملا اعلیٰ کے اس اسراء و معراج میں نہ تو انہیں کسی جسمانی قوت و طاقت کی ضرورت پیش آئی۔ اور نہ اس عالم مادیات و مشاہدات کی کسی مادی قوت نے ان کی دستگیری کی۔ پھر یہ اسلام اور

مذہب ہی تو تھا جس نے انسانی عروج و استیلاء اور معراج و ارتقاء کی ایسی جیتی جاگتی تصویر محمد عربی کے معراج کی شکل میں صدیوں قبل دنیا کے سامنے رکھ دی تھی۔ کائنات کا اتنا قدیم تصور اور اس کے دائرہ امکان میں ہونے کی تعلیم کسی دوسرے مذہب، نظریہ اور تھیوری نے اس سے پہلے نہیں دی تھی۔ یہ علامان تجربہ و سائنس اور بیندگان عقل تو اب تک اس کا مذاق اڑاتے رہے، اور زندگی کی تمام حقیقتوں اور آغاز و انجام کے خدائی تقاضوں اور حکمتوں کی طرح اسکی بھی تکذیب کی۔ بلے کذبوا بآلام محیطوا العلم۔

تسخیر مخلوقات معرفت خالق کا ذریعہ | الغرض قدرت نے ہمیں پوری فیاضی سے اس کائنات سے نائدہ اٹھانے کا اختیار دیا۔ کہ زندگی کے فطری سفر میں جو بھی رکاوٹ تمہارے سامنے آئے اسے زیر و زبر کر دو۔ مگر ہاں! زندگی کے کسی لمحہ اور کسی ثانیہ میں اس حقیقت سے غافل مت ہو کہ تمہاری یہ تمام قوتیں اور توانائیاں کسی غیر کی کرم نوازیوں کا نتیجہ ہیں۔ ایک وراء الراء ہستی ہے جس نے تمہیں عقل و خرد کی نعمت سے نوازا اور تسخیر و تصرف کے یہ راستے سمجھائے اس نے اپنی بے مثال فضل و کرم سے تمہیں عقل کی دولت دی، استنباط و استخراج کی نعمت سے نوازا جس کے ذریعہ تم کائنات کو اپنی جولانی اور تصرف کی آماجگاہ بنائے ہوئے ہو۔ عقل انسانی اور شعور و ادراک کا یہ ”جوہر“ اُسی کا عطا کردہ ہے، جس کے ذریعہ تم عناصرِ اربعہ کی باہمی تحلیل و ترکیب کر کے طاقت کے لازوال خزانوں پر قابض ہو گئے ہو۔ اگر اس کے فیض و کرم کی کرشمہ سازیاں نہ ہوتیں اور اس نے اس قیمتی ”جوہر عقل و فہم“ سے تمہیں نہ نوازا ہوتا تو تم اس کائنات کی سب سے حقیر و ناتواں مخلوق ہوتے کہ اس کائنات میں عقل و خرد سے عاری مخلوق ہاتھی اور بیل وغیرہ جسم و عناست کے لحاظ سے تم سے بدرجہا بڑھ کر ہیں۔ پھر وہی رب ہی تو ہے جس نے عقل و خرد اور خلقتِ ربانی کی نعمتوں سے تمہیں نوازا کہ اس کائنات کو تمہارے لئے مسخر کر دیا۔

ولقد کرّمنا بنی آدم و جعلناہم
اور البتہ ہم نے بنی آدم کو فضیلت

فی البر والبحر ورزقناهم من
الطیبت وفضلناهم علی کثیر
ممن خلقنا تفضیلاً۔
دی اور خشکی و تری دونوں کی قوتیں
اسکی تابع کر دیں کہ اسے اٹھائے پھرتی
ہیں اور اچھی چیزیں اسکی روزی کے

لئے پیدا کر دیں نیز جو مخلوقات ہم نے پیدا کی ہے ان میں سے اکثر پر اس کو برتری دی۔
هو الذی خلق لکم ما فی الارض
اللہ وہی ذات ہے جس نے زمین
کے بیج ہر چیز کو تمہارے لئے پیدا کیا۔
جمیعاً۔

تسخیر و انکشاف اور قرآن | غیب کی راہیں سمجھانے والا یہ آخری صحیفہ غیب کہتا
ہے کہ یہ تو خدا ہی ہے جس نے انسان کو تمام مخلوقات کی حاکمیت عطا فرمائی اور سفلیات
تو کیا عالم بالا کے شمس و قمر تک بھی تمہارے زیرِ کردئے۔

اللہ الذی خلق السموات والارض
وانزل من السماء ماء فاخرج
به من الثمرات رزقا لکم و
سخر لکم الفلك تجری فی البر
بامره و سخر لکم الاعمهر و سخر
لکم الشمس والقمر و ابین
وسخر لکم اللیل والنهار و اتاکم
من کل ما سألتموه وان تعدوا
نعمۃ اللہ لا تحصوها ان الانسان
لظلوم کفار۔
اللہ وہ ہے جس نے بنایا آسمان و زمین
اور اتارا آسمان سے پانی پھر اس سے
نکالی روزی تمہاری میوے۔ اور
سخر کیا تمہارے لئے کشتی کو کہ اس
کے حکم سے دریا میں چلے اور کام میں
لگایا تمہارے لئے ندیوں کو سورج کو
اور چاند کو ایک خاص دستور و نظام
کے مطابق اور کام میں لگا دیا تمہارے
لئے رات اور دن کو اور دیا تم کو ہر
چیز میں سے جو تم نے مانگی اور اگر گنوں

اللہ کے احسانات نہ پورے کر سکو بیشک آدمی بڑا بے انصاف ہے ناشکرا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں ساری مخلوقات سے زیادہ محتاج بنا کر بھی کائنات کی ہر چیز کو

خواہ سفلی ہو یا علوی تمہاری بیگاری میں لگا دیا۔

الم تر و ان الله سخرکم ما
فی السموت والارض واسبع
علیکم نعمۃ ظاہرۃ و باطنۃ
(پ آیت ۲)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں
میں اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب
کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے کام پر لگا
رکھا ہے۔ اور تم پر اپنی ظاہری اور

باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔ (ترجمہ: مولانا احمد علی لاہوری)

والانعام خلقھا لکم فیھا دف
ومنافع ومنھنا کھون و لکم
فیھا جمال حین ترمحون و
حین تشرحون وتحمل
الثقالکم الی بلدکم تکلون بالغبیہ
الالبشقۃ النفس ان ربکم
لرؤف رحیم (القولیم)
و یخلق ما لا تعلمون
اور اس نے تمہارے لئے چار پائے
پیدا کئے جن میں تمہارے لئے گرم
کرنے والی پوشاک اور طرح طرح
کے فائدے ہیں۔ اور ان میں سے
بعض کو تم کھاتے ہو اور ان میں تمہاری
نگاہوں کیلئے جمال و زینت بھی ہے
جب تم انہیں صبح و شام گھومنے
پھرنے پھوڑتے ہو۔ اور یہی جانور
تمہارا بوجھ ایک شہر سے دوسرے تک لے جاتے ہیں کہ تمہارے بس میں وہاں

لے نیز ملاحظہ ہو۔ وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمیٰ پ۔

وسخر الشمس والقمر ایقولن الله پ۔ آیت ۶۱۔ الم تر ان الله سخرکم ما فی الارض
والفلک تجری بامرہ پ۔ ۶۵ وسخرکم الانهار۔ پ۔ وسخرکم اللیل والنہار الشمس
والقمر والنجوم مسخرات بامرہ ان فی ذلک لآیت لقوم یعقلون پ۔ آیت ۱۴۔
وهو الذی سخر البحر (الی قولہ) لعلکم تشکرون پ۔ آیت ۱۴۔ وسخر الشمس والقمر
کل یجری لاجل مسمی وان الله بما تعملون خبیر پ۔

پہنچنا تھا، مگر بڑی مشقت کے ساتھ بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا شفقت اور رحم والا ہے۔ الخ پھر وہ بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے جنکی تمہیں خبر نہیں۔
 کیا آیت بالا کا آخری ٹکڑا و مخلوق مالا تعلمون۔ انکشافاتِ معاصرہ اور موجودہ دور کی نت نئی اختراعات کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔؟

نعمتِ تسخیر کا حق اور تقاضا | ان آیاتِ بنیات سے یہ حقیقت بخوبی عیاں ہوتی ہے کہ انسان کے یہ تسخیری کارنامے منشاء قدرت کے خلاف نہیں ہیں۔ اور نہ اسلام تمہیں اس سے روکتا ہے۔ بلکہ جگہ جگہ تفکر اور تدبیر و تفہیم کی خاطر ہمیں اس کائنات کی وسعتوں میں غور و فکر اور سیر فی الارض کی دعوت دیتا ہے، اور چاہتا ہے کہ ہم اس عالمِ مشاہدات کے انفسی اور آفاقی آیات کو اس کے خالق کی پہچان اور ان قوتوں کو اسکی مرضیات کے حصول کا ذریعہ بنائیں۔ تمہاری یہ ”خلانوردیاں“ اسکی عظمت و قدرت کی پہچان کا ذریعہ بنی پائیں۔ اور ہر نئے انکشاف و اختراع اور ایجاد و ادراک کے وقت تمہارا رُواں رُواں اسکی کبریاپی میں ڈوب جانا چاہئے۔ کہ اس نے تمہارے آرام و آسائش کی خاطر نعمتوں کی ایک دنیا بسا دی اب تمہارا فرض ہے کہ اس کی حمد و ستائش کے گیت گاتے ہوئے اسکی نعمتوں کو ٹھکانے لگا دو۔ یہ چاند اور سورج تو اس کے انعامات و اکرامات کا ایک ذرہ ہے۔ اور اس طرح اس عالم کا ہر ذرہ انسانیت کے ابدی فلاح، دائمی امن اور بقاء کا وسیلہ بننا چاہئے نہ کہ تمہاری یہ سائنس و تحقیق اس کی عظمتوں سے غفلت و انکار، اور اسکی نافرمانی و سرتابی، اس دنیا کی مخلوقات پر ظلم و تعدی کا ذریعہ بن جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ایجادات تمہاری بھیمی و حیوانی جبلت کی وجہ سے عالم کی تباہی و بربادی اور مخلوق کی ویرانی اور بربادی کا سبب بن جائیں۔
 — بلکہ :

پھر جب اس پر تمہارا تسلط ہو جائے
 تو اپنے رب کا احسان یاد کرو۔ اور

ثم تذکر النعمة ربکم اذا
 استویتم علیہ و تقولوا

سبحان الذی سخر لنا هذا
کہو کہ پاک ذات ہے وہ جس نے
وما کنالہ مقرفین وانا الی
اس کو ہمارے بس میں کر دیا امد ہم
ربنا المنقلبون -
ہرگز اس کو اپنے قابو میں نہ لاسکتے

تھے۔ (اگر اسکی رہنمائی و مددگیری نہ ہوتی۔) بالآخر ہم سب کو اسکی طرف لوٹنا ہے۔

کذلک سخرناہا لکم لتعلم
اللہ نے انہیں تمہارے لئے ایسا
تشکرون -
سخر کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔

کذلک سخرناہا لکم لتکبروا
اس طرح انہیں تمہارے تابع کر دیا تاکہ

علی ماہداکم
تم اللہ کی بزرگی بیان کرو کہ اس نے

تمہیں ہدایت کی — (ترجمہ: حضرت مولانا لاہوریؒ)

چاند تک رسائی اور اسلام کا موقف | الغرض سائنسی کارناموں یا چاند اور سورج کی

تسخیر کے بارے میں اسلامی تعلیمات میں کوئی ایسی تصریح نہیں پائی جاتی جس سے ان چیزوں
کی نفی ہوتی ہو۔ سورج اور چاند کا کسی خاص آسمان میں ہونا یا دیگر سیارات کیلئے آسمانوں سے
اوپر یا پانچویں یا چھٹے آسمان کے تعین کے جو اقوال مشہور ہیں وہ فلسفہ یونان یا بطلیموسی علم

ہیئت، یا اسرائیلی روایات پر مبنی ہیں۔ البتہ قرآن و سنت سے آسمانوں کا وجود ان کا ذمی جرم

ہونا ان میں دروازوں، گذرگاہوں کا پایا جانا، ان کا مختلف منازل و درج پر تقسیم ہونا ثابت

ہے۔ اکابرین اسلام میں حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ کی روایات میں تصریح پائی جاتی

ہے۔ کہ نظام فلکی کے تمام سیارے شمس و قمر سمیت قنادیل معلقہ (ٹکے ہوئے فانوسوں)

کی مانند آسمانوں کے نیچے موجود ہیں۔ اور آسمانوں کا مقام ان تمام سیاروں سے اوپر ہے۔

طبعیاتی علوم اور امام غزالیؒ کی اصولی بات | باقی ان علوم کے بارہ میں اصولی بات

لہ النجوم قنادیل معلقة بین السماء والارض بسلاسل من نور بامیدی الملائکۃ۔

(روح المعانی ج ۵ ص ۵۱۵)

وہی ہے جو امام غزالیؒ نے اپنی خودنوشت واردات و تاثرات المنقذ من الضلال میں ارشاد فرمائی کہ ریاضیات، منطقیات، طبیعیات وغیرہ کا مذہب سے نفیاً و اثباتاً کچھ بھی تعلق نہیں۔ اور نہ مذہب کے اثبات کے لئے ان کے انکار کی ضرورت ہے۔ ان طبیعیاتی علوم کے بارے میں (جس میں عالم سماوات و کواکب، عناصر اربعہ اور اجسام مرکبہ و مفردہ سے بحث ہوتی ہے) ہمیں یہ اصولی بات یاد رکھنی چاہئے کہ طبعیت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہ خود مختار نہیں جو لوگ ان علوم کی باریکیوں سے مرعوب ہو کر یہ خیال کرتے ہیں کہ علوم غیب و حقائق میں بھی ان لوگوں کی مہارت کا یہی حال ہوگا وہ غلطی پر ہیں۔

امام غزالیؒ ایک طرف علماء طبعیات کے ان کارناموں سے مرعوب اذہان اور ان کی تقلید میں دین کے انکار اور استخفاف کرنے والوں پر سخت گرفت کرتے ہیں۔ تو دوسری طرف ان سطحی اذہان پر بھی تنقید کرتے ہیں۔ جو ہر نئی دریافت اور مادی اکتشاف کو اسلام سے متصادم سمجھ کر اس کے ماننے سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ حجة الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں :

طبعیات سے مرعوب ہونے کی طرح یہ بھی	الافتة الثانية نشأت من صديق
ایک بڑی آفت ہے کہ اسلام کے بعض	للاسلام جاهل ظن ان الدين
نادان دوست فلاسفہ اور علماء طبعیات	ينبغي ان ينصروا انكار كل علم
کی ہر نئی دریافت اور نظریہ اور ان کے	مشوب الهم فانكر جميع علومهم
ہر دعویٰ کی تردید اپنا فرض اور اسلام کی مدت	وادعى جهاهم فيها حتى انكروا لهم
سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ طبعیات کے سلسلہ	في الكسوف والخسوف وزعم ان
میں سورج گرہن چاند گرہن تک کے بارے	ما قالوا خلاف الشرع فلما قرع
میں انکی باتوں کو خلاف شرع اور مذہب	ذلك بسبع من عرف ذلك
سے متصادم سمجھ کر ٹکرا دیتے ہیں اسکا مہر	بالبرهان القاطع لم يشك في

برہانہ ولكن اعتقد ان الاسلام
مبنى على الجمل والكار البرهان
القاطع فيزداد للفلسفة حباً و
للاسلام بغضاً ولعند عظمى الدين
جانية من ظن ان الاسلام ينصر
بانكار هذه العلوم وليس في
الشرع تعرض لهذه العلوم
بالنفي والاثبات ولا في هذه
الامور تعرض للامور الدينية۔
پہلو یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ان نظریات و
اکتشافات کی صداقت کے قائل ہوتے
ہیں۔ اور مضبوط دلائل سے ان کے
چیزیں مسلم ہو چکی ہوتی ہیں۔ ان کا اعتقاد
خود اسلام کے بارہ میں متزلزل ہو جاتا ہے۔
(اور معاذ اللہ) وہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ
اسلام کی بنیاد جمل اور مشاہدات سے انکار
پر ہے۔ پھر بجائے طبعیات کے انکار
کرنے کے اسلام سے ان کی بدگمانی بڑھ
جاتی ہے۔ ان لوگوں کی اسلام کے بارے میں یہ بڑی جسارت ہے جن کا گمان ہے کہ
اسلام ان علوم کے انکار کی حوصلہ افزائی کرتا ہے حالانکہ شریعت کو نہ تو ان اشیاء
کا ثبوت مطلوب ہے اور نہ انکار مقصود اور نہ ان علوم و تحقیقات میں دینی اصول
کو تعرض ہو سکتا ہے۔ (المنقذ من الضلال للغزالی ص ۱۸)

حسن و قبح کا دار و مدار مقاصد اور استعمال پر ہے۔ | یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے
بخوبی واضح ہوا کہ سائنس کے کسی بڑے سے بڑے کارنامے کا مذہب کے کسی پہلو پر زد نہیں
پڑتی۔ پھر اسلام جیسا دین فطرت —! جو اپنے بنیادی اصول و ارکان روح اور مزاج اور
مقاصد میں ذرہ بھر ترمیم و تبدیلی کا روادار نہیں۔ اس کے مبادی اور اغراض لافانی اور اس کے احکام
و قوانین اٹل ہیں۔ ناممکن ہے کہ یہی ملت حنیفیہ سائنس و علم اور نظریات کے کسی چیلنج کو قبول
نہ کر سکے وہ ان مادی ترقیات کی مخالفت نہیں کرتا بشرطیکہ اس فانی کائنات میں تمہارا یہ تنگ و تنگ
مقاصد و مبادی اور انجام سے بے فکر کسی کا باعث نہ بنے اور تم وسائل و ذرائع کو زندگی کا مقصد
نہ ٹھہراؤ۔ یہ چیزیں بذات خود نہ خیر ہیں نہ شر۔ اگر تمہاری یہ تسخیری قوتیں عالم کی فلاح و نجات

کی باہمی اخیر خواہی و ہمدردی، حقیقتِ انسانی کی پہچان کا ذریعہ اور حصولِ آخرت کا وسیلہ بنتی ہیں تو ان کی خوبی کے کیا کہنے۔ اور اگر تمہارے یہ ایجادیں و اختراعی کارنامے دنیا کے مختلف ممالک کی تباہی اور بربادی عالم کی تخریب کاری اور انسانیت کی پریشان حالی، ایک دوسرے کو مغلوب و مغہور کرنے اور صفحہ ہستی سے مٹانے کا باعث بنتے ہیں — اور جیسا کہ دو عالمی لڑائیوں سے لیکر اب تک ان اشیاء کے استعمال سے ثابت ہو رہا ہے۔ تو تمہاری یہ سائنس و تحقیق اور یہ شبانہ روز کوشش صرف اس جذبہ حیوانیت اور درندگی کی تسکین اور اس وحشت و بربریت کا ظہور ہے جو خدا اور نوا میں فطرت سے غفلت و انکار مادیت کو منہائے حیات بنانے کے بعد ان انسان نما جسموں کو وحشی درندوں اور چوپائیوں سے بھی ذلیل و خوار بنا دیتا ہے۔ اولٹ کا لانعام بل ہم اصلے۔ اگر تمہارا مقصد ان غلامی فتوحات سے زمین کے رہے سہے چین و سکون کو تباہ کر کے اپنے سامراجی اور حیوانی ارادوں کو پورا کرنا ہے۔ تو کائنات کی ملکوتی طاقتیں تمہاری ان کامیابیوں پر لعنتیں بھیجتی ہیں۔ اور پکار پکار کر کہہ رہی ہیں —

تو کار زمین را نکو ساختی کہ بر آسمان بال و پر داختی
پھر خدا کے نزدیک اس غلامی اور ایٹمی دور کے روشن خیال اور آدم نما درندہ سے قرونِ اولیٰ کا وہ غیر مہذب انسان ہزار درجہ بہتر ہے جو غاروں میں رہتا۔ مگر اس کا دل انسانیت کے احترام و فلاح اور خدائی اقدار کی عظمت و تقدیس سے معمور تھا۔

ایجاد و اختراع اور بربادی عالم | ہیردیشما کی دل دوز داستانیں کے بھولی ہونگی صرف ایک دن (۶ اگست ۱۹۴۵ء) کو صرف ایک بم سے جاپان کا یہ عظیم الشان شہر ہیونڈو خاک ہو کر رہ گیا صدر مینوسپیٹی کی رپورٹ کے مطابق اس ایک بم سے دو لاکھ چالیس ہزار افراد ہلاک ہوئے، سینکڑوں میل تک فضا نابکاری ذرات سے زہر آلود ہوئی اور جس کی تاثیر سے بچے ہوئے لوگوں کا خون تحلیل ہوا۔ ان کے بال گرتے رہے اعضاء سکڑ گئے اور رفتہ رفتہ موت

کے گڑھے میں جا گرے (ترجمہ ماذخر العالم) پچھلے ہفتہ فرانس کے مشہور رسالے —
 "پریس مارچ" — میں اس تباہی کی ہلاکت آفرینی کی مفصل رپورٹ شائع ہوئی جس کا ترجمہ
 جنگ مارچ ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ اس رپورٹ کا کہنا ہے کہ "دس لاکھ برسوں کی انسانی
 ترقی پر چند لمحوں میں پانی پھیر دیا گیا۔"

یہی حال دوسرے شہر ناگاساکی کا ہوا۔ یہ تو اس وقت کے ایٹم بم کا حال تھا۔ آج کے
 بیس میگاٹن کا ایک بم ان بموں سے ہزار گنا طاقتور ہے اور اگر یہ بم ایسے شہر پر گرایا جائے
 جس کا رقبہ بیس میل میں پھیلا ہو تو چشم زدن میں یہ ساری آبادی نیست و نابود ہو جائیگی
 برطانوی سائنسدانوں کے اندازے کے مطابق لندن یا نیویارک جیسی گنجان آبادی پر یہ
 ایک بم دو کروڑ انسانوں کو موت کی نیند سلا سکتا ہے۔ امریکی حکام اپنی ایسی دور مار میزائلوں
 کا دعویٰ کر رہے ہیں، جس سے براہ راست چین اور روس کو تباہ کیا جاسکتا ہے۔ حکومت
 روس اعلان کر رہی ہے کہ اس کے پاس ایک سو میگاٹن مائٹروجن بم تیار ہو چکا ہے جو
 روس سے ہزاروں میل دور دشمن کے علاقوں کے ہر صنعتی، اقتصادی اور فوجی مرکز کو
 صفحہ ہستی سے مٹا سکتا ہے۔ اور اس کے مہلک تابکاری اثرات لاکھوں مربع میل کے
 ہر جاندار کو مفلوج کر کے رکھ دیں گے۔

تہذیب جدید کی سائنسی فتنہ سامانیاں | تہذیب جدید کی ان سائنسی فتنہ سامانیوں
 کی تعبیر حضرت اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کی ہے۔

جان ہی لینے کی حکمت میں ترقی دیکھی موت کا روکنے والا کوئی پیدا نہ ہوا
 یہ حال تو ان چیزوں کے اختیاری اور ارادی استعمال کا ہے، غیر ارادی اور تکوینی طور پر ان
 چیزوں کی ہلاکت آفرینی کا حال کیا ہے؟ پچھلے ایک ماہ میں دنیا کی صرف ایک حکومت کے
 ایک دار الخلافہ ٹوکیو میں پے درپے ہوائی حادثوں سے تین سو افراد ہلاک ہوئے، دنیا کے
 مختلف حصوں میں آٹھ دس ہوائی جہاز گر کر تباہ ہوئے۔ امریکہ کا ایٹمی اسلحہ سے لیس ہوائی جہاز

بحیرہ سپین میں گرا اور ایک دنیا کو ہلاکت اور تباہی کے خطرے میں ڈال دیا گیا۔ اس طرح اس درندگی و بہمت کو بھی نگاہ میں رکھتے جس کا مظاہرہ ویٹ نام کی نہتی انسانیت پر کیا جا رہا ہے۔

ایسے ہولناک نتائج کو دیکھ کر ڈاکٹر الفریڈ ایون نے جنگِ عظیم کے بعد کہا تھا کہ ”جنگِ عظیم کے بعد سائنسی انکشافات کے بارے میں میری اچھی توقعات کا خاتمہ ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہی علوم و فنون اور انجینیری کی ساری حکمتیں جس سے انسان کی خدمت کی جا سکتی تھیں انہی اس کے حق میں دشمن بن گئیں اور اسکی وحشت و سنگدلی شقاوت اور بہمت میں ان آلات سے بدرجہا اضافہ ہو گیا۔ تخریب و بربادی کے عظیم الشان انجن ہم جانوروں کے اٹھ آ گئے۔“ ان ترقیات کی نظر فریب حقیقت دوسرے سائنسدان پروفیسر بوڈ نے ان الفاظ میں ظاہر کی کہ ”تم ہوائی جہاز کو فضا کے انسانی پڑاوتے دیکھ کر اس کے موجد کے عزم و بہمت پر عرشِ عرش کرنے لگتے ہو مگر ذرا ان مقاصد کا جائزہ لو جن کے ماتحت یہ ہوائی جہاز استعمال ہو رہے ہیں۔ وہ مقاصد کیا ہیں؟ فضا کے آسمانی سے بہتے انسانوں پر بمباری انسانوں کے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا، زندوں کا گلا گھوٹنا، انسانی جسموں کو جلا دینا۔ زہریلی گیسوں کا پھینکنا یہ مقاصد یا تو احمقوں کے ہو سکتے ہیں۔ یا شیطانوں کے۔“ انما یرید اللہ ان یعذبکم بھافی الدنیا و ترہق النفسہم و ہم کفرون۔ الایۃ ہل یحزرون الا ما کانوا یعملون صدق اللہ خالق الکمل مولانا الکریم۔



چاند اور ستاروں کی تسخیر

سائنس کی دنیا میں پچھلے چند سالوں سے خلائی فتوحات کا غلغلہ ہے، امریکی خلائی جہاز اپالو دہم کے حالیہ تجربہ اور ۲۰ جولائی ۶۹ء کو چاند پر انسان اتارنے کے پروگرام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اس وسیع کائنات کا حسین ترین بیارہ چاند انسانی قدموں کے زیرِ ہوا چاہتا ہے۔ مذہب اور سائنس کے دائرہ کار اور حدود سے لاعلمی طبعیاتی علوم میں ناپختگی اور مذہب سے دوری یا کم علمی کی وجہ سے ان خلائی کارناموں نے بہت سے مسلمانوں کو احساسِ محترمی، مرغوبیت اور شکوک و شبہات میں ڈال دیا ہے۔ آج کی فرصت میں اسلامی نقطہ نظر سے اس مسئلہ پر کچھ اصولی روشنی ڈالی جاتی ہے۔

فطرتِ انسانی کے تجسس کا قابلِ تسلیم جواب | مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ پورا کارخانہ عالم اپنی تخلیق و بقا اور اپنا تسلسل قائم رکھنے میں کسی بے جان مادہ، انرجی، نامعلوم الیکٹرون یا سلسلہ علت و معلول کا منت پذیر نہیں بلکہ یہ نہایت منظم اور پر حکمت کائنات ایک حی و قیوم اور حکیم و علیم صانع کی کرشمہ سازی ہے۔ انسانی فطرت کی اس بارہ میں جو تجسس اور بے چینی ہے۔ اس بے چینی کا یہی ایک سیدھا سادا اور قابلِ تسلیم جواب ہے۔ اس ازلی اور ابدی حقیقت کو چھوڑ کر مقلد اور فلاسفہ قدیم یا عصر حاضر کے ماہرینِ طبیعیات اور سائنسدانوں نے جو بھی راستہ اختیار کیا وہ ایک ایسی سرحد پر ختم ہو کر رہا جہاں انہیں حیرت و اضطراب، فکری انتشار، تضاد بیانی اور بالآخر عجز و درماندگی کے اعتراف کے سوا اور کچھ نہ مل سکا۔

لامحدود کائنات اور سائنسی اعترافات | پھر یہ کائنات صرف وہی نہیں جواب تک ہمارے

علم و ادراک اور مشاہدات کی گرفت میں آچکی ہے بلکہ خداوند قدوس کی خدائی کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ موجودہ سائنس کو اپنی تحقیق اور تجربیات کی رو سے اعتراف ہے کہ علویات اور سفلیات کا جتنا حصہ ہمارے علم و مشاہدہ میں آچکا ہے۔ وہ اس لامحدود کائنات کا کھرواں حصہ بھی نہیں جو اب تک ہماری نگاہ درمادہ سے مستور ہے۔ مذہب نے اپنے آخری ترجمان رسول اکرمؐ کی زبانی کائنات کی ان لامحدود وسعتوں کا اعلان کیا تو بندگان عقل اور غلامان مشاہدہ کو نرود ہوا مگر آج کے سائنس دانوں نے خالق کائنات کی تخلیقی عظمتوں پر اپنے اس فہم کے اعترافات سے منکر سے منکر انسان کا بھی سر تسلیم خم کر دیا اور مذہب کی تائید و تصدیق کا یہی وہ کام ہے جو خداوند کریم آج سائنس سے لے رہا ہے۔ اس کائنات کی وسعتوں کا کیا حال ہے؟ اس کے جواب میں بطور مثال ہم صرف چند چیزیں پیش کرتے ہیں۔ کائنات کی وسعت کے بارے میں یہ بھی صرف چند قیاسی اور ظنی تخمینے ہیں ورنہ حقیقت اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ صرف ستاروں کو لیجئے جو اس وسیع کائنات کا صرف ایک جز اور ایک حصہ ہے۔ ورلڈ اٹلیس کی تحقیق کے مطابق اگر رات کو مطلع صاف ہو تو ۵ ہزار تارے نظر آتے ہیں۔ ہلکی دور بین سے کئی ہزار قوی دور بینوں سے کروڑوں اور امریکی کے بڑے رصد گاہ، مائنٹ پالومر سے اربوں نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر ٹنڈل نے جغرافیہ عالم میں خور و بینوں سے نظر آنے والے ان تاروں کی تعداد سات ارب بتلائی ہے مگر بعض علماء فلکیات کا خیال ہے کہ ان تاروں کی تعداد دنیا بھر کے سمندروں کے کنارے ریت کے ذرات سے بھی بڑھ کر ہے۔ پھر ان میں سے بعض تارے تو حجم میں اتنے بڑے ہیں کہ بعض میں لاکھوں اور بعض میں اربوں زمینیں سما سکتی ہیں۔ پھر ان تاروں کی درمیانی مسافت اور کثافت ارض سے فاصلہ کا کیا عالم ہے۔ انہی سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ چاند ہماری زمین سے اڑھائی لاکھ میل سورج ساڑھے نو کروڑ اور زہرہ ساڑھے تیرہ کروڑ میل دور ہے۔ ان سیاروں میں بعید ترین سیارہ پلوٹو ہے جو ساڑھے سات ارب میل کے دائرہ میں چکر لگا رہا ہے۔ پھر یہ کائنات تاروں کی لا تعداد کہکشاؤں کی صورت میں حرکت کر رہی ہے اور ہمارے شمسی نظام کا قریب ترین کہکشاں اپنے محور پر گردش کرتے ہوئے ایک دو بیس کروڑ سال میں پورا کرتی ہے۔ پوری

کائنات کی پیمائش کے لئے بعض سائنسدانوں کے خیال میں ۸۶ ارب سال اور بعض کی رائے میں ایک ارب سال کا عرصہ درکار ہے جبکہ اس عرصہ میں ہماری تحقیق و انکشافات کی رفتار ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔ اس پر بس نہیں بلکہ ہر لمحہ اس کائنات میں چاروں طرف اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس پھیلنے کی رفتار آئن سٹائن کے خیال میں اتنی تیز ہے کہ ہر ۳۱ کروڑ سال بعد کائنات کی مقدار دوگنی ہو جاتی ہے اور یہ جو روشنی ستاروں سے پھوٹ پھوٹ کر ہماری نگاہوں کو خیرہ کرتی رہتی ہے۔ وہ ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے آرہی ہے مگر بہت سے ستارے ایسے ہیں جن کی روشنی اس تیزی اور سرعت کے باوجود ابتدائے آفریش سے نئے کراب تک ہماری زمین تک پہنچ بھی نہیں سکی۔ یہی وہ چیز ہے جو اس کائنات کی وسعت کی صحیح تعبیر اس کی بے حساب حکمتوں اور اس کے صحیح اندازہ کے بارہ میں انسان کو مجبور و بے بس بنا کر اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور کر دیتی ہے جسے خداوند کائنات نے ان الفاظ میں تعبیر فرمایا:-

ولسوات مافی الارض من	اگر زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور موجودہ
شجرة اقلام والبحر مبدء من بعدہ	سمندر و دریا کے ساتھ سات اور ایسے سمندر بھی
من بعدہ سبعۃ ابحر	سیا سی بن جائیں جب بھی خدا کی تخلیق
ما لفت کلمات اللہ۔	کار فرمائوں اور حکمتوں کی باتیں ختم نہ ہو سکیں گی۔

اور یہی وہ صداقت ہے جسے قرآن نے وما یعلم جہود ربک الا هو (اور نہیں جانتا تیرے رب کے شکروں کو مگر وہی) اور وما اقلیم من العلم الا قلیلا (اور نہیں دیا گیا تمہیں مگر تھوڑا سا علم) سے اشارہ فرمایا ہے۔

عالم غیب | یہ حالت تو صرف اس عالم کی ہے جسے ہم مادیات اور عناصر و محسوسات کی دنیا سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہاں ایک اور عالم بھی ہے جو نگاہوں کی دسترس سے بالا اور عقل و خرد کی ترک تازیوں سے وراء الوارد ہے جسے عالم غیب سے موسوم کرتے ہیں اور جس کے لئے یہ ساری ظاہری کائنات ایک وسیلہ اور قدام ہے۔ اس کی دستوں اور گہرائیوں کے سامنے تو یہ پوری مادی

کائنات بھی ایک ذرہ بے مقدار کی حیثیت رکھتی ہے جس کے حصول اور جس کی تعمیر و آرائش کے لئے انبیاء کرام آتے رہے اور ان ابدی حقیقتوں کی تلقین کرتے رہے جن پر ہماری دائمی کامیابی اور حیات جاودانی کا دار و مدار ہے۔

تخلیق کائنات کا مقصد اور تسخیر کائنات کے خدائی تقاضے	دوسری اہم بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اس پورے عالم آب و گل کو اس کے خالق نے بے مقصد اور سعی واعمال قرار
---	--

نہیں دیا بلکہ زمین میں اپنے خلیفہ "حضرت انسان" کو ادل روز سے علمی قوتوں سے مالا مال کیا۔ (دَعَلَمَ آدَمَ
الاسماء کلھا) اور بار بار اس کائنات میں غور و فکر اور تدبیر کرنے، اس کی حکمتوں کو سمجھنے، اس کے
لامحدود خزانوں سے فائدہ اٹھا کر اسے عالم آخرت کے لئے زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانے کی مسلسل
دعوت دیتا چلا آ رہا ہے اور بار بار اعلان کرتا ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک سب کچھ تمہارے
لئے پیدا کیا گیا کہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اس کے ذرہ ذرہ کو خالق کائنات کی پہچان اور اس کی
عظمتوں کے اعتراف کا ذریعہ بنا دو۔ اس کے چپے چپے میں تمہارے لئے عبرت و نصیحت کے دفتر
پنہاں ہیں۔ اس کا ذرہ ذرہ تمہارے لئے راحت اور سامان تعیش کا ایک گنج گراںمایہ اپنے اندر
لئے ہوئے ہے۔ یہ شمس و قمر یہ بحر و بر سب کچھ تمہارے لئے ہے اور یہ اس رب کریم کی نہایت
کرم نوازی ہے کہ تمہارے اوپر ظاہری و باطنی نعمتوں کی اتنی بارش برساتا ہے جسے تم قیامت تک
حساب بھی نہ کر سکو۔ یہی نہیں بلکہ خلق و قدر تخلیق اور ایجاد کے اس عمل میں ہر لحظہ ترقی، تسلسل اور
انسانہ ہی ہوتا رہتا ہے وخلق مالا تعلمون اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ تم اس کی دی ہوئی
نعمتوں سے خوب خوب فائدہ اٹھا کر اس کی عظمتوں میں ڈوب جاؤ۔ سراپا عبدیت اور بندگی
بن جاؤ اور تمہارا رواں رواں اس کائنات میں تمہارے اثرات المخلوقات ہونے کی ایک
واضح نشانی بن جائے۔

ثم تذکروا نعمتہ دیکم پھر حیب اس پر تمہارا تسلط ہو جائے

اذا استویتم علیہ وتقولوا
سبحان الذی سخر لنا هذا
وما کنالہ مقرونین وانا الی
ربنا لمبقلبون ۔
تو اپنے رب کا احسان یاد کرو اور کہو
کہ پاک ذات ہے وہ جس نے اس کو
ہمارے بس میں کر دیا۔ بیشک ہمیں اپنے
رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اس مقصد کے لئے قرآن کریم مادیات کی تسخیر کے ساتھ ساتھ کہیں لعلمک تشکرون
(تاکہ تم شکر کرو) کا اور کہیں لشکبوا للہ علی ما ہداکم (تاکہ تم اللہ کی بزرگی بیان کرو کہ
اس نے تمہیں ان چیزوں کی ہدایت دی) جیسے کلمات ذکر کرتا ہے۔

مذہب اور سائنس کے سرحدات اور سرچشمتے | اس دیلع کائنات کا صرف انسان

کے لئے بنایا جانا اور اس میں تسخیر اور غلبہ کی لامحدود قوتیں ودلیت فرمانا اور اول تا آخر غورو
تذبر کی دعوت دینا خود بخود اس حقیقت کی غمازی کر رہا ہے کہ موجودہ سائنس کا مقصد اگر
عنصر اربعہ کے باہمی تحلیل و ترکیب اور عناصر علوی و سفلی کے باہمی ربط و تعلق سے پردہ ہٹا
کر انسان کے لئے اس سے استفادہ کرنے کی نئی نئی راہیں نکالنا ہے۔ تو ایک سچے اور
صحیح مذہب کے کسی گوشہ اور پہلو پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ مذہب کا براہ راست
تعلق ایک دوسرے عالم سے ہے جو اس کائنات کے آغاز و انجام کی گتھیاں سلجھاتا اور ہدایت
اصلاح کے طریقے سمجھاتا ہے اور اس پوری کائنات کا مقصد تخلیق بتاتا ہے۔ مذہب کی
حدود فرمانروائی وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں سائنس اور فلسفہ کی مملکت ختم اور اس کی
قوت پرواز جواب دے دیتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں سائنس اور طبیعیات کا تعلق صرف
عالم آب و گل اور کثیف عناصر سے ہے۔ خواہ اس کا ظہور کرہ ارضی کی شکل میں ہو یا چاند اور
سورج کی شکل میں، مگر مذہب کا دائرہ کار اور تعلق روحانیات اور الہیات ہیں۔ وہ ہمیں
انسان کے گہرے مسائل، فطری حقائق، لواہیس خداوندی، آخرت، حساب و کتاب اور قانون

مکافات عمل، زندگی کے انجام اور توحید و رسالت جیسے لطیف اور باقی و پائیدار امور سے واقف کراتا ہے۔ اول الذکر کے اصول و مبادی ہر وقت تغیر پذیر ہیں۔ اس کی تحقیق و انکشاف پر مبنی نتائج میں ہر لحظہ ترمیم و تبدیلی ہو سکتی ہے جبکہ مذہب کے اصول و مبادی اٹل اس کی سچائیاں ابدی اور اس کے علوم و نظریات کی صداقت لافانی اور ہر زمانہ اور ہر دور کے لئے ایک چیلنج ہوتی ہے۔ ایک کاسر شپہ خدا سے وحی و قیوم کی دی ہوئی روشنی وحی و نبوت ہے۔ دوسرے کا مبلغ علم، عقل خام اور فہم ناقص **عَرَفَانِیَّتُ الشَّيْءِ دَاوِیْنِ الشَّيْءِ**۔

سائنس اور مذہب میں | پس زمین پر چلنے والے چوپایوں کا ہوا میں اڑنے والے پرندوں
کوئی تصادم نہیں | سے اور کسی ریل گاڑی کا سمندری جہاز سے تصادم اتنا
تعجب خیز نہیں جتنی کہ یہ رائے قائم کر لینا کہ مذہب اور سائنس میں تصادم ہو سکتا ہے۔ اگر
سائنس کی کوئی بات معاہدہ صحیح اور عقل سلیم پر مبنی ہے تو ناممکن ہے کہ مذہب کے کسی اصول سے
اس کا ٹکراؤ ہو۔ اگر ایسی صورت حال کہیں پیدا ہو جائے تو وہ درحقیقت عقل کی بھڑک کا نتیجہ ہوگا۔
حقائق اشیاء کے ادراک میں ہمارے علم و فہم سے لغزش ہوئی ہوگی یا پھر ایک ایسی بات کا رشتہ ہم
نے مذہب سے ملا دیا ہوگا جو نہ تو کسی صحیح سند اور مضبوط استدلال اور نقل صحیح پر مبنی ہوگا اور نہ اس کا
رشتہ درحقیقت مذہب کی اولین تعلیمات سے ملا ہوگا۔ اور یہ اس لئے کہ جس طرح ایک سچا
مشاہدہ اور علمی دریافت قابل تسلیم ہے تو کسی قطعی اور متواتر دلیل پر مبنی مذہب کا کوئی اصول
اس سے ہزار درجہ ناقابل تردید اور واجب التسلیم ہے۔ دونوں میں تعارض ناممکن ہے۔ دونوں کا
کا دائرہ کار الگ الگ اور دونوں کی حدود اختیار جدا جدا ہیں۔

خدائی تعلیمات کا اصل موضوع

تیسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ انبیاء کرام کی بعثت اور آسمانی تعلیمات وحی و رسالت

کا اولین مقصد صرف اور صرف انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی ہوتی ہے۔ نبی کی تعلیمات کا محور سچائی کی تلقین، بھلائی کی ہدایت، خلق کا خالق سے رشتہ ملانا، خدا کی دی ہوئی زندگی اور اس کائنات کا صحیح مصرف اور محل میں استعمال کرنا اور اس زندگی کو حیاتِ جاودانی کا ذریعہ بنانا ہوتا ہے۔ وہ اگر آیاتِ آفاقی و انفسی سے بحث کرتا ہے تو صرف اس لئے کہ اسے ذاتِ وحدہ لا شریک کی پہچان کا ذریعہ بنایا جائے۔ وہ عالمِ آخرت و حیاتِ بعد الموت کا ذکر چھڑتا ہے تو سائنسی استدلال اور منطقی مقدمات سے اسے ثابت نہیں کرتا بلکہ روزمرہ مشاہدہ میں آنے والے تکوینی امور و حقائق کی طرف توجہ دلا کر پوچھنا چاہتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ ممکن ہے تو مرنے کے بعد دوسری زندگی اور نبوت کی دیگر تعلیمات ماننے میں کیا استبعاد ہے؟ یا پھر صرف اس حد تک انہیں بیان کرتا ہے کہ کسی شرعی مسئلہ اور بندگی کے کسی طور طریقہ اور اس کے وقت اور مقدار سے اس کا تعلق ہو اصلاً یہ تعلیمات تعلیماتِ ہدایت ہو۔ حقائقِ اشیاء اور عناصر کی کنہ و ماہیت سے بحث کرنا اس کا موضوع نہیں ہوتا۔ چاند کے بارہ میں بار بار پوچھا گیا تو صرف یہی کہا گیا کہ قمر بھی ملاقیتِ لہذا اس دلچ کہ یہ توجہ اور دیگر امور کے اوقات کی نشاندہی کرتا ہے۔ آگے اس کی ماہیت اور حقیقتِ زمین سے اس کی مسافت اور اس کے قابلِ تخر ہونے یا نہ ہونے سے سکوت کیا گیا کہ وہ تو ہدایت کی کتاب تھی۔ کیمیا، نجوم، رمل اور ریاضی کی نہیں الغرض جن مسائل کا تعلق عالمِ غیب سے نہ تھا انہیں انسانی علم و فہم پر چھوڑ دیا گیا کہ یہ چیز بھی خدا کی دی ہوئی تھی اور یہ اس لئے کہ نہ تو ایسے مسائل پر مذہب کا اثبات موقوف تھا اور نہ مذہب ان مسائل سے انکار پر مجبور کرتا تھا۔

راہِ اعتدال | ایسے اگر آج کوئی شخص علماءِ طبعیات کے کسی کاٹنا سے مرعوب ہو کر دین سے انکار یا اس کا استخفاف کرتا ہے تو وہ اتنا ہی قابلِ مذمت ہے جتنا کہ وہ شخص جو ہر نئی دریافت اور مادی اکتشاف کو اسلام سے متصادم سمجھ کر اس کے ماننے سے انکار کر بیٹھے۔ دونوں راہیں غلط اور عقلی بے مائیگی کی علامت ہیں۔

چاند کی تسخیر میں اسلام کا موقف

اس تفصیل کی روشنی میں چاند اور ستاروں کی تسخیر کا مسئلہ لیجئے۔ بلاشبہ قرآن و حدیث نے اس کے وقوع پذیر ہونے کی صحت، صریح اور محکم الفاظ میں نشانہ ہی نہیں کی کہ نہ تو یہ چیز اس کے موضوع میں داخل تھی اور نہ چودہ سو سال بعد تحقیق اور مشاہدہ پر مبنی کسی دریافت کی تمام تفصیلات اس وقت کے اذہان کے لئے قابل فہم تھیں۔ مگر کیا اسلام نے ان فتوحات کے متحقق اور وقوع ہونے کی نفی بھی کی ہے؟ اسلامی تعلیمات اور کتاب و سنت کی تصریحات میں ہمیں کوئی بھی ایسی چیز نہیں مل سکتی جن سے ان چیزوں کی نفی ہوتی ہو یا اب تک کسی ثابت شدہ تحقیق سے اس کی تغلیط ہوتی ہو۔ چاند اور سورج یا دیگر سیاروں کا کسی خاص آسمان کی طرف نسبت یا آسمانوں میں اس کا بڑھنا اور اس قسم کے کئی امور کے بارہ میں جو متضاد آراء اور مختلف نظریات مشہور ہیں۔ وہ سب کے سب فلسفہ یونان رومی علم الافلاک یا بطلموسی علم ہیئت یا پھر اسرائیلی روایات بلکہ خود اب تک کے سائنس دانوں کے متضاد اقوال پر مبنی ہیں، صدیوں تک ان افکار و نظریات کا غلبہ رہا اور مسلمانوں کے دو ایک مفسرین نے بھی اس سے متاثر ہو کر ان کا رشتہ تاویل کے طور پر کسی آیت سے جوڑ دیا تفسیر محکم کے طور پر ہرگز نہیں۔

نظام فلکی	پھر ان تفاسیر میں اگر بطلموس اور فیثاغورث کی تحقیقات پر مبنی اقوال مل سکتے ہیں تو دوسری طرف عبداللہ بن عباس جیسے حیرالامت صحابی اور
اور آئمہ سلف	

۱۔ یہاں واضح اور غیر مبہم اخبار و اطلاع کی نفی ہے ورنہ علامات ساعتہ کے معنی میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنہیں تاویل کے درجہ میں عصری ایجادات کے لئے پیش گوئی قرار دیا جاسکتا ہے مگر اس کی تعبیر میں اس وقت کی مخاطب دنیا کا محافظ رکھا گیا اور جودن کے اہلے کی طرح ایک ایک کر کے دنیا کے سامنے اس صادق و مصدوق کی صداقت کی گواہی دے رہی ہیں۔ "س"

عطارین ابی رباح جیسے ثقہ تابعی کے اقوال و روایات بھی موجود ہیں جن سے عصر حاضرہ کی موجودہ تحقیقات کی تائید ہو رہی ہے۔ ان حضرات کی روایات میں تصریح پائی جاتی ہے کہ نظام فلکی کے تمام سیارے شمس و قمر، زہرہ، عطارد سمیت آسمانوں کے نیچے لٹکے ہوئے فالو سوں کی مانند ہیں، یہاں تک کہ جن چیزوں کی تعبیر موجودہ اصطلاح میں مرکز ثقل، کشش اور مدار میں گردش وغیرہ سے کی جاتی ہے۔ ان روایات میں انہیں نور کی زنجیروں، ڈھکی ہوئی موج، جذب اور مدار وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے جو لوگ چاند اور ستاروں کو اسرائیلی روایات یا اپنی تاویلات کے بل بوتے پر آسمانوں کے اوپر یا ان کے نیچے ہیں انکو کھٹی میں ہیرے اور تختی میں میخ کی مانند چڑھا ہوا ثابت کرنا چاہتا ہے۔ محقق علماء اور مفسرین نے ان کی تردید کی ہے اور ان تاویلات کو بے دلیل اور ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔ لادعول علیہا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو روح المعانی (ج ۱۷-۱۸-۱۹) اور دیگر تفاسیر۔ قرآن کریم کی ظاہری عبارت اور سیاق و سباق بھی اس کی تائید کرتی ہے اور وہ آسمانوں کو ایک محفوظ چھت قرار دے کر اس چھت کو ستاروں سے روشن کرنے کا احسان جتلاتا ہے۔

آسمانوں کا وجود رہا آسمانوں کا وجود تو بیشک قرآن رسنت بار بار اسے ایک حقیقت ثابتہ کے طور پر ذکر کرتا ہے۔ ان کا وجود، ان کا تعدد، ان کا ذی جہم ہوتا، ان میں دروازوں اور گزرگاہوں کا پایا جانا اور مختلف منازل اور برجوں پر ان کا تقسیم ہونا یہ سب کچھ صاف اور صریح الفاظ میں موجود ہے۔ مگر کائنات کی ان لامحدود وسعتوں کے ہوتے ہوئے جنہیں اجمالاً اشارہ کیا جا چکا ہے، کائنات کی ایک حقیر مقدار اور معمولی ذرہ کے برابر چاند اور سورج کی صورت میں کسی سیرۃ تک رسائی ہو جانے سے یہ رٹوںے کرنا کہ آسمانوں کا وجود ہی نہیں علم و تہم اور عقل و تدبر کی تفحیک اور رسوائی نہیں تو اور کیا ہے۔ کنویں کے مینڈک کی مثال شاید ایسے لوگوں سے بڑھ کر کسی اور پر کبھی صادق نہ آئی ہو۔ حال ہی میں ایک تازہ بیان کسی سائنسدان کا نظر سے گزرا تھا کہ دور دراز سیاروں سے آگے ایک لامحدود فضاء ہے جس کو پاٹنے کا کوئی امکان نہیں۔ الغرض ایک چاند تو

کیا تمام سب سے بھی ہماری کمند میں آجائیں تو کسی اسلامی تحقیق اور آسمانوں کے وجود کے بارہ میں اسلام کے کسی دعویٰ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

اسلام نے کبھی بھی سائنسی اور کائنات کی ان لامحدود وسعتوں میں غیر اقوام کی ترک مادی ترقیات سے نہیں روکا | تازیوں کو دیکھ کر یورپ کی ذہنی غلامی میں مبتلا بہت سے لوگ اس میدان میں مسلمانوں کی لپکاندگی کا الزام لے چارے اسلام کے سرٹھونپنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ خود اس طبقہ کی ذہنی پستی اور فکری غلامی کا نتیجہ ہے جسے وہ بڑی عیاری اور چالاک سے اب اس اسلام کا سر مونڈھنا چاہتے ہیں جس کے ساتھ وہ اپنا ذہنی و فکری اور عملی رشتہ صدیوں ہوئیں کاٹ چکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلام نے سائنسی اور مادی ترقی اور تسخیری کوششوں سے ہمیں کب روکا تھا؟ اسلام کی ترجمانی کرنے والے علما اور راسخین نے کب آپ کا ہاتھ روکا ہے؟ اسلام ان بے مایہ ادیان اور مذاہب، عیسائیت اور پاپائیت جیسا نہ تھا کہ ان میں عصری تقاضوں اور سائنسی انقلاب کا سامنا کرنے کی تاب نہ تھی اور یورپی اقوام کو سائنسی انقلاب کے لئے اپنے مذاہب کے ہاتھوں آگ اور خون کے طوفانوں سے گزرنا پڑا بلکہ وہ ہر دور کے چیلنج کا مجسم ہوا رہا اور قیامت تک رہے گا۔ پھر کیا ایک بھی مثال اسلام کی چورہ سالہ تاریخ سے پیش کی جاسکتی ہے کہ اس نے علم و تحقیق ایجاد و اختراع اور مادی ترقی کو پابجولاں کر دیا ہو۔ یہ سیاہ تصویر اگر ہے تو یورپ کے کلیسائی نظام کی ہے اسلام کی نہیں۔

مسلمانوں کے تختہ لیس طبعیاتی علوم میں مسلمانوں کا تختہ اگر ہے تو اس کی ذمہ دار کے اصل ذمہ دار | یورپ کی وہ اندھی تقلید ہے جو ہماری نظر انتخاب صرف وہاں کی فحاشی، عیاشی اور دیگر خرابیوں پر ہی ڈالتی ہے مگر علم و تحقیق اور سائنس کے میدان میں ہاتھ پاؤں توڑ کر اور کاسہ گدائی کر ہم صرف ان نوالوں کے چبالتے اور اگلنے پر اکتفا کرتے ہیں جنہیں آباؤ اجداد مغرب اگل کر ہمارے سامنے رکھتے ہیں۔ اگر مذہب سبب واقعی ہمیں ان ترقیات سے

روکتا ہے تو جن لوگوں نے صدیوں سے عالمین مذہب کو ازکار رفتہ قرار دے کر مذہب کا جو آپنے گھلے سے اتار پھینکا ہے اور دو ڈھائی سو سال سے اپنی ساری فکری اور علمی قوتیں مغربی نظام تعلیم میں کھپا رہے ہیں۔ انہوں نے سائنس کے میدان میں کونسا تیر مارا ہے۔ اس میدان میں ان کی رسائی زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ مغرب کے بنائے ہوئے انداز اور ایجادات کا کچھ استعمال سیکھ سکیں تو درحقیقت ہماری لپکاندگی کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے یورپ کے خرد پر اپنا مذہب، اپنا ورثہ اور اپنی فکری قوتیں بھی پڑھا دیں اور اس کے بدلے میں مغرب سے ایک ناقص اور جامد نظام تعلیم قبول کر لیا جس کے نتیجے میں ہمیں سوائے ادنیٰ و اعلیٰ درجہ کے کلرکوں، مستروں اور اس کی تہذیب و معاشرت میں نقالی کرنے والے بہروپیوں کے اور کچھ نہ ملا۔ اس نظام تعلیم سے ہمیں ذہنی آوارگی یورپ کی مرغوبیت، مذہب سے گریز کی دولت تو مل گئی مگر ایسا دو اختراع، تحقیق اور دریافت کی کنجیاں انہوں نے اپنے پاس ہی رکھیں۔

تسخیری جدوجہد کے ہولناک نتائج

آخر میں اگر اعلیٰ انسانی اقدار کی روشنی میں امریکہ اور روس کے اس مقابلہ اور مسلسل جدوجہد کے محرکات و اسباب کا جائزہ لیں تو ہمیں اور بھی مایوسی ہوگی۔ ان تسخیری قوتوں سے انسان کی کونسی مشکلات ختم ہو جائیں گی اس کا فیصلہ تو مستقبل کرے گا مگر اس سلسلہ میں اب تک جتنی ایجادات ہمارے سامنے آچکی ہیں۔ ان اقوام کی انسان دشمنی، حیوانیت اور درندگی کی وجہ سے ان میں سے اکثر انسان کی فلاح و بہبود کی بجائے اس کی ہلاکت اور بربادی کا ذریعہ بنی ہیں۔ عالمی ٹرائیول کی مثال کارے سامنے ہے۔ تسخیر قمر کی اس جدوجہد کی پشت پر بھی یقیناً یہی حیوانی جذبات کارفرما ہیں یہ لوگ ایک ایک تجربہ پر کئی کھرب روپے پھونک رہے ہیں مگر روئے زمین پر بسنے والے کروڑوں بھوکے ننگے سردی اور دھوپ میں مچلنے والے اور جنگ کی بھٹیوں میں جلنے والے انسانوں کے امن و سکون اور بنیادی ضروریات فراہم کرنے کے لئے سائنس کے پاس وہ کونسا

نسخہ کہیلا ہے جسے اب ستاروں اور آسمانوں پر آزمایا جا رہا ہے۔ پھر اس دوڑ و دھوپ کا مقصد ایک دوسرے پر بالادستی اور برتری ہے تو اس وسیع اور لامحدود کائنات اور ربیت کے ذرات کے برابر ستاروں کے ہوتے ہوئے یہ مقابلہ اور ریس آخر کہاں جا کر ختم ہوگا؟ کوئی مانے یا نہ مانے مگر انسانیت کی فلاح کامیابی اور امن و سکون کا حل صرف مذہب کے پاس تھا اور یورپ نے بڑی عیاری سے اس کا رخ ایک نہ ختم ہونے والی مادی عیاشی کی طرف موڑ دیا ہے تاکہ جلد از جلد یہ عالم اپنے انجام تک پہنچ جائے۔ گویا خدا کی دمی ہوئی شہادت اب پوری ہو اسی چاہتی ہے کہ اقترمت الساعة والشق المقدر اور قریب ہے کہ وقت موعود کسی بھی وقت سالوں کے اوپر بھٹ پڑے۔

لَا يَجْلِيهَا لَوْ قَتَمَهَا الْاِلهُ وَثَعَلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ لَدَا تِيكُمْ الْاَبْعَثْنَهُ

(جولائی ۱۹۷۹ء)



چاند تک انسان کی سائی

چند شبہات کا ازالہ

چاند تک انسان کے رسائے کے بارہ میں دارالافتاء اور ماہنامہ الحق کے ذریعے
بیشمار خطوط موصول ہوئے، اس مسئلہ پر جولائی / اگست ۱۹۶۹ء کے شمارہ میں مفصل
روشنی ڈالی گئی، بعض خطوط میں کچھ لوگوں نے اپنے شبہات کا اظہار کیا ہے،
دارالعلوم کے دارالافتاء نے اس مضمون میں ان شبہات کے ازالہ کے کوشش کے
جسے ماہنامہ الحق نے شائع کیا تھا۔ اب یہاں بھی بغرض افادہ عام شامل فرمادے
کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

الف) اولاً چند بنیادی باتیں عرض ہیں۔ واضح رہے کہ تمام اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے کہ
اس سارے عالم کا بنانے والا صرف اللہ ہی ہے اور وہ اس عالم کے تمام ذرات اور تمام ان قوتوں سے جو
کہ عالم میں ودیعت کی گئی ہیں بخوبی عالم اور واقف ہے۔ پس جو حقائق اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ
بیان کیے ہیں ان میں غلطی ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر سائنس اور وحی میں اگر تصادم محسوس ہو
تو یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ سائنسدانوں نے پوری تحقیق نہیں کی ہے ورنہ ان کی صحیح تحقیقات وحی
سے کبھی متصادم نہ ہوتیں کیونکہ وحی اور سائنس (جو واقعات پر مبنی ہو) میں مخالفت اور تصادم
ناممکن ہے۔

ب) اللہ تعالیٰ نے وحی اس مقصد کے لیے نازل کی ہے کہ انسان کو تعلق مع اللہ کے
حصول کے طریقے معلوم ہوں اور مرضیات الہی غیر مرضیات سے ممتاز ہوں، وحی الہی کا مقصد
اسلم سازی اور کارخانہ سازی نہیں ہے اور نہ قرآن کریم تاریخ یا جغرافیہ کا صحیفہ ہے، ان مقاصد
کی تحصیل کے لیے نعمتِ خدا داد یعنی عقل کا استعمال ضرورت کے وقت کافی ہے۔ یہی وجہ ہے
کہ وحی میں ایسے حقائق کی طرف کوئی تعرض نہیں کیا جاتا ہے جن کا نزول وحی کے مقصد کے ساتھ
کوئی خاص تعلق نہ ہو۔

رج (عقلیات اور امرائلیات کے ساتھ اسلامی رویہ یہی چلا آیا ہے کہ ان میں سے جو امور وحی سے مخالف ہوں ان کی تکذیب کی جائے گی، اور جو مخالف نہ ہوں تو وہ دو قسم ہیں، ایک یہ کہ مشاہدہ یا دلیل سے ان کا ثبوت ہوا ہو تو ان کی تصدیق کی جائے گی، دوسرا یہ کہ مشاہدہ یا دلیل سے ان کا ثبوت نہ ہوا ہو تو ان کی نہ تصدیق کی جائے گی اور نہ تکذیب۔

(د) قرآن اور حدیث سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ کفار آسمان میں داخل نہیں ہو سکتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا تَفْتَحْ لِمِ ابْوَابِ السَّمَاءِ، مکذبین اور کفار کے لیے (ان کے اعمال اور ارواح اور اجساد کے لیے) آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے (سورۃ الاعراف ع ۵) لیکن آسمان تک جانے سے ممنوع نہیں ہیں، اور نہ آسمان تک جاتا مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے (ومن ادعیٰ فعلیہ البیات) بلکہ شیاطین اور جنات کا آسمان تک چڑھنا اور آسمان کو چھونا نص قرآن سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَإِنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلْتِ حَرُوسًا شَدِيدًا وَ شُهَبًا۔ (سورۃ جن) لہذا جو اشیاء آسمان سے نیچے ہیں کفار کے لیے ان پر چڑھنا ممنوع نہیں ہے اور مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

(ھ) چاند کے متعلق حکماء یونان (سائنسدان) کا خیال اور عقیدہ تھا کہ چاند پہلے آسمان کے ٹخن میں مرکوز ہے اور بہت سے اہل اسلام بھی ان سے موافقت کرتے تھے، اس بناء پر کہ یہ عقیدہ نصوص سے متعارض نہیں تھا، اس لیے کہ قرآن و حدیث میں چاند کے متعلق صاف طور پر نہیں کہا گیا تھا کہ چاند آسمان کے ٹخن میں مرکوز ہے اور نہ یہ کہا گیا ہے کہ چاند آسمان و زمین کے درمیان فضا میں ہے کیونکہ قرآن کے مقصد نزول کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا، بیشک قرآن مجید میں چاند کے متعلق ”فی“ کا لفظ استعمال ہوا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا۔ وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى، جَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِمْ نُورًا۔ وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى، كُلُّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُ حَمْدًا مَکْمَلًا۔ ”فی“ کا مدلول ظرفیت ہے نہ کہ مرکوزیت، یعنی ”فی“ کا مدلول یہ ہے کہ اس کا مدخول کسی چیز کے لیے زمان یا مکان ہوگا، اور یہ معنی نہیں ہے کہ اس کے مدخول میں کوئی چیز مرکوز ہوگی۔ زید فی الدار، فی المسجد، فی السوق، فی الجنة سے یہ مراد نہیں ہے کہ زید ان اشیاء میں مرکوز ہے۔ (وہذا ہما لا یخفی علی من تفکّر فی الاستعمال) نہ یہ لغت کا تقاضا ہے نہ عرف کا۔ اور مزید برآں یہ کہ ظرفیت سے ہمیشہ کے لیے یہ مراد نہیں ہوتا ہے کہ کلمہ ”فی“ کا مدخول نفس الامرا اور حقیقت میں ظرف ہوگا۔

بلکہ بسا اوقات اس سے مراد بادی اور ظاہری نظر میں ظرفیت ہوتی ہے، خصوصاً ایسے مقام میں جبکہ عام اذہان کے لیے حقیقت کے سمجھنے میں مشکلات پیش ہونے کا خطرہ ہو۔ اور یہ معنی بھی فیصلح اور یلغ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَجَدَهَا تَغْرِبُ فِي عَيْنِ حَمَّةٍ۔ (ذوالقرنین نے سورج کو ایک گدے تالاب میں ڈوبتے پایا) اس کا مقصد بھی یہی ظاہری نظریں آنے ہے نہ کہ حقیقت میں ایسا تھا۔ تو اس تحقیق کی بناء پر یہ گنجائش بھی نکلی کہ چاند کافی السماء ہونا بادی اور ظاہری نظر میں ہو۔

(و) یہاں یہ بھی ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ فلک اور سماء بعض مفسرین کے نزدیک ایک ہی چیز کے نام ہیں، لیکن تحقیق یہ ہے کہ فلک مدار کو کہا جاتا ہے نہ کہ آسمان کو۔ (قال العلامة الأکرمی فی تفسیرہ ج ۱ ص ۷) وَالْفَلَکُ فِي الْأَصْلِ كُلُّ شَيْءٍ دَائِرٍ وَمِنْهُ فَلَكَةُ الْمَغْرُلِ وَالْمُرَادُ بِهِ هُنَا عَلِيٌّ مَارُودِي عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَالسَّيِّدِي رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا السَّمَاءُ وَقَالَ أَكْثَرُ الْمَفْسِّرِينَ هُوَ مَوْجٌ مَكْفُوفٌ تَحْتَ السَّمَاءِ يَجْرِي فِيهِ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَقَالَ الضَّعَافُ هُوَ لَيْسَ بِجِسْمٍ وَأَمَّا هُوَ مَدَارُ هَذِهِ النُّجُومِ۔ انتہی

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ بیان القرآن میں فرماتے ہیں: فلک گول چیز کو کہتے ہیں، چونکہ شمس و قمر کی حرکت مستدیر ہے اس لیے اس کے مدار کو فلک فرما دیا، خواہ وہ آسمان ہو یا فضاء بین السما میں ہو یا فضاء بین الارض و السماء ہو یا ثخن سماء ہو، کوئی نص اس میں قطعی نہیں اور اور سلف سے تفسیریں مختلف منقول ہیں۔ کما فی الدر المنثور۔ اس لیے اس کو مبہم ہی رکھنا اقرب الی الاحتیاط ہے۔ (سورة الانبیاء ع ۷)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فلک اور سماء الگ الگ چیزیں ہیں، نیز اس کی بھی تائید ہوئی کہ شمس و قمر آسمان کے ثخن میں یقینی طور پر مرکوز نہیں ہیں۔

(نہ) نجوم (ناروں) کے متعلق علامہ آلوسی رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرماتے ہیں: ان النجوم قنادیل معلقة بین السماء والارض بسلاسل من نور بایدی ملکة من نور۔ (روح المعانی جلد ۳ ص ۳۵) یعنی ستارے آسمان اور زمین کے درمیان ہیں اور آسمان کے ثخن میں مرکوز نہیں ہیں۔ مزید فرماتے ہیں: لم یقم دلیل علی ان شیئاً من الکواکب مغروزی فی شیء من السلاسل کالفصل فی الخاتم۔ (روح المعانی جلد ۲۸ ص ۷۵) حالانکہ ان کے متعلق اللہ فرماتا ہے: تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا۔ (سورة الفرقان) اور بروج سے مراد نجوم اور تارے ہیں۔ (فی التحقيق وهو منقول عن السلف) اور فرماتے ہیں:

وَذَيْتًا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ - دسوق الملک ۵۰، تو جس طرح نجوم کے متعلق کلمہ ”فی“ استعمال ہوا اور ان کو زینتِ سما کہایا ہے، اور باوجود اس کے کہ یہ آسمان میں مرکوز نہیں بلکہ بادی اور ظاہری نظر پر ہی اکتفاء کیا گیا ہے۔ اسی طرح چاند کے متعلق بھی کہا جائے گا بلکہ جب یہ تسلیم کیا جائے کہ زمین اور آسمان دونوں گول ہیں تو اسی تقدیر پر چاند اور سورج بلکہ زمین تمام کے تمام پر یہ اطلاق بلا ریب صحیح ہے کہ یہ چیزیں آسمان اور آسمانوں میں ہیں۔

اس تہید کے بعد یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ مسلمانوں کے لیے چاند اور سورج بلکہ آسمان پر اترنا ممکن ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں کی طرف مافوق الاسباب چڑھنا اس امکان کی واضح دلیل ہے کیونکہ اس حکم کا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ بیشک امریکہ وغیرہ کے کفار کے لیے ناممکن ہے کہ وہ آسمان میں داخل ہو جائیں لیکن جو چیزیں آسمان سے نیچے ہیں اُن پر اترنا کفار کے لیے ناممکن اور ممنوع نہیں ہے۔ پس اگر چاند آسمان سے نیچے ہو جیسا کہ یہ اکثر مفتقرین کی رائے ہے تو کفار کے لیے اس پر اترنے میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔ باقی رہا امریکہ کا یہ دعویٰ کہ: (۱) اس نے چاند پر انسان اتارا ہے، تو اس کے تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ایسے دعوؤں کا وحی کے ساتھ کوئی تصادم نہیں ہے۔

(۲) آلات اور رصد گاہوں کے ذریعہ سے اس کا مشاہدہ ہوا ہے۔

(۳) روس وغیرہ جو کہ امریکہ کے مخالف ہیں انہوں نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔

(۴) نیز شریعت میں کفار کے ذیوی اخبارات پر اعتماد کرنا جائز ہے بلکہ اس میں دینی مصالح بھی موجود ہیں خصوصاً رفع عیسیٰ اور واقعہ معراج کا ذہن نشین ہونا اور کفار پر تمام حجت مونا اور انکا کی صورت میں قرآن مجید کی تکذیب کا خطرہ ہے، خصوصاً جبکہ عام سروس شروع ہو جائے لہذا اس کو تسلیم کرنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ البتہ اس سے حکمت یونانی کو سخت صدمہ پہنچا کیونکہ اس کا یہ اعتقاد کہ چاند آسمان کے شکن میں مرکوز ہے غلط ثابت ہو گیا۔

چند شبہات کا ازالہ | (۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ تَمَارِے لیے (زمین میں ٹھکانا ہے) اس سے یہ مراد نہیں کہ انسان علویات پر نہیں اتر سکتا ہے ورنہ عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کس طرح آسمان پر ٹھکانا رکھتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ عام طور پر انسان زمین پر ٹھکانا رکھے گا کیونکہ ذیوی زندگی کی ضروریات کا یہاں انتظام ہوا ہے، لہذا یہ ممکن

ہے کہ بعض افراد مافوق الاسباب یا ماتحت الاسباب (خلافِ عادتِ علویات پر اتر جائیں۔
 (۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ رِاسَ زَمِينٍ میں تم کو لوٹا دیں گے (اس سے یہ نتیجہ نہیں
 نکلتا ہے کہ انسان خلائی پرواز نہیں کر سکتا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی نہ کسی وقت ضرور
 زمین میں لوٹا یا جائے، خواہ موت کے ساتھ متصل ہو یا حشر سے پہلے ہو۔

(۳) وَحَفَظْنَا هَلْمِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ (محفوظ رکھا، ہم نے اس کو ہر شیطانِ مردود سے) تو
 اس سے مراد ملس اور آسمان تک چڑھنے سے حفاظت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد آسمان کے
 حالات سے خبرداری سے حفاظت ہے یا آسمانی کے باشندوں کے اختلاط سے۔

(صرح بہ الآلوسی فی تفسیر ج ۱ ص ۲۳)

(۴) شہابِ ثاقب کا حملہ اُس وقت ہوتا ہے جبکہ شیاطینِ استماع کرنے لگتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ
 فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآلَانَ يَجِذْ لَهُ شَهَابًا تَرْدًا۔ اور قرآن حکیم سے یہ معلوم نہیں کہ صرف چڑھنے
 سے یہ حملہ شروع ہوتا ہے، لہذا کفار کی آسمان تک رسائی میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

باب الفرق الاسلامیہ وغیرہا راسلامی اور کفریہ فرقوں کے احکام و مسائل

اہل السنۃ والجماعۃ کی تعریف | سوال :- جناب مفتی صاحب! اہل السنۃ والجماعۃ کا مصداق کون لوگ ہیں اور ان کی کیا تعریف ہے؟

الجواب :- اہل السنۃ والجماعۃ کا مصداق وہ لوگ ہیں جو عقائد و احکام میں قرآن و سنت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کے مسلک کو اپناتے اور ان کے اقوال پر عمل کرتے ہیں۔

لما قال العلامة ظفر احمد العثماني: اہل سنت و جماعت وہ مسلمان ہیں جو عقائد و احکام میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسلک پر ہوں اور قرآن کے ساتھ سنت نبویہ کو بھی حجت مانتے اور اس پر عمل کرتے ہوں۔ قال فی شرح العقائد النسفیة: فہت الجبائی و تدرك الاشعری مذہبہ فاشتغل هو و من تبعہ بابطال رأی المعتزلة و اثبات ما ورد به السنۃ و مضی علیہ الجماعۃ - (امداد الاحکام ص ۱۶۹ کتاب الایمان والعقائد)

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی اور اس کی جماعت حزب اللہ کا شرعی حکم | سوال :- جناب

مولانا صاحب! میں بسلسلہ روزگار کراچی میں مقیم ہوں، یہاں ایک نیا فرقہ ”حزب اللہ“ کے نام سے وجود میں آیا ہے جس کا بانی ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی نام کا کوئی شخص ہے، اس فرقہ کے لوگ بڑی عجیب و غریب باتیں کرتے ہیں، مثلاً امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو کافر کہتے ہیں، عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، توسل بالاعمال و بالذوات اور عذاب قبر وغیرہ کے منکر ہیں، تقلید مذاہب اربعہ کو شرک کہتے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری باتیں و عقائد ان لوگوں کے ایسے ہیں جو ہم نے آج تک اپنے علماء سے نہیں سنی ہیں۔ تو اس فرقہ کے بانی اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں شریعت مقدسہ کا کیا حکم ہے؟ نیز ان لوگوں کے ساتھ عقد مناکحت اور دیگر سماجی تعلقات رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی بانی جماعت حزب اللہ سوال میں مذکور عقائد کے علاوہ بھی بہت سارے خلاف شرع عقائد کا قائل اور داعی ہے، امت مسلمہ میں فتنہ اور فساد

پیدا کرنے والا شخص ہے، اس کے شائع شدہ رسائل میں امت مسلمہ کے متفقہ اور اجتماعی عقائد سے فرار اور ایک نئے دین کی بنیاد رکھنا پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ شیخ مسلمانوں کی تکفیر میں بھی از حد جلد باز ہے، یہاں تک کہ بڑے بڑے مشائخ اور محدثین علماء کرام کو بھی معاف نہیں کرتا، اس لیے ڈاکٹر عثمانی اور اس کے متبعین ضال (گمراہ) اور مضل (گمراہ کرنے والے) ہیں، ان کے سلسلہ رشتہ ناطہ کے علاوہ بھی کسی قسم کا تعلق نہ رکھا جائے اور ان لوگوں کی صحبت سے اجتناب کیا جائے۔

محمد بن عبد الوہاب نجدی اور اس کے متبعین کا حکم | سوال: جناب مفتی صاحب! حضرات علماء دیوبند محمد بن عبد الوہاب

نجدی اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ کیا یہ لوگ کافر ہیں یا مسلمان؟
الجواب: محمد بن عبد الوہاب نجدی ایک متشدد قسم کا مذہبی آدمی تھا اور اس کے پیروکار بھی اس کے نظریات کی روشنی میں لوگوں کی تکفیر میں بہت جلد بازی سے کام لیتے ہیں، حضرات علماء دیوبند اس کے عقائد اور نظریات سے اتفاق نہیں رکھتے اور اس کی اور اس کے پیروکاروں کی تکفیر کے قائل ہیں، عوام الناس کو اس کے عقائد و نظریات سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة النور شہاء الکشمیری: اما محمد بن عبد الوہاب النجدی فانه کان رجلاً بليداً قليل العلم فكان يتسارع الى الحكم بالكفر ولا ينبغي ان يقتحم في هذا الوادي الامن يكون مستيقظاً متقناً عارفاً بوجوه الكفر واسبابه۔
 (فيض الباری ج ۱ ص ۱۸۱ کتاب العلم، باب من جعل الخ)۔

لے قال العلامة خليل احمد السہارنفوری: الحكم عندنا فيهم ما قال صاحب الدر المختار وخوارجهم قوم لهم منعة خرجوا عليه بتاويل يولون انه على باطل كفرا ومعصية فوجب قتاله بتاويلهم يستحلون دماء و اموالنا ويسبون نساونا الى ان قال وحكمهم حكم البغاة ثم قال وانما لم نكفرهم لكونه عن تاويل وان كان باطلاً۔

{ المہند علی المفند ص ۳۶ }
 { سوال الثانی عشر }

فرقہ نیچریہ کا عقیدہ | سوال :- فرقہ نیچریہ کے پیشوا سر سید احمد خان کو کافر کہنا درست ہے یا نہیں؟ نیز اس کے اور اس کے ہمنواؤں کے عقائد قرآن و حدیث اور اجماع امت کے موافق ہیں یا مخالف؟ عوام میں یہ بڑا قابل قدر تصور کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو اس کی جدوجہد کی بدولت ملی ہے، اس بارہ میں علماء حق کی کیا رائے ہے؟

الجواب :- ایک شخص کے عقائد و نظریات اس کی تحریر کردہ کتابوں اور دیگر ٹریچر سے معلوم ہو سکتے ہیں جن میں وہ اپنے عقیدہ اور نظریہ کا کھلے لفظوں میں ذکر کرتا ہے، فرقہ نیچریہ کا رئیس سر سید احمد خان اور اس کے ہم خیال لوگوں کے عقائد و نظریات خود ان کی تحریر کردہ کتابوں میں مذکور ہیں، ان میں بعض تو صراحتاً قرآن و حدیث اور اجماع امت کے خلاف ہیں اور بعض بدعت و ضلالت ہیں، بطور مثال چند وہ عقائد جو صراحتاً شریعت محمدیؐ کے متضاد ہیں ذکر کئے جاتے ہیں :- انکار حقیقت ملائکہ و شیاطین و شجرۃ البختہ، عذاب قبر کا انکار، وجود جنت و جہنم کا انکار، قیامت، حشر و نشر اسی طرح عذاب و ثواب اور حورو غلمان کا انکار، معجزہ و کرامت کا انکار، خمر و خنزیر کا حلال سمجھنا وغیرہ ذلک۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے ایسے عقائد ہیں جو اجماع امت کے متضاد ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اِداد الفتاویٰ" میں اس فرقہ محدثہ کے تمام اقوال و عقائد پر مفصل بحث کی ہے اور ان کے تمام عقائد باطلہ کو قرآن و حدیث کی روشنی میں مردود اور قرآن و حدیث کے خلاف قرار دیا ہے اور بہت سے علماء دین کے فتاویٰ جو اس کے کفر و ارتداد پر مبنی تھے نقل کیے لیکن خود بوجہ ادعاء اسلام کے کفر کا فتویٰ نہیں دیا البتہ یہ فرمایا کہ (سر سید) اعلیٰ درجہ کا ضال و مضل اور مبتدع ضرور ہے، لہذا ایسا شخص جس کے عقائد قرآن و حدیث کے مخالف ہوں ہرگز مسلمانوں کا خیر خواہ اور ان کی آزادی کا فکر مند نہیں بن سکتا ہے بلکہ یہ عوام کا لالچہ کی لا علمی اور خوش عقیدتی ہے کہ اس کو اپنا خیر خواہ مانتے ہیں۔

قال اللہ تبارک و تعالیٰ : وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكِتٰبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَاليَوْمِ
الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (سورة النساء آیت ۱۳۶)
وقال اللہ تعالیٰ ایضاً : اِنَّ الرُّسُوْلَ بِنَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّ

أَمَّنْ بِاللَّهِ وَكَتَبَتْهُ وَرُسُلِهِ - (سورة البقرة آيت ٢٨٦)
 وقال النبي صلى الله عليه وسلم في حديث جبريل: وسواله للنبي صلى الله
 عليه وسلم عن الايمان: فقال ان تؤمن بالله وملكه وكتبه ورسله واليوم الآخر
 وتؤمن بالقدرة خيره وشره - (رواه البخاري في صحيحه كتاب الايمان باب ٣٤)
 [ومسلم في صحيحه كتاب الايمان - باب ٢-١ - وابوداؤد، كتاب السنة
 باب ١٥-١٦ - والنسائي كتاب الاشربة / باب ٣٨ - وابن ماجه
 مقدمة / باب ٩ -]
 فهذه الاصول التي اتفقت عليها الانبياء والرسل صلوات الله عليهم ولهم يؤمن
 بها حقيقة الايمان الاتباع الرسل -

له وقال الله تبارك وتعالى: النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ
 السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ - (سورة المؤمن آيت ٢٤)
 وقال وَحُورٌ عِينٌ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ - وَيُطَوَّفُ عَلَيْهِمْ وَلَدَانِ تُحْلَدُونَ
 (سورة الدهر آيت ١٩) - حُورٌ مَقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ - (سورة الرحمن آيت ٢٤)
 وقال العلامة ملا علي القاري رحمه الله: والجنة والنار حق مخلوقتان اليوم
 لا تفنيان ابداً..... وفي شرحه وفي نسخة ولا تموت الحور العين ابداً ولا
 يغنى عتاب الله ولا ثوابه سرمداً - وقال الامام الاعظم في كتاب الوصية.....
 والجنة والنار حق وهما مخلوقتان ولا فناء لهما ولا اهلها لقوله تعالى في
 حق اهل الجنة: اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ وفي حق اهل النار: اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ
 خلقتهما للشواب والعقاب - وقال ايضاً: في الوصية واهل الجنة في الجنة خالدون
 واهل النار في النار خالدون - لقوله تعالى في حق المؤمنين اولئك
 اصحاب الجنة هم فيها خالدون وفي حق الكفار اولئك اصحاب النار
 هم فيها خالدون - (شرح الفقه الاكبر ص ١٢٣ بحث حوض النبي صلى الله
 عليه وسلم حق والجنة والنار مخلوقتان اليوم) -
 ومثله في شرح العقيدة الطحاوية ص ٢٤٦ ان الله خلق الجنة اهلاً -

سوال :- ایک شخص پرویزی عقائد و نظریات کا معتقد ہے اور پرویزیت کی نشر و اشاعت کرتا ہے نیز اس مذہب کے اثبات اور حقانیت پر لوگوں کے ساتھ بحث مباحثہ کرتا ہے، ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اس کی نماز جنازہ میں مسلمانوں کو شرکت کرنا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- پرویزی اصل میں منکرین حدیث کہلاتا ہے، اس فرقہ کے پیروکار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کو غیر معتبر کہتے ہیں، دراصل یہ فرقہ بظاہر اسلام کا نام لے کر اسلامی تعلیمات کی بیخ کنی میں مصروف عمل ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات کا بیشتر حصہ احادیث نبویہ پر مشتمل ہے اور احادیث مبارکہ قرآن پاک کے مطلب اور مراد کے لیے مظہر اور بین ہیں احادیث مبارکہ کی بحیثیت چونکہ قرآن پاک ہی سے ثابت ہے اس لیے احادیث نبویہ کا انکار کرنا قرآن پاک کے انکار کے مترادف ہے، لہذا اس قسم کا عقیدہ رکھنا دین محمدی کے خلاف ہے، ایسے لوگوں کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کرنا، ان کے جنازہ وغیرہ میں شرکت کرنا جائز نہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَعَمَّكُمْ التَّارَ (ہود ۱۱۳) قال الله تعالى: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (سورة الجمعة آیت ۲) قال ابو عبد الله محمد بن يوسف في تفسير هذه الآية: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ هُوَ الْقُرْآنُ وَالْمَعْنَى أَنَّهُ يُفَهِّمُهُمْ وَيُلْقِي إِلَيْهِمْ مَعَانِيَهُ وَالْحِكْمَةُ الشَّرِيعَةُ وَبَيَانُ الْأَحْكَامِ وَقَالَ قَادَةُ الْحِكْمَةُ السَّنَةُ وَبَيَانُ الْبَنَى الشَّرْعَ إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ۔ (البحر المحیط ج ۱ ص ۲۹۲/۲۹۳) وَبِهَامِشِهِ الْحِكْمَةُ هِيَ السَّنَةُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ فِي الْكِتَابِ۔

قال الله تعالى: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (سورة النجم ۳) لے

لما ورد في الحديث: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الا في اوتيت القرآن ومثله معه الا يوشك رجل شعبان على اريكته يقول عليكم بهذا القرآن فما وجدتم فيه من حلال فاحلوه وما وجدتم فيه من حرام فحرّموه وان ما حرم رسول الله كما حرم الله الخ (۴) رواه ابوداؤد بحواله مشکوٰۃ ص ۲۹ باب الاعتصام الخ وَمِثْلُهُ فِي الْمَرْقَاةِ شَرْحِ الْمَشْكُوٰةِ مَفْصَلًا ج ۱ ص ۲۹ باب الاعتصام بالكتاب والسنة۔

گستاخ رسول سلمان رشدی کی سزا کا حکم | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل سلمان رشدی

کی مخالفت میں اس کی بدنام زمانہ کتاب ”شیطانی آیات“ کی وجہ سے عالم اسلام خصوصاً پاک و ہند اور ایران میں مظاہرے جاری ہیں، ان مظاہروں کے دوران ایک عالم دین نے اپنی تقریر میں کہا کہ یہ (سلمان رشدی) مرتد ہے اور اس کی سزا قتل ہے، اور شاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل چونکہ حداً ہے لہذا بعد از توبہ بھی قتل کیا جائے گا، اس بارہ میں وضاحت فرمادیں؟

الجواب :- جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالیہ میں گالی بکے تو بلا شک و شبہ وہ کافر و مرتد ہو جاتا ہے، اگر اپنے فعلِ شنیع پر پُصر رہے تو اس کی سزا قتل ہے البتہ اگر صدقِ دل سے توبہ کر لے کہ آئندہ ایسی بکواس نہیں بکوں گا تو محققین علماء کے نزدیک اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے لیکن صاحبِ بزازیہ اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک ایسے شخص کو حداً قتل کیا جائے گا خواہ توبہ کرے یا نہ کرے، تاہم ایسا شخص جس کی خباثت پورے عالم اسلام میں پھیل رہی ہو اور اسے رہا کرنے کی صورت میں دوسروں کو بھی جراثیم بنی ہو تو ایسے گستاخ کے ناپاک وجود کو ختم کر دینا ہی بہتر ہے۔

لما قال العلامة ابن بزاز الكر德里: الا اذا سب الرسول عليه السلام او واحداً من الانبياء عليهم السلام فانه يقتل حدّاً ولا توبة له اصلاً سواء بعد القتل عليه والشهادة او جاء تاباً من قبل نفسه كالزندق لا نه حد وجب فلا يسقط بالتوبة كسائر حقوق الآدميين۔ (الفتاوى البزازية على هامش المهندية ج ۶ ص ۳۲۱ الثالث فيما يتعلق بالانبياء) له

له وقال العلامة المحصن: والكافر بسب النبي من الانبياء فانه يقتل حدّاً ولا يقبل توبة مطلقاً، ولو سب الله تعالى قبلت لانه حق الله والاوّل حق عبداً يزول بالتوبة ومن شك في عذابه وكفره كفر۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۳۱ باب المرتد)

ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۳ ص ۳۸۶ كتاب الفاظ الكفر ويتصل بهذا۔

فرقہ آغا خانی کے عقائد و نظریات | سوال :- فرقہ اسماعیلیہ آغا خانی جو پرنس
عبد الکریم آغا خان کو اپنا مقتدا اور پیشوا مانتے

ہیں، قرآن و حدیث کی روشنی میں اس فرقہ کے لوگ مؤمن ہیں یا کافر؟

الجواب :- فرقہ اسماعیلیہ آغا خانی کے تمام عقائد و نظریات قرآن و حدیث کے بالکل خلاف اور متضاد ہیں، اسی طرح ان کے فروعی مسائل صلوٰۃ، صیام، حج، زکوٰۃ وغیرہ کا طریقہ بھی اسلامی تعلیمات کے یکسر مخالف ہے، ان لوگوں نے اپنا مذہب خود ہی ایجاد کیا ہے، ان کا کوئی بھی مسئلہ (اصولی ہو یا فروعی) اسلامی تعلیمات کے ساتھ موافق نہیں ہے، یہ لوگ انتہائی گمراہ کن عقائد رکھتے ہیں، مثلاً آغا خانی امام کی تصویر کی پرستش، تسمیہ کے موقع پر بچائے بسم اللہ کے لفظ ”اوم“ ذکر کرنا، نماز، ذکر اذکار اور دعا کا طریقہ بھی بڑا عجیب ہے، ان کا سلام ”یا علی مدد“ اور سلام کا جواب مولیٰ علی مدد، کلمہ شہادت اَشْهَدُ اَنْ عَلٰی اللہ ہے، وضو کو یہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے کہتے ہیں کہ ہمارے دل کا وضو ہے اور روزہ کان زبان اور آنکھ کا ہوتا ہے کھانے پینے سے نہیں ٹوٹتا، زکوٰۃ کی بجائے دو آنہ جماعت خانہ کو دیتے ہیں، حج ان کا اپنے حاضر امام کا دیدار کرنا ہے، یہ سب امور موجب کفر اور لغویات ہیں، اسلامی تعلیمات جو ہمیں ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم دیکر گئے ان کے ساتھ ذرہ بھر بھی ان عقائد کا واسطہ نہیں ہے لہذا یہ فرقہ اسلام سے کوسوں دور کفر و ارتداد کی شدید ظلمات میں گھرا ہوا ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین المحصنی: والكفر لغة الستر وشرعاً تكذيبه صلى الله عليه وسلم في شيء، مما جاء به من الدين ضرورة والفاظه تعرف في الفتاوى۔
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۳ باب المرتد)۔

اقال العلامة ابن عابدین: قوله تكذيبه صلى الله عليه وسلم المراد بالتكذيب عدم التصديق الذي اى عدم الازعان والقبول لما علم مجيبه به صلى الله عليه وسلم ضرورة اى علماً ضرورياً لا يتوقف على نظر واستدلال وليس المراد التصريح بانته كاذب في كن الان محرم نسبة الكذب اليه صلى الله عليه وسلم كفرو ظاهراً لانه تخصيص الكفر بمجرد الضرورى فقط مع ان الشرط عندنا نبوته على وجه القطع وان لم يكن ضرورياً۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۳ باب المرتد، قيل مطلب منكر الاجماع)
ومثله في البحر الرائق ج ۵ ص ۱۱۹ باب احكام المرتدين۔

شیعہ کے کفر اور اسلام کی تحقیق | سوال ۱۔ کیا شیعہ عقائد و نظریات رکھنے والے لوگ مسلمان ہیں یا کافر؟ نیز ان کے ساتھ میل جول اور

تعلقات قائم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شیعہ کے مختلف فرقے ہیں اور ہر فرقہ کے عقائد و نظریات ایک دوسرے سے جدا ہیں، اسی وجہ سے ان کی تکفیر میں سلفاً خلفاً اختلاف پیدا رہا ہے، البتہ ان میں سے جو فرقہ ضروریات دین کا منکر ہو اس کی تکفیر میں کسی کو اختلاف نہیں۔ مثلاً جو گروہ سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت کا قائل ہے یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت اور خلافت کا منکر ہے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتا ہے اور ان کو نبی آخر الزمان تسلیم کر کے حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق وحی لانے میں غلطی کا معتقد ہے یا قرآن کریم میں تغیر و تبدل کا قائل ہے تو اس فرقے کے کفر میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں اس سے تعلقات رکھنا، اٹھنا بیٹھنا، رشتہ ناطہ قائم کرنا، ان کے جنازہ وغیرہ میں شرکت کرنا ناجائز ہے۔ اور اس کے علاوہ عقیدہ رکھنے والے گروہ مستبدع ہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله عنها أو انكر صفة الصديق رضي الله عنه أو اعتقد الألوهية في علي رضي الله عنه أو ان جبرئيل عليه السلام غلط في الوحى أو فحوا ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۳۷ باب المرتد) لہ

لما قال العلامة ابن البرزنجي: وكفار الروافض في قولهم برجة الاموال الدنيا وينسخ الارواح وانتقال روح الاله الى الائمة وان الائمة الهة وفي قولهم بخروج امام ناطق بالحق وانقطاع الامر والنهي الى ان يخرج ويقول لهم ان جبرئيل عليه السلام غلط في الوحى الى محمد صلى الله عليه وسلم دون علي واحكام هؤلاء احكام المرتدين ومن انكر خلافة ابي بكر رضي الله عنه فهو كافر في الصحيح ومنكر خلافة عمر فهو كافر في الاصح ويجب الكفار الخوارج في كفارهم جميع الامة سواهم ويجب كفارهم بالكفار عثمان وعلي وطلحة والزبير وعائشة رضي الله عنهم۔ (البرزنجية على هامش الهمدية ج ۶ ص ۳۱۸ باب احكام المرتدين) ومثله في الهمدية ج ۲ ص ۲۶۲ الباب التاسع في احكام المرتدين۔

فرقہ اثنا عشریہ کی ختم نبوت کے متعلق تاویل فاسدہ | سوال: شیعہ فرقہ اثنا عشریہ

جو کہ بارہ اماموں کو مانتا ہے اور ان کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ مأمور من اللہ مفترض الطاعة اور معصوم عن الخطا ہوتے ہوئے ہیں اور یہ ان کے نزدیک بنیادی عقیدہ اور اصول دین میں سے ہے۔ کیا یہ عقیدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے منافی تو نہیں؟

الجواب: شیعوں کے مختلف فرقے ہیں، ان میں سے بعض صراحتاً ضروریات دین کا انکار کرتے ہیں وہ تو کافر و مرتد ہیں، اور بعض اپنے کفر و ضلالت کو چھپانے کے لیے کسی امر جماعی (مانبت فی الدین بالضرورة) کی تاویل بعید کرتے ہیں جو کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع امت کے خلاف ہوتی ہے، تو ایسے لوگ زندیق کہلاتے ہیں اور ان کا کفر زیادہ قریب الی الشر ہوتا ہے۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی تاویل بعید کر کے کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تو ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی کا نام نہیں دیا جائے گا اور نبوت بایں معنی کہ کسی انسان کا مخلوق کی طرف مبعوث ہونا جس کی اطاعت مخلوق پر فرض ہو، معصوم من الذنوب ہو، یہ صفات تمام کی تمام ائمہ اثنا عشرہ میں موجود اور باقی ہیں، لہذا اس قسم کی تاویلات کرنے والا جو قرآن و حدیث اور اجماع امت کے مخالف ہو زندیق اور اس کا دم ہدر ہے۔

لما قال الشاہ ولی اللہ بن عبد الوحیم: اوقال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوة ولكن معنى هذه الكلام انه لا يجوز ان یسحق بعدہ احد بالنبی واما معنى النبوة وهو کون الانسان مبعوثاً من الله الى الخلق مفترض الطاعة معصوم من الذنوب ومن البقاء على الخطا في ما یرای فهو موجود في الائمة بعدة فذلك الذي قد اتفق جماهير الحنفية والشافعية على قتل من یجرى هذا المجرای۔
(مسوی علی الموطا ج ۲ ص ۱۰۹ مطبوعہ دہلی)۔

۱۔ قال العلامة التختا زانی: وان كان مع اعترافه بنبوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم واطهار شرائع الاسلام یبطن عقائدہی کفر بالاتفاق خص باسم الزندیق۔ (شرح المقاصد ج ۲ ص ۲۶۸)
وَمِثْلُهُ فِي رَدِّ الْمُحْتَارِ ج ۲ ص ۲۲۱ باب المرتد۔

شیعہ کے بعض کفریہ عقائد | سوال :- اگر کوئی شخص حضرت علیؑ کی الوہیت، جبریل امین کا غلطی کرنا اور دیگر تمام امور کو امام مہدی کے ظہور تک معطل سمجھنے کا عقیدہ رکھے تو از روئے شریعت اس شخص پر کیا حکم لگایا جاسکتا ہے ؟

الجواب :- مندرجہ بالا عقائد مکمل طور پر صریح شرک اور کفر پر مبنی ہیں، جو شخص یا اگر وہ ان عقائد کا حامل ہو تو اجماع امت سے وہ دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے ان کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک نہیں کرنا چاہیئے۔

لما قال العلامة ابن عابدین؟ نعم لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة
وانكر الصحبة الصديقؑ او اعتقد الوهية في علي او ان جبريل غلط في الوحي۔
رد المحتار ج ۳ ص ۲۳۷ باب المرتد

بہائی مذہب اختیار کرنا کفر ہے | سوال :- ایک شخص نے اسلام چھوڑ کر بہائی مذہب اختیار کر لیا ہے اور اس کی تبلیغ میں سرگرم عمل ہے، دلائل سے وضاحت فرمائیں کہ دین اسلام چھوڑ کر بہائی مذہب اختیار کرنے سے آدمی مرتد ہو جاتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- فرقہ بہائیہ چونکہ ضروریات دین کا منکر ہے، مثلاً روزِ قیامت، دخول جنت و جہنم سے انکار، اللہ تعالیٰ کا کسی کے جسم میں حلول کرنے کا اعتقاد رکھنا، ختم نبوت سے انکار، میراث میں مرد و عورت کی مساوات، عدت سے انکار وغیرہ، یہ تمام عقائد ضروریات دین میں ہیں اور پوری امت مسلمہ کا ان پر اجماع ہے لہذا ان میں سے کسی ایک سے انکار کرنا یا کسی کے جسم میں اللہ تعالیٰ کے حلول کا عقیدہ رکھنا موجب کفر اور ارتداد ہے، اسلام میں داخل ہونے کے لیے کل ما ثبت بالضرورة کا یقین اور اقرار کہ نا ضروری ہے، کسی ایک حقیقت کا انکار بھی موجب کفر بن سکتا ہے، اس لیے بہائی مذہب اختیار کرنے والا کافر، مرتد اور

لما قال العلامة ملا علی القادی: لو استحل السب والقتل فهو كافر لا محالة..... ففي شرح العقائد
الصحابية والطعن فيهم ان كان مما يخالف الادلة القطعية فكفر كقذف عائشة رضي الله عنها۔
(شرح الفقه الاکبر ص ۲۷۷ الکبيرة لا تخرج المؤمن عن الايمان)
وَمِثْلُهُ فِي الْبَزَازِيَةِ عَلَي هَامِشِ الْهِنْدِيَةِ ج ۶ ص ۳۱۸ باب احكام المرتدين۔

خارج عن الاسلام ہے ۔

لما قال العلامة مُلا على القارئ : فالتحقيق ان الايمان هو تصديق النبي صلى الله عليه وسلم بالقلب في جميع ما علم بالضرورة مجيئه به من عند الله اجمالاً..... ثم المراد من المعلوم ضرورة كونه من الدين بحيث يعلم العامة من غير افتقار الى النظر والاستدلال كوحدة الصانع ووجوب الصلوة وحرمة الخمر ونحوها وانما قيد بها لان منكر الاجتهادات لا يكفر اجماعاً واماً من يؤول النصوص الوازنة في حشر الاجساد وحدوث العالم وعلم الباري بالجزئيات فانه يكفر لما علم قطعاً من الدين انها على ظواهرها الخ (شرح الفقه الاكبر ص ۸۷ الايمان هو الاقرار والتصديق) **سوال ۱۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ختم نبوت کے وقت کے تعیین کی تحقیق** کس وقت سے تسلیم کرنا چاہیے؟ ولادت کے بعد

یا نبوت ملنے کے بعد سے یا بعد الوفا؟ مقصد یہ ہے کہ وحی کا دروازہ کس وقت سے بند تصور کیا جائے؟

الجواب: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءً سے ہی خاتم النبیین ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس منصب مبارک کے لیے ازل سے ہی منتخب فرما دیا تھا۔ مشکوٰۃ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ کو نبوت کب ملی، ارشاد فرمایا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت بھی نہیں ہوئی تھی۔ البتہ عالم اجساد میں آپ سب انبیاء کے بعد آئے اور جب عمر مبارک چالیس برس ہوئی تو نبوت ملی اور وحی کا نزول شروع ہوا، آپ کو نئی شریعت

لما قال العلامة ابن عابدین : المراد بالتكذيب عدم التصديق الذي مَرَّاهُ عدم الاذعان والقبول بما علم مجيئه به صلى الله عليه وسلم ضرورة اي علماً ضرورياً لا يتوقف على نظر واستدلال وليس المراد التصريح بانه كاذب في كذا لان مجرد نسبة الكذب اليه صلى الله عليه وسلم كفر وظاهر كلامه تخصيص الكفر بمجرد الضروري فقط مع ان الشرط عند ثبوتہ على وجه القطع وان لم يكن ضرورياً۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۲۲۳ باب احكام المرتد)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرَالْمُخْتَارِ عَلَى هَامِشِ رَدِّ الْمُخْتَارِ ج ۴ ص ۲۲۳ بَابِ احْكَامِ الْمُرْتَدِ۔

اور نئی کتاب ملی جو تمام انبیاء سابقین کی شریعتوں کے لیے ناسخ بنادی گئی، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کر دے، تاہم نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں اور قیامت کے نزول فرمائیں گے اور شریعت محمدی کا احیاء اور اس کی اتباع کریں گے، اور احادیث صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ پر وحی بھی آئے گی لیکن یہ وحی شریعت مصطفیٰ کو بدلنے کے لیے نہ ہوگی بلکہ اس وقت کے ضروری امور کے متعلق ہوگی، گویا انقطاع وحی سے مراد وہ وحی ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرے۔

ماوردی الحدیث: قال ابو هريرة رضي الله عنه: قالوا يا رسول الله متى وجبت لك النبوة قال والادم بين الروح والجسد۔ (رواه الترمذی بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۳۵)
باب فضائل سيد المرسلين صلي الله عليه وسلم، الفصل الثاني

قال العلامة ملا علي القاري في شرح هذا الحديث: وجبت لي النبوة والحال ان آدم بين الروح والجسد يعني مطروح على الارض بلا روح والمعنى انه قبل تعلق روحه بجسده..... وروى ابو نعيم في الدلائل وغيره من حديث ابي هريرة مرفوعاً كنت اول النبيين في الخلق واخرهم في البعث (مرقاۃ المصابيح ج ۱ ص ۵۸)
وقال العلامة جلال الدين سيوطي رحمه الله: فبينما هو كذلك اوحى الله الى عيسى بن مريم عليه السلام اني قد اخرجت عبداً الى لا بد ان لا احد يقتالهم فحرز عبادي الى الطور ويبعث الله يا جوج وما جوج (الحديث).... فذلك صريح من انه وحى حقيقي لا وحى الهام ان ما توهمه هذا الزاعم من تعذر الوحي الحقيقي فاسد لان عيسى عليه السلام نبى فای مانع من نزول الوحي عليه؟ فان تخيل نفسه ان عيسى عليه السلام قد ذهب عنه وصف النبوة فهذا قول يقارب الكفر لان النبى لا يذهب عنه وصف النبوة ابداً حتى بعد موته وان تخيل اختصاص الوحي للنبي صلي الله عليه وسلم بزمان دون زمن فهو قول لا دليل عليه ويبطله ثبوت الدليل على خلافه۔ (نزول عيسى بن مريم آخر الزمان ص ۴۸-۵۲) له

له ومثله في اشعة اللمعات ج ۲ ص ۲۹۹ باب فضائل سيد المرسلين صلي الله عليه وسلم

قادیانیوں کا کفر قرآن و حدیث کی روشنی میں | سوال :- قادیانی جو کہ مرزا غلام احمد ہیں کہ احمدی سچا مذہب ہے باقی سب مذاہب باطل ہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ واقعی احمدی سچا مذہب ہے اور قرآن و حدیث کے موافق ہے یا مخالف؟ بصورت دیگر ان کے ساتھ میل جول، رشتہ ناٹھ کرنا کرنا کیسا ہے؟

الجواب :- تمام امت مسلمہ کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، نزول عیسیٰ ابن مریم سے انکار نہیں اسی لئے کہ ان کی نبوت اور پیغمبری آپ سے پہلے تھی لہذا ان کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں نازل ہونا آپ کی ختم نبوت پر اثر انداز نہیں ہوگا، بہر حال ختم نبوت کا عقیدہ تمام امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے، ایسے مسلمہ عقائد سے انکار کرنے والا کافر و مرتد ہے، اسلام اور مسلمانوں سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، اور مرزا غلام احمد قادیانی کے تمام دعویٰ نصوص قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کی رو سے بالکل بھوٹ اور بکواس پر مبنی ہیں لہذا اس کے ان جھوٹے دعویٰ کی بنیاد پر اس کے ماننے والے کافر اور مرتد ہیں۔ جب ایک مسلمان کو یہ معلوم ہو جائے کہ ایک شخص قادیانی ہے اور سمجھانے بھانے پر بھی وہ باز نہیں آتا تو اس کے ساتھ اسلامی طریقہ پر علیک سلیک اور اٹھنا بیٹھنا جائز نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَوَكَّلُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۖ هُوَ (جمہور علماء اسلام) جب قادیانی عقائد و نظریات پر مطلع ہوئے تو سب نے ان کے کفر و ارتداد کے فتوے دیئے جن کی بناء پر وہ لوگ جو باوجود ان عقائد کے معلوم ہونے کے قادیانیوں کو مسلمان سمجھیں (خواہ وہ مرزا قادیانی کو نبی مانتے ہوں یا مسیح ظلی یا بروزی) بہر حال کافر اور مرتد ہیں۔ مزید تحقیق کی ضرورت ہو تو ”تکفیر قادیانی“ نامی رسالہ کا مطالعہ کریں جس میں سینکڑوں معتد علیہ علماء کے دستخط ثبت ہیں۔

قال اللہ تبارک و تعالیٰ: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (سورة الاحزاب آیت ۴۰) لے

لے قال العلامة الحافظ ابن کثیر: (تحت قوله وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ) فهذه الآية نص في انه لا نبى بعدوا اذا كان لا نبى بعده فلا رسول بعده بالطريق الاولى والاخرى لا مقام الرسالة اخص من مقام النبوة۔ فان كل رسول نبى ولا ينعكس ويندلك وردت احاديث المتواترة عن رسول الله من تحد جامن الضحا۔ (تفسير القرآن العظيم ج ۴ ص ۸۳) وَمِثْلُهُ فِي الْجَامِعِ لِأَحْكَامِ الْقُرْآنِ۔ جلد ۱۲ ص ۱۲۷ سورة الاحزاب۔

سوال :- ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی

قادیانیوں کے دلائل اور ان کے جوابات

کی نبوت کے ثبوت اور حقانیت کے لیے مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتا ہے :-

قادیانی کے دلائل : مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَ

خَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (سورة الاحزاب آیت ۴۰)

ہمارا عقیدہ :- واضح ہو کہ یہ قرآن پاک کی آیت ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کے کل یا جز سے انکار کرنا ہمارے نزدیک موجب کفر ہے، پس ہم جماعت احمدیہ والے سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم کرتے ہیں اور جو آپ کو خاتم النبیین نہ مانے وہ ہمارے نزدیک مسلمان ہی نہیں۔ لیکن لفظ خاتمہ کا حقیقی معنی و مفہوم سمجھنا ضروری ہے، یہ ہمارا دعویٰ ہے کہ دنیا کی کسی بھی لغت میں لفظ ختم مقام درج میں آکر خاتم کا معنی بند کرنے والا یا روکنے والا نہیں ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا محاورہ یا عرب کا مقولہ یا کسی عرب شاعر کا کوئی شعر تمام عربی لٹریچر میں موجود نہیں اور نہ ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی عربی کتاب میں خاتمہ کا لفظ بند کرنے اور روکنے کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے، چنانچہ لغات کی چند مشہور کتابیں ملاحظہ ہوں :-

لفظ	معنی	نام کتاب لغت
۱۔ خاتم	نگینہ، مہر جس پر نام وغیرہ کندہ کئے جلتے ہیں۔	لسان العرب، تاج العروس، معجم قاموس بوہری۔
۲۔ خاتم	انگشتری؛ مثل خاتم الذهب یعنی سونے کی انگوٹھی	قاموس، تاج العروس، منہجی الادب
۳۔ خاتم	گھوڑے کے جو تھوڑی سی سفید ہوتی ہے	قاموس، تاج العروس، منہجی الادب
۴۔ خاتم	گھوڑی کے تھنوں کے پاس کا حلقہ بھی خاتم کہلاتا ہے	قاموس، تاج العروس، منہجی الادب
۵۔ خاتم	گدی کے نیچے جو گڑھا ہوتا ہے اس کو بھی خاتم کہتے ہیں	قاموس، تاج العروس، منہجی الادب
۶۔ خاتم	مہر کا نقش جو کاغذ پر اتر آتا ہے	لسان العرب وغیرہ
۷۔ خاتم النبیین	نبیوں کی زینت اور رونق	معجم البحرین جلد ۱

(۱) اسی طرح ملا علی قاریؒ ”موضوعات کبیر ص ۲۹“ میں خاتم النبیین کا یہ معنی کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپؐ کے دین کو منسوخ کرے اور آپؐ کی امت نہ ہو۔

(۲) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ”تفہیمات الہیہ“ میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبیوں کے ختم ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے شارع نبی بنا کر بھیجے۔

(۳) مجمع البحار مصنفہ شیخ محمد طاہرؒ میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ یہ تو کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں لیکن یہ نہ کہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔

(۴) ”تفسیر صافی“ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے علیؓ! میں خاتم الانبیاء ہوں اور تو خاتم الادبیاء ہے۔ تو کیا اس سے مراد یہ لیا جائے کہ حضرت علیؓ کے بعد کوئی ولی نہیں ہوگا؟

(۵) ”دلیلی“ کی حدیث ہے کہ میں فقراء المؤمنین کے ساتھ سب سے پہلے جنت میں جاؤں گا اور میں اپنے سے پہلے اور بعد کے سب نبیوں کا سردار ہوں۔

(۶) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو خاتم المہاجرین کہا ہے تو کیا حضرت عباسؓ کے بعد کسی نے ہجرت نہیں کی؟

(۷) سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم بمعنی امہر کے ہیں اور مہر کا کام تصدیق کرنا ہے، ایک سرکاری ملازم اس لیے مہر لگاتا ہے کہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ یہ رقم یا تنخواہ میں نے وصول کی ہے نہ کہ کسی اور نے۔

(۸) ایک عدالت کا حاکم اس لیے مہر لگاتا ہے کہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ یہ نوشتہ یا پروانہ میرے علم اور حکم سے جاری ہوا ہے۔

(۹) ایک بادشاہ اس لیے مہر لگاتا ہے کہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ یہ فرمان یا تحریر میرے علم اور حکم سے لکھایا جاری ہوا۔

(۱۰) ایک ڈاکخانہ خط پر اس لیے مہر لگاتا ہے کہ تصدیق کی جاتی ہے کہ یہ خط فلاں مقام سے فلاں تاریخ اور وقت پر روانہ ہوا یا پہنچا۔

(۱۱) ایک اپیل نویس اپنی مہر اس واسطے لگاتا ہے کہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ وثیقہ کی

عبارت میری تحریر کردہ ہے۔

(۱۲) کسی پارسل، بوتل یا بند خط پر مہر اس لیے لگاٹی جاتی ہے کہ یہ چیزیں میں نے بند کی ہیں اگر مہر سلامت نہ رہے تو اس کے اندر کی چیز کے سلامت ہونے کا اعتبار جاتا رہتا ہے (۱۳) کسی مہر کے واسطے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی تحریر کے لازماً آخر میں ہو، خواہ آغاز پر خواہ انجام پر، مراد اس سے مہر کنندہ کی تصدیق ہوتی ہے نہ کہ اس تحریر کا بند ہونا اور بند کرنا۔

یہ تو قادیانی کے دلائل تھے، آپ حضرات سے استدعا ہے کہ ان دلائل کے دندان شکن جوابات تحریر فرما کر اس توپید فتنہ کا قلع قمع کرنے میں تعاون فرمائیں۔

الجواب :- تمام امت مسلمہ کا یہ اجماعی اور متفق علیہ عقیدہ ہے کہ حضور سید و عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا سوائے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے، وہ قرب قیامت میں آسمانوں سے نزول فرمائیں گے اور دین محمدی کی احیاء اور تجدید کریں گے اور شریعت محمدی کے تابع ہوں گے۔ باقی قادیانی بد بخت اس اجماعی عقیدہ کو چھوڑ کر لفظ خاتم کے غیر مرادی اور غیر معتبر معانی کے پیچھے لگ گئے اور خاتم النبیین کا جو اجماعی معنی ہے جس پر تمام امت کا اتفاق ہے، جو آنحضرتؐ نے خود سمجھایا اور صحابہ کرامؓ نے سمجھا تھا اور امت کے تمام محققین، محدثین، مفسرین، ائمہ کرام اور علماء حق کا اسی پر اتفاق ہے، لیکن بد بخت قادیانیوں نے ان کا سمجھا ہوا معنی جھٹلایا اور خود اپنے من گھڑت معنی کو معتبر قرار دیا۔

قال اللہ تعالیٰ: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا۔ (سورۃ الاحزاب آیت ۴۰)
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا يَتَّبِعِي بَعْدِي وَلَا رَسُولٌ بَعْدِي وَلَا أُمَّةٌ بَعْدِي۔ یہ کئی احادیث کا مجموعہ ہے اور یہ مضمون کئی احادیث میں وارد ہوا ہے۔ رتفسیر القرآن العظیم ج ۴ ص ۴۸۷۔ لا نفی جنس سے، جب یہ اپنے مدخول پر آجاتا ہے تو اس کا نسخ نکال جاتا ہے، یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتم النبیین کا معنی انبیوں کا خاتمہ کرنے کا لیا، اسی لیے فرمایا لَا يَتَّبِعِي بَعْدِي وَلَا رَسُولٌ بَعْدِي الخ کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، نہ شریعی نہ ظلی نہ بروزی۔ مگر قادیانی بد بختوں علیہم ما علیہم نے خاتم النبیین سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لیا ہوا معنی اچھوڑ کر اور خود بھی لغت کے تمام

معنوں کو چھوڑ کر صرف تصدیق اور مہر کا معنی لیا جو تمام کے لیے ہوئے معنی سے مخالف اور متضاد ہے۔

ملا علی قاریؒ نے جو ”موضوعات کبیر“ میں آیت خاتم النبیین کا معنی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں آئے گا جو آپ کے دین کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو، تو یہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی طرف اشارہ ہے کہ آئیں گے مگر شرعی نبی نہیں بلکہ آنحضرتؐ کے دین کے حامی بن کر آئیں گے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا قول ”تفہیمات الکبیر“ میں بھی بالکل ٹھیک ہے قادیانی اس پر عمل نہیں کرتے کیونکہ وہ پھر نئے نبی کے آنے کے قائل ہیں۔

ضروری انتباہ:- قادیانیوں کی تحریرات میں سب دھوکہ ہے، سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ سے بے دینی کی طرف مائل کرتے ہیں، خاتم النبیین اور ختم نبوت کے اجماعی عقیدہ کے یہ لوگ منکر ہیں، لوگوں میں خود کو مسلمان ظاہر کرنے اور عوام الناس کو اپنے دام میں پھنسانے کے لیے اس قسم کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں تاکہ ان سادہ لوح لوگوں کو دھوکہ دے سکیں، ان کے پلید مذہب کی حقیقت خود ان کی اپنی تحریر کردہ کتابوں سے واضح ہوتی ہے، اگر آپ قادیانی مذہب کی حقیقت سے آگاہی حاصل کرنا چاہیں تو مندرجہ ذیل کتابیں منگو کر مطالعہ کریں تاکہ ایمان بھی تازہ ہو اور دین و ایمان کے دُکوں کے فریب سے بھی نجات ملے۔ (۱) عشرۃ کاملہ (۲) ختم نبوت (۳) تحقیق الظفر والایمان بآیات القرآن (۴) دعاوی مرزا (۵) مسیح موعود کی پہچان (۶) قادیانیوں کے کفر پر علماء اسلام کا فتویٰ۔ یہ کتابیں طبع شدہ ہیں اور عام ملتی ہیں، کسی بھی مشہور کتب خانہ سے منگو کر ضرور مطالعہ کریں۔

لفظ خاتم کی لغوی تحقیق:- خاتم کا معنی لغت کی رو سے: (۱) مراجع میں ہے: ”ختم کردن، مہر کردن، ختمت الشیء معہ مختوم، ختم شد و تمام گردانیدن يقال ختم اللہ لہ بالخیر، تمام خواندن قرآن، اختتام بیایان بردن، نقیض الافتتاح، خاتم بفتح التاء و کسر ما، ختام بالتاء خاتام بالالف انگشتی جمع خواتیم، خاتم الشیء آخرہ، و محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء بالفتح صلوة اللہ علیہم اجمعین، گلے و موم مہر کنندہ و قولہ تعالیٰ: خاتمہ مسک“ (۲) اور ”غیاث“ ص ۵۳ پر: ختام بکسر موم و مک و غیرہ کہ بران مہر کنندہ (۳) النجد ص ۱۶۵ الختم ما یتختم بہ الختام الطین او کل ما یتختم بہ علی الشیء

جمع ختم الختم کل ما یتختم به الخاتم جمع خواتیم، الخاتم ما یتختم به وعاقبت کل شیء، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے۔ (۴۴) مفردات القرآن لا امام راغب اصفہانی ص ۱۲۲ پر ہے: وخاتم النبیین لانہ ختم النبوة الی ختمہا بمجیئہ۔

مذکورہ بالا حوالہ جات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ خاتم ختم کرنے اور ختمی الشیء کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اور خبیث قادیانی کے دھوکہ کو دیکھو کہ یہ لفظ کہیں بھی ختم کرنے اور انتہاء و اختتام الشیء کے معنی میں نہیں لایا، خاص کر امام راغب اصفہانی کی صرح کے الفاظ۔ المنجد کا مصنف تو عیسائی ہے مسلمان نہیں، اس عیسائی کے الفاظ دیکھیں کہتا ہے عاقبت کل الشیء، اور یہ معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے۔ اگر بالفرض کسی لغت میں لفظ خاتم بمعنی ختم کرنے والا نہ بھی ہو تب بھی ہمارے مدعا اور اجماعی عقیدہ پر اثر انداز نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ ہمارے نزدیک لغات کی کتابیں معتبر ہی نہیں ہیں اور نہ ہم اپنے مدعا کے ثبوت کے لیے ان سے استدلال کرتے کے پابند ہیں، بلکہ ہمارا یہ دعویٰ قرآن پاک کے قطعی اور یقینی نصوص، احادیث صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، قرآن و حدیث کو چھوڑ کر لغات کی کتابوں سے استدلال کرنے والا حد درجہ کا زندقہ اور ملحد ہے، اسلام سے کوسوں دور ارتداد کی شدید ظلمات میں پڑا ہوا ہے، اسلامی حکومت پر واجب کہ جو شخص قادیانی مذہب اختیار کرے تو عدم رجوع کی صورت میں اسے سزائے موت دے۔

قال اللہ تعالیٰ: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ه (سورة الاحزاب آیت ۴۱)

قال الحافظ ابن كثير: تحت هذه الآية فهذه الآية نص في انه لا نبي بعده واذا كان لا نبي بعده فلا رسول بعده بالطريق الأولى والاخرى لان مقام الرسالة اخص من مقام النبوة فان كل رسول نبي ولا ينكس وبذلك وردت الاحاديث المتواترة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من حديث جماعة من الصحابة - (تفسير القرآن العظيم ج ۳ ص ۴۸۳) ل

لہ قال العلامة القرطبي: قال ابن عبيدة هذه الالفاظ عند جماعة علماء الامة خلقا وسلفا متلقا على العموم التام مقتضية نصا انه لا نبي بعد صلى الله عليه وسلم۔

(احکام القرآن ج ۱۲ ص ۱۹۶ سورة الاحزاب)

مرزائیوں کا لاہوری فرقہ بھی کافر ہے | سوال :- مرزائیوں کا لاہوری فرقہ جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں مانتا اور بظاہر اس کے نبی ہونے سے برأت کا اظہار کرتے ہیں لیکن حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتا، اسی طرح یہ فرقہ حضرت عیسیٰ کے رفع الی السماء کا بھی منکر ہے۔ کیا یہ عقیدہ رکھنے والے لوگ مسلمان ہیں یا قادیانی مرزائیوں کی طرح کافر و مرتد ؟

الجواب :- مرزائیوں کا لاہوری فرقہ اگرچہ مرزا غلام احمد قادیانی کے نبی اور غیر نبی ہونے میں متردد ہے لیکن دیگر عقائد قطعیہ مثلاً حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا بغیر باپ پیدا ہونے سے انکار اسی طرح ان کے رفع الی السماء سے بھی انکار کرنا و صرح بہ محمد علی لاہوری فی تفسیر بیان القرآن جلد ۱ ص ۳۱۳) یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یوسف نجار کا بیٹا ماننا، اس قسم کا عقیدہ رکھنا قرآنی آیات، صحیح احادیث اور اجماع امت کے خلاف ہے لہذا مرزائیوں کا یہ (لاہوری) فرقہ بھی اپنی تاویلات فاسدہ کی وجہ سے مسلمان نہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

قال الله تعالى حكاية عن مريم: قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ه قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ زَكِيًّا ه قَالَتْ أَنِّي لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ه قَالَ كَذَلِكُ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَى هَيْئٍ وَلِنَجْعَلَ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا ه (سورة مريم آیت ۱۸ تا ۲۱)

وقال الله تعالى: وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا وَصَدَقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتِبَ لَهَا الْقَانِتِينَ ه (سورة التحريم آیت ۱۲) لہ

لہ وقال ابو عبد الله محمد بن احمد رحمه الله في تفسيره: وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ اى بنكاح وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا اى زانية وذكرى هذا تأكيدا لا قولها لَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ يشمل الحلال والحرام..... وَلِنَجْعَلَ آيَةً اى دلالة على عجيبة۔ (الجامع لاحكام القرآن ج ۱ ص ۱۹ سورة مريم) وَمِثْلُهُ فِي التفسير القرآن العظيم ج ۳ ص ۱۸۔ سورة مريم۔

لاہوری مرزائی بھی کافر اور خارج اسلام ہیں | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کل ٹورنٹہ ۸ ستمبر ۱۹۷۹ء بوقت

۱۲ بجے دن سابق امام مسجد ووکنگ مسجد محمد طفیل متعلقہ مرزائی لاہوری فرقہ کی ساس کا جنازہ مسجد ہذا میں لایا گیا اور یہاں کے سرکاری امام خواجہ قمر الدین جو کہ اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت ظاہر کرتے ہیں، مرزائی سابق امام محمد طفیل کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی، جبکہ چند معززین نے ان کی اس حرکت کا محاسبہ کیا تو خواجہ قمر الدین سرکاری امام ووکنگ مسجد نے یہ دلیل پیش کی کہ میں نے اس لیے جنازہ میں شرکت کی ہے کیونکہ مرزا محمد طفیل بسا اوقات میرے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے ہیں، اور دوسری دلیل یہ پیش کی کہ میں لاہوری مرزائیوں کو کافر نہیں سمجھتا کیونکہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو صرف مجدد تسلیم کرتے ہیں اور ہم کو کافر نہیں سمجھتے، لہذا آپ مہربانی فرما کر قرآن و حدیث کی روشنی میں ایسے شخص کے متعلق شرعی فتویٰ سے کما حقہ مطلع فرمائیں۔

یعنی شاہدوں کے دستخط مندرجہ ذیل ہیں

الجواب :- مرزا غلام احمد قادیانی بوجہ اپنے دعاوی باطلہ کے قرآن و سنت کی واضح اور بدیہی نصوص اور اجماع امت کی بناء قطعی کافر اور مرتد ہے، انہی وجوہات کی وجہ سے مرزا کے ایسے معتقدات کو اپنانے والے یا اس کی اتباع کرنے والے یا اس کی تصدیق و تائید یا کسی طرح تاویل کرنے والے بھی قطعی کافر اور مرتد ہیں۔

منتہی کذاب مرزا قادیانی کے مرنے کے بعد ان کے تبعین کی ایک جماعت نے (جو لاہوری مرزائی جماعت کہلاتی ہے اور جس کی قیادت مولوی محمد علی لاہوری نے کی) مرزا کے واضح بدیہی اور غیر مبہم دعاوی کے باوجود اس کی تکفیر کرنے کی بجائے (جو ہر مسلمان کا لازمی عقیدہ ہونا چاہیے) ایسے تمام دعاوی اور اقوال کفریہ کی تاویل شروع کر دی جبکہ وہ خود اپنے دعوؤں میں پیکار پیکار کر کہتا ہے کہ میں نبی ہوں تشریعی بھی اور غیر تشریعی بھی، سارے انبیاء و رسل حضور خاتم النبیین پر اپنی برتری کا دعویٰ کرتا رہا، اپنے منکر تمام مسلمانوں کو جہنمی اور کافر قرار دیتا رہا، مگر مولوی محمد علی لاہوری اور اس کی پارٹی نے مرزا صاحب کو کافر سمجھنے کی بجائے چودہویں صدی کا مجتہد اعظم مصلح اکبر اور اس سے بڑھ کر مسیح موعود تک مانا۔ (ملاحظہ ہو اس کی تفسیر بیان القرآن حصہ اول ص ۲۱، ریلو آف ریجنر جلد ۵ ص ۳۱، جلد ۱۲ ص ۲۶۵ وغیرہ) اس نے اپنی تفسیر میں بی شمار مقامات پر تین معنوی اور ایسے تلاعب سے کام لیا جو کہ الحاد کا دروازہ کھولتا ہے، پھر نبوت مرزا سے

انکار اور مصلح و مجدد کہنے کا بھی راستہ جان بوجھ کر نفاق و تبلیس اور مسلمانوں کو فریب دینے کیلئے اختیار کیا گیا ورنہ درحقیقت لاہوری اور قادیانی ہر دو پارٹیوں کے معتقدات میں کوئی فرق نہیں۔ ملاحظہ ہو پیغام صلح ۷ ستمبر ۱۹۱۳ء جو کہ لاہوری پارٹی کا ترجمان ہے اس میں مرزا قادیانی کو رسول ماننے کا اعلان موجود ہے۔ اپنے رسالہ ریوڑ جلد ۳ ص ۱۱۱، ص ۱۱۲ میں مرزا کو نہ صرف رسول اللہ اور نبی بلکہ سارے رسولوں سے افضل کہا۔ بہر حال اگر حقیقت حال یہ ہوتی کہ وہ مرزا کو صرف مصلح و مجدد سمجھتے تب بھی ان کی تکفیر میں کوئی پس و پیش نہ ہوتی۔ برصغیر کے محقق علما خصوصاً علامہ سید انور شاہ کشمیری نے اس فریب و نفاق کا پردہ بھی قطعی دلائل سے چاک کیا اور لاہوری گروپ کی تکفیر ہی کے ضمن میں ”اکفار الملحدین فی ضروریات الدین“ جیسی معرکہ الآراء کتاب لکھی جس میں واضح فرمایا کہ قطعی یقینی اور متواتر عقائد اور ضروریات دین میں تاویل و تحریف و انکار قطعی کفر ہے اگرچہ ایسا کرنے والا خود اپنے آپ کو مسلمان کہے اور اپنے کو اہل قبلہ میں سے سمجھے اور سارے ارکان اسلام عبادات وغیرہ بھی ادا کیوں نہ کرے۔

مسلمانوں کیلئے تو مرزائیوں کا لاہوی فرقہ قادیانی اور ربوائی جماعت سے بھی بڑھ کر خطرناک ہے کہ عام مسلمان انہیں نمازوں وغیرہ میں شرکت کرنے دیکھ کر ان پر حسن ظن کر لیتے ہیں اور بالآخر ان کے مکائد اور خباثت کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کی زبانی مرزا قادیانی کے محامد اور محاسن سن سکر اس کے بارہ میں بھی خوش فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں جو ضیاع دین و ایمان بن کر رہ جاتا ہے۔

الحاصل لاہوی مرزائی بھی قادیانی مرزائیوں کی طرح قطعی کافر ہیں نہ تو کسی مسلمان کے پیچھے ان کا نماز پڑھنا ان کے مسلمان ہونے کی دلیل بن سکتا ہے نہ ان کا یہ کہنا کہ ہم تو مسلمانوں کو کافر نہیں سمجھتے! دراب تو قادیانیوں کی ربوہ جماعت کے امام نے بھی ازراہ تفسیر مسلمانوں کو دھوکہ دے کر فریب دینے کی خاطر اپنے متبعین کو مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنے اور معاشرتی و سماجی تعلقات قائم کرنے کی اجازت دیدی ہے، کیا ان کا اس طرح کہنے سے وہ مسلمان کہلا سکیں گے؟ اگر مرزائی ہم مسلمانوں کو کافر نہ بھی کہیں تو کیا وہ دائرہ کفر سے نکل سکیں گے؟ ہرگز نہیں! بلکہ جب تک وہ مرزا کے بارے میں اپنے کفریہ عقائد سے رجوع نہ کر لیں اسلام انہیں کافر، مرتد، واجب القتل اور جہنمی قرار دے گا۔ آپ نے اپنے سوال میں جس شخص (سرکاری امام خواہ قمر الدین) کا ذکر کیا ہے اگر اس نے غلط فہمی اور لاعلمی کی وجہ سے لاہوری مرزائی کی اقتدار کی یا اسے مسلمان سمجھتا رہا تو اسے نادم اور تائب ہو کر اپنے موقف سے رجوع کرنا چاہیے، اور اگر اب بھی وہ لاہوی مرزائیوں کے بارہ میں اپنی رٹیں پڑھ رہے تو اسے منصب امامت سے ہٹانا اور معزول کرنا ضروری ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

شیعہ مذہب اختیار کرنے سے نکاح پر اثرات | سوال :- ایک لڑکے نے اپنے آپ کو صنی ظاہر کر کے ایک سنی المسک

خاندان کی لڑکی سے شادی کر لی جبکہ حقیقت میں وہ شیعہ مذہب اور شیعیت کا ہنجیال ہے، اور اب بیوی کو بھی شیعہ مذہب اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے لیکن لڑکی شیعہ مذہب اختیار کرنے پر رضا مند نہیں اور نہ وہ اس کے پاس آباد رہنے کے لیے تیار ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شریعت محمدی کی رو سے شیعہ مذہب اختیار کرنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اور ایک سنی المسک خاتون کسی شیعہ مرد کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورتِ مسئلہ میں اگر لڑکے نے شیعہ مذہب کے وہ عقائد اپنا رکھے ہیں جو ضروریاتِ دین کے مخالف اور متضاد ہیں، جیسے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت لگانا، سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت اور آپ کی خلافتِ حقہ کا انکار کرنا، اسی طرح قرآن پاک کے محرف ہونے کا عقیدہ رکھنا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا قائل ہونا یا آپ کو نبی آخر الزمان ماننا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی اور حضرت علیؑ کی بجائے جناب محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری وغیرہ وغیرہ، یہ تمام صورتیں موجب کفر و ارتداد ہیں۔ لہذا اگر مذکورہ شوہر اس قسم کے نظریات رکھتا ہے تو بلاشبہ وہ مرتد اور کافر ہے، اور شریعتِ اسلامیہ کی رو سے شوہر کے مرتد ہو جانے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور عورت اگر مدخول بہا ہو تو وہ عدت گزارنے کے بعد دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے اور پورے حقِ مہر کی حقدار ہے اور اگر غیر مدخول بہا ہے تو عقد بھی واجب نہیں اور آدھا مہر ملے گا۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحسکفی رحمہ اللہ : وارتد احدہما ای الزوجین۔

فسخ۔ رالدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۰۶ باب نکاح الکافر

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : کاشک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وانکر الصحبۃ الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ او اعتقد الاوہیۃ فی علی رضی اللہ عنہ او ان جبریل علیہ السلام

غلط فی الوحی او نحو ذلک من الکفر الصریح المتخالف للمقرآن -

رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۲ باب المرتد مطلب مهم فی سبب الشیخین) لہ

سوال :- ذکر فرقیہ جو ضلع تربت، مکران و بلوچستان میں وقوع پذیر ہے، اس فرقیہ کے تمام مذہبی طور طریقے اسلامی

تعلیمات کے خلاف ہیں، ان کا کلمہ انگ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سے انکار، خانہ کعبہ کو قبلہ ماننے سے انکار وغیرہ، اس کے باوجود اس فرقیہ کے پیروکار اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، تو کیا صرف اسلام کا دعویٰ کرنے سے آدمی مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- یہ فرقیہ محمد جو نیوری یا محمد انکی کو اپنا رسول مانتا ہے، جیسا کہ اہل اسلام کے کلمہ کے برعکس اپنے ایجاد کردہ کلمہ سے وہ اپنے آپ کو رسول ظاہر کرتا ہے، اس فرقیہ کا کلمہ لا الہ الا اللہ نور پاک محمد مہدی رسول اللہ ہے۔ بایں وجہ یہ فرقیہ ختم نبوت کے متفقہ و مسلمہ عقیدہ کا بھی منکر ہے، دوسرا یہ فرقیہ اسلام کے بنیادی ارکان نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جو قطعی الثبوت دلائل سے ثابت ہیں اور ان پر اسلام کی بناء رکھی گئی ہے کا منکر ہے، اسی طرح کعبۃ اللہ کے علاوہ کسی دوسری جہت کی طرف منہ کرنا یعنی اس کو قبلہ گاہ بنانا بھی موجب کفر ہے۔ لہذا جس شخص کے بھی یہ عقائد ہوں وہ ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتا ہے چاہے اپنے دل کو تسلی دینے کے لیے ہزار بار ”میں مسلمان ہوں، میں مسلمان ہوں“ کی رٹ

لے قال العلامة ابن البزاز انکر دیناً : واکفار التوافق فی قولہم برجعة الاموات الی الدُّنیا وبنسب الارواح وانتقال الروح الی الائمة وان الائمة الہمة وفي قولہم بغروج امام ناطق بالحق وانقطاع الامر والنہی الی ان ینخرج وبقولہم ان جبرئیل علیہ السلام غلط فی الوحی الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم دون علی رضی اللہ عنہ واحکام ہؤلاء احکام المرتدین ومن انکر خلافة ابی بکر رضی اللہ عنہ فهو کافر فی الاصح ووجب اکفار الخوارج فی اکفارہم جمیع الائمة سواہم ووجب اکفارہم باکفار عثمان رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ وطلحة والزبیر وعائشة رضی اللہ عنہم - (الیزازیة علی هامش الہندیة ج ۶ ص ۳۱۸ باب احکام المرتد) ومثله فی البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۲ باب احکام المرتدین -

لگاتا پھرے، اس لیے کہ فقہاء اور متکلمین نے لکھا ہے کہ مسلمان ہونے کی شرط یہ ہے کہ ان تمام ضروریاتِ دین کا اقرار اور تصدیق کرے جن کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کر آئے ہیں، اور دین کے کسی ضروری امر کا انکار نہ کرے، لہذا ذکرِ فرقہ اسلام کی ان بنیادی ضروریات کے انکار کا بناء پر وائزہ اسلام سے خارج ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصری: والایمان التصديق بجميع ما جاء به النبي صلی اللہ علیہ وسلم عن الله تبارک وتعالیٰ مما علم حجیته به ضرورة وهل هو فقط او هو مع الاقرار قولان فاکثر الحنفیة على الثاني والمحققون على الاول والاقراء شرط اجراء احکام الدنيا بعد الاتفاق علی انه، یعتقد متى طوب به اتي به فان طوب به فلم یقرأ فهو کفر عناد والکفر لغة الستر وشرعاً تکذیب محمد فی شیء مما ثبت عنه ادعاه ضرورة۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۱۹ باب احکام المرتدین) ^۱

سوال :- جناب مفتی صاحب! بریلوی فرقہ کا بانی کون تھا اور اس کے عقائد و نظریات کیا تھے؟ اُس کے اور اس کے پیروکاروں کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- بریلوی فرقہ کا بانی احمد رضا خان تھا، اس نے اکابر علماء دیوبند اور دیگر علماء کرام کے بارے میں بہت کچھ غلط الفاظ استعمال کیے جن کو زبان و قلم پر لانا بھی مشکل ہے، اس کے علاوہ اُس نے علماء دیوبند کی عبارات کو کاٹ چھانٹ کر علماء حرمین سے ان پر کفر کے فتوے حاصل کیے جن کی وجہ سے بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو علماء حق سے متنفر کیا اور ان میں مختلف قسم کی بدعات و رسومات کو رواج دیا، لیکن اس سب کے باوجود علماء حق نے اس فرقہ کے باقی اور اس کے پیروکاروں کی تکفیر نہیں کی، تاہم کسی بھی غیر اللہ کو مافوق الاسباب حاجت روا ماننا اور اس کے لیے علم غیب ملی اور حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھنا موجب کفر ضرور ہے۔

لما قال العلامة ملا علی القاری: وکن مخالفۃ ما جمیع علیہ وانکارہ بعد العلم بہ یعنی من امور الدین۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۵۲ استحلال المعصیۃ کفر) ومثله فی رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۳ باب احکام المرتدین۔

مَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لَمَجِيبِهِ: قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَهُ وَاحِدٌ ۖ (سورة الكهف آيت ١١٠)

وَأَحَدٌ (سورة الميثاق آيت ٢٨)
 وقال ايضاً: قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا. (سورة الاسراء) ٩٣
 لما في الحديث: قال النبي صلى الله عليه وسلم انما انا بشر مثلكم اذا امرتكم
 بشئ من امر دينكم فخذوه به واذا امرتكم بشئ من رائي فانما انا بشر -
 (مسلم بحواله مشكوة ص ٢٨ باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

قال العلامة ملا علي القاري: فليس لي اطلاع على المغيبات انما ذلك شيء قلته بحسب الظن. (مرقاة ج ٢ ص ٢٢٠ باب الاعتصام بالكتاب والسنة) ^{له}

مولانا بیچ پیر اور ان کے پیروکاروں کو کافر کہنا صحیح نہیں | سوال :- مولانا بیچ پیر اور ان کے متبعین کو ان کے عقائد و

نظریات سے اختلاف کی بناء پر کافر کہنا کیسے ہے؟ نیز ان کے ساتھ مسلمانوں جیسے تعلقات قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مولانا پنج پیر اور ان کے متبعین کا عقیدہ صحیح اور درست ہے اور وہ اہل السنۃ والجماعۃ میں داخل ہیں، اگرچہ بعض مسائل میں شدت سے کام لیتے ہیں جو کہ راہ اعتدال سے تجاوز کر چکی ہے، اس سختی اور بے جا فتویٰ بازی کی وجہ سے علماء حقانیہ نے ان کی جماعت میں شامل ہونے سے منع فرمایا ہے لیکن ان کو کافر اور مرتد کہنا صحیح نہیں، علماء کرام نے تکفیر کے فتویٰ میں بڑی احتیاط کا حکم دیا ہے اور مسلمان ہونے کے ناطے سے ان کے ساتھ مسلمانوں والے تعلقات قائم کرنا صحیح اور درست ہے، کسی بھی مسلمان کو

له قال العلامة ملا علي القاري: ثم اعلم ان الانبياء لم يعلموا الغيباً من الاشياء الا ما
اعلمهم الله تعالى احياناً وذكر الحنفية تصريحاً بالكفر باعتقاد ان النبي صلى الله
عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى: قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ - (شرح الفقه الأكبر ص ١٥١) حكم تصديق الكاهن

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ٢٦٦٢٠ ابواب التاسع في احكام المرتدين ومنها ما يتعلق
بالانبياء عليهم الصلوة والسلام -

بلا وجہ کافر کہنا موجب تعزیر ہے۔

لما قال العلامة ملاحی التاری: وقد ذکر ان المسئلة المتعلقة بالكفر اذ كان لها تسعة وتسعون احتمال الكفر واحتمال واحد في نفسه فالاولى للمفتي والقاضي ان يعمل بالاحتمال الثاني لان الخطأ في الف كافر اهن من الخطأ في افتاء مسلم واحد الخ (شرح الفقه الاكبر^{۵۹} تكفير اهل البائت^{۵۹} له)

مودودی صاحب اور ان کے ہمتیالوں کے جہد پسند نظریات | سوال :- جناب مفتی صاحب! بعض علماء دین

کا کہنا ہے کہ عقائد مودودیہ گمراہ کن اور اجماع اُمت کے مخالف ہیں، مودودی صاحب خود ضال و مضل ہیں، ان کی کتابوں کا مطالعہ بغیر عالم دین کے عوام الناس کے لیے ناجائز اور سخت مُضر ہے، اس جماعت کے ساتھ میل ملاپ اور اس کی حمایت کرنا ناجائز ہے، اس بارہ میں آپ اپنی لائے سے آگاہ فرمائیں؟

الجواب :- مودودی صاحب کے عقائد و نظریات پر اکابر علماء دیوبند نے کافی حد تک روشنی ڈالی ہے اور ان کے تمام یک طرفہ نظریات کو جمع کر کے قرآن و حدیث اور اجماع اُمت کی روشنی میں وضاحت کے ساتھ امت مسلمہ کے سامنے پیش کر دیا ہے، تاہم مختصراً یہاں بھی عرض کیا جاتا ہے کہ مودودی صاحب کی تالیفات اور ان کی جماعت کے بعض ذمہ دار حضرات کے مضامین و خیالات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب ایک آزاد خیال انسان ہیں جو اپنی تحقیق و ریسرچ اور بزعم خود اجتہاد و استنباط کے شوق میں ائمہ اربعہ تو کیا بسا اوقات جمہور اہل سنت والجماعت کے مسلمہ مسلک اور حدود سے بھی تجاوز کرتے ہیں۔

لہ قال العلامة عالم بن العلامہ انصاری: يجب ان يعلم انه اذا كان في المسئلة وجوه توجب الكفر ووجه واحد.. يمنع التكفير فعلى المفتي ان يميل الى الذي يمنع التكفير تحسیناً للظن بالمسلم۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج ۵ ص ۲۵۸ فی کتاب احکام المرتدین)

لما قال العلامة المرغینانی: اذا قذف مسلماً بغير الزنا فقال يا فاسق او يا كافر او يا خبيث فوجب التعزير۔ (الهدایة ج ۲ ص ۲۲ کتاب الحدود۔ فصل فی التعزیر۔ ومثله فی رد المحتار ج ۲ ص ۲۲ فی باب المرتد۔)

مودودی صاحب کی ان طبع آزمائیوں کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ان سے متاثرہ افراد کے دلوں میں بھی سلف صالحین کی وقعت اور ان کی علمی اور فقہی تحقیقات اور کارناموں سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ جمہور کے مسلک اور قطعی منصوص مسائل سے بے اعتنائی اور مخالفت کی چند مثالیں ہماری معلومات کے ثبوت کے لیے کافی ہیں تاکہ مودودی صاحب اور ان کے ہم خیال لوگوں کا تعارف سامنے آجائے۔

(۱) تنقید سے صحابہ کرامؓ کو مستثنیٰ نہ کرنا اور نہ انہیں معیارِ حق سمجھنا۔ (دستور ص ۱۲) حالانکہ صحابہ کرامؓ کا عادل ہونا ان قطعی مسلمات میں سے ہے جن پر دین کی بنیاد قائم ہے، کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی بے شمار نصوص ان کے معیارِ حق اور میزانِ عدل ہونے پر ناطق اور شاہد ہیں۔ اور بقول علامہ ابن حجر عسقلانیؒ: ”جو کوئی بھی صحابہ کرامؓ کی تنقیص و تنقید کو جائز سمجھتا ہے وہ دراصل قرآن و حدیث کی ابطال و تنقیص کرتا ہے اور ایسا شخص زندیق ہے“ (الاصابة)

اور بقول شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ: ”اگر معاذ اللہ یہ اولین اساتذہ اسلام غیر ناقابل اعتماد ہوں گے تو دین کی تمام عمارت گر جائے گی اور اس دروازہ تنقید اور جرح کے کھلنے سے تمام دینی اصول و فروع ناقابل اعتماد ہو جاتے ہیں“ (مکتوبات ج ۲ ص ۲۶۳)

(۲) ایسی ہی عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے متعلق ذاتی رائے اور انوکھا اجتہاد (تفہیمات ص ۴۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق رسائل و مسائل (۳۱) حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق (تفہیمات ص ۴۲) اسی طرح دیگر انبیاء و حضرت ابراہیم علیہ السلام (تفہیم القرآن ص ۵۵۸) حضرت یونس علیہ السلام (تفہیم القرآن ص ۳۱۲-۳۱۳) وغیرہ کے بارہ میں گستاخانہ الفاظ اور ان کی شانِ نبوت میں غفلت و بے پرواہی سے ایسے انداز میں ان پر تبصرے کیے کہ جن سے بے ادبی واضح طور پر محسوس ہوتی ہے۔ یا مثلاً حدودِ شرعیہ کے متعلق ظلم اور بے انصافی کا خیال ظاہر کرنا۔ (تفہیمات ص ۴) یا مثلاً دجال وغیرہ کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کو قیاسات اور ظن و تخمین قرار دے کر انہیں افسانے کہنا، یا مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی الی السماء کے مسئلہ و متفقہ عقیدہ میں انکار و تردید کرنا (تفہیم القرآن) — اور اسی طرح کے دیگر خیالاتِ فاسد

جو کہ نصوص قطعیہ کے یکسر خلاف ہیں۔

اس کے علاوہ مودودی صاحب کی تحریرات میں مسلمانوں اور ملت بیضاء کے مسلمات مثلاً رشد و ہدایت اور تصوف کے طریقوں، مجددین و مصلحین کے خصوصی امتیازات اور تجدیدی کارناموں کی تفصیل و تحقیر کرنا موجود ہیں جس کی وجہ سے ان کے روشن خیال اور خالی الذہن متبعین کے دلوں میں ملت اسلامیہ کے صحیح راہنماؤں، فقہاء و ائمہ کرام، مشائخ عظام اور ان کے طریقہ دعوت و عزیمت اور تجدید دین کی مساعی اور کوششوں کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے اور عزت و احترام کے جذبات بالکل معدوم ہو جاتے ہیں اور ان لوگوں کو تجدید و دعوت اجتہاد و امامت کے لیے ہمہ جہت اور جامع الصفات شخصیت صرف مودودی صاحب ہی نظر آتے ہیں۔ اس قسم کی تحریرات کا نمونہ ان کی ”تجدید اور احیاء دین“ نامی کتاب میں موجود ہے جس کے صفحہ ۲۵، ۲۸، ۲۹ پر امام غزالی، امام ابن تیمیہ، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ اسماعیل شہید رحمہم اللہ وغیرہ پر کڑی تنقید کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ آٹھ دن فقہی مسائل میں انوکھے اجتہادات سے مسلمانوں میں تشویش اور انتشار پیدا کرنے کے لیے تمام قوتیں بروئے کار لائی گئیں، اس کی چند مثالیں خود انکی تحریروں کی روشنی میں ملاحظہ ہوں :-

(۱) اضطراری حالت میں جوازِ تمتع کی فرضی صورت۔

(۲) مسنونہ داڑھی سے انکار اور لطیف حیلوں سے اس کی مقدار و عظمت کو گھٹانے کی کوشش۔ (ترجمان القرآن)

(۳) خلع اور اس کی عدت میں ذاتی رائے۔ (حقوق الزوجین)

(۴) بے وضو سجدہ تلاوت کرنا۔ (تفہیم القرآن ۲/۱۶۱ سورۃ الاعراف)

(۵) روزہ دار کے لیے بعد از طلوع فجر کھانے پینے کا جواز۔ (تفہیم القرآن ج ۱ سورۃ البقرہ) جس کے لیے کسی شاذ و نادر قول تابعی وغیرہ کا سہارا لے کر جمہور کے مسلک کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ دین، اہل دین اور مسائل دین کے بارے میں بے ادبی اور بے احتیاطی اور اپنے مذعومہ نظریات اور آراء پر گھمنڈ ان کی آراء اور تحقیقات کا قدر مشترک ہے اور

اس طرح مودودی صاحب اپنی جدت پسند طبیعت، جدید اور قدیم امتزاج سے ایک نئے مسلک اور دین کی داغ بیل ڈالنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ ملت بیضا (مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِی) سے جدا ہو کر دین کے بارے میں ایک ایسے شخص کو معتمد علیہ سمجھنا ہے جس میں اجتہاد، امامت اور تحقیق و استنباط کی شرائط اور لوازم کسی حال میں موجود نہیں اور جو اپنی تحقیق کے گھنڈ میں اجماعیات تک سے حشم پوشی کر جاتا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ مصلحت اور ضرورت سمجھے تو دین کے مسلمہ عقائد اور اصول تک میں بھی حکمت عملی کے نام سے ترمیم و تبدیلی کر سکتا ہے۔

مذکورۃ الصدر بعض وہ اشارات ہیں جن پر اکابر علماء دیوبند نے تحقیق اور تفصیل سے ان کے تفردات اور غلط و گمراہ کن نظریات پر روشنی ڈالی ہے اور انگ انگ مضامین و رسائل لکھے ہیں، اس بارہ میں اپنی تحقیق سے زیادہ ہمارا اعتماد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا احمد علی لاہوری، حضرت مولانا اعجاز علی رحمہم اللہ تعالیٰ اور پاک و ہند کے دیگر علماء کرام اور باب فتویٰ کے قباوی پر ہے جو پورے اخلاص و لہیت اور جذبہ دینی و خیر خواہی مسلمین اور بصیرت باطنی کی روشنی میں مودودی صاحب کو بحیثیت مجموعی ایک گمراہ اور ان کی جماعت کو ایک گمراہ کن جماعت سمجھتے ہیں، ان حضرات کی اتباع اور تقلید اور پھر اپنی ذاتی رائے کی بناء پر ہم بھی مودودی صاحب کو مسلمانوں کے حق میں ناپسندیدہ مفسر اور ان کے نظریات و آراء سے اجتناب کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ مودودی صاحب کے نظریات و عقائد کی تردید اہل سنت والجماعت کی معتبر کتابوں سے بھی معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح قرآن پاک میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف کی گئی ہے اور قرآن پاک میں جن نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کا اولین مصداق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں، ان حضرات کو ہم اہل سنت والجماعت معصوم نہیں سمجھتے لیکن تمام امت میں بہترین اور افضل ترین سمجھتے ہیں، صحابہ کرامؓ کو موضوع تنقید و تردید بنانا حد درجہ کی ضلالت و گمراہی ہے، اور یہ تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین کی نشر و اشاعت میں بالکل عدول ہیں اور اس میں انہوں نے کسی قسم کی کمی بیشی، کوتاہی یا غفلت اور ذاتیات کو شامل نہیں کیا اور من و عن سارا دین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر امت تک پہنچایا ہے۔ اسی طرح تمام

انبیاء علیہم السلام بھی معصوم ہیں نبوت سے پہلے بھی اور نبوت کے بعد بھی، یہ بھی تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

قال الله تعالى: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَابِرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ
أَوْوُوا نَصْرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ
(سورة الانفال آیت ۷۲)

لما ورد في الحديث: قال النبي صلى الله عليه وسلم لا تسبوا اصحابي فلو ان
احدكم انفق مثل احد ذهباً ما بلغ مدّاً احد هم ولا نصيفه - متفق عليه
(مشکوٰۃ ص ۵۵۳ فی باب مناقب الصحابة - فی الفصل الاول)

وقال العلامة ملا علی القاری: الصحابة كلهم عدول مطلقاً نظوا هرا کتاب
والسنة واجماع من يعتمد عليه - (مرقاۃ المفاتیح ج ۱۰ ص ۲۵۵) ۱۰

قادیانیوں کے ساتھ مسلمانوں جیسے تعلقات قائم کرنا ناجائز ہے | سوال: ہمارے

رہتے ہیں، تو کن امور میں ہم مسلمانوں کو ان کے ساتھ تعلق رکھنا چاہیے اور کن امور میں
قطع تعلق کرنا چاہیے؟

الجواب:- قادیانیوں کے تمام دعوے جھوٹ اور لغویات پر مبنی ہیں، باجماع امت
یہ لوگ کافر اور مرتد ہیں، لہذا ان کے ساتھ مسلمانوں جیسے تعلقات (مناکحت، موائت،
مشاربت وغیرہ) قائم کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

لما قال الله تعالى: وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَيَمْسَكُوا النَّارَ - (سورة هود آیت ۱۱۳) ۱۱

لہذا قال العلامة ملا علی القاری وامام ابو حنیفہ: والانبیاء کلم منزهون عن الصفات

والکبائر والکفر والقبائح وقد كانت منهم زلات وخطیئات - (شرح الفقہ الاکبر ص ۸۹)

۱۲ قال الامام ابو عبد الله محمد بن احمد: تحت قوله تعالى: الى الذين ظلموا قبل اهل الشرك قبل

عامۃ فيهم وفي العصاة..... وهذا هو الصحيح في معنى الآية وانها دالۃ على هجران

اهل الكفر والمعاصي من اهل البدع وغيرهم فان صحبتهم كفر ومعيبة اذ الصبيبة لا تكون لاعن

مودۃ - (وقد قال حكيم) عن المر ولا تسال وسل عن قريته - فكل قرين بالقارن يقتدى

(احكام القرآن ج ۹ ص ۸۱ سورة الهود)

علامہ عنایت اللہ مشرقی کے بارے میں ایک استفسار کا جواب | سوال کیا فرماتے ہیں علماء کرام

علامہ مشرقی کے بارے میں کہ :

(۱) یہ کیسے آدمی تھے؟ کیونکہ ہم نے سنا ہے کہ علامہ مشرقی دشمن اسلام اور قرآن و حدیث کے خلاف سخت مذہب رکھتا تھا، چنانچہ مؤرخہ ۲۰ جولائی ۱۹۳۹ء ریکم جادی الثانی ۱۳۵۸ھ کو علامہ ابوالحسنات قادری خطیب مسجد وزیر خان لاہور نے علامہ مشرقی کے متعلق چھپو کر شائع کیا تھا اور اس پر کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ اور علماء پنجاب لاہور، علماء ہند دہلی نے بھی علامہ مشرقی کو اسلام سے خارج قرار دیا تھا۔ چنانچہ علامہ ابوالحسنات قادری نے اپنے رسالہ ”خاکساری مذہب اور اسلام“ میں لکھا ہے کہ علامہ مشرقی نے اپنے تذکرہ اور اشارات میں تحریر کیا ہے کہ مشرقی عقیدہ میں پنجوقتہ نماز فرض نہیں اور مشرقی عقیدہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک نہ تو کوئی سچا مذہب ہو سکا نہ خدا کا وجود کسی دلیل سے ثابت ہوا۔ مشرقی عقیدہ کے مطابق مصلوٹوں پر بیٹھ کر مثل اویاء کرام اللہ کرنا کوئی عبادت نہیں بلکہ ریاکاری، مکاری اور شرک و کفر ہے۔ کیا یہ کفر آمیز مضامین علامہ مشرقی کے ”تذکرہ اشارات“ میں لکھے ہوئے ہیں یا نہیں؟

(۲) اگر لکھے ہوئے ہیں تو کیا علامہ مشرقی اپنی تحریرات اور کفریہ مضامین سے بعد میں تائب ہو گئے تھے یا حالت کفر پر ہی ان کا انتقال ہوا ہے؟

(۳) اگر علامہ مشرقی ”تذکرہ“ میں درج خرافات اور کفریات سے تائب نہیں ہوئے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اکثر لوگ مشرقی کو اچھا اور نیک آدمی جانتے ہیں اور بڑے بڑے عالم اس کے جنازہ میں شریک ہوئے اور نماز جنازہ بادشاہی مسجد لاہور میں ادا کی گئی۔

(۴) جو لوگ علامہ مشرقی کو اچھا اور نیک آدمی جانتے ہیں اور خاکساری مذہب رکھتے ہیں عند الشرع کافر ہیں یا فاسق؟

(۵) جن لوگوں نے علامہ مشرقی کا جنازہ پڑھا ہے ان کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۶) مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور مجبوری کی حالت میں بھی جائز

ہے یا نہیں؟ اور امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مسجد میں جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب :- آپ کے سوالوں کے نمبر وار جواب بتوفیق الہی حاضر ہیں :-

(۱) واقعی مشرقی کا ”تذکرہ“ ایسے مضامین پر مشتمل ہے جو نہ صرف یہ کہ اسلام کے منصوص احکام کے صریح خلاف ہیں بلکہ قرآن کریم کے مضامین میں صریح تحریف بھی کی گئی ہے۔ یہی وہ خلاف شرع مضامین ہیں جن کی وجہ سے تمام علماء اسلام کے حلقہ میں علامہ مشرقی کو دین اور مذہب و ملت کے لیے انتہائی خطرناک آدمی سمجھا گیا اور علماء ربانی نے کبھی بھی اس کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا۔

(۲) ہمیں علامہ مشرقی کی یہ حالت معلوم نہیں ہے، اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہو سکتا ہے یا پھر مشرقی کو۔ کہ وہ اپنے ان کفریہ عقائد و نظریات سے تائب ہوا تھا یا نہیں؟

(۳) اس کی وجہ تو ان لوگوں سے پوچھنی چاہیے جو علامہ مشرقی کو اچھا اور نیک آدمی جانتے ہیں اور اس کے جنازے میں شریک ہوئے یا ان لوگوں سے جنہوں نے اس کا جنازہ پڑھا ہے، ہم سے یہ باتیں پوچھنا مناسب نہیں۔

(۴) ہم ایسے لوگوں کو کافر تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کے عقائد کا ہمیں یقینی علم نہیں ہے نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی عبارتوں میں تاویل کی گنجائش ہو، البتہ اسے (مشرقی کو) قاسق ضرور کہیں گے کیونکہ موجبات فسق امور اس کے عقائد و نظریات میں ضرور پایا جاتے ہیں۔

(۵) جب ہم خود مشرقی پر کفر کا حکم نہیں لگا سکتے تو جن لوگوں نے اس کا جنازہ پڑھا، ان پر بھی ہم کوئی حکم نہیں لگا سکتے۔

(۶) ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں مکروہ ہے جبکہ دوسرے ائمہ جواز بلا کراہت کے قائل ہیں۔

فقط واللہ اعلم

مودودی صاحب کے عقائد کے بارے میں استفسار کا جواب

سوال : یہاں پر بعض علماء نے مندرجہ

ذیل مضمون کا شائع کیا ہے ”یہ امر مسلمہ ہے کہ عقائد مودودیہ گمراہ کن ہیں قرآن و حدیث سے مخالف ہیں۔ ائمہ اربعہ سے مخالف ہیں۔ مودودی ضال مضل ہے۔ مودودی عقائد والے مولوی کے پیچھے نماز پڑھنا حرام ہے ان سے میل ملاپ حرام ہے ان کی کتابوں کا مطالعہ بغیر عالم دین عوام کے لیے حرام ہے اس جماعت کا حمایت کرنا حرام ہے“ کیا دارالافتاء کو مولانا مودودی صاحب کی عقائد اور ان کی کتابوں کے بارے میں کچھ معلومات نہیں؟ کیا آپ اس فتویٰ سے اتفاق رکھتے ہیں۔ اگر واقعی مودودی گمراہ کن ہے تو برائے کرم ہماری رہنمائی فرمادیں۔ اگر نہیں تو بھی رہنمائی فرمادیں۔

الجواب : بحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم :- ابا بعد۔ اس وقت مودودی صاحب کے بارے میں کچھ لکھنے کی فرصت نہیں مگر جو کچھ اپنے مطالعہ اور پھر اپنے اکثر علماء دیوبند خصوصاً سیدی دسندی شیخی و مرشدی مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کی تحقیق اور مودودی جماعت کے بعض درون خانہ حضرات کے مضامین و خیالات سے معلوم ہوا تو یہی کہ مودودی صاحب ایک آزاد خیال انسان ہے جو اپنے تحقیق و ریسرچ اور بزم خود اجتهاد و استنباط کے شوق میں ائمہ اربعہؒ کو کیا بسا اوقات جمہور اہل سنت والجماعت کے مسئلہ مسلک اور حدود سے بھی باہر نکل جاتے ہیں مودودی صاحب کے ان طبع آزمائیوں کا لازمی اور طبعی نتیجہ ہی ہوتا ہے کہ ان سے متاثر افراد کے دلوں سے بھی سلف کی وقعت اور سلف صالحین کے علمی و فقہی تحقیقات اور کارناموں سے اعتماد اٹھ جاتا ہے جمہور کے مسلک اور قطعی اور منصوصی مسائل سے بے اعتنائی اور مخالفت کی چند مثالیں ہمارے ان معلومات کے ثبوت و تائید کے لیے کافی ہیں۔ مثلاً تنقید سے صحابہؓ کو بھی مستثنیٰ نہ کرنا اور نہ انہیں معیار حق سمجھنا (دستور ص ۱۲) صحابہ کرام کا مدول ہونا ان قطعی مسلمات میں سے ہے جن پر دین کا بنیاد قائم ہے کتاب و سنت کے بے شمار نصوص ان کے معیار حق اور میزان عدل ہونے پر ناظر و شاہد نہیں۔ اور بقول حافظ ابن حجر العسقلانی ”جو کوئی بھی صحابہ کرام کی تنقیص و تنقید کو جائز سمجھے وہ اہل قرآن و سنت کی ابطال و تنقیص کرتا ہے اور ایسا شخص زندیق ہے (الاصابة) اور بقول شیخ الاسلام حضرت الاستاذ مولانا مدنیؒ اگر معاذ اللہ یہ اولیں اساتذہ اسلام غیر قابل اعتماد ہوں گے تو تمام عمارت دین بالکل ڈھاجا جائے گی اور اس دروازہ (تنقید و جرم) کے کھلنے سے تمام دینی اصول و فروع بلیا میٹ ہو جائے ہیں (مکتوبات ج ۲ ص ۲۶۳) اسی طرح مسئلہ عصمت انبیاء کے بارے میں ذاتی رائے اور انوکھا اجتہاد (تغیبات ج ۲ ص ۲۳) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام (رسائل و مسائل

حصہ اول ص ۳۱) رب) حضرت داؤد علیہ السلام (تفہیمات ج ۲ ص ۲۲) رج) حضرت ابراہیم علیہ السلام (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۵۵۸) رد) حضرت یونس علیہ السلام (تفہیم القرآن ج ۲ حاشیہ ص ۳۱۲) وغیرہ کے بارہ میں گستاخانہ ریمارک اور ان کے شان نبوت سے غفلت و بے پرواہی میں ایسے انداز سے ان پر تبصرے جن سے شان بے ادبی نمایاں ہے۔ ۱ یا مثلاً حدود شرعیہ کے قیام کے بارہ میں ظلم و بے انصافی کا خیال ظاہر کرنا (تفہیمات ص ۱) یا مثلاً کانا دجال وغیرہ کے بارہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیشنگویوں کو قیاسات اور ظن و تخمین قرار دے کر انہیں افسانے کہنا ۵ یا مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی الی السماء کے مسلمہ و متفقہ عقیدہ میں انکار و تردید (تفہیم القرآن) اور اس قسم کے دیگر مغویات فاسدہ جو منصوصات قطعیہ کے یکسر خلاف ہیں، نیز مودودی صاحب کے تحریرات میں مسلمانوں اور ملت بیضا کے مسلمہ اقدار مثلاً رشد و ہدایت اور تصوف کے طریقوں مجددین و مصلحین کے خصوصی امتیازات اور تجدیدی کارناموں کی تفحیک و تحقیر کا پہلو موجود ہے جس کی وجہ سے ان کے روشن خیال خالی الذہن متبعین کے دلوں میں ملت کے صحیح رہنماؤں، فقہاء عظام، مشائخ کرام اور ان کے طرق دعوت و عزیمت اور تجوید دین کے مساعی اور کوششوں کی قیمت گھٹ جاتی اور احترام کے جذبات یکسر معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو تجوید دعوت اجتہاد و امامت کے لیے ہمہ جہت جامع الصفات شخصیت صرف مودودی صاحب ہی نظر آئے لگتا ہے۔ اس قسم کے تحریرات کا نمونہ ان کے کتاب تجوید دو جہائے دین میں موجود ہے جس کے صفحات ص ۴۵، ص ۴۸، ص ۴۹، ص ۴۴ وغیرہ پر امام غزالی، امام ابن تیمیہ، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ شاہ اسماعیل شہید وغیرہ پر کھڑی تنقید کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ آٹے دن فقہی مسائل میں انوکھے اجتہادات سے مسلمانوں میں تشویش و انتشار پیدا کرنے کے لیے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ ۱ اضطرابی حالت میں جواز متعہ کی فرضی صورت ۲ مسنونہ داڑھی سے انکار اور لطائف اطلیل سے اس کی مقدار و عظمت کو گھٹانے کی کوشش (ترجمان القرآن) ۳ قلع اور اس کی عدت میں ذاتی رائے (حقوق الزوجین) بے وضو سجدہ تلاوت (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۱۱۶) صائم کے لیے بعد از طلوع فجر کھانے پینے کی جواز (تفہیم ج ۱ ص ۱۴۵) جس کے لیے کسی شاف اور نادر قول تابعی وغیرہ کا سہارا لے کر جمہور کے مسلک کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ دین و اہل دین اور مسائل دین کے بارہ میں بے ادبی اور بے اعتباطی اور اپنے فرعونہ نظریات و آراء پر گھمنڈ ان کے آراء و تحقیقات کا قدر مشترک ہے اور اس طرح مودودی صاحب کی جہت پسند طبیعت جدید و قدیم امتزاج سے ایک نئے مسلک و دین کی داغ بیل ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں جس کا لازمی نتیجہ سنت بیضاء و مانا علیہ و اصحابی) سے کٹ کر دین کے بارہ میں ایک ایسے شخص کو معتمد علیہ سمجھا ہے، جس میں

اجتہاد و امامت، تحقیق و استنباط کے شرائط اور لوازم کسی حال میں موجود نہیں اور جو اپنے تحقیق کے گھمنڈ میں اجماعیات تک سے چشم پوش کر جاتا ہے یہاں تک کہ آراء مصلحت اور ضرورت سمجھے تو دین کے مسلمہ عقائد اور اصول تک میں بھی حکمت عملی کے نام سے ترمیم و تبدیل کر سکتا ہے۔ مذکورۃ الصدر بعض اشارات ہیں۔ جن کی تفصیل و تشریح میں اکابر علماء نے تحقیق و تفصیل سے ان کے متفردات اور غلط و گمراہ کن نظریات پر روشنی ڈالی ہے۔ اور الگ الگ رسائل و مضامین لکھے ہیں۔ اس بارہ میں اپنی تحقیق سے زیادہ ہمارا اعتماد حضرت شیخ مدنی قدس سرہ۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ۔ حضرت مولانا اعجاز علی رحمہ اللہ اور پاک و ہند کے دیگر اہل علم و ارباب فتویٰ کے فتوؤں پر ہے جو پورے اخلاص و لگائیت اور جذبہ دینی و خیر خواہی مسلمین اور بصیرت باطنی کی روشنی میں موردی صاحب کو بحیثیت مجموعی ایک گمراہ اور اس کی جماعت کو ایک گمراہ کن جماعت سمجھتی ہے۔ ان حضرات کے اتباع و تقلید اور پھر اپنی ذاتی رائے جو پورے دردمندی اور خلوص پر مبنی ہے کے بنا پر موردی صاحب کو مسلمانوں کے حق میں ناپسندیدہ اور نصراور ان کے نظریات و آراء سے اجتناب ضروری سمجھتا ہوں۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم و بیدہ الباطن والا رباعہ ان اردنا الالاد صلاح ما استطعنا وما التوفیق الیہ باللہ العلی العظیم۔

یہود کا ذکر قرآن میں

حضرت علامہ مولانا عبدالحکیم زروبوئی سابق صدر المدرسین جامعہ دارالعلوم تھانیہ

۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کو مٹھیں بھر یہودیوں کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا تو اس سے بعض اذہان میں اسے شبہ کا ابھڑا ایکہ فطریہ امر تھا کہ یہود جنہ کے بک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ وَالْمَسْكَنَةَ اور اس طرح کئی دیگر مواقع اور مقامات پر کتابہ اللہ نے ان کی ملعونیت اور مغضوبیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے تو ان کو تمام عالم عرب پر فتح کیسے حاصل ہو گئی؟ مندرجہ ذیل مقالہ میں حضرت علامہ مولانا عبدالحکیم زروبوئی نے اس شبہ کا جواب قرآن کریم کی روشنی میں دیا ہے جس سے اس کے علاوہ دیگر شبہات کا بھی ازالہ ہوتا ہے جامعہ دارالعلوم تھانیہ کے مؤقر جریہ ماہنامہ الحق نے اس پر مغز مضمون کو شائع کیا کتاب العقائد کے بارے فرقہ کے ساتھ مناسبت کی بناء پر قفا و نحو تھانیہ میں افادہ کے لئے شامل کیا گیا (مرتب)

مشرق وسطیٰ کے مسلمانوں پر یہود کی طرف سے جو مصیبت عظمیٰ آ پڑی ہے۔ اس سے غیر مسلم اقوام کو مسلمانوں کا مذاق اور تمسخر اڑانے کا موقع مل گیا۔ اور طعنہ دینے کا سامان بہم پہنچا ہے کہ مٹھی بھر یہودیوں سے تیرہ کروڑ مسلمانوں کو شکست فاش دیدی حالانکہ یہ قوم دنیا بھر میں خصوصاً مسلمانوں کے نزدیک ذلیل ترین ہے۔ نہ تو مسلمانوں کو عظیم کثرت نے شکست سے بچا یا اور نہ امداد غیبی ان کے شامل ہوئی جس کا مسلمان عموماً دعویٰ کرتے ہیں کہ نصرت خداوندی ہمیشہ ہماری شامل حال رہتی ہے۔ اسی طرح اس سے بعض اذہان میں وسوسہ پیدا ہو گیا ہے کہ یہود کی حکومت اور غلبہ اور عزت قرآنی نصوص کے خلاف ہے مثلاً آیت ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ وَالْمَسْكَنَةَ وَبَاءُوا بِغَضَبِ عَلِيِّ عَضِبَ (البقرة) وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ أَيْ مَا تَقَفُوا (لَا يَحْبِلُ مِنْ اللَّهِ وَحَبْلُ مِنَ النَّاسِ) (آل عمران) وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لِيُبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ (الاعراف)

لگے تو نفرت خداوندی سے محروم ہو کر وعید الہی کو زبان حال دعوت دینے لگے۔ چنانچہ نتیجہ میں اپنے کردار کے عواقب برداشت کرنے لگے۔ اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہمیشہ کوئی فرمائی تھی۔ حرف بہ حرف واقع ہو کر رہی۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

(۱) یوشک ان تداعی علیکم الامم
کما تداعی الذکاة علی القصعة فقال قائل
ومن قلة نحن یومئذ قال انتم
یومئذ کثیر ولکنکم غشاء
السیل ولینزع عن اللہ من صدور
عدوکم المہابة ولیتخذن فی
قلوبکم الوهن قال قائل یا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما
الوهن قال حب الدنیا و
کراهیة الموت۔ (مشکوٰۃ)

(۲) عن ابی سعید قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم لتبتعن سنن من قبلکم شبرا
بشبرا ذراعا بذراع حتی لو دخلوا حجر
ضرب لتبعتموہم قیل یا رسول اللہ
الیہود والنصارى قال فمن؟ (مشکوٰۃ)

(۳) عن المرثد اس قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ینذہب الصالحون
الاول فالاول وتبقى حفالة
لحفالة الشعیب لا یبالیہم
اللہ بالة (مشکوٰۃ)

عنقریب متعدد اقوام تمہارے کھانے اور ختم کرنے
کے لئے ایک دوسرے کو دعوت دیں گے جس طرح کہ کھانے
والوں کے کاسہ میں رکھے ہوئے طعام کے لئے ایک
دوسرے کو بلاتے ہیں کسی نے کہا کہ ہم اس وقت قلت
میں ہوں گے۔ فرمایا نہیں تم اس وقت بہت زیادہ ہو گے
لیکن تمہاری حالت اس وقت مانند سیلاب کی جھاگ
کی ہوگی اللہ تعالیٰ دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت
نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں ضعف پیدا کر دے
گا یعنی دنیا کی محبت اور موت کی ناگواری۔

(لفظ امم کے عموم میں یہود بھی شامل ہیں)

تم ضرور امم سابقہ کے طور طریقوں پر چلتے رہو گے
بالشت ببالشت دست بدست (یعنی برابر کے برابر
بلا فرق) یہاں تک کہ اگر وہ داخل ہوئے ہوں ساندے
کے سوراخ میں تم بھی ان کا اتباع کرو گے۔

اچھے لوگ ختم ہو جاویں گے یکے بعد دیگرے اور وہ
جاویں گے ایسے لوگ جن کی کوئی حیثیت نہ ہو بہ قدر
ہوں مانند جو کے بھوسہ کے اللہ تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ
نہ کرے گا یعنی جس طرح سے ان پر مصیبت پڑ جائے
کوئی امداد نہ فرما دے گا نہ فریاد کی شنوائی ہوگی۔

قرون مشہور دہا یا بخیر کے بعد مسلمانوں کے ہر دور کی تاریخ اور ان کی انفرادی زندگی اور اجتماعی
زندگی کے حالات کا مطالعہ کر کے ان آیات و احادیث وعد و وعید کے ساتھ مقابلہ کیا جاوے تو یہ شبہ بھی

پیدا نہیں ہو سکتا کہ امت مسلمہ کے ساتھ وعدہ و وعید میں کوئی فرق آیا ہے۔ یا ان کو ناکردہ گناہوں کی سزا ملی ہے۔ وما کان اللہ لیظلمہم ولکن کانوا انفسہم یظلمون۔ خدا کی شان یہ نہیں کہ ان پر ظلم کرے لیکن وہ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔ یہود کی موجودہ دور میں عارضی حکومت اور وقتی تفوق جس کو قرآنی نصوص کے خلاف سمجھا جا رہا ہے، تو اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے چند معروضات پیش کرنا ضروری ہے۔

(۱) عالم اسباب میں محدثات کا اجتماع اور حوادث کا تعاقب محض نخت و اتفاق کی بنا پر نہیں۔ بلکہ خالق کائنات نے ان کے درمیان باہمی ارتباط اور تعلق پیدا کر کے بعض کو اسباب اور بعض کو مسببات قرار دیا ہے۔ اسباب مہیا اور موجود ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی عادت کے مطابق مسببات ان پر مرتب ہو کر وجود میں آتے ہیں۔

(۲) تحقق اسباب کے بعد ترتیب مسببات لزوماً ہوتا ہے۔ اس کا تخلف نہیں ہوتا الا نادراً جس کو خرق عادت یا خلاف عادت الہیہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً سورج کے طلوع کے بعد دن ضرور وجود میں آتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ سورج طلوع ہو کر رات قائم ہو جاتی ہے۔ مہلک مقدار میں نہ ہر کھانے کے بعد موت طاری ہو جاتی ہے۔ چلے حکیم کھانے چاہے جاہل، پانی پینے اور کھانا کھانے کے بعد پیاس بھوک کا ازالہ ہو جاتا ہے یہ ظاہر اور بدیہی امور ہیں۔

(۳) اقوام کے عروج و زوال اور آزادی و غلامی کے لئے بھی اسباب سموتے ہیں۔ مانند دوسرے حوادث کے یہ اسباب دو قسم کے ہیں سماوی یعنی امداد غیبی اور مادی یعنی عادی اسباب، قسم اول کے متعلق پہلے عرض کیا گیا کہ وہ مشروط بالایمان والطاعت ہیں۔ ہاں کبھی قانون مجازات کے مطابق کافروں کو دوسرے کافروں یا مسلمانوں پر مسلط کر لیتا ہے کما قال تعالیٰ و نذیق بعضهم باس بعض۔ اور ہم چکھاتے ہیں بعض کو دوسروں کی شدت جیسا کہ یہودیوں پر جاہوت، بخت نصر، طیسوس رومی اور ہٹلر وغیرہ کو مسلط کر دیا۔ اور مسلمانوں پر سرائے جرم کی پاداش میں یا تنبیہ اور عبرت حاصل کرنے کیلئے مختلف ادوار میں نصاریٰ یا تاتاری وغیرہ کا تسلط ہوا۔

(۴) مادی اسباب عروج و آزادی کے عادی اسباب جب کوئی قوم پورے طور پر مہیا کرے (مثلاً اتفاق باہمی، مواساۃ، قربانی، راعی اور رعایا میں تعاون، طاعت اور اعتماد، مافعت اور تسلط کے مطابق ہر زمانہ میں ہر نوع اسلحہ کی فراہمی، جاکشی، ایشار، یعنی سیاست مدنی و ملکی کیلئے شریعت مصطفویہ نے بہ تفصیل تمام جو چیزیں بیان کی ہیں) تو حکومت اور غلبہ حاصل ہو گا۔ کفر اس

کے لئے مانع ہوگا۔ آج کل امریکہ اور روس کو جو فوقیت حاصل ہے وہ اپنی اسباب مادیہ کی بناء پر ہے نہ کہ وہ کلمہ گو ہیں۔

(۵) کسی قوم کو آزاد یا غلام حاکم یا محکوم کہنا کہ فلاں قوم آزاد یا حکمران ہے من حیث القوم باعتبار مجموعہ افراد یا اکثریت کے کہا جاسکتا ہے۔ اگر کسی قوم کے کروڑوں افراد میں سے صد ہزار یا لاکھ کسی گوشہ میں حاکمیت اور آزادی حاصل کریں۔ تو اس بناء پر قوم من حیث القوم کو آزاد یا حکمران اور باعزت نہیں کہا جاسکتا۔

(۶) اسی طرح اگر ہزاروں سال کے اندر کسی قوم کو عارضی طور پر چند سال کے لئے حکومت ملے تو عارضی حکومت چند روزہ کا عدم قرار یا پر مجموعہ یا اکثر اجزائے زمانہ کے اعتبار سے ان کو ذلیل و غلام کہا جاوے گا۔ چنانچہ احادیث سے صراحت ثابت ہے کہ دجال یہودی کو عام دنیا پر سوائے حرمین شریفین کی پوری حکومت حاصل ہوگی۔ اس کے باوجود وہ ضربت علیہم الذلۃ کے مصداق ہیں (۷) اگر کوئی قوم دینی آزادی اور حکمرانی غلبہ میں مستقل ہو۔ کسی دوسری قوم کی دست نگر نہ ہو تو ان کی طرف اقتدار اور حکومت کی نسبت حقیقتہً صحیح ہوگی، اور اگر کسی دوسری قوم کے لئے آلہ کار ہو۔ اور ان کی تمام طاقت دوسری قوم کے اغراض اور سیاسی مقاصد کی تکمیل کیلئے ہو۔ تو اسی قوم کی طرف حکومت اور تسلط کی نسبت حقیقتہً صحیح نہ ہوگی۔ بلکہ حاکمیت اور تسلط اس دوسری قوم کے لئے ہے جس قوم کی یہ آلہ کار اور غلام ہے۔

اس تمہید کے بعد موجودہ دور میں ان سامراج کی ایجنسیوں یعنی یہودی حکومت اور غلبہ اور اس کے وجود میں آنے کے عوامل و مبادی پر غور کرنا چاہیے۔ تاکہ اس کی حقیقت اچھی طرح سے بے نقاب ہو کر کسی شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اگرچہ سابقہ معروضات بھی ازالہ شبہ کیلئے اجمالاً کافی ہیں ۱۹۴۰ء کی جنگ عظیم میں جبکہ ان مغضوب علیہم پر قدرت کی طرف سے ہٹلر بحکم تازیانہ غضب بن کر مسلط ہوا۔ تو اس نے ممالک مفتوحہ میں حکم جاری کیا کہ جس یہودی جان بچانا منظور ہو وہ ان ملکوں سے اڑتا لیس گھنٹے کے اندر اندر نکل جائے ورنہ اس کی جان کی خیر نہ ہوگی۔ جرمنی کے سقوط سے پہلے جتنے یہود نکل گئے وہ جان بچانے میں کامیاب ہوئے، جو نہ نکل سکے ان سب کو قید کر کے زندہ جلادیا اور کسی کو سمندر میں ڈبو دیا اور اکثر قتل کر دئے گئے۔ یہ داستان کسی پر مخفی نہیں کہ بچنے والے جو کثیر تعداد میں مختلف ممالک میں منتشر ہوئے تھے۔ سامراجیوں نے ان کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے آلہ کار بنا کر عرب کے قلب لینے کے لئے فلسطین میں لا کر بسایا۔ اور

فلسطینیوں کو جلا وطن کر دیا۔ عرب ممالک اپنی کمزوری اور بے اتفاقی کی بناء پر دیکھتے رہے اور کچھ نہ کر سکے۔ ابتداء میں تھوڑی مقدار میں آئے۔ رفتہ رفتہ ان کی تعداد بڑھتی رہی۔ اور سامراجیوں نے بیس سال کے اندر ان کو طاقتور بنانے اور سیاسی غلبہ حاصل کرنے کیلئے انہیں پھر امداد دی۔ مدافعت اور جارحیت کے لئے انہیں ہر قسم کے جدید اسلحہ سے پوری طرح مسلح کر دیا۔ کامیاب اجتماعی زندگی کیلئے جن ذرائع اور وسائل کی ضرورت تھی، سب کو پورا کر دیا۔ یہود جو قریبی مدت میں انتہائی مظالم و مصائب برداشت کر چکے تھے، موقع کو غنیمت سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھانے لگے۔ اور باہمی اتفاق و مواساة، قربانی، جفاکشی، تضییع مال سے گریز، غرض معاشرہ اور نوعیت کی اصلاح اور کامیابی کے لئے جو اخلاقی اور مادی کارنامے درکار تھے، ان کی تحصیل میں ہمہ تن لگ گئے۔ اب قانون ربط اسباب بالمسببات کی رو سے ان کو حکومت اور طاقت حاصل ہونا مطابق عدد تھا اور عرب حریف پر جو بے اتفاقی، بیداری عیاشی، عام بے عملی اور احکام خداوندی سے بغاوت کے شکار ہوئے تھے۔ ان کا غالب ہونا غیر متوقع نہ تھا۔ اور عجب نہیں کہ قدرت کو ان ذیل ترین یہودیوں کے ہاتھ مطابق قانون مجازات کے عرب کو بالآخر میں اور عام مسلمانوں کو بالعموم تنبیہ اور تازیانہ عبرت منظور ہو۔ بلکہ ظاہر یہی ہے و ما کان ربک لیہلک القریٰ و اہلہا مصلحون تیرے پروردگار کی یہ شان نہیں کہ بستیوں کو تباہ کر دے اور اس کے بسنے والے نیک کردار ہوں۔ آج امریکہ اور اس کی ہمنوا طاقتوں کے علاوہ ساری دنیا کہہ رہی ہے۔ کہ یہ یہود و سامراجیوں کے پروردہ کہتے ہیں۔ اور انہوں نے انہیں اپنی سیاسی اغراض کے لئے عربوں پر مسلط کیا ہے۔ ورنہ ان کی کوئی پوزیشن نہیں۔ اس روشن حقیقت کے بعد کوئی عاقل اس حکومت اور طاقت کو ان کی طرف حقیقتہً منسوب نہیں کر سکتا۔ بلکہ یہ ساری حکومت اور طاقت سامراجیوں کی ہے۔ یہودی ان کے غلام بن کر حق غلامی ادا کر رہے ہیں۔ یہود کی موجودہ حکومت کو پیش نظر رکھ کر حسب ذیل آیت سرایا صداقت کے معنی پر غور کر کے معلوم ہو جائے کہ یہ اس کی تصدیق ہے نہ کہ خلاف کجا کہ اس پر شبہ کیا جائے۔ ضربت علیہم الذلّٰتٰینما ثقوا الا بحبل من اللہ و حبل من الناس۔ (الایۃ) ماری گئی ان پر ذلت جہاں دیکھے جاویں سوائے دستاویز اللہ کے اور دستاویز لوگوں کے قرآن کریم کی صداقت غیر متزلزل سے کسی شبہ کی اس میں گنجائش نہیں قصور ہمارے فہم کا ہے۔

لایأتیہ الباطل من بین یدیه ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔ نہیں آ سکتا اس کو

جھوٹ اور باطل سامنے نہ پیچھے سے نازل کی گئی ہے۔ حکمت والے اور ستائش کئے گئے قدرت کی طرف سے۔ اسی قسم کی آیت آل عمران کی آیت سے پہلے یہود کے تذکرہ میں سورۃ بقرہ میں بھی وارد ہوئی۔ وضبت علیہم الذلۃ والمسکنة وباءوا بغضب من اللہ ذالک بانہم کانوا یکفرون بایت اللہ ویقتلون النبیین بغیر الحق ذالک بما عصوا وکانوا یعتدون ہ ترجمہ: جمادی گئی ان پر ذلت اور پستی اور مستحق ہو گئے۔ غضب الہی کے یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ منکر ہو جاتے تھے۔ احکام الہیہ کے اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق اور یہ اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے اطاعت نہ کی اور عقل و شرع کے دائرہ سے نکل جاتے تھے۔

۱۔ یہاں اینما ثقوا کی قید نہیں اور نہ استثناء ہے لیکن القرآن یفسر بعضہ بعضاً کی بناء پر دونوں یہاں بھی مراد ہے۔ آل عمران کی آیت اگرچہ اہل کتاب کے تذکرہ میں آئی ہے لیکن مراد اس سے خاص یہود ہیں بدلیل سابق۔

۲۔ ذلت خلاف عزت و قوت کو کہتے ہیں۔ جس میں جان و مال کا غیر معصوم ہونا اور محکومیت و غلامی شامل۔ مسکنت بمعنی ضعف و فقر اور پستی کے ہے اور الہی جہل استثناء ہے عموم احوال سے یعنی فی عامۃ الاحوال الا معصمین اللہ بحبل من اللہ و متلبسین بذمتہ۔ (بیضاوی) ۳۔ حبل متعدد معانی میں مستعمل ہے۔ کتاب اللہ، حدیث میں ہے کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض، بحبل اللہ، اسی کتاب۔ حبل بمعنی عہد و میثاق۔ حبل بمعنی ذمہ و امان کے بمعنی دین اور سبب کے (جمع البحار) یہاں حبل اللہ سے ہر ایک معنی مراد لیا جاسکتا ہے اور حبل من الناس سے صرف ذمہ و امان یعنی عہد و پیمان مراد ہیں یعنی ضربت علیہم الذلۃ اینما ثقوا فی عامۃ الاحوال الا معصمین او متلبسین بکتاب اللہ و دینہ و ذمتہ و عہدہ او بعہدہ او بعہدہ و ذمتہ و

امان من الناس ترجمہ: جمادی گئی ہے ان پر ذلت جہاں بھی پائے جاویں ہر حال میں الا اعتصام بکتاب اللہ اور بدین اللہ کریں۔ اس کے ذمہ امان اور عہد میں داخل ہو جائیں۔ (جس کا حاصل اسلام میں داخل ہونا ہے) یا لوگوں کے ذمہ امان عہد میں داخل ہو جائیں۔ یعنی مسلمانوں کے ساتھ مصالحت ہو یا جزیہ قبول کر کے ذمی بن جاویں۔ یا کسی دوسری قوم کے عہد و ذمہ اور امان میں داخل ہوں یعنی نصاریٰ۔ یہاں لفظ ناس عام ہے۔ نصاریٰ کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ آیت وجاعل الذین اتبعولک فوق الذین کفر والی یوم القیمۃ۔ (ال عمران) میں وعدہ ہے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کہ تیرے متبعین کو قیامت تک یہود پر فوقیت حاصل ہوگی۔ اور اتباع سے مراد

اس کے ساتھ اعتقاد نبوت ہے۔ اور اس میں مسلمان نصاریٰ دونوں شریک ہیں۔ اور واقعات بھی اس کے شاہد ہیں کہ یہود ہمیشہ کیلئے مسلمان یا نصاریٰ کے محکوم آئے ہیں۔ اور اس وقت بھی یہی حال ہے کہ ساری دنیا میں یہود دوسری اقوام کے زیر اثر و حکومت ہیں۔ قرآن کریم نے اس ذلت و پستی کی جو علت بیان کی ہے۔ قتل انبیاء علیہم السلام، حدود شرع و عقل سے تجاوز، نافرمانی، انکار آیات، دنائیت طبع کی بنا پر نعمتوں کی ناشکری اور نفیس کو خسیس اشیاء سے استبدال، انبیاء کی سرکردگی میں جہاد سے انکار وغیرہ، قبائح انکا۔ اثر لازم ذلت و صہوان ہے ہاں کبھی دنی اور شریر بالطبع مجازات و مکافات سے تنگ آکر عارضی اور وقتی طور پر راہ راست پر آ جاتا ہے۔ جیسا کہ یہود نے بھی عمالقہ کے پے در پے قتل و غارتگری سے تنگ آ کر اپنے نبیؑ سے بادشاہ کا مطالبہ کیا۔ تاکہ اس کی سرکردگی میں جہاد کر کے شاید کامیاب ہو کر کچھ اطمینان کا سانس لیں۔ اذ قالوا لنبیؑ لهم ابعث لنا ملکا نفقاتنا فی سبیل اللہ۔ مگر بادشاہ طاوت کے تقرر پر بھی شرارت سے باز نہ آئے۔ اور پھر بھی کثیر تعداد میں قتال سے انکار کر بیٹھے۔ الحاصل یہود کا موجودہ غلبہ بحبل من الناس کا مصداق ہے۔ اس طرح سطحی اذہان میں آیت واذا تأذن ربك ليعذن عليهم الى يوم القيمة من يسومهم سوء العذاب۔ ترجمہ :- اور اس وقت کو یاد کرو جب خبر دی تھی تیرے رب نے کہ ضرور بھیجتا رہوں گا۔ یہود پر قیامت کے دن تک ایسے شخص کو کہ دیا کرے ان کو بڑا عذاب۔ — سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں یہود کی قیامت تک مقہوریت اور حکومت کا اعلان کیا گیا ہے۔ حالانکہ موجودہ وقت وہ قاهر و حاکم ہیں۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے معروض ۵۵ کافی ہے۔ لیکن مزید وضاحت کے لئے آیت کی تفسیر مناسب ہوگی۔ یہ آیت سورہ اعراف کی ہے۔ جو یہود کے تذکرہ میں وارد ہے۔ اس سے اوپر کی آیات میں یہود کے قبائح اور شرارتوں کا بیان ہوا ہے۔ آگے اس آیت میں ان کے قبائح کا دنیا میں علاوہ سزائے آخرت کے انجام بند کور ہے۔ یعنی خدا کی طرف سے پختہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ اگر یہود احکامات و تورات پر عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔ تو حق تعالیٰ قرب قیامت تک وقتاً فوقتاً ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کر رہے گا۔ جو ان کو بُرے عذاب میں مبتلا رکھیں۔ بڑا عذاب یہاں محکومانہ زندگی، جان و مال کا غیر معصوم ہونا جز یہ دنیا وغیرہ ہے۔ چنانچہ قوم یہود سلیمان علیہ السلام کے بعد کبھی یونانی کبھی کلدانی بادشاہوں کے زیر حکومت رہی ہے۔ کبھی بخت نصر اور رومیوں کے شائد کا تختہ مشق بنی۔ آخر میں بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک مجوسیوں کی

با جگزار رہی۔ پھر مسلمان حکمرانوں کو ان پر مسلط کر دیا گیا۔ غرض اس وقت سے آج تک ان کو من حیث القوم عزت اور آزادی کی زندگی نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ جہاں کہیں رہے اکثر ملوک و حکام کی طرف سے سخت ذلت اور خطرناک تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ ان کی مال و دولت وغیرہ کوئی چیز انہیں اس غلامی و محکومیت کی لعنت سے نجات نہ دے سکی۔ ابھی مشرق وسطیٰ کی لڑائی میں جب یہود نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ تو ان کے وزیر ایشکول نے مسجد اقصیٰ میں داخل ہو کر اس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے خود اعتراف کیا کہ تین ہزار سال کے بعد ہم کو بیت المقدس میں داخلہ نصیب ہوا۔ اس عرصہ دراز میں ہماری قوم نے نہایت سخت مصیبتیں برداشت کی ہیں۔ اور در بدر کی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ سورۃ ابراہیم ۴ میں بنی اسرائیل کے تذکرہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کا خط آپنی قوم کو نقل فرمایا ہے جو کہ مذکورہ بالا آیت کے مضمون کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور موسیٰ نے اپنی قوم سے واذا تأذن ربکم لہن شکوتم لاذیدنکم فرمایا کہ وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان فرمایا کہ اگر احسان مانو گے اور زیادہ نعمتیں ملیں گی۔ ولینکفون ان عذاب لی شدید۔ اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت۔ یعنی موجودہ نعمتیں تم سے سلب کر لی جائیں گی۔ اور ناشکری کی مزید سزا ملے گی۔ خدا کی ناشکری اس کی روحانی اور جسمانی نعمتوں کی بے قدری اور نازل کردہ احکام کی نافرمانی ہے۔

تو اسی آیت اور آیت مذکورہ بالا کی سیاق سے واضح ہے کہ محکومیت اور غلامی کی سزا ان کی نافرمانیوں اور ناشکری کی پاداش میں ہے۔ اور قرب قیامت کی قید اس لئے لگا دی۔ کہ روایات صریحہ سے ثابت ہے کہ آخر زمانہ میں دجال یہودی چند روزہ حکومت کریگا۔ لیکن یہ چند روزہ حکومت کو عرصہ دراز کی غلامی کی بہ نسبت کالعدم قرار دیکر الیوم القیامۃ کیا گیا۔ اسی طرح اس عرصہ دراز کے درمیان میں بھی ایسا معمولی وقفہ آیا ہے۔ ثم ردنا لکم الذکرتہ علیہم و امددکم باموال و بنین و جعلکم اکثر نفیاً۔ پھر ہم نے پھیر دی تمہاری باری ان پر اور قوت دی تم کو مال سے اور بیٹوں سے اور اس سے زیادہ کر دیا تمہارا لشکر۔ بابل کا گورنر بخت نصر نے یہود پر مسلط ہو کر ان کو تباہ و قتل کر دیا تھا۔ تقریباً سو سال کے بہمن بن اسفندیار نے یہود پر رحم کھا کر ان کے قیدیوں کو آزاد کر کے ان پر دانیال کو بادشاہ مقرر کیا۔ اور چند روزہ آزادی ان کو حاصل ہوئی مگر تھوڑے عرصہ بعد رومیوں کے ہاتھ سے ان کی تباہی ہوئی اور آزادی سلب ہو گئی۔ تو اس معمولی وقفہ آزادی کی نسبت تین ہزار سال بلکہ اس

سے بھی زائد زمانہ غلامی کی طرف کچھ بھی نہیں۔ اسی کو استغراق اور استیعاب عرفی کہتے ہیں خطابات اور محاورات میں یہی استیعاب اور استغراق مکمل ہے۔ اس کی مثالیں حدیث لا تنال طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق حتی یأتی امر اللہ۔ یعنی قیامت برپا نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ کوئی دنیا میں اللہ اللہ کہنے والا ہے لیکن یہ عرصہ چونکہ بہ نسبت زمانہ ظہور حق بہت کم ہے۔ اس لئے اس کو کالعدم قرار دیکر حتی یأتی امر اللہ۔ یعنی قیامت تک کہہ دیا گیا..... لہذا یہود کا یہ معمول وقفہ آزادی آیت بالا کے عموم پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔



قومی اسمبلی کا تاریخی فیصلہ

سفارشات اور آئین میں ترمیم کا بل

تحریر..... مولانا سمیع الحق، مدیر ماہنامہ الحق

الحق اپنی نوی منزل کے اختتام پر یعنی ستمبر میں قادیانی مسئلہ کے آئینی حل کی شکل میں دنیا بھر کے مسلمانوں کی تسکین و شادمانی اور قرب و وصال حق کی ایک ایسی نعمت سے سرشار ہوا جس کا شکر یہ کسی بھی ناتواں مخلوق کے بس میں نہیں اور نہ ہی اس نعمت کی علالت و مسرت کبھی زائل ہو سکتی ہے، انشاء اللہ العزیز اس راہ میں الحق کی ناچیز کوششیں بھی رائیگاں نہیں گئی ہوں گی۔

دسویں سال کے آغاز میں اس نعمت کے شکر یہ کے طور پر ہم آقلے نامدار رحمۃ للعالمین خاتم النبیین کی بارگاہ اقدس میں تاج و تخت ختم نبوت اور ناموس ختم المرسلین کے آئینی تحفظ کی تقریب میں ایک حقیر سا نذرانہ عقیدت پیش کر رہے ہیں اور وہ قادیانی مسئلہ، مشاہیر علم و فضل اور زعماء ملک و ملت کے جذبات و احساسات کا حسین گلدستہ ہے۔ اس امید پر کہ کیا عجب ان گہائے عقیدت کو پیش کرنے والے اور اس کے مرتبین ادارہ الحق اور تمام قارئین الحق کے لیے قیامت کے دن شافع و خیر کی شفاعت و خوشنودی کا ذریعہ بن جائے اور یہی بیضاۃ منجاة بارگاہ ایزدی سے ہونے بجائے نصیب ہونے کا وسیلہ بن جائے کہ یہی امید سی زار راہ اور سرمایہ آخرت ہے، بہر حال الحق کا یہ خصوصی حصہ بارگاہ ختم المرسلین میں اس اتھار کے ساتھ پیش ہے کہ وجہ بیضاۃ منجاة فاوفا لنا الکیل تصد علینا ان اللہ یحب المتصدقین۔

خارج عقیدت کے اس بابرکت ہدیہ میں کوئی بخل کیے بغیر ہم نے بلا لحاظ مشرب و منسلک ملک و ملت اور علم و فضل سے تعلق رکھنے والے مختلف مکاتب فکر کے زعماء، علماء، اہل قلم اور ارباب فکر کو اظہار خیال کی دعوت دی، نہ حزب اقتدار اور اختلاف میں تفریق کی نہ اپنیوں اور غیروں میں کہ ہر ایک رحمت کائنات کی رحمت سرکمانہ کا امید و لاد و طلبگار ہے اور تقریباً سب نے ہی مسئلہ ختم نبوت میں حتی المقدور حصہ لیا۔ ہمیں خوشی ہے اور ہم غلو میں دل سے ان تمام حضرات پر شکر گزار ہیں جنہوں نے گونا گوں مشاغل اور عوارض کے باوجود ہمیں اپنے احساسات اور تجاویز سے نوازا۔

قادیانی اقلیت کے آئینی فیصلہ پر اس مضمون میں صرف جذباتی سر نہیں بلکہ اندیشے بھی ہیں، ذمہ داریوں کا احساس بھی دکھایا، خطرات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ اور اس پہلو پر بھی مختلف حضرات نے سیر حاصل روشنی ڈالی ہے کہ آئینی فتح کے بعد ہم اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہوئے بلکہ اس مسئلے کے ذیلی تقاضے اور بڑھ گئے ہیں جو فوری طور پر طلب ہیں۔ اس ضمن میں حکومت کی ذمہ داریوں، مسلمانوں، علماء، بالخصوص مجلس عمل کے غور و فکر کیلئے اتنے مسائل کی نشاندہی ہو گئی ہے جس پر مزید کچھ اضافہ کیے بغیر ہم ملت مسلمہ کے تمام طبقات حکومت، عوام اور دنیا بھر کے مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان نکات پر فوری غور و فکر کر کے انہیں عملی شکل دینے کیلئے کوئی لائحہ عمل تجویز کریں ورنہ کہیں خدا نخواستہ ایسا نہ ہو کہ اس فتح تبیین سے حاصل ہونے والے شاندار نتائج ہماری عقلوں کی وجہ شکست سے زیادہ خطرناک صورت سے بدل جائیں۔ (سمیع الحق ستمبر ۱۹۷۷ء، ۱۳۹۴ھ)

✽ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہ ماننے والا یا نبوت کا دعویٰ کرنے والے یا مدعی نبوت کو نبی یا مصلح ماننے والا مسلمان نہیں۔

✱ قادیانیوں کے دونوں گروپوں (لاہوری و قادیانی) کو آئندہ انتخابی فہرستوں یا سرٹیشن فارم میں غیر مسلم لکھا جائے گا۔

✱ کوئی شخص ختم نبوت کے عقیدے کے خلاف پرچار نہیں کر سکے گا، خلاف ورزی قابل تعزیر جرم ہوگی۔

۱۹۷۴ء ہمارے تاریخ کا نہایت تابناک اور تاریخی دن تھا جب اسلامی جمہوریہ پاکستان کے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے اس دن اپنے الگ الگ اجلاسوں میں آئین میں ترمیم کا ایک تاریخی بل اتفاق رائے سے منظور کر لیا جس کے تحت پاکستان میں قادیانیوں کے دونوں گروپوں (لاہوری اور قادیانی) کو غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا گیا ہے۔ آئین کی دفعات ۱۰۶ اور ۲۶۱ میں ترمیم کر کے یہ قرار دیا گیا ہے کہ ایسا کوئی شخص جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر ایمان نہ رکھتا ہو یا خود کو کسی بھی صورت میں نبی یا مصلح ہونے کا دعویٰ کرتا ہو یا ایسے کسی بھی کاذب کو نبی ماننا ہو تو وہ مسلمان نہیں ہوگا۔ نیز یہ بھی قرار دیا گیا کہ قادیانی اور لاہوری احمدی فرقے کے تمام ارکان کو آئینی قانونی طور پر پاکستان میں بسنے والے دیگر غیر مسلموں کی مانند سمجھا جائے گا اور عیسائیوں، ہندوؤں، سکھوں، بودھوں، پارسیوں اور شیڈول کاسٹس کی طرح ان کے لیے بھی اسمبلیوں میں اضافی نشستیں ہونا کریں گی۔

آئین میں یہ ترمیم قومی اسمبلی کے پورے ایوان پر مشتمل کمیٹی کی سفارشات کو قبول کرتے ہوئے کی گئی۔ یہ سفارشات قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی نے ایک متفقہ قرار داد کی صورت میں منظور کیں ان کے تحت امت مسلمہ کے نظریہ ختم نبوت کو جو آئینی تحفظ دیا گیا ہے اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا بھی دی جاسکے گی۔ قانون سازی کے ذریعے تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ الف کے بعد ۲۹۵ ب کا اضافہ کیا جائے گا۔ جس کے تحت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کے عقیدہ کے منافی کسی بھی قسم کا پرچار قابل تعزیر جرم ہوگا، سفارشات کے تحت آئندہ انتخابی فہرستوں میں قادیانیوں کا اندراج بھی غیر مسلموں کے زمرے میں ہوا کرے گا۔

آئین پاکستان کی متعلقہ دفعات میں ترمیم کی صورت | قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا جو فیصلہ کیا

ہے اس کی روشنی میں آئین پاکستان کی متعلقہ دفعات کی ترمیم کے بعد یہ صورت ہوگی۔

آرٹیکل ۲۶ | جو شخص خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی انداز میں نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا کسی ایسے مدعی نبوت یا مذہبی مصلح پر ایمان لاتا ہے وہ از روئے آئین و قانون مسلمان نہیں ہے۔

آرٹیکل ۱۰۶ کلاز ۳ | آرٹیکل ۱۰۶ کی کلاز ۳ میں مذکور طبقوں کے لفظ کے بعد قادیانی یا لاہوری گروپ کے اشخاص جو خود کو ”احمدی“ کہلاتے ہیں، کے جملے کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

اضافہ کے بعد کلاز ۳ کی صورت یہ ہوگی | صوبائی اسمبلیوں بلوچستان، پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ اور سندھ کی کلاز ۳ میں دی گئی نشستوں کے علاوہ ان اسمبلیوں میں عیسائیوں، ہندوؤں، سکھوں، بدھوں، پارسیوں اور قادیانیوں یا شیڈول کاسٹس کے لیے اضافی نشستیں ہوں گی۔

آئین میں دوسری ترمیم کے بل کا متن | یہ قرین مصلحت ہے کہ بعد از اس درج اعتراض کے لیے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں مزید ترمیم کی جائے لہذا بذریعہ مذکور ذیل قانون وضع کیا جاتا ہے۔

مختصر عنوان اور آغاز نفاذ | (۱) یہ ایکٹ آئین (ترمیم دوم)، ایکٹ ۱۹۷۹ء کہلائے گا۔
(۲) یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

آئین کی دفعہ ۱۰۶ میں ترمیم | اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین جسے بعد از اس آئین کہا جائے گا، دفعہ ۱۰۶ کی شق ۳ میں لفظ ”اشخاص“ کے بعد الفاظ اور

قوسین اور قادیانی جماعت یا لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) درج کیے جائیں گے۔

آئین کے دفعہ ۲۶ میں ترمیم | آئین کی دفعہ ۲۶ میں شق ۲ کے بعد حسب ذیل نئی شق درج کی جائے گی:-

(۳) جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جو کہ آخری نبی ہیں، کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی مفہوم میں یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے، وہ آئین یا قانون کی اغراض کے لیے مسلمان نہیں ہے۔

بیان و اغراض | جیسا کہ تمام ایوان کی خصوصی کمیٹی کی سفارش کے مطابق قومی اسمبلی میں طے پایا ہے کہ اس بل کا مقصد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں اس طرح ترمیم کرنا ہے تاکہ ہر وہ شخص جو

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے اُسے غیر مسلم قرار دیا جائے۔ (عبد الحفیظ پیرزادہ وزیر انچارج)

تاریخی قرار داد کا متن | قومی اسمبلی کے پورے ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی نے متفقہ طور پر جو قرار داد طے کی ہے اور جس کی سفارشات کو قومی اسمبلی نے

منظور کیا ہے وہ یہ ہے :-

○ قومی اسمبلی کے کل ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی متفقہ طور پر طے کرتی ہے کہ حسب ذیل سفارشات قومی اسمبلی کو غور اور منظوری کے لیے بھیجی جائیں۔

○ کل ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی اپنی رہنمائی اور ذیلی کمیٹی کی مدد سے اس کے سامنے پیش یا قومی اسمبلی کی طرف سے اس کو بھیجی گئی قرار دادوں پر غور کرنے اور دستاویزات کا مطالعہ کرنے اور گواہوں بشمول سربراہان انجمن احمدیہ ربوہ و انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور کی شہادتوں اور جرح پر غور کرنے کے بعد متفقہ طور پر قومی اسمبلی کو حسب ذیل سفارشات پیش کرتی ہے :-

(۱) یہ کہ پاکستان کے آئین میں حسب ذیل ترمیم کی جائے :

(اول) دفعہ ۱۸۱ (۳) میں قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) کا ذکر کیا جائے۔

(دوم) دفعہ ۱۸۱ میں ایک نئی شق کے ذریعے غیر مسلم کی تعریف درج کی جائے۔

مذکورہ بالا سفارشات کے نفاذ کے لیے خصوصی کمیٹی کی طرف سے متفقہ طور پر منظور شدہ مسودہ قانون منسلک ہے۔

(ب) یہ کہ مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ الف میں مندرجہ ذیل تشریح درج کی جائے۔

تشریح | کوئی مسلمان جو آئین کی دفعہ ۲۶ کی شق ۳ کی تشریحات کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے تصور کے خلاف عقیدہ رکھے یا عمل یا تبلیغ کرے وہ دفعہ ۲۹۵ کے تحت مستوجب سزا ہوگا۔

(ج) یہ کہ متعلقہ قوانین مثلاً قومی رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۷۳ اور انتخابی فہرستوں کے قواعد ۱۹۷۴ منتخبہ قانونی اور ضابطہ کی ترمیمات کی جائیں۔

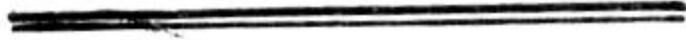
(د) کہ پاکستان کے تمام شہریوں خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں ، کی جان و مال ، آزادی ، عزت اور بنیادی حقوق کا پوری طرح تحفظ اور دفاع کیا جائے گا۔

(۱) عبد الحفیظ پیرزادہ (۲) مولانا مفتی محمود

(۳) مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی (۴) پروفیسر غفور احمد

(۵) غلام فاروق (۶) چوہدری ظہور الہی

(۷) سردار مولا بخش سومرو۔



قادیانیوں کے بارہ میں صدارتی آرڈیننس مجریہ کا مکمل متن

۱۹۸۳ء میں آئین میں ترمیم کے ذریعے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے تقریباً دس سال بعد جنرل ضیاء الحق مرحوم نے مجلس شوریٰ میں شامل مولانا سمیع الحق صاحب اور دیگر نگران مجلس کی کوششوں سے صدارتی آرڈیننس کے ذریعے قانون سازی کے ذیل میں اس آرڈیننس کا مکمل متن پیش کیا جاتا ہے۔ (مرتبہ)



قادیانی گروپ، لاہوری گروپ اور احمدیوں کو اسلام دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہونے سے روکنے کے لیے قانون میں ترمیم کرنے کے لیے آرڈیننس۔ چونکہ یہ ضروری ہے کہ قادیانی گروپ، لاہوری گروپ اور احمدیوں کو اسلام دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہونے سے روکنے کے لیے قانون میں ترمیم کی جائے۔ اور چونکہ صدر اس بات سے مطمئن ہیں کہ ایسے حالات موجود ہیں جن کے تحت فوری کارروائی کرنا ضروری ہے اس لیے اب ۵ جولائی ۱۹۸۳ء کے فرمان کے تحت اور اس سلسلے میں تمام اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے صدر مندرجہ ذیل آرڈیننس کا اجراء کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے ہیں :

حصہ ابتدائیہ

مختصر عنوان اور آغاز

(۱) اس آرڈیننس کو قادیانی گروپ، لاہوری گروپ اور احمدیوں (ممانعت اور سزا) کا آرڈیننس ۱۹۸۳ء کہا جائے گا۔

(۲) یہ فوری طور پر نافذ العمل ہوگا۔

(۳) آرڈیننس کو عدالتوں کے احکامات اور فیصلوں پر فوقیت ہوگی، اس آرڈیننس کی دفعات کسی بھی عدالت کے حکم یا فیصلے کے باوجود مؤثر رہوں گی۔

حصہ دوم (II) تعزیرات پاکستان (۱۸۶۰ء کا قانون) میں ترمیم

تغزیراتِ پاکستان میں دفعہ ۲۹۸ ب اور ۲۹۸ ج کا اضافہ: تغزیراتِ پاکستان کے پندرہویں باب میں دفعہ ۲۹۸ الف کے بعد درج ذیل نئی دفعات شامل کی گئی ہیں:-

۲۹۸ ب: مقدس شخصیتوں اور مقامات کے لیے مخصوص اصطلاحات کا غلط استعمال۔

(۱) قادیانی گروپ یا لاہوری (جو اپنے آپ کو احمدی یا کوئی اور نام دیتے ہیں) کا کوئی شخص جو زبانی یا تحریری الفاظ یا ظاہری واضح طریقے کے ذریعے (الف) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی خلیفہ یا صحابی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو ”امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین، صحابی یا موصی اللہ عنہ“ کہتا ہے یا اس نام سے مخاطب کرتا ہے۔ (ب) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے علاوہ کسی دوسری عورت کو ”ام المؤمنین“ کے نام سے مخاطب کرتا ہے یا کہتا ہے۔ (ج) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ”اہلبیت“ کے علاوہ کسی اور شخص کو اہلبیت کہتا ہے یا مخاطب کرتا ہے، یا (د) اپنی عبادت گاہ کو ”مسی“ کا نام دیتا ہے۔

اُسے تین سال قید کی سزا دی جائے گی اور جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔

(۲) قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں یا کوئی بھی دوسرا نام دیتے ہیں) کا کوئی شخص لفظوں کے ذریعے بول کر یا لکھ کر اپنے عقیدے میں اختیار کیے گئے عبادت کی خاطر بلانے کے طریقہ کار کو اذان کہے گا یا مسلمانوں کی طرح اذان دے گا تو اسے تین سال تک قید کی سزا دی جائے گی اور جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔

۲۹۸ سی: قادیانی گروپ وغیرہ کا شخص جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو یا اپنے عقیدے

کی تبلیغ یا تشہیر کرتا ہو: قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں یا کوئی بھی دوسرا نام دیتے ہیں) کا کوئی شخص جو اپنے آپ کو براہ راست یا بالواسطہ طور پر مسلمان ظاہر کرے گا یا بولے گا یا اپنے عقیدے کی تبلیغ یا تشہیر کرے گا یا لفظوں کے ذریعے بول کر یا لکھ کر یا کسی بھی دوسرے نمایاں طریقے سے دوسروں کو اپنا عقیدہ قبول کرنے کی دعوت دے گا جس سے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہو تو اسے تین سال تک قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔

۲۹۸ آرڈی منس کے ذریعے مجموعہ ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء کی دفعہ ۹۹ الف میں بھی ترمیم کی گئی ہے جس کے ذریعے صوبائی حکومتوں کو کسی ایسے اخبار، کتاب یا دیگر دستاویز کو ضبط کرنے کا اختیار دیا گیا ہے جو مجموعہ تغزیراتِ پاکستان میں شامل کردہ نئی دفعات کی خلاف ورزی میں

چھاپی گئی ہو، آرڈینیٹس کے ذریعے مغربی پاکستان پولیس اور پبلی کیشنز آرڈینیٹس ۱۹۶۳ء کی دفعہ ۲۴ میں کی ترمیم کے ذریعے صوبائی حکومت کو اختیار مل جائے گا کہ وہ مجموعہ تعزیرات پاکستان میں شامل کردہ نئی دفعات کی خلاف ورزی کرنے والی کسی کتاب یا دستاویز کی طباعت یا اشاعت کے لیے استعمال ہونے والے پولیس کو بند کر دے، اس اعتبار کے ڈیکلریشن کو منسوخ کر دے جو ان دفعات کی خلاف ورزی کرے اور کسی ایسی کتاب یا دستاویز کو ضبط کر لے جس میں ایسا مواد شامل ہو جس کی طباعت یا اشاعت مذکورہ دفعات کی رو سے ممنوع قرار دی گئی ہے۔



قادیانی مسئلہ میں مسلمانوں کی فتح مبین

علماء کرام کے جدوجہد اور مسلمانوں کے پُر زور مطالبہ سے مجبور ہو کر جب حکومت نے قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا تو شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ نے اظہارِ مسرت کرتے ہوئے ۱۲ ستمبر ۱۹۷۴ء کو خطبہ جمعۃ المبارک میں طویل اور مفصل خطاب فرمایا تھا، جسے اب قادیانیت کے مناسبت سے فتاویٰ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

نحمدہ و نصلى على رسوله الكريم، اعوذ بالله من الشيطان الرجيم ۛ
قال الله تبارك وتعالى: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝

میرے محترم بھائیو! اللہ جل جلالہ کا پاکستان اور ساری دنیا کے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے اور ایک فتح عظیم اللہ نے مسلمانوں کو دی ہے۔ ہمارے جسم کا ایک ایک رواں بھی اگر سر بسجود ہو کر اُس احسان اور نعمت کا بھوکا اللہ نے ہم پر فرمائی ہے شکر ادا کرنا چاہیے تو ادا نہیں کر سکے گا۔

بھائیو! ہم اور آپ اپنی جان، اپنے مال، اپنے بچوں کا انتظام کرتے ہیں، ہر شخص اپنی حیثیت اور طاقت کے مطابق ایک گھر بناتا ہے، چار دیواری

قصر نبوتؐ کی حفاظت

کھینچتا ہے، دروازے لگاتا ہے صرف اسلئے کہ میرا گھر اور بال بچے چوروں، ڈاکوؤں اور دوسرے خطرات سے محفوظ رہیں، اور جب گھر کی ہر طرح حفاظت ہو جائے تو سب کی خوشی کا باعث ہوتا ہے۔ دنیا میں ہر قوم اپنے ملک کی حفاظت کرتی ہے۔ پاکستان ہمارا ملک ہے ہم اسکی سرحدات کی حفاظت کرتے ہیں، ملک میں کسی قسم کی خلفشار برداشت نہیں کرتے۔ ہر ملک کے حکمران اپنے بجٹ میں اربوں روپے رکھتے ہیں، پولیس داخلی خلفشار کو روکتی ہے، فوج بیرونی حملوں سے حفاظت کرتی ہے، ملکی سرحدات کی حفاظت کیلئے ہزاروں لاکھوں لوگ قربان ہو جاتے ہیں اور جب ملک محفوظ ہو جائے تو قوم فتح کی خوشی مناتی ہے۔ تو جیسا کہ اپنی جان و مال عزت و آبرو، ماں باپ اور اولاد کی حفاظت ہو جانے سے ہمیں خوشی ہوتی، روح کو اطمینان ہو جاتا ہے، اسی طرح ایک مسلمان کے نزدیک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس

ان سب چیزوں سے بڑھ کر عزیز ہے۔ تو جب حضور کی عزت و ناموس، ان کی شان رفیع، ان کے بلند مرتبہ مقام کی حفاظت ایک چور اور ڈاکو سے ہو جائے تو کتنی خوشی ہوگی؟

یہی پھول اور ماں باپ کی حفاظت سے زیادہ اس پر خوشی ہوتی ہے۔ ملک کی حفاظت ہو جائے وہ بھی خوشی کی بات ہے، مگر اس سب سے بڑھ کر مسرت یہ ہے کہ دین اسلام محفوظ ہو، اور حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی ناموس، عزت و مرتبت کو خداوند تعالیٰ محفوظ فرمادے۔

ختم نبوت | میرے محترم بزرگوار! اللہ جل مجدہ نے مسلمانان پاکستان اور عالم اسلام پر بہت بڑی مہربانی کی، ستمبر کی تاریخ کو فرمائی۔ اس لیے کہ قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت جو اپنے کو احمدی

کہلاتے ہیں، ان کا پیشوا — مرزا غلام احمد قادیانی — وہ نقیب لگا رہا تھا خاتم النبۃ کے قلعہ میں اور اس تاج عظیم میں دست اندازی کر رہا تھا جو ختم نبوت کی شکل میں اللہ جل مجدہ نے حضور کے سر پر رکھا تھا۔

مَا كَا مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ دَسُّوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّنَ۔ آپ کی ذات سے اللہ تعالیٰ نے نبوت کو درجہ کمال پر پہنچا دیا ہے۔ اور دیکھئے ہر چیز کی دنیا میں ایک انتہاء ہوتی ہے سوائے خدائے جی و قیوم کے کہ وہ سرمدی، ابدی، ازلی، دائمی ہیں، ان کے علاوہ ہر چیز کی ایک ابتداء ہوتی ہے اور ایک انتہاء، ایک آغاں ہوتا ہے اور ایک کمال، انسان ہی کو لیجئے پہلے بچہ ہوتا ہے پھر بڑھتا کرتے کرتے ہم سال میں کمال کو پہنچتا ہے، پھر زوال پھر ختم ہوتا ہے اور قبر میں جاتا ہے۔

یہی حالت ہر چیز کی ہے، نبوت کا سلسلہ اللہ جل مجدہ نے حضرت آدم سے شروع فرمایا اور نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات پر اسے کمال اور عروج تک پہنچا دیا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ اس مقام و مرتبہ پر اللہ نے حضور اقدس کو فائز فرمایا۔

متنبیٰ کتاب اور توہین انبیاء | مرزا غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت سے انکار کیا اور خود نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا، ایک شخص جب بے جہاد ہو جائے تو اس کے لیے پھر

کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی۔ اذالہ تستحیٰ فافعل ماشئت جیسے دنیاوی چور ہوتے ہیں پہلے چوری جیسے معمولی چیزیں چراتے ہیں پھر بڑھتے بڑھتے بالکل جبری ہو جاتے ہیں، بالکل اسی طرح مرزا قادیانی نے بھی پہلے یہ کہا کہ میں آدم ہوں، نوح ہوں، ابراہیم ہوں، موسیٰ اور عیسیٰ ہوں، پھر یہاں تک کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں بلکہ سب انبیاء سے بھی افضل ہوں۔ ایک اور جگہ اس نے لکھا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بعینہ میری شکل میں آج آئے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ بھی کہا کہ حضور اقدس پہلی رات کے چاند ہیں تو میں چودہویں صدی میں آیا ہوں تو میں بدر (چودہویں کا چاند) ہوں۔ یہ مرزا کی وہ باتیں

ہیں جن کا اسمبلی میں بھی مرزا تھر سے انکار نہیں ہو سکا۔ اس نے اپنے آپ کو بدرِ کامل اور حضور افضل البیاء والمسلین کو پہلی رات کا چاند کہا، اُس نے صرف ایک نبی کی توہین نہیں کی بلکہ سید اکائونات رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اور تمام انبیاء کی بھی توہین کی ہے۔ کہتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کون ہے جو میرے منبر پر قدم بھی رکھ سکے؟

مسلمانوں کی تکفیر | بھائیو! یہ ایک کذاب اور بہت بڑا چالاک شخص تھا، اللہ تعالیٰ نے اس امت کا امتحان کرنا تھا، اور مسلمانوں کا ایمان ہے کہ حضور اکرم آخری نبی ہیں، آپ کے بعد قیامت تک نیابی نہ مبعوث ہوگا نہ آسکتا ہے، نہ کوئی ظلی نہ بروزی۔ اور مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ نجات و فلاح دنیا کی ہو یا آخرت کی صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں جنت بھی آپ کے اتباع سے ہی ملے گی۔ مگر مرزا قادیانی کہتا ہے کہ جس نے میری پیروی نہ کی اور مجھے نبی نہ مانا، خواہ اُس نے میرا نام بھی نہ سنا ہو، پہاڑوں اور جنگلوں میں رہتا ہو لیکن مجھ پر ایمان نہ لایا تو وہ بھی دائرہ اسلام خارج اور پکا کافر ہے۔ ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رضا اور جنت ہمیں اُس نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ سے دے گا جو حضور اقدسؐ نے ہمیں بتلائے لیکن مرزا کہتا ہے کہ نہیں جو میں کہوں حلال و حرام اس کی بھی پیروی کرنا ہوگی۔

نسخ جہاد | ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ: الْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ السِّبْوَفِ، جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔ جو مسلمان اللہ کی رضا کے لیے ملک و قوم اور اسلام کی حفاظت کے لیے جہاد کرتا ہے اُسے جنت نصیب ہوگی۔ وہ انگریز سے، سکھ سے، ہندو سے جہاد کرتا ہے تو اگر اس پر تلوار کا سلیہ بھی پڑ گیا تو بلا حساب کتاب کے جنت میں جاٹے گا۔ ہمارا یہ عقیدہ بھی ہے کہ الجہاد ماضی الی یوم القیامۃ، جہاد قیامت تک جاری رہے گا، منسوخ نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ ہر دور میں جب کفر کا مقابلہ آیا ہم جہاد کریں گے، حتیٰ کہ حضور اقدسؐ فرماتے ہیں کہ تمہارا امیر اور تمہارا حاکم بدکردار اور بد عمل ہے اور تم اس سے ناراض بھی ہو مگر جب اس نے جہاد کا نعرہ بلند کیا تو اس کا ساتھ دینا پڑے گا۔

ایوب خان سے کون خوش تھا؟ مگر جب اس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہہ کر جہاد کا نعرہ بلند کیا تو سب کو معلوم ہے کہ منبر و محراب سے آواز اٹھی کہ آگے بڑھو یہ نہ دیکھا کہ ایوب خان سے لوگ خوش ہیں یا نہیں! یعنی خان ثراب زانی ہے یا نہیں؟ جو بھی ہے مگر اب وقت ہے جہاد کا۔ تو جہاد کی اتنی اہمیت ہے، جہاد قیامت تک رہے گا، حقیقت یہ ہے کہ جس قوم سے جہاد اٹھ گیا تو وہ قوم بے عزت ہو کر رہ رہ گئی، اصل زندگی جہاد ہی میں ہے۔ ارشادِ ربانی ہے، وَلَا تَقُولُ لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمُوتَ

بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۝

انگریز کی اطاعت | مرزا قادیانی کہتا ہے کہ اب جہاد حرام ہے، قطعی حرام ہے اور جس مسلمان کے دل میں انگریز کی مخالفت کا خیال گذرے تو وہ بھی جہنمی ہے۔

مرزا قادیانی نے اپنی امت کو جو پانچ بنیادی اصول اپنی دعوت کے بتلائے اور وہ مرزائی مذہب کی پنج بنیادیں ہیں، جیسا کہ ہم مسلمانوں کے پانچ اصول کلمہ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج ہیں۔ تو مرزا قادیانی کے بنیادی اسباق میں یہ ہے کہ برطانیہ اور حکومت انگلشیہ کی وفاداری اور اطاعت و تابعداری کرنا ہوگی۔ اور ہم نے یہ بھی اسمبلی میں مرزا ناصر احمد سے تسلیم کر لیا کہ یہ تو تمہارے مذہب کی پنج بنیادیں ہیں۔ ایک وقت آئے گا کہ یہ سب مباحث قوم کے سامنے بھی آجائیں گے۔ انشاء اللہ جہاد کو مرزا نے بالکل حرام کہا، عراق جب انگریزوں نے فتح کیا تو ان لوگوں نے قادیان میں چرغا کیا، لوگوں نے کہا کہ مسلمان تو رو رہے ہیں کہ انگریز نے ایک اسلامی ملک پر قبضہ کر لیا ہے اور تم چرغا کر کے خوشیاں منا رہے ہو؟ کہا ہاں ٹھیک ہے، اس لیے کہ یہ انگریز تو ہماری تلوار ہے اور یہ تلوار جہاں جہاں پہنچے گی وہاں مرزائیوں کی فوج بھی جائے گی۔ چنانچہ فرنگی نے عراق کا پہلا گورنر ایک قادیانی کو مقرر کیا، ترکوں نے رطائی میں انگریزوں کو فتح ہوئی تو مرزائیوں نے انہیں مبارکباد دی کہ شکریہ کہ خدا نے انگریز کو کامیاب کیا۔

ملک اور قوم سے غداری | تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ ان لوگوں کا کردار کیا ہے اور عزائم اور محرکات کیا ہیں؟ پاکستان بننے کے بعد پہلے تو ان کا یہ ارادہ تھا کہ کشمیر کو قادیانی ریاست بنا دیا جائے، مگر جب مسلمان سمجھ گئے تو انہوں نے جیلیں بھر دیں اور ان کے عزائم ناکام بنا دیئے۔ اس کے بعد مرزا بشیر الدین نے اپنے لوگوں کو تلقین کی کہ بلوچستان کا رقبہ بہت وسیع ہے مگر مسلمانوں کی مردم شماری کم ہے اس لیے قلت تعداد کی بناء پر اس کو قادیانی ریاست بنانا بہت آسان ہے، اگرچہ وہ غیر آباد رقبہ ہے مگر جب اپنا ایک الگ صوبہ ہو گا تو ایک حیثیت ہوگی یہ بات بھی اسمبلی کی بحث میں مرزا ناصر سے منوالی گئی، انکار کیسے ہو سکتا تھا کہ تحریکات، حوالے، کتابیں موجود تھیں یہ بھی ثابت کر دیا کہ تقسیم ہند کے وقت تحصیل گورداسپور جہاں قادیان ہے انہوں نے خودیہ درخواست دی ۲۸ برس پیشتر کہ ہم ایک الگ فرقہ ہیں۔ اور لارڈ ڈاؤنٹ بیٹن کو کہا کہ ہمیں بھی دیگر اقلیتوں عیسائیوں وغیرہ کی طرح الگ نشستیں مقرر کر دی جائیں، اگر اس وقت یہ درخواست نہ دی ہوتی تو یہ مسلمانوں میں شمار ہو جاتے اور شاید یہ علاقہ پاکستان کے ہاتھ میں ہوتا اور کشمیر بھی نہ نکلتا، یہ تقسیم آخر میں پاکستان کے شہادتی تھی، تو گویا ۲۸ سال پہلے ان کی جو درخواست تھی وائسرائے ہند کے نام ۱۹۰۵ء ستمبر کو اسمبلی کے ذریعے منظور ہوئی۔

اسمبلی میں اتمامِ حجت | یہ بھی یاد رہے کہ اسمبلی یا پاکستان نے انہیں کافر نہیں بنایا وہ خود تقریباً ۹۰ سال سے تمام مسلمانوں کو کافر اور پکے کافر کہہ رہے ہیں کہ پکے کافر ہیں کچے بھی نہیں۔

جب اسمبلی میں مرزا تاجر سے یہ پوچھا گیا کہ مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہو؟ تو نظربندی کر کے کہا کہ ہاں مسلمانوں کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ تو ہم نے مرزا غلام احمد اور مرزا بشیر الدین کی ایسی عبارتیں پیش کیں کہ وہ تو کافر کہتے ہیں۔ کہا کافر ہیں مگر کچی قسم کے کافر ہیں، معمولی قسم کے کافر ہیں۔ تو ہم نے کہا اچھا وہ تو اسی عبارت میں کہتا ہے کہ کافر ہیں اور پکے کافر ہیں، تو اب پکے کافر کچے کیسے ہو گئے؟ والد اور دادا تو ہم سب کو کافر کہتا ہے، سمجھتا ہے، تم کیسے مسلمان کہہ سکتے ہو؟ تو خاموش۔ پھر ہم نے دوسرا نکتہ یہ اٹھایا کہ اچھا مسلمانوں کی نماز پڑھتے ہو یا نہیں؟ اور جب مسلمانوں کے قائدِ اعظم وفات پا گئے اور ان کے تو مرزائیوں اور ظفر اللہ پریہ احسانات تھے کہ ظفر اللہ کو وزیرِ خارجہ مقرر کیا، اور یہ جو پھیلے ہیں تو مسلمانوں ہی کے ہاتھوں پھیلے ہیں کہ وزارتِ خارجہ کے ذریعہ سفارتخانے قادیانیوں سے بھر دیئے گئے، جتنا بھی خرچ ہوتا رہا اس کی کوٹ پوچھ گچھ نہ تھی، یہ کتنا بڑا احسان تھا قائدِ اعظم کا، جب ان کا انتقال ہوا تو ظفر اللہ نے اپنے بڑے حسن پر بھی نماز جنازہ نہ پڑھی۔ کیونکہ ان کا جنازہ علامہ شبیر احمد عثمانی نے پڑھایا اور شاہِ قائدِ اعظم کی وصیت بھی تھی کہ میرا جنازہ علامہ شبیر احمد عثمانی پڑھائیں گے۔ الغرض انکی اقتدار میں نماز جنازہ نہ پڑھنا اگر عذر تھا تو ہمارے وکیل نے کہا کہ اچھا اس ملک میں تو قائدِ اعظم کی غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھی گئی، وکیل نے کہا کہ میں ان دنوں لندن میں تھا وہاں بھی مسلمانوں کے اکثر فرقے جمع ہوئے اور قائدِ اعظم کی نماز جنازہ پڑھی گئی تو کیا کسی غائبانہ نماز جنازہ میں بھی کوئی قادیانی شہبک ہوا تھا؟ کہا مجھے نہیں معلوم۔ وکیل نے کہا کہ ہر جگہ تو مولانا شبیر احمد عثمانی نہیں تھے؟ بلکہ وہ خود ظفر اللہ نے بیان کر دی تھی کہ میں اپنے آپ کو کافر حکومت کا مسلمان ملازم سمجھتا ہوں یا مسلمان حکومت کا کافر ملازم، یعنی ملازم پر یہ ضروری نہیں کہ جنازہ بھی پڑھے۔

انگریز کی مدح سراٹھیاں | الغرض مرزائیوں کو غیر مسلم سمجھنے کے ہزاروں شواہد اور دلائل ہمارے پاس موجود ہیں اور ان کی کتابیں ایسی تحریریں ہیں۔

مرزا قادیانی نے انگریز کی مدح سراٹھائی میں کہا کہ میں نے پچاس الحاریاں اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی تلقین پر لکھی ہیں۔ انگریز لیٹیننٹ گورنر کو مرزا نے لکھا کہ میں تو انگریز کا خود ساختہ پوتا ہوں، اب اس خود ساختہ پوتے کی آبیاری بھی تم کرو گے، اور مجھ پر اور میری جماعت پر خصوصی عنایت بھی کرنا ہو گی، ملکہ وکٹوریہ کی مدح میں مستقل کتاب لکھی، تحفہ قیصریہ کے نام سے اُسے منسوب کیا۔

الغرض انسان حیران رہ جاتا ہے مرزا کی خوشامد اور جی حضور کی کو دیکھ کر ہم تو اسمبلی میں دوچار مولوی ہیں، انگریزی خوان طبقہ بھی جو اسمبلی کے ارکان کا تھا وہ بھی انگریز کی اتنی حمد و ستائش سن کر حیران رہ گیا اور کہا کہ نبی تو کجا ایسا شخص تو کوئی شریف انسان بھی نہیں کہلا سکتا، نبی ہونا تو بڑی بات ہے، اتنی چابلو سی کا تصور تو ہم انگریزی خوانوں سے بھی نہیں ہو سکتا۔ ملکہ و کٹوریہ کو دام اقبالہا کہنا، اور یہ کہ تیرا یہ تخت اقبال ہمیشہ باقی رہے، تو ظل اللہ ہے اور وہ مسلمان ملعون ہے، بد قسمت ہے جو تیری حکومت کے خلاف خیال کو بھی دل میں جگہ دے۔ تو اتنی چابلو سی تو کوئی بھنگی بھی نہیں کر سکتا، پھر ایک کافر حکومت کی، انگریز کی۔

اور یہ حقیقت ہے کہ جب انگریز نے ہندوستان میں آکر قدم جمایا تو اس وقت انگریز کے خلاف شاہ عبدالعزیز اور دیگر اکابر نے جہاد کا فتویٰ دیا، جہاد کی تحریک اٹھی، سینکڑوں مسلمان بھائی ہوئے اور جہاد کا نعرہ بلند ہوا تو مسلمان جہاد کے لیے جان و مال قربان کرنے پر تیار ہو گئے، انگریز کو اندازہ ہوا کہ مسلمانوں کو غلام رکھنے کا علاج سوائے اس کے نہیں کہ ان کے دلوں سے جہاد کا جذبہ نکال دیا جائے، اور اس کے لیے ایک فرضی نبی کھڑا کر دیا جائے اور وہ جہاد کو حرام قرار دے۔ یہی تو وہ خود کاشتہ پودا ہوتا تھا جس کا اقرار مرزا نے اپنی تحریروں میں کیا تھا۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ ۱۸۵۷ء کے قدر میں بھی میرے والد نے پچاس سو ارگھوڑوں سمیت انگریز کو پیش کیے۔

بہر حال مرزائی ہم مسلمانوں کو ۹۰ سال سے کافر کہتے آرہے تھے اور جب یہی چیز اسمبلی میں پیش ہوئی تو اپنی مطلب برآری کے لیے اس کا انکار کرنے لگے، تو جب وہ عبارتیں پیش ہوئیں کہ تم نے تو مرزا کو نہ ماننے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج، کافر اور پکا کافر کہا ہے۔ تو کہا کافر تو ہیں مگر ملت میں داخل ہیں اور ملت کے تین دائرے ہیں، ایک اسلام، ایک اسلام سے نیچے اور ایک تیسرا درجہ ہے۔ رانا حنیف صاحب مرکزی وزیر ہیں اسمبلی سے باہر ملے، بیمار پڑے ہوئے تھے میں نے کہا وزیر صاحب! کیا حال ہے؟ ہنس کر کہا مولانا! ابھی تک تیسرے دائرے میں پھر رہا ہوں، پتہ نہیں اس سے بھی کب نکالتے ہیں۔

مرزا تا صر سے کہا گیا کہ مسلمانوں کے معصوم بچوں پر جنازہ کا معاشرتی تعلقات سے ممانعت کیا حکم ہے، آپ کے بڑوں نے تو کہا تھا کہ بالکل ناجائز ہے اور جس طرح تم ہندو، سکھ، عیسائی بچوں پر جنازہ نہیں پڑھ سکتے اسی طرح غیر مرزائی مسلمان بچوں کا حکم ہے اس لیے کہ کافر کا بچہ کافر کا تابع ہے، مسلمان کافر تو اس کا بچہ بھی کافر ہی ہوگا۔

نکاح کے بارہ میں کہا کہ کیا کوئی مسلمان عورت فرنگی یا ہندو یا سکھ سے نکاح کر سکتی ہے؟ اگر نہیں تو کسی مرزائی عورت کا بھی مسلمان مرد سے نکاح جائز نہیں البتہ مرزائی مسلمانوں کی لڑکیاں اپنے عقد میں لے سکتے ہیں جیسے کہ اہل کتاب کی۔ یہ تھا نکاح کے بارے میں ان کا عقیدہ۔

الغرض بھائیو! اسمبلی میں رقادیانیوں پر جرح کے لیے سینکڑوں سوالات داخل کیے گئے جن میں سے چند کا انتخاب ہوا اور جرح و بحث کا محور زیادہ تر دو چار اصولی باتیں رہیں۔ الحمد للہ پاکستان کے آئین میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا ذکر پہلے بھی موجود تھا، صد اور وزیر اعظم کے حلف کی عبارت میں تو ختم نبوت کا جھگڑا طے شدہ تھا کہ مسلمان صرف وہی ہوگا جو حضور اقدس کو اللہ کا آخری نبی مانتا ہو، یہاں کمیٹی کی بحث میں یہ طے کرنا تھا کہ کیا مرزا نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا یا نہیں؟ اور کیا اس کے پیروکار اس کو نبی مانتے ہیں یا نہیں؟ اور کیا ان کے نزدیک ان کے نہ مانتے والے غیر مرزائی مسلمان ہیں یا کافر؟ تو ربوہ والوں نے اور لاہوریوں نے بھی یہ سب چیزیں مانی ہیں اور اقرار کیا کہ وہ الگ امت اور گروہ ہیں۔

لاہوری فرقہ کی منافقت | اور لاہوریوں کا ربوہ والوں سے جھگڑا تو محض خلافت اور گدی نشینی کا تھا لیکن وہ بھی منافقت سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسانے کے لیے مسلمانوں کو مسلمان کہنے لگے، جرح کے دوران لاہوریوں نے بھی اقرار کیا کہ تم لوگ حقیقی مسلمان تو نہیں ہو البتہ مجازی مسلمان ہو۔ اور جب مرزائیوں سے اس دورنگی کردار کے بارے میں پوچھا گیا کہ مسلمانوں کو کافر بھی سمجھتے ہو اور ان کے لیے مسلمان کا نام بھی استعمال کرتے ہو؟ تو جواب دیا کہ حقیقی مسلمان تو نہیں ہو البتہ دنیا میں ایک قوم مسلمان کے نام سے معروف ہے اس لیے ہم بھی عرفاً تمہیں مسلمان کہتے ہیں۔ یہود وہ قوم تھی جو حضرت موسیٰ پر ایمان تولائی مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد پر ان کا انکار کرنے کے بعد کافر ہو گئے مگر معروف ابھی تک یہودی نام سے ہیں، عیسائی حضور نبی کریم کی آمد کے بعد آپ کی نبوت کا انکار کرنے سے کافر ہو گئے عیسائی نہ رہے مگر کہلاتے اب بھی عیسائی ہیں، اور جس طرح عبد اللہ نامی شخص اللہ کی سرکشی اور نافرمانی کے باوجود عبد اللہ کہلاتا ہے، حقیقی نہیں صرف نام کی شہرت کی وجہ سے، اسی طرح ہم نے بھی کہیں کہیں مسلمانوں کو مسلمان کہا۔ لاہوری مرزائیوں نے حدیث نبویؐ سینزل بنی اللہ عیسیٰ بن مریم کے ضمن میں اختلاف کیا کہ نبی تھا۔ الغرض جب نوے سال سے وہ خود ہمیں کافر کہتے رہے، سمجھتے رہے اور اپنے آپ کو الگ امت اور گروہ، مگر اب انہیں اپنے نہ ماننے والے ”ان کافروں“ میں شرکت پر اصرار محض مفاد حاصل کرتے اور دیر پر دم مارا ستین

بنے رہنے کے لیے ہے۔ اس برصغیر میں ہندو مسلم، سکھ، عیسائی تھے مگر ہندو زیادہ تھے اور مسلمان کم، تو اقلیت کو نقصان ہوتا ہے۔

اسلام کے نام پر اسلام دشمنی | اب مرزاٹیوں نے یہ چاہا کہ شامل تو مسلمانوں میں رہیں اور اسی نام سے اختیارات اور حقوق پر قابض ہوں اور کارروائی

ان کے ساتھ غیر مسلموں جیسی ہو۔ حالانکہ کسی بھی مسلمان کی غیرت یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ وہ ہندو، سکھ یا عیسائی اکثریت میں محسوب رہے، اور یہ مرزائی طبقہ انتخابی غیرت ہے کہ ہم مسلمان تو ان کے نزدیک ہندو اور سکھ سے بھی بڑھ کر کافر، مکران "کافروں" میں شرکت پر ان کا ہمیشہ اصرار رہا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا ہو جانے سے مفادات پر ضرب پڑے گی اور سازشیں نہیں کر سکیں گے۔

تقسیم ہند کے وقت تحصیل گورداسپور صرف ان کی وجہ سے بھارت میں شامل ہوئی کہ انہوں نے مردم شماری میں اپنے آپ کو ایک الگ قوم کی حیثیت سے پیش کرنا چاہا، اُس وقت اپنے آپ کو غیر مسلموں میں شمار کر کے مسلم آبادی کی تعداد کم کر دی گئی۔ یہ بات بھی اسمبلی میں ثابت کر دی گئی اور یہی چیز کشمیر کے ہاتھ سے جانے کا بھی پیش خیمہ بنی۔

اسرائیل سے تعلقات | اسرائیل سارے عالم کا دشمن ہے، سارے مسلمانوں کے تعلقات اس سے نہیں، مگر مرزائی ہیں کہ ان کے مشن وہاں قائم ہیں، یہ مسلمانوں میں گھل مل کر

اور ان کے اعتماد اور بھروسہ سے غلط فائدہ اٹھا کر سارے راز ایسے مشنوں کے ذریعہ دشمنوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ تو یہ لوگ مذہبی طور پر تو تھے ہی دشمن اسلام مگر سیاسی طور پر بھی پاکستان اور عالم اسلام کی جڑیں کاٹتے رہے، یہ تو اللہ نے فضل کیا کہ ربوہ ریلوے اسٹیشن کا سانحہ ظاہر ہو گیا ورنہ اسی سال یا بہت جلد ان کے ہاتھوں ملک انقلاب اور حاکمیت جی کا نشانہ بن سکتا تھا، خداوند تعالیٰ کو اس ملک کی، اس حکومت کی، اس قوم کی مدد کرنی تھی، ورنہ یہ تو پاکستان کی سیاست پر افواج پر پاکستان کی اقتصادیات اور کلیدی عہدوں پر قابض ہوتے چلے جا رہے تھے۔

اسمبلی کا متفقہ فیصلہ | اور مذہبی طور پر تو پہلے ہی روز سے تھے ہی غیر مسلم اور کافر، مگر قومی اسمبلی نے بھی متفقہ طور پر آئین میں ان کی اس حیثیت کو شامل کر لیا، اسمبلی میں انگریزی

خوانوں کی اکثریت تھی، تو یہ صرف علماء کا فیصلہ نہیں، نئی دنیا تو منبر و محراب سے اتنی متاثر نہیں ہوتی جتنی کہ پارلیمنٹ اور اسمبلیوں سے، اور الحمد للہ کہ وہاں اسمبلی میں تمام ارکان نے، ہر پارٹی کے ارکان نے، سب نے سو فیصد متفق ہو کر فیصلہ دیدیا، سب ارکان مسئلہ کی گہرائیوں اور حقیقت کو سمجھ گئے۔ وہاں طالب علموں کی طرح

لے ان تعلقات کی تفصیل جاننے کیلئے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی شائع کردہ کتاب "قادیان سے اسرائیل تک" کا مطالعہ ضروری ہے۔ (مرتب)

بحث و مباحثہ کا دور دورہ رہا، تو یقین و بصیرت کے ساتھ اور بڑی سرتوں کے ساتھ سب کے سب ارکان نے آئین میں یہ ترمیمیں کر لیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس شخص نے جس نوع سے بھی اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور جو اس پر ایمان لایا، اسے مذہبی مصلح سمجھا وہ غیر مسلم ہوگا اور مرزائی قادیانی، لاہوری جو خود کو احمدی کہلاتے ہیں غیر مسلم اقلیت ہیں۔ اب قیامت تک اس ملک میں انشاء اللہ کوئی بھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ نہیں کر سکے گا۔ اور جہاں تک اقلیتوں کے تحفظ کا مسئلہ ہے تو ہمارے ہاں ہندو، سکھ، عیسائی سب ہیں مگر مسلمان ان سب کا تحفظ کرتے ہیں، قوانین موجود ہیں، اسلام کی تعلیمات ہیں، ہم ان (مرزائیوں) کا بھی تحفظ کریں گے مسلمان دیہات میں ہندو، سکھ، عیسائی سے بھی سودا سلف خریدتے ہیں مگر وہ انہیں غیر مسلم جانتے ہیں، یہ خطرہ نہیں، یہی طور پر دھوکہ ہو سکے اور مارا آستین بن جائیں، مگر اب ساری دنیا پر قادیانیوں کی حقیقت آشکارا ہو جانے کے بعد یہ خطرہ کم ہوگا کہ یہ ساپ ڈس لے گا۔ تو یہ پروردگار کا بڑے سے بڑا کرم اور انعام ہے کہ قوم کا، ملک کا، دین کا تحفظ ہو گیا۔ ہمارے دیگر مطالبات بھی اصولاً وزیراعظم نے مان لیے ہیں۔ اب کلیدی عہدوں پر ان کو فائز رکھنا اپنے آپ سے دشمنی کرنا ہے۔ اب ہمارے سارے راز فاش کرنے اور ہر طرح دشمنی کرنے سے یہ لوگ کوئی دریغ نہیں کریں گے، نہ بھٹو سے نہ قوم سے بھلائی کریں گے، اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ انہیں جلد از جلد کلیدی عہدوں سے ہٹا دیا جائے، پاکستان کے اندر ربوہ کے نام سے قائم قادیانی ریاست ختم کر دی جائے اسے مفتوح کر لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد | تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے دین کی حفاظت فرمائی، نشتر میڈیکل کالج ملتان کے مسلمان طالب علم بلاوجہ مرزائیوں کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے، ساری قوم اٹھی

ملازم، تجارت، علماء، عوام، طلباء سب نے جرات ایمانی کا ثبوت دیا، ابتدائی تین دن تک تحریک کی مرکزی قیادت نہ تھی تو کچھ گڑ بڑ ہوئی، پھر مجلس عمل کی تشکیل ہو گئی اور ساری جماعتیں اس میں شامل ہو گئیں سب نے حلف اٹھایا کہ اس مسئلہ میں سیاست بازی نہ ہوگی، سب حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور اسلام کی خاطر اس تحریک کو چلائیں گے۔ بہت بڑے دوچار افسروں نے مجھے لاہور میں ایک میٹنگ کے بعد کہا کہ کیا کرنا ہے، ہم صرف ستمبر تک منتظر رہیں گے، میں نے پوچھا پھر کیا کرو گے؟ کہا پھر آپ سب کو اور ساری دنیا کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ اسلام آباد کے تمام ملازموں نے ایمان و عزیمت کے عجیب مظاہرے کیے، اللہ تعالیٰ نے ساری قوم کو متفق کر دیا، مجلس عمل نے تدبیر سے کام لیکر مسلمانوں کی قیادت سنبھالی، پھر اسمبلی میں حزب اختلاف کے علماء اور جماعتوں نے مجلس عمل کی رکنیت میں کام کیا۔ پھر پوری قومی اسمبلی، کیا حزب اقتدار اور کیا حزب اختلاف اس جہاد میں شریک ہو گئی

اور اس کو فتح نصیب ہوئی، اور اتنی آسانی اور اللہ کے کرم سے فتح ہوئی کہ ہم سے تو حضور نبی کریمؐ کا حق ادا نہ ہو سکا۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں ہزاروں صحابہؓ نے جان کی قربانی دی، ۲۸ ہزار کافروں اور مرتد تہ تیغ کیے گئے اور یہ تو محض اللہ کا فضل و کرم ہے کہ یہاں مسلمانوں کے مقابلہ میں صرف چند مسلمان شہید ہوئے، ساری قوم کو ذرا سی محنت کرنی پڑی اور فتح عظیم حاصل ہو گئی۔ اگر اس راہ میں پوری مسلمان قوم شہید ہو جاتی اور ناموس ختم نبوت محفوظ ہو جاتی تو پھر بھی بہت بڑی فتح ہو جاتی۔

اب ماشاء اللہ، اللہ تعالیٰ اس ملک اور قوم کو اس مسئلہ کی بدولت اپنے فضل و کرم سے مالا مال کر دے گا، اس مسئلہ کا کریڈٹ پوری مسلم قوم اور ساری اُمتِ مسلمہ کو پہنچتا ہے۔ ہم علماء کا نو کام ہی یہی ہے، موضوع ہی تو حیدر رسالت ہے۔ مکہ بحث و تحقیق کے سلسلہ میں ہر کن قومی اُمتی تداون کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لینے کی کوشش کرتا رہا کہ کوئی شبہ نہ رہے۔ الحمد للہ آج پاکستانیوں سمیت پوری مسلم اُمت خوشی منا رہی ہے۔ پون صدی کے اکابر کی قربانیاں رنگ لائیں ہر جگہ خوشی میں مٹھائی تقسیم ہو رہی ہے، ایک دوسرے کو مبارکباد دی جا رہی ہے، آج نماز جمعہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دو رکعت شکرانہ کی پڑھی جائے۔ البتہ ابھی غافل نہیں ہونا چاہیے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ سنجیدگی سے ان پر نظر رکھنی ہوگی، کیونکہ قادیانی انتہائی منظم ہیں، ان کی پشت پر امریکہ، برطانیہ اور صیہونی طاقتیں ہیں۔ اگر یہ لوگ ذمی بن کر پرامن ہو کر رہتے ہیں تو ان کی حیثیت دوسری ہوگی، اور اگر متحارب بنیں، ذمہ و عہد کا پاس نہ کریں، مسلمانوں اور عالم اسلام کے خلاف کام کریں تو پھر مسلمانوں کو بھی مناسب طرز عمل اختیار کرنا پڑے گا، ان کا سیاسی احتساب کرنا ہوگا۔ اب اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں شامل رکھے اور شعائر اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شوکت قیامت تک بلند ہوتی رہے۔ آمین۔ وَالْآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝



مسلمانوں کی فتح مبین

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے قادیانیوں کے بارہ میں جاری کردہ صدارتی آرڈیننس پر مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم دارالعلوم حقانیہ کا طویل اور پُر مغز تبصرہ ماہنامہ الحق سے پیش خدمت ہے۔ (مرتب)



قادیانیوں کے بارہ میں صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کی جانب سے جاری کردہ تازہ آرڈیننس کے ذریعہ مسلّمہ پنجاب، متبنی کذاب مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں (قادیانی اور لاہوری دونوں گروپوں) کو ہر طرح کی خلافت اسلام سرگرمیوں سے روک دیا گیا ہے۔ اور تعزیرات پاکستان میں ایک نئی دفعہ ۲۹۸ ب شامل کر دی گئی ہے جس کی رو سے قادیانی اسلام اور مسلمانوں کی مخصوص اصطلاحات استعمال نہیں کر سکیں گے، نہ اذان دے سکیں گے، نہ اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کہہ سکیں گے، نہ اپنے آپ کو بالواسطہ مسلمان ظاہر کر سکیں گے اور نہ ہی اپنے مذہب کو اسلام کا نام دے کر اس کی تبلیغ و تشہیر کر سکیں گے، نہ کسی ایسی حرکت کے مجاز ہوں گے جس سے مسلمانوں کے احساسات و جذبات مجروح ہوں۔

یہ فیصلہ (آرڈیننس) کتنا اہم، نہایت ضروری، معقول اور قابل تحسین و تبریک ہے؟ اور کتنی گہرائی اور دور رس نتائج کا حامل ہے؟ اس کا اندازہ وہ لوگ کر سکیں گے جن کی نظر مزائیت کی تائید، پس منظر، محرکات عزائم اور ملتِ مسلمہ کے خلاف اس جماعت کی ریشہ دوانیوں، گھٹاؤنی سازشوں اور اسلام دشمنی کے منظم اور مربوط و ہم گیر منصوبوں پر ہے۔ مسلمانوں کے جن حساس، عاقبت اندیش اور اسلامی درد سے سرشار قائدین اور زعماء کو اللہ تعالیٰ نے مزائیت کے بارہ میں دل بینا اور دولت شرح صدر سے نوازا تھا انہوں نے اس صدی کے آغاز ہی سے علمی، فکری، سیاسی اور عوامی محاذ پر اور پورے شد و مد سے اس کے سیاسی، مذہبی اور معاشرتی خطرات سے مسلمانوں کو اور برصغیر کی حکومتوں کو آگاہ کرنا اپنا اولین فریضہ سمجھا۔ وہ نازک اور پُر خطر حالات میں بھی علمِ جہاد لہراتے رہے، انہیں لٹکارتے رہے اور مسلمانوں کو اس مارِ آستین سے بچنے کے لیے جھجھوڑتے رہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری، پیر صاحب گورہ شریف، مفکر اسلام علامہ محمد اقبال، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کی پوری

جماعت مولانا ظفر علی خان، شورش کشمیری، علامہ یوسف بنوری اور ایسے ہزاروں علماء، مفکرین، زعماء اور مصنفین، مناظر، صحافی اور مبلغ تھے جن کی زندگی کا اہم ترین مشن ان عدارانِ خاتم النبیین اور ساریقینِ تاج و تخت ختم نبوت کا محاسبہ اور تعاقب رہا، جنہوں نے خواجہ میسرین کی ناموس ختم نبوت کی حفاظت کی جدوجہد میں اپنی زندگیاں تہ تیغ دیں، اور کتنے سعادت مند تھے جو اس راہ میں کٹ کر خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے اور شفاعتِ آقائے دو جہاں اور خوشنودی نبی اولین و آخرین کی بادی سعادت سے مالا مال ہوئے۔

ان تمام قربانیوں کے نتیجے میں اور ملتِ مسلمہ کے مومنانہ جہاد و جدوجہد اور اتحاد کے ثمرہ میں ۱۹۴۷ء میں عوامی دباؤ سے مجبور و بے بس ہو کر اس وقت کی بے دین حکومت نے کھٹنے ٹیک دیئے اور دستور میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا، یہ قادیانیت کے خلاف مسلمانوں کی اولین فتح تھی مگر اُس وقت کی حکومت، علماء اور مسلمانوں کے مسلسل مطالبہ کے باوجود اس دستور کے عملی تقاضوں کو یکسر نظر انداز کرتی رہی اور قادیانیوں کے بارہ میں کسی قسم کی قانون سازی سے گریز ہوتا رہا، یہاں تک کہ موجودہ حکومت کا دور آیا مگر بات وہاں کی وہاں ہی رہی، مسلمانوں کی یہ دستوری فتح عملی تقاضوں کی تکمیل نہ ہو سکنے کی وجہ سے کاغذی اور رسمی فتح رہی، نتیجتاً دشمن اپنی پوشیدہ اور اعلانیہ داخلی اور خارجی سرگرمیوں میں منہمک رہا۔ ادھر مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی کی لہریں اٹھ اٹھ کر دہتی رہیں، لاوا پکنا رہا، آگ اندر ہی اندر لگتی رہی، دہی ہوئی چنگاریاں بھڑکنے لگیں، والی تھیں کہ خداوند قدوس نے مجلس تحفظِ ختم نبوت اور اس کی کل جماعتی مجلسِ عمل کے بروقت احساس اور خالص دینی و مذہبی غریبائی تحریک کے نتیجے میں موجودہ حکومت اور اس کے سربراہ جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کو توفیق دی کہ وہ اس شجرہٴ خبیثہ پر اس آرڈیننس کی شکل میں کاری ضرب لگا دیں اور نفاق کے ببادہ میں ملبوس کفر و ارتداد کے اس بے لگام گھوڑے کو رگام لگ جائے۔

یہ فیصلہ ایک ایسا جرات مندانہ اور مومنانہ فیصلہ ہے جس سے ہمارے اکابر کی پچھلی ایک صدی کی قربانیاں ٹھکانے لگ گئی ہیں اور جہد و عمل کا ایک طویل سفر منزلِ آشنا ہو گیا ہے۔ عالمِ اسلام کو صرف اور صرف ذہنی انتشار اور فکری اضطراب میں مبتلا کر دینے والے دشمنانِ اسلام منافقینِ قادیان کا پڑہ نفاق چاک کر دیا گیا، اور گویا ایک صدی سے مسلمانوں کے لیے سوہانِ روح بنا ہوا مسئلہ کافی صاف ہو گیا ہے۔

بلاشبہ یہ ایک ایسا روح پرور اور ایمان افزا فیصلہ ہے جس کے نور سے ساری کائنات منور اور جس کی خوشبو سے فضا سے بسطِ معطر ہے، سلامِ اعلیٰ میں بہار آگئی ہے اور عالمِ علیتین میں علامہ کشمیری، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، علامہ اقبال اور حضرت بنوریؒ کی ارواح کی آسودگیوں میں اضافہ ہو گیا ہے اور دوسری طرف کفرِ حقرا گیا ہے، نفاق کی مہیضہ زمین بوس ہو گئی اور دجالی قصرِ نبوت کے کنگرے بیوندِ خاک ہو گئے ہیں، باطل لرز اٹھ رہا ہے اور جعلی نبوت کے ظلمت کدوں کی تاریکی اور بڑھ گئی ہے، شفیع الدین کے نام لیوا اور شفاعتِ کبریٰ کے امیدوار اسے حرارتِ ایمانی اور حیثیتِ ناموس رسالت کی ترجمانی کرنے والا فیصلہ قرار دیتے ہیں، ایک ایسا فیصلہ جسے ملتِ اسلامیہ کی تاریخ میں ہمیشہ جلی اور سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔

اس عظیم خوشی میں کدِ قسمتی سے اگر شریک نہیں ہیں تو چند ایسے طالع آزمایا ستدان ہیں جو بعض معاویہ میں اس حد تک بتلا ہیں کہ جب تک وہ بیلائے مقصود حکومت و اقتدار سے ہمکنار نہ ہوں نہ ان کی آنکھیں کھل سکیں گی نہ دلوں پر پڑے ہوئے دبیز پردے ہٹ سکیں گے، ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں کہ جن کے قلب و ذہن میں ایمان اور مذہب کی کوئی کرن پڑتی ہی نہیں کہ وہ برل ازم، لادینیت اور سیکولر ازم کی ظلمتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور کچھ وہ جو نام نہاد مغربی جمہوریت کے عشق و محبت میں ہر دوسرا مسئلہ ثانوی اور ضمنی خیال کرتے ہیں خواہ وہ نفاذِ اسلام کا ہو یا تحفظِ ختمِ نبوت کا یا قوم کی فکری، اخلاقی، تہذیبی اور معاشی استحکام اور معاشرتی امن و سکون کا، انہیں اگر کوئی سرکار ہے تو جمہوریت اور الیکشنوں سے، خواہ اس کے نتیجے میں پوری قوم نئے سرے سے فکری انتشار، باہمی افتراق و اختلاف، خانہ جنگی، اباحت اور طوائف الملوک کا شکار کیوں نہ ہو جائے۔ اس لحاظ سے اس فیصلہ کا یہ پہلو خاص طور سے مسلمانوں کو دعوتِ فکری دے رہا ہے کہ سیاست و جمہوریت کے علمبردار اکثر لیڈر بالخصوص جو سیکولر ازم کے داعی یا ان کے اتحادی ہیں وہ نہ صرف اس فیصلہ پر مہربان رہیں بلکہ بعض اخباری نمائندوں کے جھوٹے چہرے سے ان کے دلوں میں قادیانیوں کے لیے نرم گوشے سلانے آگئے اور کچھ نے تو بد قسمتی سے اس فیصلہ کو بلاوجہ بدگمانیوں کا نشانہ بنایا، اسے معمولی، بے اثر اور بے وقعت بنانے کی کوشش کی، اس میں مین میخ نکال نکال کر قادیانیوں کو خوش کرنے کی سعی بھی کی۔ بلاشبہ ”بعض معاویہ“ میں اندھے ہو جانے کی یہ عبرتناک مثالیں ہیں خطرہ ہے کہ اس ردِ عمل اور طرزِ عمل کے نتیجے میں قادیانی فرقہ اب اپنے آپ کو ایسے سیاسی عناصر کی گود میں ڈالے گا اور لادینی سیاسی عناصر اور طالع آزمایا ستدانوں کا اتحاد آگے

چل کر مزائیوں کی سیاسی پناہ گاہ اور حصار بن سکے گا۔

بہر حال اب اس انقلابی اقدام کے کچھ لازمی اور منطقی تقاضے ہیں جو حکومت وقت نے فوری طور پر پورے کرنے میں، جبکہ بدقسمتی سے اس کا اندازِ کار عام طور پر وقت کو ٹالنا اور مسائل کو ٹرختے رہنا ہے کہ گاڑی کسی نہ کسی طرح چلتی رہے اور کوئی ناراض نہ ہو۔ جس پالیسی کی وجہ سے اسلامی نظام کی گاڑی ایک ایسی بند گلی میں پھنس کر رہ گئی ہے کہ نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے، چاروں پہیے چل تو رہے ہیں مگر سفر کٹھن اور منزل دور ہوتی جا رہی ہے، لیکن مزائیوں کے بارے میں یہ آرڈی ننس جاری کر کے اس نے ایک زہریلے سانپ کو مارا نہیں بلکہ صرف زخمی کیا ہے اور جب یہ سانپ بلبلا اٹھتا ہے تو وہ کوئی بھی لمحہ ملتِ مسلمہ اور پاکستان کو ڈسنے کا ضائع نہیں کرے گا۔ وہ کوئی معمولی دشمن نہیں بلکہ وہ عالمی سامراجیت کا خود کاشتنہ پودا اور صیہونیت اور برطانیہ کے بعد اب امریکی سامراج کا پروردہ ہے، وہ عالم اسلام کے تیقظ اور جہاد کے خلاف سامراجیوں کا خفیہ ہتھیار ہے، وہ اسرائیل کا گماشتہ ہے جس کی پوری سیاسی سرگرمیاں اور محرکات اور منصوبوں کی تفصیلات ہماری شائع کردہ کتاب ”قادیان سے اسرائیل تک“ میں پڑھی جاسکتی ہیں) اور وہ ارتداد ہی سے اپنے درپردہ منصوبوں میں مثالی بیدار مغزی، نظم و ضبط، ہمہ گیر اور گہرے طریق کار کا ثبوت دے رہا ہے۔ پاکستان تو تقسیم پنجاب اور پھر سقوطِ مشرقی پاکستان اور عالم عرب قیامِ اسرائیل کی شکل میں اس کا خمیازہ بھگت چکا ہے۔ عوامی ہمدردیاں حاصل کرنا، سیاسی لابیوں سے اپنے مفادات کا حصول، ملکی نظام کے لیے رجالِ کار کی تیاری اور کلیدی مناصب پر کنٹرول حاصل کرنا عالمی رائے عامہ کو گمراہ کرنے کے لیے اس کے مخصوص سامراجی ہتھکنڈے ہیں، وہ ہوشیاری سے ایسا ہاتھ مارتا ہے کہ پوری قوم سیاسی اور معاشی سطح پر تھلا اٹھتی ہے مگر عیار و مکار دشمن پھر بھی نگاہوں سے غائب رہتا ہے۔ اب ایسے دشمن پر موجودہ آرڈیننس کی شکل میں کاری ضرب لگانے کے بعد اگر روایتی تساہل، درگزر، وسیع النظری اور رواداری سے کام لیا گیا تو یقیناً نہ تو یہ اس ملک کی بقا و استحکام کے لیے مفید ہوگا اور نہ اس آرڈیننس کو جاری کرنے والے سربراہِ مملکت کے لیے کہ وہ اب ان دونوں پر بھرپور وار کرے گا، اس لیے وقت کا اولین تقاضا ہے کہ فوری طور پر:-

- ۱۔ تمام کلیدی بالخصوص فوج کے اہم مناصب سے قادیانیوں کو برطرف کیا جائے۔
- ۲۔ ملک کے اندر اس کی تنظیموں، سرگرمیوں، مراکز، دفاتر بالخصوص ہیڈ کوارٹر ربوہ پرکڑی نگاہ رکھی جائے۔

- ۳- اس کے تمام تحریری دستاویزات اور لٹریچر کی پڑتال کی جائے اور اس آرڈیننس کی زد میں آنے والی ہر مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تحریر کو ضبط کر لیا جائے۔
- ۴- بیرون ملک پورے عالم اسلام کو اس اقدام کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے اور عالم اسلام سے ایسے ہی اقدامات اور تقاضوں کی تکمیل کی اپیل کی جائے۔
- ۵- ساری دنیا میں پاکستانی سفارتخانوں اور خارجہ امور سے وابستہ اداروں سے قادیانیوں کی مکمل تطہیر کی جائے۔
- ۶- اپنے سفارتخانوں اور علمی و دینی تنظیموں کے ذریعے غیر مسلم دنیا میں اس فرقہ کی سرگرمیوں اور منصوبوں اور ہر طرح کی نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھی جائے۔
- ۷- اس فیصلے کے خلاف بیرونی دنیا کو گمراہ کرنے والے قادیانی اور مغربی پروپیگنڈہ کاموثر اور بھڑوہ جواب دینے کے انتظامات کیے جائیں۔
- ۸- مرزائیوں کی درپردہ نیم فوجی قسم کی تنظیموں اور سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے۔
- ۹- قومی شناختی کارڈ اور پاسپورٹ میں مذہب کی نشاندہی کے فوری انتظامات کیے جائیں تاکہ کوئی قادیانی ”مسلمان“ کے روپ میں عالم اسلام بالخصوص عالم عرب کو ملازمتوں کے سہارے قادیانی ریشہ دوانیوں کا مرکز نہ بنا سکے اور اگر کوئی قادیانی ہے تو قادیانی تشخص کے ساتھ سامنے آتا ہے۔
- ۱۰- آئندہ کے لیے کفر و ارتداد کے اس سلسلہ خبیثہ کے تدارک کے لیے لازمی ہے کہ اسلام کی مزائے ارتداد نافذ کی جائے۔
- ۱۱- اس بات کے خود قادیانی لٹریچر سے تحریری شواہد موجود ہیں کہ قادیانی مرکز اسرائیل میں قائم ہے اور اس کے روابط ربوہ سے ہیں۔ قادیانی ”مبلیغین“ اسرائیل جاتے ہیں، اگر براہ راست نہیں تو بیہاں سے برطانیہ، مارشس، جزائر فجی، نائیجیریا اور دیگر افریقی ریاستوں اور یورپی ممالک کے نام پر اور وہاں سے اسرائیل چلے جاتے ہیں۔ ایسے نام نہاد ”مبلیغین“، تبلیغی، دعوتی اسفار پر مکمل پابندی لگائی جائے۔ یہ کتنے شرم اور افسوس کی بات ہے کہ ایک اسلامی جمہوری ملک کا زرمبادلہ لیکر وہ باہر جا کر اسلام اور نبوت محمدیہ کے خلاف بغاوت پھیلائیں اور اسلام دشمن عقائد کا پرچار کر کے بے خبر مسلمانوں کو اپنے وجل و فریب کے دام تزیویر میں پھنساتے رہیں، اور پاکستانی زرمبادلہ سے وہ نہ صرف پاکستان بلکہ عالم عرب کے خلاف اسلام دشمنی کا دھندہ جاری رکھیں۔
- ۱۲- ربوہ کی مرزائی تحریک کی معاشی عمارت سادہ لوح اور خوش عقیدگی کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے

پیر و کاروں کے مالی اور اقتصادی استحصال پر قائم ہے وہ ایسے جال میں پھنسے ہوئے ہیں کہ اپنے خونِ پسینہ کی کمائی لازماً مرزائی پاپائیت کی نذر کرنا پڑتی ہے، بسا اوقات اس استحصالی شکنجہ اور معاشی و سماجی ڈھانچہ سے رہائی ان مجبور و بے بس پیر و کاروں کے لئے ناممکن ہوتی ہے وہ مجبوراً اپنی آمدنی کا دسواں حصہ اور بعد از مرگ ساری جائیداد کا دسواں حصہ صدائنجمن احمدیہ کے نام منتقل کرتے رہتے ہیں۔ ایسی بہت بڑی جائیداد مرزائی سربراہ کے نام ہے، اور یہاں کی معاشی افراتفری میں اس معاملے کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔ یہ مرزائیوں کے استحصالی ہتھکنڈے ہیں جن پر انہوں نے نظر ڈالنے کی ضرورت ہے، اس سے نہ صرف مسلمان مطمئن ہوں گے بلکہ قادیانی استحصال کا شکار قادیانی فرقے کے لوگ بھی نجات پا کر اپنے مذہب اور عقیدہ کے بارہ میں از سر نو آزادانہ فیصلہ کر سکیں گے۔

واللہ یقول الحق وھو یمھدی السبیل



قادیانیت کے بارے میں قومی اسمبلی کا متفقہ فیصلہ اور اس کے

ذیل سے تقاضے

ایڈیٹر ماہنامہ الحق کا سولنا اور شاہ میر علم و فضل، زعماء ملک و ملت کے جوابات

سوالنامہ

- ۱) آئینی فیصلہ کے بارے میں آپ کے تاثرات اور خدمات کیا ہیں؟
- ۲) کیا اس فیصلہ کے بعد ہماری ذمہ داری ختم ہو گئی ہے؟
- ۳) ملک و بیرون ملک قادیانی فتنہ کے سیاسی اور دینی اثرات کیا ہیں؟
- ۴) ایسے جہلک اثرات کے تعاقب کا طریقہ کار اور لائحہ عمل کیا ہو سکتا ہے؟

(مولانا) سمیع الحق ایڈیٹر ماہنامہ الحق



حضرت المکرر الفاضل الشیخ عبدالحق المعتمد، بشاور، الباکستان
السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

ایشیخ محمد صالح الفوزان
سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ

تسلیمت رسالتکم الکریمہ رقم ۹۲۳۷ و تاریخ ۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء

التواضع تم فیہا عن ابتہاجکم وابتہاج اخواننا المسلمین بما قررتہ الجمعية الوطنیة بشأن الطائفة القادیانیة واعتبارہا اقلیة غیر الاسلامیة۔

والواقع ان ذلك فضل من الله حیث جاء الحق وزهق الباطل لان هذه الفتنہ عاشت فی الارض فساداً ونشرت رعایتها الضلالة زہا تسعة وتسعين عاما وسيطرت علی افکار كثير من المسلمین فی اوربا وافریقیا حیث وقعوا فی شرک ضلالہا۔

واسألخدا الله تعالیٰ علی ما اصاب هذه الطائفة الضالة من خزی وقد اقتضی امرها وما بنته من عوامل الفرقة بین المسلمین فی السیاسة والمجتمع علی السواء ونرجو الله ألا تقوم لها قائمة بعد الآن وان يتنبه اخواننا المسلمون إلى دسائسها ونواياها السيئة

و مکایدھا التو یرھا منہ المسلمین الحقیقین۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الامین العام۔ محمد صالح القزاز (۱۳/۹/۹۴ھ)

(ترجمہ) قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بارے میں قومی اسمبلی کے شاندار فیصلے پر آپ کی اور تمام مسلمانوں کی مسرتوں کی غمازی کرنے والا گرامی نامہ موصول ہوا۔ درحقیقت یہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ حق غالب ہوا اور باطل مٹ گیا، اسلئے کہ اس فرقہ ضالہ نے زمین میں فساد برپا کر رکھا تھا، اور اس کی گمراہ کن جھوٹی دعوت تقریباً ۹۹ تک پھیلتی رہی جو یورپ اور افریقہ میں بہت سے مسلمانوں کی فکری گمراہی اور کج روی کا ذریعہ بنی، آج ہم اس فرقہ ضالہ کی رسوائی اور مسلمانوں میں اس کی سیاسی اور اجتماعی اور فرقہ انگیزیوں اور ریشہ دوانیوں کی قلعی کھل جانے پر اللہ تعالیٰ کی حمد ادا کرتے ہیں اور اللہ سے امید کرتے ہیں کہ اس کے بعد اس فرقہ کے قدم کہیں نہ جم سکیں گے۔ ہمیں توقع ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی ان لوگوں کی سازشوں، خفیہ مذموم منصوبوں اور ان فریب کاریوں پر گہری نظر رکھیں گے جو یہ لوگ سچے اور حقیقی مسلمانوں کے خلاف بروئے کار لاتے رہے ہیں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ریکرڈری جنرل رابطہ عالم اسلامی محمد صالح القزاز ۱۳/۹/۹۴ھ

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على
من لا نبی بعده وعلى اله وصحبه و
من اعز جنده۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب قائد جمعیت علماء اسلام
شیخ الحدیث قاسم العلوم ملتان

پاکستان کی پارلیمنٹ نے عقیدہ ختم نبوت کو دستوری تحفظ دے کر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا، یقیناً یہ ایک تاریخی فیصلہ ہے، اس سلسلے میں پوری قوم اور پاکستانی ملت اور جملہ ارکان پارلیمنٹ مبارکباد کے مستحق ہیں، مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے اراکین خصوصیت سے مستحق تبریک ہیں جنہوں نے تین ماہ کی طویل جدوجہد میں قید و بند کی صعوبتیں جھیل کر اور حکومت کے ہر تشدد کا نشانہ بن کر اس تحریک کو کامیاب بنایا، بہت سے مقامات پر پولیس نے وحشیانہ لاٹھی چارج کیا اور مساجد میں جوتوں سمیت داخل ہو کر یگنیا نہتے مسلمانوں پر ناروا ظلم کیا، تھانوں میں فدائیان خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعض جگہ ایسی دلخراش حرکتیں روارکھی گئی ہیں کہ جن کا ذکر بھی کسی شریف انسان کے لیے ممکن نہیں، بعض مقامات پر شہیدوں نے خون کا نذرانہ بھی پیش کیا۔ بہر حال جن حضرات نے بھی اس سلسلہ میں کوئی خدمت، محنت اور قربانی حُسن نیت اور خلوص سے پیش کی ہے میرا عقیدہ ہے کہ اس کی نجات اُخروی کے لیے کافی ہے۔ اس سلسلہ میں بعض سنجیدہ قسم کے لوگوں کے متعلق یہ سن کر سخت تعجب ہوتا ہے کہ وہ مسئلہ ختم نبوت کے اس حل کا ہر طرف اور صرف

وزیر اعظم بھٹو کے سر باندھنے کی سعی نامشکور میں مصروف ہیں، مسٹر بھٹو نے عوامی جدوجہد کے سامنے مجبور ہو کر اس فیصلہ کی تصدیق کی ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ اسمبلی کے اندر اور باہر انہیں کن مشکلات کا سامنا ہوا، جس کے بعد انہیں ہتھیار ڈالنے پڑے۔ ہم جب پوری قوم کو مبارکباد دیتے ہیں تو ہم نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا بلکہ پوری قوم کو انہیں اور ان کی قوم کو مستثنیٰ کیے بغیر ہدیہ تبریک پیش کیا ہے۔ نہ ہم نے اپنی جماعت کے لیے کریڈٹ لینے کی کوشش کی ہے نہ ہم اس خالص مذہبی مسئلے کو سیاسی فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں، ہم تو صرف یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس جدوجہد کو قبول فرما کر ہر ایک شریک کار کو اس کا ثمرہ دنیا اور آخرت میں عطا فرمائے۔

برصغیر پاک و ہند کے لوگوں نے برطانوی سامراج کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے آزادی کا مطالبہ کیا، جدوجہد کی، آخر جدوجہد کامیاب ہوئی اور برطانیہ لیبر پارٹی کی گورنمنٹ اور اس وقت کے وزیر اعظم مسٹر ایلیلے نے بامجبوری ہمارا مطالبہ تسلیم کر کے ہمیں آزادی دی تو کیا ہندوستان کی آزادی کے لیے مسٹر ایلیلے اور لیبر پارٹی کی برطانوی گورنمنٹ کے نعرے لگائے جائیں یا مجاہدین تحریک آزادی کو زندہ باد کہا جائے؟

تازہ واقعہ ہے کہ الجزائر نے فرانس کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے سات لاکھ سے دس لاکھ تک مجاہدین کا خون پیش کیا، آخر کار فرانس کی حکومت کو آزادی کا عوامی مطالبہ تسلیم کر کے الجزائر کو آزاد کرنا پڑا تو کیا اب فرانس اور جنرل ڈیگال مبارکباد کے مستحق ہیں یا الجزائر کے شہداء و مجاہدین؟ انڈونیشیائی عوام نے سوئکارنو کی زیر قیادت طویل جدوجہد کے بعد ”ڈچ“ قوم سے آزادی حاصل کی، ”ڈچ“ قوم نے مطالبہ مانا، اب کون مبارکباد کا مستحق ہے؟ ”ڈچ“ قوم یا انڈونیشیائی عوام؟ بہر حال ختم نبوت کی تحریک کے مجاہدین کے خلاف ظلم و تشدد، خونریزی اور بربریت کا جرم جس کے کھاتے میں بھی پڑتا ہے کم از کم تحریک کی کامیابی کا سہرا ایسے لوگوں کے سروں پر تو نہیں باندھا جاسکتا، پیپلز پارٹی ہی ایک ایسی پارٹی ہے جس کے ارکان نے انفرادی یا اجتماعی طور پر قوم کے اس عظیم مطالبے اور تحریک کا ساتھ نہیں دیا اور الگ تھلگ رہ کر عملاً ثابت کر دیا کہ ان کا اس مطالبہ اور تحریک سے کوئی تعلق نہیں، پھر پیپلز پارٹی یا اس کے چیئرمین ہی کو مددالمہام کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے؟ فیاللعجب؟

الغرض مجموعی طور پر قوم اور اس کے نمائندوں نے ایک تاریخی فیصلہ صادر فرما کر دستوی طویہ مرزائیوں کے دونوں گروپوں کو خارج از اسلام قرار دیدیا اور انہیں پاری سکھ، ہندو عیسائی

بدھسٹ، شیڈول کاسٹ (چھوٹے چاروں) کی صف میں لاکھڑا کیا اور یہ طے کر لیا کہ :-
(۱) جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو کسی قسم کی نبوت کسی بھی شکل کسی خیال کے مطابق ملتی ہے وہ غیر مسلم ہے۔

(۲) جو شخص ایسی کسی نبوت کا اپنے لیے دعویٰ کرتا ہے وہ غیر مسلم ہے۔

(۳) جو ایسے مدعی نبوت کو نبی مانتا ہے وہ بھی غیر مسلم ہے۔

(۴) جو شخص ایسے مدعی نبوت کو مذہبی مصلح مانتا ہے وہ غیر مسلم ہے، یہ بھی طے ہوا کہ ہومرزائی منافع بن کر خود کو مسلمان کہلائے وہ ختم نبوت کے خلاف تبلیغ نہیں کر سکے گا، اگر کرے گا تو سزا کا مستوجب ہوگا جو دو سال قید یا مشقت تک ہو سکتی ہے۔

ہومرزائی اپنے کو کافر تسلیم کرے تو وہ دستور کے مطابق اپنے مذہب کی تبلیغ قانون اور امن عامہ کے دائرہ میں کرے گا۔ اگرچہ ایسے واضح غیر مسلم شخص کی تبلیغ کا کسی پر اثر پڑنے کا کوئی خاص خطرہ نہیں ہے لیکن مسلمانوں کو ان فیصلوں سے خوش ہو کر غفلت نہیں برتنی چاہیے۔ ابھی اس مسئلہ سے متعلق بہت سے ذیلی مسائل پیدا ہو رہے ہیں ان کا حل بھی ضروری ہے۔ عنقریب میں اس سلسلے میں حکومت کے نمائندوں سے مل کر ان چند مسائل کے حل کو تلاش کرنے کی بھرپور کوشش کروں گا، اللہ توفیق دے۔
نظام ہر ذیلی مسائل یہ ہیں :-

(۱) مرزائیوں کے دونوں گروپوں کے اوقاف کو حکومت اپنی تحویل میں لے تاکہ اسلام کی اشاعت کے لیے لوگوں نے جو جائیدادیں وقف کی ہیں ان کی آمدنی کسی غیر اسلامی مذہب کی اشاعت پر صرف نہ ہوں۔

(۲) ربوہ میں واقع سفید زمین کو مسلمانوں میں فوراً تقسیم کر کے اسے کھلا شہر قرار دینے کی عملی صورت پیدا کی جائے۔

(۳) مرزائیوں کے لاہوری گروہ نے ایک انجن بنائی ہے جو کہ انجن اشاعت اسلام کے نام سے موسوم ہے انہیں یہ نام قانوناً تبدیل کرنا ہوگا، اس لیے کہ اب وہ اسلام کی اشاعت کا کام نہیں کر رہی۔

(۴) مرزائی اپنی تبلیغ اسلام کے نام سے نہیں کر سکیں گے، ان پر قانونی پابندی عائد کرنی ہوگی، ایسے کہ ان کا مذہب اب قانوناً اسلام نہیں رہا۔

(۵) اسلام کی مخصوص اصطلاحات جو صرف اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ مختص ہیں ان کے استعمال

سے انہیں قانوناً روکنا ہوگا، مثلاً مسجد، امیر المؤمنین، خلیفہ، صحابی، ام المؤمنین وغیرہ وغیرہ۔
یہ اور اس قسم کے دیگر امور ہمارے دستوری فیصلے کے لازمی نتائج ہیں جب تک ان نتائج کو
بروئے کار نہیں لایا جاتا دستوری فیصلہ صرف کاغذی فیصلہ کی حیثیت اختیار کر جائے گا۔
اعاذنا اللہ وجميع المسلمين في بلادهم من هذه الفتنه الداهية۔

حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی مدظلہ، خلیفہ حضرت تھانوی
شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ٹنڈوالہہ یا سندھ
مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ
رمضان کی وجہ سے جواب میں
دیر ہوئی، آج ۳۰ رمضان کو

جواب دے رہا ہوں۔

(۱) قادیانی مسئلہ کا جو حل وزیراعظم پاکستان اور ان کی کابینہ نے کیا ہے میں نے اس پر وزیراعظم
اور ان کی کابینہ کو دلی مبارکباد دی ہے کہ یہ فیصلہ شریعت کے مطابق اور عام اہل اسلام کے جذبات
کے موافق ہے۔ جزاکم اللہ خیر المجزا۔

(۲) قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بعد حکومت کا فرض ہے کہ ان کو کلیدی عہدوں
سے الگ کریں اور افواج پاکستان سے تو بالکل الگ کمرے کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کے مذہب پر
جہاد منسوخ ہو گیا ہے ایسے اس کے ماننے والوں میں جذبہ جہاد نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ عام مسلمانوں
کو ان کے ساتھ اسلامی تعلقات نہ رکھنے چاہئیں، جو خود قادیانی بتا ہے وہ مرتد ہے جس کو تین دن
کی مہلت دے کر (اگر وہ ان تین دنوں میں قادیانیت سے توبہ نہیں کرتا تو) اسے قتل کر دینا حکومت
کا فرض ہے، اور جو خود مرتد نہیں ہوا بلکہ مرتد کی اولاد ہے، وہ اگر دوسروں کو مرتد بناتا ہے تو
اس کی بھی یہی سزا ہے اور جو مرتد نہ بنانا ہو اس سے اسلامی تعلقات نہ رکھے جائیں۔

(۳) اور جو قادیانی توبہ کرتا چاہے اس کی توبہ قبول کرنے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ مرزا غلام احمد
قادیانی کو کافر مرتد مانے، اسی طرح جو اس کو نبی مانتے ہیں ان کو بھی کافر و مرتد مانے۔

والسلام : ظفر احمد عثمانی ۳۰ رمضان ۱۳۹۴ھ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان
بافتہ و صدر دارالعلوم کراچی
الحمد للہ وکفی و سلام علی
عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد !
قادیانی مسئلہ کے حل پر ہر مسلمان کے

احساسات اور جذبات ایک ہی قسم کے ہیں، عرصہ دراز کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسی سچی

مسرت نصیب کی ہے جس پر عالم اسلام کا ہر گوشہ مسرور اور شادان و فرحان نظر آتا ہے۔ یہ اس طویل جدوجہد کا ایک کامیاب مرحلہ ہے جو مسلمانوں اور علمائے اسلام نے انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں شروع کی تھی، میں اُس قافلے کا ایک ادنیٰ رفیق رہا ہوں جو امام العصر حضرت علامہ نور شاہ صاحب کشمیریؒ کی قیادت میں فتنہ قادیانیت کے سدِ باب کے لیے روانہ ہوا تھا۔ مجھے وہ وقت اچھی طرح یاد ہے جب استاذِ مکرم حضرت شاہ صاحبؒ اس گمراہی کے اثر و نفوذ سے ہر لمحہ بے چین رہتے تھے اور ان کے دل کو کسی طرح قرار نہیں تھا، انگریز کی حکومت تھی جس کی مکمل سرپرستی قادیانیوں کو حاصل تھی اس لیے مسئلہ اور زیادہ پیچیدہ ہو گیا تھا، اور مسلمانوں کی جدوجہد کو قدم قدم پر حوصلہ شکن حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، مجھے وہ وقت بھی یاد ہے جب بہاولپور کے مقدمے میں کام کرنے کے لیے حضرت شاہ صاحبؒ نے ہم خدام کو بہاولپور میں جمع کیا، اور جب اس چھوٹے سے مقدمے میں مسلمانوں کو فتح مبین عطا ہوئی تو اس وقت شکستہ دل مسلمانوں کی مسرت قابلِ دید تھی کیونکہ اس مقدمے میں پہلی بار عدالتی سطح پر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔

آج اگر حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے کاروانِ حق کے دوسرے رفقاء موجود ہوتے تو انکی مسرت کا کیا عالم ہوتا؟ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ باطل کو کبھی نہ کبھی سترنگوں ضرور ہی ہونا پڑتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے، میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا کہ یہ وقت میری زندگی ہی میں آگیا اور اُس قافلے کے ایک ادنیٰ خادم کو یہ مسرت اپنی آنکھوں سے دیکھتی نصیب ہو گئی، فللہ الحمد کلہ، ولہ الشکر کلہ۔

اس مسرت کے ساتھ میں مملکتِ پاکستان کے وجود پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا کیونکہ اگر یہ ملک نہ بنا ہوتا تو یہ کام انجام نہیں پاسکتا تھا، اللہ تعالیٰ اس ملک کو قائم و دائم رکھے اور اسے دینی حق کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اس کامیابی کے بعد اہم ترین سوال یہ ہے کہ اب مسلمانوں کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے؟ جو لوگ اس کامیابی کے نشے میں اس اہم سوال کو پس پشت ڈال دیں گے یا اس کے جواب میں سنجیدگی، ہوشیاری اور اخلاص عمل پر کار بند نہیں ہوں گے وہ اس کامیابی کے تمام اثرات پر پانی پھیر دینے کے مرتکب ہوں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ قادیانیت کے سلسلے میں اس کامیابی سے اس مہم کا صرف ایک منفی مرحلہ طے ہوا ہے، اس مرحلے کا مقصد یہ تھا کہ حق و باطل اور اسلام و کفر میں ایک واضح خطِ امتیاز قائم ہو جائے

اور دنیا پر یہ واضح ہو جائے کہ اس مذہب کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں، لیکن اس مرحلے کے طے ہو جانے کے بعد اب مثبت کام سارا باقی ہے۔

اور وہ کام سب سے پہلے یہ ہے کہ اللہ کے جو بندے راہِ حق سے بھٹک کر قادیانیت کے دائم تزویر میں پھنسے ہوئے ہیں انہیں انتہائی حکمت، درد مندی، دل سوزی اور پیغمبرانہ دعوت و تبلیغ کے ذریعے واپس لانے کی کوشش کی جائے۔

قادیانی مذہب کے بہت سے متبعین ایسے ہیں جنہیں یہ مذہب اپنے ماں باپ یا ماحول سے ورثے میں ملے ہے اور انہیں اس کی سنگین گمراہیوں سے آگاہ ہی نہیں ہونے دیا گیا اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس مذہب کو ایک فرقہ وارانہ مسلک سمجھ کر کسی دنیوی مفاد کی خاطر اس مذہب کے پیرو ہو گئے ہیں، ایسے لوگوں کو ہمدردی، ملاحظت اور مخلصانہ دعوت کے ذریعہ حقیقتِ حال سے آگاہ کرنے اور خدا کا خوف دلانے کی ضرورت ہے، ان کے سامنے اس مذہب اور اس کے بانی کی وہ باتیں نرمی اور خیر خواہی کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے جن سے قادیانیت کی اصلیت واضح ہوتی ہے۔

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اسلام اور اس کے علوم سے ناواقفیت کے سبب واقعہً غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں انہیں بھی دلائل و براہین اور تبلیغ و دعوت کے ذریعے اس گمراہی سے نکلانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر حکمت، اخلاص اور سچے جذبہ دعوت کے ساتھ یہ کام کیا گیا تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ قادیانیوں کی ایک بڑی تعداد مسلمان ہو سکے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کسی ایک شخص کو بھی ہماری اس دعوت کے ذریعے راہِ حق سے ہٹنا کر دے تو اس سے بڑھ کر ہمارے سعادت کوئی نہیں۔

یہ کام یوں تو ہر مسلمان کے کرنے کا ہے، جو شخص جہاں ہے وہ اپنے ماحول میں ایسے لوگوں پر کام کرے لیکن خاص طور سے اہل علم حضرات، دینی جماعتوں اور اداروں کو اس غرض کیلئے اپنے اپنے حالات اور وسعت کے مطابق خصوصی طریق کار طے کرنا چاہیے۔ قادیانیت کے موضوع پر لٹریچر کی کمی نہیں لیکن ان میں سے مختلف مدارج کے لٹریچر کا انتخاب کر کے اور مزید مختصر رسالے تیار کر کے انہیں منظم طور سے شائع کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے، جس مقام پر قادیانی زیادہ تعداد میں آباد ہیں وہاں اس موضوع پر عبور رکھنے والے حضرات تبلیغی و فود کی شکل میں ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور انہیں راہِ راست پر لانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

دوسری طرف حکومت کے کرنے کا کام یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھے اور ان کی وہ تمام رعایتیں ختم کرے جو ماضی میں انہوں نے ناجائز طور پر حاصل کی تھیں، ملازمتوں میں ان کی آبادی کے تناسب کو ملحوظ رکھے، انہیں بحیثیت مسلمان تبلیغ کرنے سے روکے اور غیر ممالک میں سفارتخانوں کے ذریعے ایسا لٹریچر تقسیم کرائے جو پارلیمنٹ کے حالیہ بل کی تشریحات پر مشتمل ہو تاکہ بیرونی ممالک اس بل کے مضمرات سے آگاہ ہو سکیں اور قادیانیوں کی طرف سے اپنی نام نہاد مظلومیت کا جو پرکینڈا کیا جا رہا ہے اس کا سد باب ہو سکے۔ واللہ سبحانہ، وتعالیٰ ہادی القیواب۔

حضرت العلامة مولانا شمس الحق صاحب افغانی
سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند و جامعہ اسلامیہ بھاولپور
عزیز القدر الحاج مولانا مولوی سمیع الحق صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
آپ کا اخلاص نامہ دربارہ تائزات

حل فیصلہ قادیانی موصول ہوا۔ دور حاضر میں بعض مجبوریوں کی وجہ سے جو فیصلہ حکومت نے کیا وہ انتہائی مسلمانہ و جرات مندانہ اقدام ہے جس کی جرأت سابق پاکستانی حکمران نہ کر سکے، اس دور میں اس سے زیادہ ممکن ہی نہیں تھا۔

لا الہ الا اللہ — محمد رسول اللہ — ولكن رسول الله وخاتم النبيين

(۱) اسلام تو بیحد الہی کی صورت میں خدا شناسی کی اصلی روح ہے، رسالت محمدی کے ذریعہ اس کی حقیقی تشخیص و تشکیل ہوتی ہے، اس لحاظ سے حقیقی خدا شناسی کے لیے رسالت شناسی اپنی اصلی شکل میں لازمی ہے جو ختم نبوت ہے، اگر وصف ختم نبوت انکار کا زد میں آجائے تو رسالت کا حقیقی نشہ ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ توحید، رسالت محمدی، ختم نبوت۔ یہ اسلام کی ایسی تین بنیادی کڑیاں ہیں جو یقین کے درجے میں ایسے مربوط ہیں کہ ثالث کے انکار سے ثانی اور ثانی کے انکار سے اول کا حقیقی یقین بھی ختم ہو جاتا ہے۔

(۲) تجویز و لائحہ کار برائے مستقبل | دنیا میں سب بڑی طاقت آواز کی طاقت ہے، فرعون کے تاج و تخت اور جبروت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ختم کیا، قیصر و کسریٰ کی عظیم حکومتیں آواز محمدی کے ابلاغ سے پیوند زمین ہو گئیں، زار و روس کے راج کو لینن کی آواز نے ختم کیا۔ اس اصول کے تحت مرزائی تنظیم اور اس کے اثرات کو صرف آواز ہی ختم کر سکتی ہے، یہ حکومت کے بس کی بات نہیں حکومت نے اپنا حق ادا کر دیا، اب آواز یعنی تحریری و تقریری تبلیغ کے ذریعہ ہر مسلمان ہر نڈی کو اخلاص کے ساتھ تبلیغ کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لے، تاجر تاجر سے ملتا ہے، ملازم ملازم سے

تصنیفات اور ہزاروں تقریریں نہ انجام دے سکتیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسلام اور تبلیغ اسلام کے نام سے ”احمدیت“ کی تبلیغ کا جو کام کیا جاتا تھا وہ بے اثر اور بے بنیاد ہو گیا۔

(۲) اس فیصلہ کی اثر انگیزی اور انقلاب آفرینی کے باوجود علماء کی ذمہ داری کم نہیں ہوئی بلکہ بڑھ گئی ہے مسئلہ کا فیصلہ اگرچہ حکومتی اور انتظامی سطح پر ہو گیا ہے لیکن علمی اور فکری سطح پر بھی اس کو ختم کرنے کیلئے ختم نبوت کے موضوع پر بلند پایہ اور یقین آفرین سنجیدہ اور محققانہ کتابوں اور مضامین کی ضرورت ہے۔ کم سے کم عربی، اردو اور انگریزی زبانوں میں اور بڑی قابل قدر اور فاضلانہ کتابوں کی موجودگی میں جو اس وقت تک تصنیف ہوئی ہیں اب بھی اس کی ضرورت ہے۔

حضرت والد ماجد کی خدمت میں سلام کہیے اور دعا کی درخواست کیجئے۔ (۸ نومبر ۱۹۷۷ء)

دارالعلوم دیوبند تقسیم ملک سے برہا برہس پہلے
بالاتفاق علماء برہہ ختم نبوت کے بنیادی اور قطعی
اسلامی عقیدہ سے انکار پر قادیانی فرقہ کو مرتد اور
خارج از اسلام قرار دے چکا ہے۔ انگریز کے پیدا کردہ اس جھوٹے نبی اور اس کے ذریعہ مذہب
حق اسلام کے برخلاف مذہبی رنگ کی اس ذلیل ترین اور خطرناک بین الاقوامی سازش کا آج بحمد اللہ
دنیا نے اسلام نے طویل مہلت اصلاح دینے کے بعد پردہ چاک کر دیا ہے اور ممالک اسلامیہ کی
۳۲ اسلامی تنظیموں کے سربراہوں کی کانفرنس (منعقدہ اپریل ۱۹۷۲ء جدہ) نے بالاتفاق یہ صحیح ترین
اور تاریخی اعلان کیا کہ قادیانی فرقہ غیر مشروط طریقہ پر خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی ذات مقدسہ کی ختم نبوت کو نہ ماننے اور انبیاء علیہم السلام کی توہین کرنے کی وجہ سے قطعاً
مرتد اور خارج از اسلام ہے۔ عالم اسلام کے اس متفقہ اور تاریخی اعلان حق نے اہل حق کو
نہ صرف قوت بخشی ہے بلکہ قادیانیوں کے مرتد ہونے کے بارے میں قرآن و حدیث پر مبنی اہل حق
کے دینی موقف کو عظیم مضبوطی عطا کی ہے۔

عالم اسلام کے اس متفقہ فیصلے کے بعد پاکستان کے علماء حق اور عامۃ المسلمین مستحق مبارکباد ہیں کہ
انہوں نے قادیانی فرقہ کے ارتداد کے بارے میں اپنے اور تمام مسلمانان عالم کے موقف حق کی
حکومتی سطح پر تائید و توثیق حاصل کرنے میں پہل کی ہے۔ توقع ہے کہ دیگر ممالک اسلامیہ کے علماء
اور عامۃ المسلمین بھی فتنہ قادیانیت کے بالکلہ انسداد کو اسلامی حمیت کے تحت ہر ممکن تقویت و تائید
پہنچانے میں دریغ نہ کر کے عند اللہ ماجور اور عند المسلمین مشکور ہوں گے۔

اور ہر ایک اپنے پاس والے ملازم کو نرم اور ہمدردانہ طور پر روزانہ جب موقع ملے تبلیغ شروع کرے اور تبلیغ کے لیے متعلقہ کتب اور علماء کرام سے امداد حاصل کرتے رہا کریں اور ان سے رابطہ جاری رکھیں۔ ۸ شوال ۱۳۹۴ھ

یادگار سلف اسیرِ مالٹا و تلمیذ خاص حضرت شیخ الہند
حضرت مولانا میاں عزیز گل صاحب دامت برکاتہم
برادرم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب
نَادِ اللہِ مَعَا لَیْکُمْ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نوازش نامہ باعث سرفرازی ہوا، حسن ظن کا شکریہ، اگرچہ میں اس کا مستحق نہیں۔

- (۱) مجلس عمل نے جو کام کیا قابلِ صدا فریں ہے۔
- (۲) کام کی ابتداء ہوئی ختم نہیں ہوئی، ایک کام حکومت کا ہے دوسرا رعایا کا۔ رعایا کا کام تعمیل حکم مجلس عمل ہے۔ بندہ کے پاس کوئی خاص تجویز نہیں، میں نے قصداً جواب دینے کی کوشش نہیں کی، مگر جناب کے دوبارہ نوازش نامہ نے مجبور کر دیا، یہ عریضہ اس قابل نہیں کہ مشتہر کیا جائے۔ والد صاحب کو سلام مستونہ عرض ہے۔ (یکم نومبر ۱۹۷۷ء)

حضرت مولانا یحییٰ حسن علی ندوی مدظلہ
سربراہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ
محبت گرامی منزلت زید لطفہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
گرامی نامہ محررہ ۲۴ اکتوبر کل ۷ نومبر کو ملا

کے بعد آپ کا اسم گرامی اور رسالہ کا نام دیکھ کر مسرت ہوئی، آنکھیں ہمسایہ ملک کے دوستوں اور بزرگوں کے خطوط اور تحریروں کو ترس گئی تھیں اور کسی کسی وقت تو بہ خیال ہوتا تھا کہ شاید اب زندگی میں براہ راست خط و کتابت نہ ہو سکے گی۔ نہایت عیم الفرستی میں یہ دو سطریں رفع انتظار کیلئے لکھوا رہا ہوں۔
(۱) دنیا کے مسلمانوں کو عموماً اور اس سختی براعظم کے مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھ پاکستان کے اس فیصلہ سے جو مسرت ہو اس کو بہتر طریقہ پر اس شعر کے ذریعہ ادا کیا جاسکتا ہے جو ایک شاعر نے بیت المقدس کی فتح پر اپنے اس قصیدہ میں کہا تھا جو اس نے صلاح الدین ایوبی کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

هَذَا النَّهْيُ كَانَتْ اَلْاَيَامُ مَنْتَظَرُ فليوف الله اقوام بما نذروا

(ترجمہ) یہ وہ مبارک موقع ہے جس کا زمانہ عرصہ دراز سے منتظر تھا، اب لوگ اپنی وہ منتیں پوری

کریں جو انہوں نے اس وقت کے لیے مان رکھی تھیں

اس ایک فیصلہ نے افہام و فہیم اور اطمینان قلب کی وہ خدمت انجام دی جو علماء کی سینکڑوں

بلاشبہ عالم اسلام کا یہ فیصلہ اور اس کی تائید و توثیق قادیانی فرقہ کی بلیس کا ریوڑ سے مسلمانانِ عالم کو بچانے کا ایک اہم ترین ذریعہ ثابت ہوگا۔ اس لیے عموماً تمام علماء اور مسلمانانِ ہندوپاک اور خصوصاً علماء دیوبند اسلام کے تحفظ کے اس بین الاقوامی فیصلہ کرنے والوں کو ہم دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضور خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اس آخری (اور ابدی) دین کو زیادہ سے زیادہ غیبی نصرت و تائید مرحمت فرمائے آمین۔

اکابرِ اساتذہ دارالعلوم دیوبند
مولانا فخر الحسن صاحب، مولانا محمد سالم قاسمی،
مولانا نظر شاہ کشمیری، مولانا محمد شریف حسن،
مولانا معراج الحق، مولانا نصیر احمد،
محترم و مکرم مولانا سمیع الحق صاحب زید مجاہد
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!
نامہ مکرم نے مشرف فرمایا: قادیانیت
کے مسئلے کے حل کے لیے ماہنامہ مؤقرہ ”الحق“
کی اشاعت خاص کی اطلاع سے جہاں قسلی

مسترت ہوئی وہیں یہ خبر اس لحاظ سے موجب تأسف بھی بنی کہ مسئلہ سوالات بعجلت جوابات ارسال کرنے کی ہدایت پر مشتمل مکتوب گرامی ایسے وقت میں موصول ہوا کہ جبکہ حضرت مکتوب الیہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ، جنوری ہند کے طویل سفر پر تھے، اور واپس ہوئے تو دو تین روز میں اہم مصروفیات سے فارغ ہو کر فوراً ہی عازم حج بیت اللہ ہو گئے، سفر کو ہوائی جہاز سے ہوا ہے اس لیے واپسی ۲۰ جنوری تک متوقع بھی ہے، لیکن یہ وقفہ بھی مکتوب گرامی کی وقتی میں زیادہ ہی محسوس ہوا۔ مکتوب گرامی حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی خدمت میں بعد واپسی پیش ضرور کیا جائے گا، لیکن ایماء تعجل پر نظر کرتے ہوئے مناسب سمجھا گیا کہ یہ مکتوب حضرات اکابر دارالعلوم دیوبند کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ مکتوب گرامی کے استفسارات کے بارے میں متجانب اکابر دارالعلوم دیوبند مختصر جوابات سرل خدمت ہیں۔

صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں عیسائیوں کو پیہم ذلت ناک تاریخی شکستوں کے بعد بڑی حد تک عیسائیت کی عالمی زمام قیادت بخت و وقت نے انگریزوں کے ہاتھ میں دے دی، اس قیادت کبریٰ کا حق ادا کرنے کے لیے انگریز نے اپنی فطری اور عیارانہ صلاحیتوں کو ملت اسلامیہ سے انتہا م لینے کے محور پر مرکوز کر دیا، اور قومی شرافت اور انسانی اخلاقیات کی قربانی دے کر اس اعزاز قیادت کو اس قوم نے کوئی مہنگا سودا نہیں سمجھا۔ چنانچہ طویل فکر و تدبیر کے بعد ملت اسلامیہ

کے برخلاف انگریز نے اپنی انتقامی بساط سیاست کو بین الاقوامی سطح پر دوزہر آلود منصوبوں سے آراستہ کیا۔

(۱) پہلے منصوبہ کا محور مسلمانوں کی اجتماعی شوکت اور سیاسی وحدت کو تاخت و تاراج کرنا تھا جس کا سرچشمہ خلافتِ اسلامیہ تھی، اس کے لیے ترک و عرب میں انفرادی سفاد پر اجتماعی ہیود کو قربان کر دینے والے ہوس کا رجفرو و صادق تلاش کر لیے گئے اور خلافت کے فطری ثمرے کے طور پر حاصل شدہ اسلامی وحدت کو دسیسہ کارانِ فرنگ نے وطنی کثرتوں میں تبدیل کر کے ملت کو اپنی عظمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔

(۲) دوسرے منصوبہ کا مقصد ملتِ اسلامیہ کی "دینی وحدت" کو پارہ پارہ کرنا تھا جس کا ناقابلِ اختلاف مرکزی نقطہ اتحاد ہزاروں اختلافات کے باوجود "عقیدہ ختم نبوت" ہے۔ اس قابلِ نفرت منصوبے کے ذریعہ ملتِ اسلامیہ کے اس منصوبوں اور قطعی عقیدے کو اس طرح مجروح کرنا تھا کہ اگر وہ بالکل ختم نہ بھی ہو تو تردد و اختلاف کا نشانہ بن کر کم از کم نقطہ اتحاد نہ رہے۔

اس کے لیے کذاب ازلی مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کی خاندانی بے ضمیری اور ایمان فروش کو بھانپ کر انگریز نے اسے نبی بنا کر عقیدہ ختم نبوت پر کاری وار کیا۔

پھر جس طرح مذہبی زندہ قدروں کو انسانیت و شرافت سوز سیاست کا ہدف بنانے پر تاریخ کا حرفِ انگریزی دناؤت پر گواہ رہے گا، ٹھیک اسی طرح اس ناقابلِ تردید حقیقت پر بھی تاریخ کا حرفِ ہمیشہ شاہدِ عدل رہے گا کہ انگریز کی اس بدنہاد انتقامی سیاست کے دونوں منصوبوں کے اولین مرحلے پر ان کی گہرائیوں تک پہنچے اور ان دُور رس فتنوں سے ملی تحفظ کی تدابیر کو بقدر بساطِ بروئے عمل لانے میں بتوفیقِ خداوندی حضراتِ علماء کرام ہی نے پہل کی اور آج سے اسی سال قبل کذاب قادیان اور اس کے متبعین کے بارے میں مرتدا اور خارج از اسلام ہونے کا فیصلہ اکابرِ علماء دیوبند نے اپنی بصیرتِ دینی اور فراستِ ایمانی سے فرمایا۔

ان مخلصین کی مساعی مشکور ہوئیں اور دعائیں مستجاب کہ آج پورے عالمِ اسلام نے بیک نہان کذابِ اعظم مرزا سے قادیان اور اس کے حاشیہ برداروں کے بارے میں الحمد للہ شرعی فیصلہ کو "اجتماعی فیصلہ" بنا دیا۔

اور اس "اجتماعی فیصلے" کو آئینی اور دستوری حیثیت دلانے کی اولیت کا شرف حاصل کر کے ارضِ پاک علماء کرام اور عامۃ المسلمین اس دُعا کے ساتھ مستحقِ تہنیت و تبریک ہیں کہ اللہم اعز الاسلام والمسلمین

وانصرهم علی عدوک وعدوهم۔

چونکہ قادیانی کی یہ نبوت کا ذریعہ انگریز کے انتقامی ذہن کی پیداوار تھی اس لیے اس کا آغاز ہی بین الاقوامی سطح پر کیا گیا تھا اس لیے اس کے اثرات کا بین الاقوامی سطح پر وسعت اختیار کر لینا تعجب خیز تو نہیں البتہ فکرانیکز ضرور ہے۔

دستوری کامیابی کے بعد بلاغ و ابلاغ کی عظیم تر ذمہ داریوں کا مکمل شعور و احساس بقا ضائے فراست و دیانت تو ہے ہی لیکن مد مقابل کے راسخ العداوت ہو جانے کی وجہ سے اس فرض کی ادائیگی تقاضائے ضرورت و سیاست بھی بن گئی ہے جس میں ان تمام وسائل و ذرائع کا متاقباً سدیاب بنیادی اہمیت کا حامل ہو گیا ہے کہ جن کو فریق مخالف اپنی عصری تعلیمی برتری، ناجائز اقتصادی فارغ البالی، بین الاقوامی سطح پر عمومی تعارف، مؤثر و مفکر اور مقتدر شخصیات کی تائید اور فکری جدت اور مددی قلت کی وجہ سے اجتماعی نظم و ضبط کے ساتھ استعمال کر رہا ہے اور آئندہ بھی کرے گا۔

البتہ اس بارے میں داعیان باطل کے بالمقابل جہاں ”اشداء“ پر عملدرآمد ضروری معلوم ہوتا ہے سادہ لوحی کی وجہ سے مبتلائے ضلال ہو جانے والوں کے سامنے ”رحماء“ کی عملی تفسیر پیش کرنا اس سے بھی زیادہ ضروری فریضہ وقت محسوس ہوتا ہے۔ عہد رفتہ میں ارباب علم و دین کا مؤقف دفاعی رہا، جو بذات خود توسع اور ہمہ گیری کا طالب نہیں ہے لیکن فیصلے نے مؤقف اہل علم کو دفاع کے بجائے اقدام میں تبدیل کر دیا ہے۔ اور اقدام وسعت و ہمہ گیری سے اگر عاری ہو تو وہ اقدام باقی نہیں رہتا۔

موجیم کہ آسودگی ماعدم ماست مازندہ ازاں ایم کہ آلام نہ گیریم

لائحہ عمل کی ترتیب میں مقامی مؤثرات و عوامل کو ملحوظ رکھنا، اور خارجی مؤثرات و عوامل تک اپنی رسائی کا اندازہ کرنا منجملہ لوازم ہوتا ہے، اس لیے اس بارے میں اہل خیر سے اہل مشاہدہ کی بصیرت ہی زیادہ قابل اعتماد ہونی چاہیئے۔ والسلام

گرامی محترم، سلام سنون !

مجھے آپ کا پہلا خط نہیں ملا، دوسرا خط محررہ ۱۲ دسمبر آج مؤخرہ ۲۴ دسمبر کو ملا، پاکستانی ڈاک میں بے حد گڑبڑ

مولانا سید ازہر شاہ قیصر

مدیر ماہنامہ ”دالالعلوم“ دیوبند

ہے، کوئی بھی خط پندرہ دن سے پہلے نہیں پہنچتا۔

آپ کے رسالہ ”الحق“ کے تازہ شمارہ میں قادیانیت کے مسئلہ پر پاکستانی علماء اکابر کے

تاثرات بھی پڑھے۔ اس مسئلہ پر میرا تاثر یہ ہے کہ یہ صرف پاکستانی عوام کی نہیں بلکہ دنیائے اسلام کی بڑی کامیابی ہے کہ پاکستانی حکومت نے قادیانیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ قادیانی مار آستین بن کر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتا ہے، اب پوری دنیا میں ان کو دین اسلام سے خارج قرار دینے میں سہولت ہوگئی، مگر یہ بھی ضروری ہے کہ ایک غیر مسلم اقلیت کے حیثیت سے پاکستان میں ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی پوری حفاظت کی جائے، انہیں ایک غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ کسی بھی اسلامی ملک میں ان کی عزت و آبرو اور شہری حقوق پاٹمال کیے جائیں۔

عملی میدان میں قادیانیت کے خلاف مثبت انداز میں کام کرنے کا دروازہ اب کھلا ہے، علماء کا فرض ہے کہ وہ ایسا تعمیری لٹریچر تیار کریں جس میں خود قادیانیوں کو ختم نبوت، نزول مسیح وغیرہ مسائل کی حقیقت سمجھائی جائے اور مرزا غلام احمد قادیانی کے متضاد لغو اور غیر عقلمندانہ دعاوی کو آشکار کیا جائے۔ یہ تبلیغ و تحریک جتنے مثبت انداز میں اور جتنے تعمیری رنگ میں ہوگی اتنی ہی کامیاب ہوگی، خود قادیانیوں میں بھی تبلیغ کی جائے اور مفکرانہ انداز میں اس حصار کو توڑ کر جو قادیانی لیڈر نے اپنے فرقہ کے ارد گرد قائم کر رکھا ہے، ترمی اور ملاطفیت کے ساتھ اس فرقہ ضالہ کو اسلام کے قریب لایا جائے، خصوصیت سے ایک کوشش ضرور ہونی چاہیے کہ قادیانی حضرات کو ملک کے کلیدی عہدوں سے ہٹا دیا جائے، انہوں نے پچھلے دنوں آپ کے ملک کو جو نقصان پہنچایا ہے اس سے آپ ناواقف نہیں ہوں گے۔ مگر ہٹائے جانے والے لوگوں کو بھی متبادل روزگار مہیا کرنا حکومت کا فرض ہوگا۔ کاش وقت میں گنجائش ہوتی اور میں زیادہ تفصیل کے ساتھ اپنے خیالات عرض کر سکتا۔ والسلام

حضرت علامہ مولانا سید محمد یوسف بنوری
صدر مجلس عمل

برادر محترم مولانا سمیع الحق صاحب زاد کم اللہ توفیقاً
الی الخیر، السلام علیکم ورحمۃ اللہ
مہ معلوم نامہ کرم کب آیا اور کہاں ہے لیکن
عزیزم محمد بنوری سلمہ سے یہ معلوم ہوا کہ جواب کا انتظار کر رہے ہیں اور اشاعت رکی ہوئی ہے، اس لیے چند حروف لکھ رہا ہوں، تفصیل کی نہ حاجت نہ فرصت نہ ہمت، اختصار بلکہ ایمان سے عرض ہے کہ آئینی فیصلہ نہایت صحیح اور باصواب ہے اگرچہ بعد از وقت ہے اور بعد از خرابی بیابا وزیر اعظم صاحب نے خود اخبارات میں یہ اعتراف فرمایا ہے کہ ”قادیانی مسئلہ کے حل ہونے سے

پاکستان کو سیاسی استحکام حاصل ہو گیا ہے؛ اور صاحب نے یہ اعلان فرمایا کہ: "پاکستان آج صبح معنوں میں پاکستان بنا؛ ان دونوں سیاستدانوں کے اس اعلان سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور یہ بھی کہ یہ کام کتنا عرصہ پہلے ہونا چاہیے تھا؟

یہاں ہماری ذمہ داری ختم نہیں ہوئی بلکہ ان آئینی نقوش کو جب تک عملی جامہ نہ پہنایا جائے اس وقت تک مقصد ناممکن ہے۔ "مسلمان درگور و مسلمان در کتاب؛ والا معاملہ ہوگا۔ اندون ملک قادیانوں کا کچھ رد عمل ہے وہ تذبذب ہے، مایوسی ہے اور زیادہ سے زیادہ گیدڑ بھسکی ہے اور کچھ نہیں۔ باہر ملک میں حتیٰ کہ انگلستان میں بھی اس کے اچھے اثرات مرتب ہو رہے ہیں، لیکن افریقہ کے ممالک میں اس آئینی فیصلہ کی اشاعت اور عام کرنے کی بڑی ضرورت باقی ہے، حکومت کو اپنا بین الاقوامی دامن بچانے کے لیے ضرورت ہے کہ عربی، انگریزی، فرانسیسی زبانوں میں اس فیصلہ کی اشاعت کو اپنے سفیروں کے ذریعے تمام عالم میں عام کرے۔

اس وقت حکومت کی جو کچھ پالیسی ہے اس میں تسامح، تغافل، تذبذب بلکہ ایک گونہ نفاق ہے اس نے عملی صورت میں کوئی اقدام نہیں کیا، نہ ان قیدیوں کو رہا کیا نہ ربوہ کو باقاعدہ تحصیل کی شکل دی ہے، ہو سکتا ہے کہ مرکز سے زیادہ پنجاب گورنمنٹ کی دوغلی پالیسی یا طرف دارانہ پالیسی کا نتیجہ ہو۔ بہر حال حالات اگر مایوس کن نہیں تو زیادہ امید افزا بھی نہیں ہیں، بس اس وقت زیادہ لکھنے کی فرصت نہیں تفصیلات بہت کچھ ہیں۔ والسلام

برادر م مولانا سمیع الحق صاحب!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی مدظلہ

گراچی نامہ موصول ہوا۔ مرزائیت کا اللہ تعالیٰ نے خاتمہ کر دیا ہے، اب ان کا معاملہ دوسرے کافروں کی طرح ہے۔ یہ سکھ، پارسی، عیسائی اور ہندو کی طرح ہو چکے ہیں، نکاح وغیرہ کے مسائل حل ہو گئے۔ ہمارے ٹکڑے پر یہ ممبر نہیں بن سکیں گے، وغیرہ وغیرہ۔ باقی مسائل کے بارے میں بھی ہم کو امید رکھنی چاہیے کہ جلد حل ہو جائیں گے۔ میں اس بات کے سخت خلاف ہوں کہ بعض خود غرض اور اقتدار پسند افراد یہ کہتے پھرتے تھے کہ حکومت مرزائی ہو گئی ہے، مرزائی نواز ہے، ٹال رہی ہے۔ میرے بھائی! یہ کافی ہے، باقی میں سمجھتا ہوں کہ مرزائیت کا مسئلہ ختم ہو گیا ہے، کم از کم اس مسئلے کو ہم اپنی وجاہت کا مسئلہ نہیں بنا سکتے، جیسے دینی ضرورت پیش آئے گی کریں گے۔

اللہ تعالیٰ توفیق بخشتے۔ فقط (۱۸ اکتوبر ۱۹۷۲ء)

جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
بافتہ جماعت اسلامی پاکستان

محترمی و مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
آپ کا عنایت نامہ ملا جس میں آپ نے قادیانی
مٹلے سے متعلق چند سوالات دریافت کئے ہیں۔ آپ کا

پہلا سوال یہ ہے کہ قادیانی مٹلے کے حل پر آپ کے احساست کیا ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس مٹلے کے حل
سے آپ کی مراد قومی اسمبلی کا حالیہ فیصلہ ہے۔ بلاشبہ اسمبلی اور حکومت کا یہ فیصلہ نہایت مستحسن اور ساری
دنیا کے مسلمانوں کے لیے مسرت انگیز ہے، اور اس پر ہم جتنی بھی خوشی منائیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر
ادا کریں بالکل بجا ہوگا، لیکن ہماری حکومت، نیشنل اسمبلی اور عامۃ المسلمین کو اس غلط فہمی میں مبتلا
نہیں ہونا چاہیے کہ اس سلسلے میں ان کی ذمہ داری اب ختم ہو گئی ہے اور اس فیصلے سے قادیانی
مسئلہ پورے کا پورا حل ہو گیا ہے، اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف پہلا قدم ہے جو
صحیح سمت میں اٹھایا گیا ہے اور ابھی تک بہت سے ضروری اقدامات ایسے باقی ہیں جن کے بغیر یہ
قصہ جوں کا توں رہے گا بلکہ خدشہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدا نخواستہ مزید پیچیدگیاں نہ پیدا ہو جائیں
اور ہم اس اہم فیصلے کے فوائد سے محروم نہ ہو جائیں۔ آپ کا ایک عنایت نامہ پہلے آچکا تھا، اب
یاد دہانی اور تقاضے کا دوسرا خط آیا ہے جس میں آپ نے جلد جواب مانگا ہے، تو چند ضروری کرنے
کے کام جو اس وقت ذہن میں آرہے ہیں وہ درج ذیل ہیں :-

(۱) رستمہ کو قومی اسمبلی نے اُینی ترمیم کے علاوہ ایک قرارداد یہ بھی منظور کی ہے کہ تعزیراتِ پاکستان
کی دفعہ ۲۶ الف کے بعد ب کا اضافہ کیا جائے جس میں یہ درج ہو کہ :-

”ایک مسلمان جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے مفہوم مندرجہ آئین پاکستان

دفعہ ۲۶ شق ۳ کے خلاف عقیدے کا اعلان یا اس کے خلاف عمل یا تبلیغ کرے

وہ قابل سزا و تعزیر ہوگا“

یہ قرارداد غالباً مجلس میں مرتب اور پاس کی گئی ہے اور اس کی ابتداء میں ”مسلمان“ کا لفظ رکھنے

کی وجہ سے اس میں ابہام اور اشتباہ پیدا ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی مسلمان کے متعلق یہ تصور بھی نہیں
کیا جاسکتا کہ وہ اس جرمِ شنیع کا مرتکب ہوگا اور مرتکب ہونے کے بعد وہ مسلمان کہلانے کا مستحق رہ
سکے گا؟ خود دستورِ ترمیم ہی نے یہ طے کر دیا ہے کہ ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوگا خواہ وہ
مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔ چنانچہ ان الفاظ کے ساتھ اس سزلے کے اطلاق میں دشواری کا سامنا
ہوگا۔ لہذا تعزیراتِ پاکستان میں اس مجوزہ ترمیم کو واضح اور غیر مبہم بنانے اور اس کے مقصد

تنفیذ کو آسان بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا آغاز ایک مسلمان (MUSLIM) کی بجائے ایک مدعی اسلام (A PERSON (PREACHER (TO BE A MUSLIM) سے کیا جائے تاکہ کوئی فرد بشر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے ختم نبوت کے مسلم عقیدہ و مفہوم کے خلاف کسی قول و عمل کا اظہار نہ کر سکے۔

(۲) نیشنل اسمبلی کے فیصلے پر عمل درآمد کے لیے کچھ مزید قانون سازی بھی بالکل ناگزیر ہے۔ مثال کے طور پر انتخابی قوانین میں ایسی ترمیم ہوتی چاہیے جس کے مطابق ووٹروں کے فارم میں نام درج کراتے وقت ہر لاہوری اور ربوی مرزائی پر قانوناً یہ لازم کر دیا جائے کہ وہ اپنے آپ کو غیر مسلم کے خلع میں مرزائی یا احمدی لکھوائے، اور ان دونوں گروہوں کا اپنے آپ کو مسلم لکھوانا جرم ہوگا جس کی کم سے کم سزا حق رائے دہی سے محرومی ہوگی۔ رجسٹریشن ایکٹ کے تحت شناختی کارڈ بن رہے ہیں ان میں بھی ترمیم ہونی چاہیے جس کی رو سے شناختی کارڈ میں بھی ایسی تصریح لازم اور غلط بیانی موجب سزا ہوگی۔

(۳) اسی طرح ہر ملازم حکومت پر بھی یہ لازم ہونا چاہیے کہ اگر وہ قادیانیوں کے ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتا ہے تو وہ اس کی باقاعدہ اطلاع اپنے محکمہ کے توسط سے حکومت کو دے اور جو ایسا نہ کرے یا غلط اطلاع دے تو اسے ملازمت کے لیے نااہل قرار دیا جائے، پاپور میں بھی اسی قسم کا اندراج اور اس کی خلاف ورزی پر سزا از روئے قانون لازم ہونی چاہیے۔ معلوم ہوا ہے کہ حکومت کے بعض محکموں میں قادیانیوں کی فہرستیں تیار ہو رہی ہیں لیکن ان میں بعض قادیانیوں کا نام درج نہیں ہو رہا یا اندراج ہو جاتے کے بعد اسے حذف کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس پر کسی قادیانی کے خلاف کوئی باز پرس یا تادیبی کارروائی نہیں ہو رہی کیونکہ قانون اور قواعد و ضوابط میں ایسی گنجائش موجود نہیں ہے۔

(۴) قادیانیوں نے جس طرح سول اور بالخصوص فوجی ملازمتوں میں مسلمانوں کے حقوق پر غاصبات اور تاروا قبضہ کر رکھا ہے اس کا تدارک اور تلافی بھی ضروری ہے۔ جس طرح صدارت اور وزارت عظمیٰ کے لیے مسلمان ہونا لازمی شرط ہے اسی طرح بعض دوسرے کلیدی مناصب مثلاً آرمی چیف، آف دی سٹاف، عدالت ہائے عالیہ کے چیف جسٹس، اسمبلیوں اسپیکر، سفراء، صوبوں کے گورنر، وزرا، اعلیٰ اور پبلک سروس کمیشن کے صدر کے لیے بھی مسلمان ہونا لازم قرار دیا جائے۔ اسی طرح بعض حکومتی اور نیم حکومتی اداروں میں داخلے کے لیے مسلمانوں اور غیر مسلموں کا کوٹہ الگ الگ

مقرر کیا جاتا ہے، وہاں بھی قادیانی امیدواروں کے لیے اپنے مذہب کا اعلان داخلے کے وقت لازم اور خلافت ورزی موجب سزا ہونی چاہیے۔

(۵) قادیانی یہ بات علی الاعلان کہہ رہے ہیں کہ قومی اسمبلی کے فیصلے کے باوجود وہ مسلمان ہیں، وہ اسلام کے نام پر اپنے عقائد کو اسلامی عقائد کہہ کر ملک کے اندر اور باہر برابری کی تبلیغ و تلقین کر رہے ہیں، مرزا غلام احمد کو وہ اب تک نبی، مسیح موعود، مہدی معبود اس کے ملنے والوں کو صحابہ کرام اور اس کے خلیفہ کو خلیفۃ المسیح کہہ رہے ہیں اور لکھ رہے ہیں، یہ مسئلہ بڑا سنگین اور حکومت اور عامۃ المسلمین کے لیے حد درجہ غور طلب ہے۔ یہ دستور کی بھی خلاف ورزی ہے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے باعث دل آزاری و اشتعال انگیزی بھی ہے۔ جس گروہ کو قانوناً اور شرعاً دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جا چکا ہو اُسے اسلامی اصطلاحات کرنے اور اسلام کا مدعی و مبلغ ہونے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اگر یہ لوگ اسی طرح مسلمانوں کے سینے پر مونگ دلتے ہیں تو ان کے اور مسلمانوں کے مابین کبھی صلح و آشتی کی فضا قائم نہیں رہ سکے گی اور حکمران ان کی حرکتوں سے کتنا ہی انماض کیوں نہ برتیں جب تک عام مسلمانوں میں ایمان و اسلام کی رقع بھی باقی ہے وہ ایسی سرگرمیوں کو کبھی بھی برداشت نہیں کریں گے۔

(۶) قادیانیوں کے بالمقابل مسلمانوں نے جس بی مثال اتفاق و اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کیا ہے اُسے دائماً قائم رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے، جزوی اختلافات اگر ہوں تو انہیں مناسب حدود کے اندر رکھنا چاہیے اور ان کے اظہار کا طریقہ علمی اور سنجیدہ ہونا چاہیے، اختلاف کو مخالفت کا رنگ دینے سے اجتناب کرنا چاہیے اور ہر اختلاف کو حق و باطل اور کفر و اسلام کا اختلاف نہیں بنالینا چاہیے ورنہ اس کا فائدہ قادیانیوں ہی کو پہنچے گا جیسا کہ پہلے پہنچا رہا ہے۔

(۷) قادیانیوں کی دستوری تکفیر کے بعد ایک ضروری کام کرنے کا یہ بھی ہے کہ قادیانیوں کو حکمت اور موعظۂ حسنہ کے اسلوب و انداز میں قادیانیت سے تائب ہونے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے، جن لوگوں کے ہاتھ میں قادیانیوں کی قیادت و سیادت ہے اور جن کے مفادات ان قائدین سے وابستہ ہیں ممکن ہے کہ وہ اسلام لانے میں تامل و تذبذب سے کام لیں اور پاکستان چھوڑ جانے کو ترجیح دیں، لیکن عام قادیانی جو قصر خلافت کے قریب نہیں بلکہ مسلمانوں کی عام آبادیوں میں مقیم ہیں اُن کے سامنے اگر اسلام کی اصل تعلیمات کو صحیح طریق پر پیش کیا جائے اور قادیانیت کے حقیقی خدوخال بھی ان پر اچھی طرح واضح کیے جائیں تو وہ ان شاء اللہ دائرہ اسلام میں داخل

ہونے میں پس و پیش نہیں کریں گے۔ ان میں بہت سے لوگ ہم نے ایسے دیکھے ہیں جو مذہب غلام احمد قادیانی اور اس کے رفکوں کی بہت سی تحریروں سے واقف ہی نہیں ہیں اور جب ان کے سامنے پہلی مرتبہ وہ تحریریں آئیں تو وہ حیران و ششدر اور دم بخود ہو کر رہ گئے اور قادیانیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو گئے۔

(۸) اس سلسلے میں حکومت سے ہمارا ایک مطالبہ یہ بھی مسلسل ہونا چاہیے کہ صمدانی رپورٹ کو من و عن شائع کیا جائے اور جو لوگ اس رپورٹ کی رُو سے مجرم ہیں ان کو کیفرِ کدورت تک پہنچایا جائے نیز جو مزید سیاسی و انتظامی اقدامات اس رپورٹ کی روشنی میں ناگزیر ہوں ان کو فوراً عمل میں لایا جائے۔ اگر ہماری حکومت اور عوام الناس نے غفلت و تساہل سے کام لیا تو خدشہ ہے کہ اس سازشی گروہ کے ہاتھوں ہمیں مزید زخم نہ کھلنے پڑ جائیں۔ کانتہا اللہ۔

والسلام (۶ نومبر ۱۹۷۷ء)

حضرت مولانا محمد اسحاق سندیلوی کراچی | مکرم و محترم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
گرامی نامہ ملفوفہ مجھے بعد از رمضان مل گیا تھا،
آج کارڈ بھی موصول ہوا۔ جواب میں تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ میں علیل ہو گیا تھا اور اب بھی قلب کی تکلیف باقی ہے جس کی وجہ سے بہت سے کام ملتوی کرنے پڑے، آج سے تھوڑا تھوڑا کام شروع کر دیا،
جوابات درج ذیل ہیں:-

(۱) قادیانیوں کا کافر ہونا تو مسلمات میں سے ہے، حکومت تسلیم کرتی یا نہ کرتی اُمتِ مسلمہ انہیں کافر ہی سمجھتی، اس اعتبار سے حکومت کے اس رویے کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے، تاہم اس کی خواہش ہے کہ حکومت نے حقیقت کا اعتراف کر لیا اور قادیانی سیاسی اعتبار سے بھی کافر سمجھے جانے لگے، مزید مسترت اس کی یہ ہے کہ اب تقریباً پوری دنیا نے اسلام انہیں کافر سمجھنے پر متفق ہو گئی۔ اظہارِ مسترت کے بعد یہ بھی عرض کر دوں کہ میری خوشی محدود ہے، یعنی میں اتنی مسترت محسوس نہیں کرتا جتنی عام طور پر لوگ محسوس کرتے ہیں۔ اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ میں صرف اس اقدام کو مسئلہ قادیانیت کا حل نہیں سمجھتا۔ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ قادیانیت کی وجہ سے جو دینی و دنیاوی نقصانات امتِ مسلمہ کو پہنچ رہے ہیں ان سے حفاظت ہو۔ اس کی شکل یہی ہے کہ سیاسی اعتبار سے ان کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جائے جو کسی غیر مسلم اقلیت کے ساتھ ہونا چاہیے، انہیں ملازمتوں وغیرہ میں ان کی آبادی کے تناسب سے جگہ دی جائے اور کلیدی عہدوں پر ان کا نقرر نہ کیا جائے، باطل کی اشاعت اور ناواقف مسلمانوں کو

بتلائے فریب کرنے سے انہیں روکا جائے، ربوہ کو مرکز بنا کر جو انہوں نے سلطنت در سلطنت قائم کر رکھی ہے اس صورتحال کو کلینتہ ختم کیا جائے اور ربوہ کو بھی اسی طرح کا شہر سمجھا جائے جیسے پاکستان کے دوسرے شہر ہیں۔ جب تک یہ نہ ہو اس وقت تک کیسے کہا جاسکتا ہے کہ مسئلہ قادیانیت حل ہو گیا ہے؟ اور ہمیں کامل مسرت کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ مجلس عمل میں شیعوں کو شامل کرنا شدید غلطی تھی جس سے شدید دینی و سیاسی نقصانات پہنچے اور آئندہ بھی پہنچنے کا قوی اندیشہ ہے، ان نقصانات پر نظر کرنے اور نفع و نقصان کا مقابلہ کرنے کے بعد خوشی کی مقدار اور بھی کم ہو جاتی ہے۔

(۲) قادیانیت کے اثرات پوری دنیا میں پھیل تو نہیں سکے مگر تقریباً ساری دنیا میں پہنچ چکے ہیں۔ یہ اثرات دو قسم کے ہیں، ایک تو خود کامل قادیانیت، اس کا دائرہ زیادہ وسیع نہیں ہے، اگرچہ قادیانی اس کی وسعت کا پروپیگنڈہ بہت کرتے ہیں۔ اس کا دوسرا اثر ہے تشکیک اور دین و اہل دین پر بے اعتمادی کا پیدا ہو جانا۔ عقائد، خصوصاً عقیدہ نزولِ مسیح اور عقیدہ ختم نبوت میں کمزوری اور ضعف پیدا ہو جانا۔ اس اثر کی طرف ہماری توجہ بہت کم ہے، حالانکہ اس فتنہ کا دائرہ بہت وسیع ہے، اور پوری دنیا میں شاید ہی کوئی مقام ایسا ہو جہاں یہ فتنہ نہ پہنچا ہو، اسے پھیلانے میں قادیانی اور شیعہ دونوں شریک و ہمیم ہیں بلکہ شیعوں کا حصہ قادیانیوں سے زائد ہے۔ دنیا کی بڑی طاقتوں کی سرپرستی کی وجہ سے فتنہ قادیانیت کے سیاسی اثرات بھی نمایاں طور پر پھیل چکے ہیں خود ہمارا ملک اس کا ایک نمونہ ہے، افریقہ کی نوزائیدہ حکومتوں میں بھی ان کا خاص اثر ہے۔

(۳) جب تک فتنہ موجود ہے اس وقت تک ذمہ داری کیسے ختم ہو سکتی ہے؟ بلکہ اب تو اور زیادہ ہوشیاری اور بیدار مغزی کی ضرورت ہے۔ کہیں عامۃ المسلمین اپنی ذمہ داری ختم سمجھ کر غافل نہ ہو جائیں اور اس عقلیت سے فائدہ اٹھا کر قادیانی نئی نسل میں گمراہی نہ پھیلا دیں۔ قادیانی اقلیت کو محفوظ حاصل ہونا چاہیے، ان کی جان و آبرو اور ان کا مال بالکل محفوظ رہنا چاہیے مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ مسلمانوں میں گمراہی پھیلاتے کی آزادی یا اپنے جائز حقوق سے تجاوز کی اجازت دیدی جائے۔ (۴) جب تک یہ فتنہ دنیا میں موجود ہے اس وقت تک اس کا مقابلہ کرنا اور اس کے اثرات کو مٹانے کی کوشش جاری رکھنا لازم ہے۔

(۵) طریق کار ظاہر ہے کہ خود انہیں دین حق کی دعوت دی جائے، مسلمانوں کو اس فتنہ سے آگاہ کر کے اس کے اثرات سے بچانے کی کوشش کی جائے، اس کے لیے ردِ قادیانیت اور استحکام

عقائد اہل سنت پر مناسب لٹریچر کے ساتھ مجالس وعظ و تذکیر کا انتظام بھی ہونا چاہیے۔ بہت اہم، مؤثر اور ضروری چیز یہ ہے کہ عوام میں ایسے افراد تیار کیے جائیں جو ان میں گھل مل کر قادیانیت کا بطلان اور اسلام کی حقانیت ان کے ذہن نشین کر سکیں۔ یہی لوگ لٹریچر کے لیے بھی میدان پیدا کریں گے اور وعظ و تذکیر کے لیے بھی فضا تیار کریں گے، یہ وہ طریقہ کار ہے جس کی طرف عام طور پر ہمارے سامنے متوجہ نہیں ہیں، مزید یہ کہ ہمارا لٹریچر داعیانہ ہونا چاہیے جس میں قوت استدلال کے ساتھ ساتھ دعوتی نفسیات سے بھی کام لیا جائے۔ والسلام (۱۰ اشوال ۱۳۹۴ھ)

حضرت مولانا محمد اشرف صاحب
صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور
الحمد لله وحده انجز وعده ونصر عبده وهزم
الاحزاب وحده والصلاة والسلام على
من لا نبی بعدہ۔ اما بعد!

محترمی و مکرمی زید محمد کم و جہاد کم فی سبیل اللہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
قادیانی مسئلہ کے موجودہ حل کے بارے میں چند استفسارات پر مشتمل نامہ سامی باعث سعادت
میں منت ہوا، گو فقیر اس کا اہل نہیں لیکن حضور انور فخر الانبیاء خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے
تاج ختم نبوت اور ناموس رسالت کے بارے میں چند الفاظ نجات و سعادت کا ذریعہ بن سکیں
تو زہے قسمت :-

(۱) ختم نبوت ایک مسلمہ اور متفقہ عقیدہ ہے کہ توحید کے بعد اسلام کی بنیاد ہی اس عقیدہ کی بے غل و
غش واضح تعبیر پر مبنی ہے، حضور انور (روحی فداه) صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ کلمات و مزایا کسی نہ کسی
صورت میں ”ختم نبوت“ ہی کا ثمرہ ہیں۔ آپ کی رحمۃ للعالمین شان ”عمومی بعثت“ دائمی رسالت آپ کی
امت کی بعثت و خیر الائم ہونا، قرآنی احکام کے دوام وغیرہ سب ”ختم نبوت“ ہی کے نتائج و مظاہر
ہیں، امت مسلمہ کا شیرازہ ختم نبوت کی رسی سے بندھا ہوا ہے۔ اُمّنین ”نبی“ سے نبی ہیں اور یہ فانی و
جاوداتی امت ختم نبوت ہی کی برکت سے زندہ، قائم اور استوار ہے۔ اس لیے ہر دور و ہر زمانے میں
امت کے ہر طبقہ اور ہر مکتبہ فکر نے اس عقیدہ کو اسلام کی روح و جان سمجھا اور ناموس ختم نبوت کے لیے
اپنا سب کچھ نثار کرنے میں اپنی فوز و کامرانی جانی، اور اگر کسی روسیاء و بد بخت نے حرم نبوت میں قدم
رکھنے کی جسارت کی تو اسے فوراً ختم کر کے رکھ دیا گیا، اور امت نے کسی بھی دور میں ختم نبوت سے
بغاوت اور اس ابلیسی سازش کو برداشت نہیں کیا۔ چنانچہ ہم سب کے آقا و مولیٰ سید دو عالم حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے سے پیشتر ہی جب چند طالع آزمائوں نے مسلمہ کذاب

اسود غنسی کی صورت میں اپنے خست باطن کا اظہار کیا تو دریائے نبوت نے ان کے انجام کی جزا ایک ٹھونک سے ختم ہوتے ہوئے ارشاد فرمادی۔

دو صدیقی میں امت اور صحابہ کا پہلا اجماع اور عملی اقدام ان متنبین سے قبال پر تھا۔ اسی طرح جس دور میں بھی کسی کو یہ منحوس جبط سوار ہوا امت نے اسے ختم کر کے رکھ دیا۔ یہ اس دور کی کم نصیبی، ہماری شامت اعمال، انگریزی استعمار و سیاست کا انتہائی دجل و فریب تھا کہ مسلمہ پنجاب آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی امت کو اسلامی معاشرے میں پنپنے اور باقی رہنے کی اتنی طویل مدت میسر آگئی۔ امت میں ابلیس کے مبعوث متنبین میں جس طرح انگریزی استعمار کا یہ خود کاشتہ پودا پیدا ہوا اور پروان چڑھا اور اپنے لٹریچر و دعوت کو پھیلاتا رہا وہ تاریخ اسلامی کا ایک اند و ہناک باب ہے۔ گو مرزا قادیانی کی مشنومہ نبوت کے دعویٰ کے پہلے دن ہی سے امت کے خواص و عوام اس ”بتجرہ خبیثہ“ کے ہلک اثرات کو بھانپ گئے تھے اور اس کے دفاع و قلع قمع کی کوشش شروع ہو گئی تھی لیکن مرزا قادیانی اور اس کی امت نے انگریز و استعماری طاقتوں کے زیر سایہ اور ان کے ایجنٹ کی حیثیت سے ملت اسلامیہ کے لیے ناسور اور آکاش بیل (PERASITE) کی صورت اختیار کر لی۔ برکوک سے انگریز کے اخراج کے بعد ہمارے بعض راہنماؤں کی کم حوصلگی اور کوتاہ بینی نے پاکستان میں ان کے لیے ایسے مواقع فراہم کر دیئے تھے کہ قادیانیت جو ایک انتہائی قلیل و حقیر اقلیت ہے ہر سچید و سیاہ کی مالک بنی جا رہی تھی اور اپنے کفر کا اعلان کھلم کھلا کرنے لگی تھی کہ یکا یک غیرت حق جوش میں آئی اور ربوہ ریلوے اسٹیشن کا سانحہ پیش آگیا جو حقیقت میں قادیانی سیاست و سازش کا نہایت ہی سنگین و اچھوتا اقدام تھا جو اکثر کے جذبات و حالات معلوم کرنے کے لیے FEELER کی حیثیت سے آزمایا گیا تھا لیکن چاہ کن را چاہ در پیش وہی ان کی سکرات کا سبب بنا۔ فقیر سوات میں (۲۸ مئی سے یکم جون ۱۹۷۱ء تک) حضرت الاستاذ علامہ سید محمد یوسف البنوری مدظلہ العالی کا ہمسفر تھا، غالباً ۳۰ مئی تھی کہ ہم منگورہ میں کار سے گزر رہے تھے کہ بندہ نے اخبار خریدا جس میں ربوہ کے خونچکاں سانحہ اور شتر میڈیکل کالج ملتان کے طلباء پر قادیانیوں کے حملہ کا ذکر تھا۔ بندہ نے علامہ بنوری مدظلہ کو خبر پڑھ کر سنائی، حضرت موصوف گہری سوچ و فکر میں پڑ گئے، ردِ عمل پوچھا تو کچھ توقف کے بعد فرمایا ع

”عدو مشرے برا انگیزد کہ خیر ما در آن باشد

ہم متحد نہیں ہو رہے تھے ممکن ہے کہ یہ واقعہ ہمیں (مسلمانوں کو) متفق کر دے اور اس فتنہ کا سد باب ہو سکے۔“

سچ ہے ع قلم در ہر چہ گوید دیدہ گوید

۷ ستمبر ۱۹۷۱ء کو ۳ ماہ ۱۰ دن کے بعد رحمت حق متوجہ ہوئی اور میرے قدیر رب کی قدرت نے اندرونی اور بیرونی قوتوں، قادیانیوں کے یقین اور پیشینگوئیوں کے علی الرغم اپنے محبوب اور پیارے رسول خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے لازوال تاج پر دشمنوں کی گرد آٹنے کی نامساعد کوششوں کو ناکام بنا دیا، اور مسلمانوں کی متحدہ کوششوں اور قربانیوں کو شرف قبولیت نوا کر پاکستان کی قومی اسمبلی کو توفیق بخشی کہ وہ ایک مسلمہ سچائی اور حقیقت ثابتہ کو قانون کی صورت دے کر عند اللہ و عند الناس سرخرو ہو۔

مبارک ہیں وہ حضرات جنہوں نے یہ قرار داد پیش کی اور خوش بخت ہیں وہ ممبران اسمبلی جنہوں نے اسے من و عن قبول کر کے اسے قانون کی صورت بخشی، قابل ستائش و صدا فریں ہیں وہ جملہ افراد و طبقات جنہوں نے اسمبلی سے باہر ہر قسم کی صعوبتیں اور مشکلات برداشت کر کے اس مسئلہ سے انکار کی گنجائش کو ختم کر دیا، اللہ تعالیٰ بیشمار اور لامتناہی رحمتیں بھیجے اُن شہداء کی روحوں پر جنہوں نے ناموس رسالت کے تحفظ میں جیات جاودانی پائی، اور باری تعالیٰ اُن جملہ علماء و مشائخ اور مجاہدین کی قبروں کو اپنے نور سے منور کرے جو قادیانی قتلہ کی ابتدا سے اس لعنت کو ختم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ اگر قادیانی مسئلہ کے اس قومی حل پر اس کے مضمرات و مقتضیات کی روشنی میں دیانتداری و اخلاص سے عمل کیا جائے اور اس کو عملاً رو بکار لایا جائے تو یہ حل مسلمانوں کی توقعات کے مطابق قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن یہ حل ہنوز ایک آئینی فیصلہ و تدبیر ہے، قانون کتنا ہی اچھا اور درست کیوں نہ ہو جب تک اس پر عمل نہ کیا جائے اس کے ثمرات سے متمتع نہیں ہو جاسکتا، اس لیے ضرورت ہے کہ موجودہ فیصلہ کو الفاظ و معنی اور اس کی آئینی روح کے مطابق عملی جامہ پہنایا جائے، اور اس ضمن میں حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ کم از کم مندرجہ ذیل باتوں پر فوری عملدرآمد کیا جائے۔

- (۱) پاکستان کی نظریاتی مسلم مملکت کے جملہ اہم عہدوں سے قادیانیوں کو فوراً برطرف کیا جائے۔
- (۲) عام سرکاری ملازمتوں ان کا کوڑا ان کی آبادی کے مطابق مقرر کیا جائے اور گزشتہ ۲۷ سالوں میں انہوں نے جس قدر ملازمتوں پر اپنے حصہ رسدی سے زیادہ مسلمانوں کے حق پر قبضہ کر رکھا ہے جب تک ان کے حصہ رسدی کے مطابق نہیں ہو جاتا اس وقت تک مزید بھرتی روک دی جائے۔
- (۳) ربوہ کی مستقل حیثیت کو ختم کر کے اسے کھلا شہر عملاً بنا دیا جائے اور وہاں عام مسلمانوں کو آباد کرنے کا بندوبست کیا جائے۔

- (۴) فرقان رحیمت اور قادیانیوں کی دیگر فوجی و نیم فوجی تنظیموں کو فوراً ختم کیا جائے۔

(۵) ان کے لٹریچر کی جملہ کتابوں، رسائل اور عبارات کو ضبط کیا جائے اور ان کی اشاعت پر پابندی لگائی جائے جن میں انبیاء علیہم السلام اور شعائر اسلام کی ہتک کی گئی ہے یا قرآن کے الفاظ و معنی میں تحریف یا ختم نبوت کی من مانی تشریح کی گئی ہو۔

(۶) نیشنل اسمبلی کی قادیانی مسئلہ پر کاروائی کو منضبط کر کے شائع کیا جائے خصوصاً اسمبلی کی قرارداد ۲ کا ضمیمہ ”ملت اسلامیہ کا موقف“ کتاب کو سرکاری طور پر عربی، انگریزی اور اردو میں شائع کر کے منیر پورٹ کی طرح تمام دنیا میں پھیلا یا جائے اور سفارتخانوں میں ان کی نقول بھیجی جائیں تاکہ فیصلہ کی حقانیت عالم پر ظاہر ہو۔

(۷) قادیانیوں کا اندراج مردم شماری، شناختی کارڈوں، پاسپورٹوں، ملازمت اور دیگر حیلہ سرکاری کاغذات میں جہاں مذہب کا خانہ ہو، غیر مسلم کی حیثیت سے کیا جائے۔ اگر اس سلسلہ میں وہ غلط بیانی سے کام لیں اور بعد از تحقیق اس کا غلط ہونا ثابت ہو جائے تو اسے قابل سزا جرم قرار دیا جائے جو پاسپورٹ کی دائمی ضبطی اور ملازمت سے اخراج وغیرہ کی صورت میں ہو۔

(۸) قادیانیوں کو مسلمانوں کی مسلمہ شرعی اور دینی اصطلاحات کے استعمال کرنے سے روک دیا جائے، ان کی عبادت گاہوں کو مسجد کی بجائے قادیانی مسجد یا کسی اور نام سے پکارا جائے، اسی طرح ان کے ذبیحہ اور شادی بیاہ وغیرہ اور جملہ اسلامی احکام جو کفار کے بارے میں ہیں ان پر نافذ کیے جائیں۔ ذمیوں کی حیثیت سے اگر وہ اپنے کو غیر مسلم اور قادیان شہری کے طور پر رہنا چاہیں تو ان کے ان حقوق کی حفاظت کی جائے جو شریعت اسلامیہ میں ذمیوں اور غیر مسلموں کے لیے طے کیے گئے ہیں، اور اگر وہ اس حیثیت سے انکار کریں اور اپنے کو پہلے کی طرح مسلمان سمجھ کر مراعات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہیں تو ان کا اقتصادی اور معاشرتی مقاطعہ کیا جائے۔

(۹) دنیا میں باطل عموماً ملک و مال کے سایہ میں یازن، زر زمین کے لالچ میں پھیلتا ہے یا غلط فہمی اور دجل و فریب سے سادہ لوح اشخاص کو اپنے دام تر ویر میں پھنسا لیتا ہے۔ ”قادیانیت“ بھی دجل و فریب کا مرقع، تحریف و تلیس اور ابلہ فریبی اور دیسہ کاری کا پلندہ ہے جو انگریزی استعمار اور دنیاوی حرص و آنر میں پیدا ہوئی اور پھلی پھولی۔ ظاہر ہے کہ بہت سے دنیا پرست یا سادہ لوح دنیاوی محبت یا تحریف کے دھوکے میں آکر اس لعنت کا شکار ہو گئے ہوں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پوری جگہ سوزی اور توجہ سے ان لوگوں کو دین خالص اور اصل اسلام کی دعوت دی جائے اور پھر سے ان کو خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل کیا جائے تاکہ وہ اپنی گزشتہ

غلط زندگی سے تائب ہو کر تلافی مافات کر سکیں۔ اندرون ملک کے علاوہ غیر ممالک خصوصاً افریقہ و یورپ اور امریکہ کے ممالک میں جو سادہ لوح لوگ "قادیانیت" کو اسلام سمجھ کر گمراہ ہوئے ہیں انہیں صحیح اسلام سے روشناس کراتا اور اس فریب اور مغالطہ سے انہیں بچاتا، ہم سب مسلمانوں کا فرض ہے۔ اس سلسلے میں وفود، لٹریچر، حکومتی اور عام سطح پر جملہ تدابیر کو بروئے کار لایا جائے۔ اس بارے میں سفارتخانہ سے قادیانی عمل کی تبدیلی ایک خوش آئند عمل ہوگا۔

خیر یہ تو سادہ لوح، گم کردہ راہ قادیانیوں کی بات ہے لیکن ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو ہٹ دھرم اور اپنے غلط عقائد پر رہتے ہوئے اپنے کو "مسلمان" سمجھنے اور سمجھانے پڑھ رہے ہیں، اس نے قومی اسمبلی کے فیصلہ کو دل سے قبول نہیں کیا، وہ چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح موقع کی تاک میں ہے اور ان کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے پاکستان خصوصاً اور مسلمان عموماً امن میں نہیں ہیں، ملت کو ان سے وہی خطرات ہیں جو کسی زمانے میں حسن ابن صباح اور باطنیوں سے مسلمانوں کو تھے۔ گوا سبلی اور مسلمانوں کے اس متفقہ فیصلہ پر مرزا ناصر احمد اور اس کی امت متغیر رہ رہے ہیں، اور ۱۴ اکتوبر کے خطبہ جمعہ میں مرزا ناصر نے کہہ دیا ہے کہ "قادیانی مسئلہ پر قومی اسمبلی کے فیصلہ پر جنوری یا فروری سے پہلے کوئی تبصرہ نہیں کروں گا"۔ نہ معلوم مرزا صاحب کس بات کا انتظار کر رہے ہیں، تاہم مرزا صاحب اور ان کی امت کی ذہنیت مرزا ناصر کے اس خطبہ جمعہ سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے جو آزاد کشمیر اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پر کرتے ہوئے انہوں نے (نام تہاد) مسجد اقصیٰ ربوہ میں دیا تھا۔ قادیانی ذہنیت کی عکاسی کے لیے اس پمفلٹ کے بعض اہم وچیدہ اقتباسات کو نقل کرتا ہوں۔ آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد کا تذکرہ کرتے ہوئے مرزا ناصر احمد صاحب کہتے ہیں :-

(۱) یعنی یہ کوئی ایسا بل پاس نہیں ہوا کہ اقلیت قرار دیا جاتا ہے، بلکہ یہ ایک سفارش ہے جو آزاد کشمیر کی حکومت سے کی گئی ہے کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دیا جائے اور ان کی مذہبی تبلیغ پر پابندی لگائی جائے اور احمدی غیر مسلم اقلیت کی صورت میں نام حبر و ذکر وائیں۔ چنانچہ میں نے آزاد کشمیر سے بعض ذمہ دار آدمیوں کو بلایا۔ اس وقت صحیح صورتحال سامنے

۱۔ نوائے وقت راولپنڈی ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۳ء اور ۲۔ خطبہ الفضل ۱۳ مئی ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا، پھر نظارت اشاعت لٹریچر و تصنیف صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ نے "آزاد کشمیر اسمبلی کی ایک قرارداد پر تبصرہ" انما حضرت امام جماعت احمدیہ کے عنوان سے علیحدہ پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا۔

نہیں آئی تھی، اگلے دن وہ میرے پاس پہنچ گئے۔ میں نے کہا دیکھیں ایک بات میں آپ کو بنیادی ہدایت کے طور پر ابھی کہہ دیتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ قرار و قانون کی صورت میں منظور بھی ہو جائے تو قانون یہ کہتا ہے کہ ہر وہ احمدی جو خود کو غیر مسلم سمجھتا ہے وہ اپنا نام رجسٹرڈ کروائے، ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ ہر احمدی اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے اور خدا کے عظیم و خیر کی نگاہ میں بھی مسلمان ہے اس لیے یہ قانون لاکو نہیں ہوتا۔ ایک آدمی جو اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے وہ غیر مسلم کی حیثیت میں نام کیسے رجسٹرڈ کر دے گا، اگر وہ ایسا کرے گا تو گویا وہ جھوٹ بول رہا ہوگا اور اسلام نے جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دی۔“ (ریفلٹ مذکورہ ص ۳)

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قادیانی ذہنیت باوجود اپنے صریح کفر اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے کھلی بغاوت کے اپنے آپ کو مسلمان کہنے اور کہلائے جانے پر باوجود قانون کے ٹھہرے گی۔ (۲) آگے چل کر دھمکی کے انداز میں ارشاد ہوتا ہے:-

”پس اگر نوبارہ آدمیوں نے اس قسم کی قرار داد پاس کر دی تو خدا کی قائم کردہ جماعت پر اس کا کیا اثر ہو سکتا ہے، اس کے نتیجہ میں جو خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں وہ یہ نہیں کہ جماعت احمدیہ غیر مسلم بن جائے گی، جس جماعت کو اللہ تعالیٰ مسلمان کہے اُسے کوئی نا سمجھ انسان غیر مسلم قرار دے تو کیا فرق پڑتا ہے، اس لیے اس کا فکر نہیں، ہمیں فکر ہے تو اس بات کا کہ اگر یہ خرابی خدا نخواستہ انتہاء تک پہنچ گئی تو اس قسم کے فتنہ فساد کے نتیجہ میں پاکستان قائم نہیں رہے گا۔ اس لیے ہماری دعائیں ہیں، ہماری اور ہمارے اندر حب الوطنی کا یہ جذبہ موجزن کہ کسی قسم کا کوئی بھی فتنہ نہ اٹھے کہ جس سے خود پاکستان کا وجود خطرے میں پڑ جائے۔ آخر فتنہ فساد یہی ہے ناکہ کچھ سرکٹیں گے، کچھ زخمی ہوں گے، کونے ہوں گے اور کیا ہوگا، یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔“ (ص ۵)

مندرجہ بالا عبارت میں خصوصاً خط کشیدہ عبارات کے بین السطور میں جس قسم کی دھمکیاں عیاں ہیں وہ ہر سچے پاکستانی کے لیے لمحہ فکریہ اور قادیانی سازشی ذہن کی عکاس ہیں جس سے ہر وقت چوکنا رہنا ضروری ہے، بلکہ آگے چل کر اس سے بھی واضح الفاظ میں تعلیل اور مقابلہ کی دعوت ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب آگے چل کر فرماتے ہیں:-

(۳) ”لیکن جہاں تک جماعت احمدیہ کا تعلق ہے تم گیدڑ اپنی کھوٹ سے باہر نکل آئے ہو

اور سمجھتے ہو کہ تمہارے پیچھے چلانے سے جماعت احمدیہ کے افراد ڈر جائیں گے،
نہیں ہرگز نہیں ڈریں گے۔ (ص ۱)

(۴)۔۔۔۔۔ آج ان لوگوں کو جو ۱۹۵۳ء کی آڑ میں فتنہ و فساد برپا کرنے کے منصوبے بنا رہے
ہیں عاجزانہ طور پر سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں کہ کسی غلط فہمی میں نہ رہنا، جماعت احمدیہ
کے وہ لاکھوں بالغ افراد جو پاکستان کے باشندے ہیں ان کو خدا کی راہ میں موت سے
ایسا ہی پیار ہے جیسا کہ ایک عاشق اپنے معشوق پرستانہ وار قربان ہونے کو تیار
کھڑا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ پس جہاں ہمیں پیار سے لوگوں کے دل جیتنے کا حکم ہے وہاں اللہ تعالیٰ
کا یہ فرمان بھی ہے۔ اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَيُكَلِّمُوا بِالْحَقِّ (البقرہ: ۱۹۰)۔ (ص ۱)

ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اسے رو بہ ازار و تزار

تم لومڑی کا ببادہ اوڑھ کر اور گیدڑ کا لباس پہن کر نکلتے ہو اور پیچھے اور جھگڑانے ہو کہ ہم
مرعوب ہو جائیں گے۔ ہمیں تو خدا تعالیٰ نے شیر کی جرات سے بڑھ کر جرات عطا فرمائی
ہے، ہمیں اللہ تعالیٰ نے شیر کے رعب سے زیادہ رعب عطا فرمایا ہے، شیر کی دھاڑ
سے میلوں تک بزدل جانور کانپ اٹھتے ہیں، ہمیں تو یہ وعدہ دیا گیا۔ نصرت بالرب
میسر شہر۔ (ص ۱)

(۶)۔۔۔۔۔ ہم تو ساری دنیا سے نہیں ڈرتے، جب انگریز سمجھتا تھا کہ اس کی دولت مشہرہ کمر پر
سورج غروب نہیں ہوتا، اُس وقت اس نے احرار کے ساتھ گٹھ جوڑ کیا مگر دلاؤست
دزدے۔ (ناقل) اُس وقت بھی ہم نہیں ڈرے نہ ہمیں کوئی نقصان پہنچا، اب جب کہ
خدا تعالیٰ کے فضل سے حالات بدل گئے ہیں اور احمدیت پر سورج غروب نہیں ہوتا،
ہم نے خدا تعالیٰ کے عظیم الشان نشان دیکھ لیے، اب ہم اللہ کے سوا کسی اور سے
بھلا کیوں ڈریں گے؟۔۔۔۔۔ ہم انوار میں رہنے والے ظلمات میں پیچھے والے گیدڑوں
(یعنی مسلمانوں۔ اشرف) سے بھلا کیسے ڈر سکتے ہیں؟ (ص ۱)

(۷)۔۔۔۔۔ جماعت احمدیہ کو قربانیاں دینی پڑیں گی، بعض افراد کو شاید جان کی قربانی دینی پڑے،
بعض کو مال کی قربانی دینی پڑے، یہ تو ضرور ہوگا، لیکن جس مقصد کیلئے جماعت کو پیدا کیا گیا
ہے، اس مقصد میں اللہ ناکامی نہیں ہوگی۔ (ص ۱)

مرزا ناصر احمد صاحب کی یہ پیشینگوئیاں مرزا غلام احمد صاحب کی محمدی بیگم کی پیشینگوئی کی طرح پوری ہوتی ہیں یا نہیں لیکن ان تحریروں سے ایک بات واضح ہو جاتی ہے کہ مرزا ناصر صاحب کھلے بندوں "ھل من بادنہ" اور جنگ اور مقابلہ کی دعوت دے رہے ہیں، انہیں یہ ہرگز گوارا اور منظور نہیں کہ ان کے کفر کو کفر کہا جائے اور ان کے اسلام سے اخراج و بغاوت کا کھلے بندوں اظہار کیا جائے اور جن دنیاوی مصلحتوں، طالع آزمائے مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں، سازشوں اور غیر ملکی استعمار کا ایجنٹ بننے کیلئے انہوں نے منافقین کی طرح نام نہاد اسلام اور مسلمانوں کا جامہ اوڑھ رکھا ہے اُس کی پردہ دری کی جائے اور ان کی جو اصل حقیقت ہے اس کو دنیا پر آشکارا کیا جائے۔ غرض مرزا ناصر احمد اور اس کی ملت کبھی بھی خوش دلی سے قومی اسمبلی کے فیصلہ کو نہیں مانے گی۔ ان سے خطرات کھلے اور واضح ہیں یہاں تک کہ پاکستان کی سالمیت کے بارے میں بھی وہ دھمکیاں اور گیدڑ بھبکیاں دے رہے ہیں، اس لیے عام مسلمانوں اور حکومت کو پہلے سے زیادہ ان کی نگرانی اور ان کی نقل و حرکت کی نگہداشت کرنی چاہیے، مبادا کہ وہ سرگوجھا جیسے حالات پیدا کر کے پورے ملک کو آگ و خون میں نہ جھونک دیں۔

مندرجہ بالا سرسری گزارشات سے یہ بات ظاہر ہے کہ قومی اسمبلی کا فیصلہ ایک عمدہ اور اچھا عمل ہے لیکن ابھی یہ پہلا قدم ہے، ابھی ملت مسلمہ کو بے فکر ہو کر قادیانی فتنہ سے غافل نہیں ہونا چاہیے بلکہ ملک و بیرون ملک دعوتی، دینی، سیاسی و معاشرتی غرض ہر میدان میں پورے حزم و احتیاط، ہوش و ضبط سے ان کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ حتیٰ کہ لا یتکون فتنۃ و یکون الدین کلمۃ للہ۔ کا امر الہی ظاہر و باطناً پورا ہو جائے اور انگریزی استعمار کا یہ خود کاشتہ پودا ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔

آخر میں مجلس تحفظ ختم نبوت اور اس کے امیر مخدومی الاستاذ علامہ سید محمد یوسف بنوری مدظلہ اور مجلس کے دوسرے راہنماؤں اور ان جملہ جماعتوں کو جنہوں نے اس دینی فریضہ اور فخر موجودات سید الکائنات خاتم النبیین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا، مخلصانہ مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ ان کا نظم و ضبط، اتحاد، صبر و ہوش اور فرست ہمت اس فیصلہ پر پہنچنے کا ذریعہ بنا۔ ہمارے لیے ۲۲ جماعتوں کا اتحاد ہی حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ و فیض ہے۔ دشمن کھلے اور چھپے حربے استعمال کر کے اس اتحاد میں رخسہ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ کاش! تمام فروعی اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم اسی طرح سیدہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحدہ سکیں تاکہ اس جہد و جہاد کے جملہ مقاصد پورے اور اس کے ثمرات ظاہر ہو سکیں بلکہ مجلس تحفظ ختم نبوت کا کام اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

”خاتم الشرائع“ کا من وعن نفاذ و اجراء پورے ملک بلکہ تمام دنیا میں نہیں کرایا جاتا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بزرگوں اور عام مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ پہلے سے بھی بڑھ کر اتحاد و نظم و ضبط، یقین و ہوش سے اپنی جملہ ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں اور حضور خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے فیض سے پورے عالم کو بقعہ نور بنا سکیں۔ آمین

مولانا قاضی عبدالکریم صاحب
مہتمم نجم المدارس کلاچی

مکرم و محترم وقتکم اللہ تعالیٰ لما یحبہ ویرضاه
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
سوالنامہ اور پھر مکرر یاد دہانی موجب ممنونیت

ہے۔ جواباً گزارش ہے کہ مجھے اپنی زندگی میں اسلام کے بعد کسی چیز سے بھی شاید اتنی خوشی ہوئی ہو جتنی ۷ ستمبر، ۱۹۷۱ء کے ایمانی، روحانی اور تاریخی فیصلہ کے اس اعلان سے ہوئی۔ فخر و شہرت بستی پر بعد
اسلام فرجی بہ ہذا اعلانات، اس لیے کہ :-

(الف) اس میں مسلمانوں کی شاندار کامیابی اور ارتداد و مرزائیت کی ذلیل ترین شکست تھی۔
(ب) اس لیے کہ پاکستان کی تاریخ میں کسی ایمانی اور اسلامی مطالبہ میں ایسی صریح اور واضح کامیابی
کی مثال موجود نہیں تھی۔

(ج) ماحول کو دیکھتے ہوئے اور خود اپنی اور قوم کے ماحول منہا و مابطن معاصی، مظالم اور آئام
کی تاریکیوں میں کبھی اپنے گناہ بھرے کانوں کو اور نہ ہی معاصی آلود آنکھوں کو اس قابل سمجھا کہ
وہ عزت دین کی ایسی سامع نواز خبر سن سکیں گے یا اعزاز اسلام کا ایسا پر لطف منظر دیکھ سکیں
گے۔ سبحان الحی الکریم۔

(د) اور خاص طور پر اس لیے کہ اگر فیصلہ معاذ اللہ ختم معاذ اللہ اس کے برعکس ہوتا تو ہزاروں نہیں بلکہ
لاکھوں دین سے ناواقف لکھے پڑھے پاکستانیوں کا ایمان متزلزل ہو جاتا، وہ قادیانیوں اور ہویوں
کے کفر و ارتداد میں متردد ہوتے اور دنیوی مفاد حاصل کرنے یا دنیوی نقصانات سے بچنے کی
خاطر حکومت کی ہاں میں ہاں ملا دیتے اور دنیا بھر کے علماء و فضلاء کے اجماع کے خلاف
مرزائیوں کو مسلمان کہنے کی تار و اجسارت کرتے اور اپنا ایمان کھو بیٹھتے، الحمد للہ ثم الحمد للہ
اس فیصلہ سے سب کے ایمان بچ گئے۔

اللہ والوں کے روحانی تصرفات، مجاہد اور باریک بین علماء کی شب و روز کی تگ و دو
اور مخلص مسلمانوں کی پُرسوز آہوں اور مخلصانہ دعاؤں سے الحمد للہ کہ عام رجحان کے علی الرغم کایا

پلٹ گئی اور یکدم پلٹ گئی اور غیر متوقع طور پر مسلمانوں کی مدتوں کی آرزو پوری ہو گئی ۔
 شکر اللہ ہر آل چیز کہ خاطر می خواست آخر آمد و پس از پردهٔ تقدیر پدید
 و نعوذ باللہ من المحور بعد الکور ۔

الہی بچوں عزیزم کردی امروز ممکن فردا بہ پیش خلتی غوارم
دوسرا سوال : آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی ذمہ داری اس فیصلہ ختم ہو گئی
 ہے یا اس فتنہ کے مہلک اثرات کا تعاقب اور احتساب جاری رکھنا ہوگا؟

جواباً عرض ہے کہ یہ فیصلہ تو قبولِ اسلام کا اعلان ہے، اس پر اگر استقامت نہ ہوئی اور اس
 کے تقاضوں کو پورا نہ کیا گیا بلکہ اس میں تاخیر ہوئی تو اس کا حشر بھی وہی ہوگا جو پاکستان بنانے
 کے بعد نظریہ پاکستان سے تغافل کا ہوا کہ خود پاکستان کو دھکا لگا اور اُسے دویم ہونا پڑا، یہاں
 اس غلطی کا اعادہ کیا گیا تو یہ فیصلہ بھی مسلمانوں کے حق میں مفید ہونے کی بجائے معاذ اللہ ارتداد کے
 لیے زیر زمین راہ ہموار کرنے کا باعث بنے گا۔ لا قدرہا اللہ۔

اس سلسلہ میں چند تجاویز پیش خدمت ہیں :-
تجویز ۱۔ فیصلہ کے تقاضوں کو بروئے کار لایا جائے | میری مراد اس فیصلہ کے تقاضوں سے یہ
 ہے کہ اب فوری طور سے حکومتی سطح پر :-

- (۱) ان نامسلموں کو کلیدی آسامیوں سے ہٹایا جائے۔
- (۲) ان کے اوقاف حکومت کے قبضے میں لے لیے جائیں۔
- (۳) ان کے اسلامی نام انجمن حمایت اسلام وغیرہ قانوناً ممنوع قرار دیئے جائیں۔ ایک غیر مسلم
 کا اسلام کی حمایت کے نام سے کام کرنا پرے درجہ کا دجل نہیں تو اور کیا ہے؟
- (۴) اسلامی شعائر از قسم اذان، مسجد وغیرہ کا استعمال یہ غیر مسلم ہرگز نہ کر سکیں۔
- (۵) اور ان کی نیم فوجی تنظیمیں بلا کسی تاخیر کے قانوناً ممنوع قرار دی جائیں۔

ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے مسلمانوں کا وہی اتحاد برقرار رہنا از حد ضروری ہے۔ جو
 ۲۹ مئی تا ستمبر رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس کی تقطیع کا کام شروع ہو چکا ہے، شیعہ نصاب
 الگ کرنے کے لیے شیعہ ایسیٹیویشن کی دھمکیاں اس کا پہلا زینہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ
 نہ معلوم زیر زمین کیا کیا ہو رہا ہوگا، ۱۹۵۳ء کے بعد دیوبندی بریلوی اتحاد کو کس طرح پارہ
 کر کے قوم کو لڑایا گیا۔

تجویز ۲۔ مجلس عمل کے اجتماعات مسلسل ہوتے رہیں | میرے نزدیک اس کے لیے مجلس عمل کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ ظاہری طور پر مسلسل اس کے اجتماعات ہوتے رہیں اور اکابرین مجلس عمل اپنی روحانی توجہات اور تصرفات میں کمی نہ آنے دیں اس کے بغیر جذباتی قوم میں اس اتحاد کو برقرار رکھنا ناممکن ہے۔ والا مرید اللہ تعالیٰ۔

تجویز ۳۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی آزاد ہو | ان تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے باوجود بھی ان مرتدین کے سیاسی ناخدا ان کی پشت پناہی کرتے رہیں گے اور انہیں پاکستان اور پورے عالم اسلام کو خراب کرنے کے لیے استعمال کرتے رہیں گے، اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان اور پورے عالم اسلام کی خارجہ پالیسی آزاد ہو اور حقیقتاً آزاد ہو۔ کیا آج اس حقیقت سے انکار کیا جاسکتا ہے کہ جو ممالک بھی مغربی ممالک کے تسلط سے آزاد ہیں، جو سلطنتیں امریکی ہلاک کے زیر دست نہیں ہیں کیا ان میں بھی مرزائیت کوئی مسئلہ ہے؟ آزاد خارجہ پالیسی اپنانے سے ملک اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگا اور یہ فتنہ اپنی موت آپ مر جائے گا۔

تجویز ۴۔ تبلیغی طور پر | مرزائے قادیانی کی سنگ انسانیت زندگی کو خاص طور پر تعلیم یافتہ طبقہ میں ننگا کیا جائے۔

تجویز ۵۔ عربی مدارس میں اور نہیں تو بلا کسی تاخیر کے القادیانی والقا دیانیہ قسم کی کتابوں کو داخل نصاب کیا جائے، کم از کم وفاق المدارس کے امتحان میں اس کا امتحان لازمی ہو، تقابلی ادیان کے نام سے وفاق کے امتحان میں ایک پرچہ کا اضافہ ہو، اور جب تک کوئی مستقل کتاب اس عنوان پر شائع ہو کر شریک نصاب نہیں کر لی جاتی جس میں مرزائیت، سبائیت، ابائیت اور اسلام کے معاشی، اقتصادی اور سیاسی نظام کے منہ آنے والے نظاموں کی اصطلاحات کو منقح کیا گیا ہو، ان کے دلائل بیان کر کے عقل و نقل سے ان کے تار و پود نہ بکھیرے گئے ہوں، اُس وقت تک صرف اسی کتاب (القادیانی والقا دیانیہ) کے امتحان پر اکتفا ہو۔ اصحاب خیر سے اپیل کی جائے کہ اس کتاب کے حسب ضرورت نسخے وفاق المدارس سے منسلک درجہ علیا کے مدارس کو مفت بھیجیں اور مدارس کے ارباب اہتمام سے اپیل کریں کہ طلباء دورہ حدیث شریف کو یہ کتاب یا اس کا خلاصہ پڑھا دیا جائے۔

اس طرح تحفظ ختم نبوت اور تحفظ اسلام و آئین و نظام ہائے اسلام کا کام پورے ملک میں پھیل کر حفاظت عقائد حقہ کا ذریعہ بنے گا اور وقتی نہیں انشاء اللہ صدقہ جاریہ اور دائمی ہوگا۔ والا مرید اللہ۔
(۱۸ شوال ۱۳۹۲ھ)

حضرت مولانا امین حسن اصلاحی ایڈیٹر ماہنامہ "میتاق" لاہور

مکرمی زاد لطفہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
افسوس ہے کہ آپ کا سوالنامہ مجھے بڑی تاخیر سے
موصول ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اب لاہور سے

نقل مکان کر کے شیخوپورہ کے ایک دیہات میں آگیا ہوا اور آپ نے گرامی نامہ لاہور کے پتہ پر
ارسال فرمایا، کل ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ملنے آئے تو وہ سوالنامہ ساتھ لائے۔
قادیانی مسئلہ سے متعلق میری رائے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے رسالہ میتاق میں شائع کر دی
ہے، میرے نزدیک قادیانی اقلیت کے حقوق کے سزاوار تو نہیں تھے۔ لیکن ہمارے ملک میں چونکہ
شرعی قوانین نافذ نہیں ہیں اس وجہ سے بالفعل مسئلہ کا ممکن حل ہی تھا، یہ نرم سے نرم سلوک ہے
جو ان کے ساتھ کیا گیا ہے، اگر قادیانیوں نے اس کی قدر کی تو وہ اپنے لیے اس ملک میں امن
کی زندگی کی گنجائش پیدا کر لیں گے اور اگر اس رعایت سے انہوں نے غلط فائدے اٹھانے کی
کوشش کی تو اس کے نتائج نہایت خطرناک ہو سکتے ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ قادیانی اس رعایت
سے غلط فائدے اٹھانے کی کوشش کریں گے، اور خاصاً اندیشہ اس امر کا بھی موجود ہے کہ بعض غلطانہ
لوگ اقلیت کے نام پر ان کی سرپرستی کریں۔ ان خطروں کے سدباب کی واحد شکل یہی ہے کہ مسلمان
برابر بیدار رہیں، اگر مسلمانوں نے اس معاملے میں غفلت اور سستی کی تو اب قادیانیوں کو جو قانونی
تحفظ حاصل ہو گیا ہے اُس کی آڑ میں وہ ہمارے مذہب اور ملک دونوں کو پہلے کی نسبت زیادہ
نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ (۱۰ نومبر ۱۹۷۲ء)

مولانا محمد طابین صاحب ناظم مجلسِ علمیہ کراچی

عزیز محترم و صدیق مکرم زاد کم اللہ لطفاً و عنایتاً۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

شکر الہی کے جذبہ سے معمور دل سے اس نمایاں
اور خاطر خواہ کامیابی پر ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کرتا ہوں جو قادیانی مسئلہ کے متعلق اللہ تعالیٰ
نے علمائے حق کو عطا فرمائی ہے، آپ اس تبریک و تہنیت کے اس وجہ سے زیادہ متحق ہیں کہ
آپ نے اس میدان میں ہر طریقہ سے غیر معمولی جدوجہد فرمائی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا
کہ اس مبارک مہم کے دورِ تازہ کا آغاز آپ کی ان جرأت مندانه تحریروں سے ہوا ہے جو کچھ عرصہ
پہلے ماہنامہ الحق میں منظرِ عام پر آئیں جبکہ ہر طرف عام طور پر سکوت تھا۔ بارک اللہ لکم و فیکم
و شکر مساعیکم۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عظیم کامیابی کو ہماری مستقبل کی بیشمار کامیابیوں کا ذریعہ بنائے اور ہمارا یہ ملک حقیقی اور عملی طور پر دارالاسلام بنے اور دنیا اس کی تقلید اور پیروی پر مجبور ہو۔

سوال ۱۔ کے متعلق میرا جواب یہ ہے کہ قادیانی مسئلہ میں جن حالات کے اندر جس طریقہ سے جو کچھ بھی فیصلہ ہوا ہے میں سمجھتا ہوں یہ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا خاص اور عظیم فضل ہوا ہے۔ اس سے ایک طرف تو اس فتنہ کے سرپرکاری ضرب لگی اور اس کے انقلابی عزائم بلیا میٹ ہو گئے جو آگے چل کر بہت بڑی تباہی و بربادی کا موجب بنتے اور دوسری طرف اس وقت مسلمان ایک بہت بڑے خون خرابے سے بچ گئے جس سے بے اندازہ جانی و مالی نقصان پہنچتا، لہذا اس پر اللہ تعالیٰ کا جس قدر بھی شکر کیا جائے کم ہوگا۔

سوال ۲۔ کے بارے میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ قادیانی فتنہ کے جو اثرات پاکستان کے اندر اور باہر پھیلے ہوئے ہیں ان کو مٹانے اور زائل کرنے کے لیے مختلف علمی و عملی طریقوں سے بڑے پیمانے پر منظم اور مسلسل کام کرنے کی ضرورت ہے، اجتماعی صلاح و مشورہ سے ایسے طریقے سوچے اور معلوم کیے جائیں جو اس کے لیے مفید اور مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں اور جن کو اختیار کرنے سے مذکورہ اثرات کا ازالہ اور خاتمہ ہو سکتا ہے۔ بہر حال کسی فتنے کے اثرات کو مٹانے اور ختم کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ فتنے کے وجود کے اسباب جو ہیں ان کو صحیح طور پر سمجھا جائے اور پھر یہ دیکھا جائے کہ ان اسباب کو کیسے دور کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ان کے ازالہ کے بغیر نہ فتنہ مٹ سکتا ہے اور نہ اس کے اثرات ختم ہو سکتے ہیں۔

سوال ۳۔ کے متعلق میری حتمی اور قطعی رائے یہ ہے کہ قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا جو فیصلہ کیا ہے، یہ فیصلہ چونکہ اصل مقصد نہیں بلکہ اصل مقصد کا ایک ذریعہ ہے، لہذا جب اصل مقصد حاصل نہیں ہو جاتا مسلمانوں کی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی۔ اصل مقصد میں سمجھتا ہوں یہ ہونا چاہیے کہ پاکستان میں کوئی ایسی آواز اور کوئی ایسی تحریک باقی نہ رہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص کسی بھی معنی میں نبی و رسول ہے پھر جب کہ اس کے لیے اسلام اور قرآن و حدیث کو بھی استعمال کیا جاتا ہو۔ اس کے بعد اگلی منزل یہ ہونی چاہیے کہ مسلمانوں کے اندر سے شریعت محمدیہ کے سوا باقی سب غیر اسلامی قوانین ختم ہو جائیں اور ان پر صرف شریعت محمدیہ کی حکمرانی ہو جو اللہ تعالیٰ کے آخری نبی نے آخری طور پر پیش فرمائی ہے، کیونکہ عقیدہ ختم نبوت کا لازمی تقاضا یہی ہے کہ مسلمان صرف شریعت محمدیہ کو اپنی زندگی کا دستور بنالیں۔

اور لائحہ عمل بنائیں اور اس کے سوا باقی ہر قانون کو ٹھکرا دیں۔

سوال نمبر ۱: اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں کیا آئینی ذرائع اور کیا علمی و عملی طریقے اختیار کرنے چاہئیں؟ اس کا جواب کافی تفصیل طلب ہے اور خاصا مشکل بھی، لہذا میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ دینی اور دنیوی علوم کی سوچ بوجھ رکھنے والے کچھ حضرات ایک جگہ جمع ہوں اور تمام پہلوؤں پر سوچ بچار اور غور و فکر کے بعد باہمی مشورہ سے یہ طے کریں کہ آج جن ذہنی و خارجی اور اندرونی و بیرونی حالات سے ہم دوچار ہیں ان میں مذکورہ مقصد کے لیے کیا طریق کار زیادہ مفید اور موثر ثابت ہو سکتا ہے جس کو آج عملاً اختیار کیا جائے۔

بہر حال اس کے لیے جو بھی طریق کار طے کیا جائے اس میں اس ردِ عمل کو ضرور ملحوظ رکھا جائے جو اس کے نتیجہ میں ظاہر ہو سکتا ہے، اندرونِ پاکستان بھی اور بیرونِ پاکستان بھی، تاکہ نقصان کم سے کم اور فائدہ زیادہ سے زیادہ حاصل ہو سکے۔ اندھی جذباتیت اور انتہاء پسندی سے بچنا بہر حال مفید رہے گا، جہاں تک ہو سکے عقل و شعور اور اعتدال پسندی سے کام لیا جائے۔ اللہم وفقنا لما تحب وتوصی۔

انگریزوں کے زمانے میں قادیانے
مسئلہ کا حل نہایت مشکل تھا کیونکہ
انگریزوں نے خود اس جماعت کو

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب زولوی
صدرالمدتسین دارالعلوم حقانیہ

اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے پیدا کیا تھا، گزشتہ زمانہ میں بھی وہ ان کی سرپرستی کر رہے تھے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ تو انگریزی حکومت سے قادیانیوں کے خلاف اقلیت اور کفر کا فیصلہ ان کے مقاصد کے خلاف تھا، اگرچہ جزوی طور پر بعض عدالتوں میں ان کو ملت مسلمہ سے خارج قرار دیا گیا تھا اور ان کے بارہ میں فسخ نکاح کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

پھر جبکہ انگریز ملک چھوڑنے لگا اور پاکستان کا نظریہ ظہور میں آیا تو چونکہ یہ نظریہ دو قوت پر مبنی تھا اور متحدہ ہندوستان کی تقسیم کا دار و مدار بھی اکثریت اور اقلیت قرار دیا گیا تو کچھ لوگوں نے جن میں مسلم لیگی پیش پیش تھے، قادیانیوں کو شاید ملکی مفاد کی خاطر غیر مسلم (ہندو سکھ وغیرہ) کے مقابل شمایا، باوجود اس کے کہ سر طغر اللہ نے واضح طور پر اعلان کیا تھا کہ احمدی جماعت ان لوگوں کو کافر سمجھتی ہے جو مزار کی نبوت سے انکار کر رہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ متعارف مسلمان نہیں ہیں، اور خود مزارائیوں نے ایک تیسری قوم کی حیثیت سے الگ ریاست حاصل کرنے کی سعی کی، اگرچہ

اس وقت بعض لیڈر اور اسلام کے بھی خواہ تہنہ کر چکے تھے کہ احمدی جماعت اسلام سے خارج ہے ان کو مسلمانوں میں شامل کرنا ملک و ملت دونوں کے لیے سخت مضر ہے لیکن افسوس کہ ان کی آواز کو نظر انداز کر دیا گیا، مگر واقعات نے ظاہر کر دیا کہ وہ لوگ حق بجانب تھے۔

اب بھی وہی لوگ تحریک ختم نبوت کے خلاف رہے جنہوں نے ان کو مسلمانوں میں شامل کیا تھا اور اس مسئلہ کو سیاسی مسئلہ کہہ کر مسلمانوں کے خیالات کو بدلتا چلا، یہ لوگ حتی الامکان اس تحریک کو ناکام بنانا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں نے ۲۵ سال تک برسرِ اقتدار رہتے ہوئے انگریز کے اس خود کاشتہ بودے اور مار آستین کی پوری حفاظت کی۔ عام مسلمان چونکہ یہ دیکھتے ہیں کہ مرزائی جماعت والے صوم و صلوات کے پابند ہیں اور مرزائی مذہب کے اصول و فروع میں قرآنی نصوص اور احادیث کے بعد التحریف استدلال کرتے ہیں بکریہ تحریفات اور عقائد میں رد و بدل چونکہ عوامیانہ فہم سے بالاتر ہے لہذا عوام ان کو ان کے ظاہری اعمال کی بناء پر امت میں شامل سمجھتے تھے اور ان کے خلاف تکفیر کا فتویٰ مولویانہ مندرجہ اجماعانہ سیاست جانتے تھے۔

الحمد للہ کہ قومی اسمبلی نے کافی غور و تامل کے بعد اس مسئلہ کا ایسی صحیح حل پیش کیا کہ ایک طرف تو دنیا کے مسلمانوں کے شکریہ کے مستحق ہوئے اور ختم نبوت کے ساتھ صحیح شغف اور سرور کا نفا کے ساتھ قلبی محبت کا ثبوت دیا، اور دوسری طرف ان لوگوں کے خیالات قاسد اور شبہات باطلہ کو ختم کر دیا جو کہ اس تحریک کو اجماعانہ سیاست اور مولویانہ ہٹ دھرمی یا کفر سازی کا نتیجہ سمجھتے تھے۔

لیکن مرزائی جماعت پہلے سے اسلام اور مسلمانوں کی بدترین دشمن تھی، وہ ایک زمانہ سے یہ خواب دیکھ رہے تھے کہ کسی وقت وہ پاکستان پر قبضہ کر لیں گے اور جو مسلمان یا علماء ان کے خلاف تحریک چلا رہے تھے اور میلارہے ہیں ان کو بجز ریالالچ دے کر مرزائی بنائیں گے یا ان کو قتل کریں گے۔ چنانچہ ان معاملات اور بیانات سے واضح ہو چکا ہے اسی خاطر انہوں نے اعلیٰ فوجی عہدوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ بڑی بحری اور ہوائی فوج کے افسروں میں اکثریت ان کی سول محکموں کے کلیدی مناصب ان کے ہاتھ میں ہیں، بیرونی ممالک میں حکومت کے وسائل سے اپنا مذہبی پرچار کر رہے ہیں، مسلمانوں کے خلاف جماعتی اور حکومتی ذرائع استعمال کر رہے ہیں، شخصی وسائل اور اثرو رسوخ سے کام لے رہے ہیں۔ ربوہ کا بند شہر ہونا، وہاں ہر قسم کا اسلحہ جمع کرنا، وہاں متوازی حکومت قائم کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے امور ان کے ارادوں کی غمازی کر رہے ہیں اب جبکہ

ان کے خلاف قومی اسمبلی کا فیصلہ بھی صادر ہوا ہے تو ہر مسلمان کو بہت زیادہ محتاط رہنا ہوگا کہ ان کا جذبہ انتقام اور مسلمانوں کی عداوت کا جذبہ تیز سے تیز تر ہوا ہوگا، حالات حاضرہ اس کے شاہد ہیں پھر بہت سے نام کے مسلمان ان کے ہمدرد بھی ہیں جو کہ ان کی سرگرمیوں کو جائز سمجھتے ہیں۔
تو ایسی صورت میں عام مسلمانوں کا عموماً اور پاکستانی مسلمانوں کا خصوصاً فرض ہے کہ قوم و ملک اور دین کی حفاظت کے لیے پہلے سے زیادہ بیدار ہو جائیں اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْهُمْ دِرْهُمَ كَرِيْسٍ اور حکومت سے بھی مطالبہ کریں کہ وہ مسلمانوں کے دیرینہ مطالبات پر جلد از جلد عمل کرے اور قوم و ملک کو فتنہ سے بچانے کے لیے اپنا فرض ادا کرے۔ لِيَنْصُرَكَ اللَّهُ مِنْ يَنْصُرَكَ۔

حضرت مولانا محمد فرید صاحب (۱) قومی اسمبلی کے قادیانی فیصلہ سے اُن کا خارج از اسلام ہونا تمام عوام اور تعلیمیافتہ طبقہ پر روز روشن کی مفتی و مدرس داد العلوی حقانیہ طرح واضح ہو گیا، اس سے ان کے حوصلے لپٹ

ہو گئے اور مجبوراً وہ اب اپنے ارادوں میں ترمیم کریں گے، اس فیصلہ سے ان کی تبلیغ و اشاعت اور عوام کو پھسلانے کے ہتھکنڈے کافی حد تک بیکار اور ختم ہو جائیں گے۔
(۲) یہ مسئلہ اگرچہ کاغذی طور پر تو حل ہو گیا ہے لیکن عملی طور پر ابھی تک حل طلب ہے۔ کیونکہ قادیانیوں نے ابھی تک اسے تسلیم نہیں کیا۔ تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ حکومت سے اس فیصلے کو عملاً نافذ کرائیں ورنہ دنیا اور آخرت میں انتقام کے خطرات درپیش ہیں۔
(۳) قادیانیوں کے اثرات ختم کرنے کے لیے مناسب یہ ہے کہ اس فیصلہ کی ہر زبان اور ہر حکومت میں اشاعت کی جائے، اور ہر مسلمان حکومت ان کو قانونی طور پر غیر مسلم قرار دے اور اسلامی ممالک کے مشترکہ و فود غیر مسلم حکومتوں کو خبردار کریں اور انہیں مسلمانوں سے جداگانہ حقوق دینے کا مطالبہ کریں۔

حضرت مولانا عبید اللہ انور (۱) مکرمی و محترمی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
ہفت روزہ خدام الدین لاہور
امید ہے مزاج بخیر ہوگا۔ گرامی نامہ موصول ہوا لیکن افسوس کہ بے پناہ مصروفیات کی وجہ

سے آپ کی خواہش کے مطابق فوری جواب نہ دے سکا، امید ہے معذرت قبول فرمائیں گے۔
آپ کے سوالات کے جوابات کافی تفصیل طلب ہیں تاہم آپ کے اصرار اور تعلقہ کے پیش نظر

فوری طور پر مختصر جوابات تحریر کر رہا ہوں۔

آپ کا پہلا سوال یہ ہے کہ قادیانی مسئلہ کے اس حل پر آپ کے احساسات و جذبات اور تاثرات کیا ہیں؟

(۱) ایک مسلمان کی حیثیت سے پاکستان کی نیشنل اسمبلی کے اس فیصلے پر مجھے اسی طرح خوشی اور مسرت ہوئی ہے جس طرح تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کو ہوئی ہے۔ لیکن میں کسی خوش فہمی یا غلط فہمی کا شکار بھی نہیں ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ ابھی تو ہمارے کام کی ابتدا ہوئی ہے اور عالم اسلام کے مسلمانوں کو عموماً اور پاکستان کے مسلمانوں کو خصوصاً اب بھی اسی اتحاد و یکجہتی کی ضرورت ہے جس کا عملی مظاہرہ انہوں نے تحریک ختم نبوت کے دوران کیا ہے۔

میری دیانتدارانہ رائے یہ ہے کہ ہمیں جو تحوڑی بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ ملت اسلامیہ کے اتحاد، اجتماعی فکر، بے لوث اور پُر خلوص جدوجہد، ہر اس پائیدار لگن اور مشترکہ پلیٹ فارم کی رہنمائی منت ہے۔ اگر خدا نخواستہ ہم نے ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی نظر انداز کر دیا تو ہمارا انتہائی خطرناک اور عیار شکن اس سے فائدہ اٹھا کر ہمارے عظیم اسلاف کی عظیم قربانیوں ہماری بے مایہ کوششوں اور مجاہدین ختم نبوت کے خونِ شہادت کو بے نتیجہ بنانے کی کوشش کرے گا۔

(۲) میرا خیال ہے کہ قادیانی فتنہ کے ”دینی“ یا سیاسی اثرات عالمگیر نہیں، لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہماری غفلت شعاری کی بدولت قادیانیوں نے بعض ممالک میں کامیابی بھی حاصل کی ہے، لیکن پاکستان کی قومی اسمبلی کے تاریخ ساز فیصلہ کے بعد اندرون ملک اور بیرون ملک ان کی کمر لوٹ گئی ہے، مگر ابھی ضربِ صدیقی کی شدید ضرورت ہے تاکہ ان کی رہی سہی قوت کو بھی توڑا جاسکے۔

(۳) مسلمانوں کی ذمہ داری کسی فتنہ کی عارضی اور وقتی بیخ کنی تک محدود نہیں، جب تک فتنہ مکمل طور پر ختم نہ ہو جائے اس وقت تک لگن و ایثار، کوشش و سعی اور اتحاد و فکر و عمل کی انتہائی ضرورت ہے، ذمہ داری اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک فتنہ کا کچھ بھی نشان باقی ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اس کے بعد بھی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی، کیونکہ مسلمان اسلام کا محافظ ہے اور محافظ کو ہر وقت تیار رہنا چاہیے، خواہ امن ہو یا جنگ۔ دشمن اور ڈاکو کا پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کب اور کس وقت حملہ کر دے؟ اس لیے ذمہ داری کے ختم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۴) آپ کے چوتھے سوال کا جواب میرے مذکورہ جوابات کے ضمن میں آگیا ہے۔
 (۵) اب رہا یہ سوال کہ اس کا طریق کار اور لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے؟ تو گزارش یہ ہے کہ:-
 نیشنل اسمبلی کے فیصلہ کے بعد ذمہ داریاں عوامی سطح سے بڑھ کر حکومتی سطح تک پھیل جاتی ہیں۔ عوام کا کام یہ ہے کہ وہ پُر امن رہتے ہوئے اس تحریک کو اپنے آخری اور منطقی نتائج تک پہنچانے کے لیے ہر قسم کی مالی، جانی اور زبانی قربانیوں کو جاری رکھیں، علماء و طلباء اور سیاسی زعماء ستانے کی بجائے کامیابی کے آخری مراحل تک پیش قدمی جاری رکھیں اور حصول مقصد کی راہ میں جو رکاوٹیں حائل ہیں ان کو دور کرنے کے لیے اجتماعی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں، اور ان ممالک میں جہاں قادیانی زیر سرایت کر چکا ہے وہاں تبلیغی مشن بھیجے جائیں جو وہاں کے لوگوں کو قادیانی فتنہ کی اسلام دشمن سرگرمیوں اور عالم اسلام کے متعلق خطرناک عزائم سے آگاہ کریں۔

حکومت کو چاہیے کہ وہ سفارتی سطح پر تمام دوست ممالک کو اس خطرناک تحریک کے نتائج و عواقب اور مضمرات سے باخبر کرے اور تمام اسلامی ممالک سے سفارش کرے کہ وہ قادیانیوں کو اپنے ملک میں غیر مسلم اقلیت قرار دیں اور ان کی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھیں۔ اندرون ملک حکومت کی سب سے اہم اور پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ اسلام کے نام پر قادیانیوں کی کافرانہ تبلیغ کا سدباب کرے، ان کو شعائر اسلامی اور اصطلاحات اسلامی کے استعمال سے روک دے اور ان کے زہریلے اور مہلک لٹریچر کو ضبط کر کے علماء کا ایک بورڈ بنائے جو قادیانیوں کے لٹریچر کے فاسدہ اثرات کو ختم کرنے کے لیے عوام کے لیے اسلامی تعلیمات کا حامل لٹریچر تیار کرے اور اس لٹریچر کو شائع کر کے اندرون ملک اور بیرون ملک بھیجا جائے۔ اس کے علاوہ دستور میں جہاں یہ درج ہے کہ: ”ایک مسلمان جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے مفہوم مندرجہ آئین پاکستان دفعہ ۲۶ شق ۳ کے خلاف عقیدے کا اعلان کرے یا اس کے خلاف تبلیغ کرے وہ قابلِ سزا و تعزیر ہوگا۔“ وہاں اس میں لفظ ”ایک مسلمان“ کی جگہ ”جو شخص“ کا لفظ درج کیا جائے، کیونکہ ایک مسلمان کے متعلق تو یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ وہ ایسے لغو اور بیہودہ عقیدے کا اعلان یا پرچار کرے گا! ”جو شخص“ کا لفظ چونکہ عام ہے اس لیے اس کی موجودگی میں اگر کوئی مدعی اسلام یا کوئی جدید مرشد ایسا کرے گا تو وہ مستوجبِ سزا و تعزیر ہوگا۔

حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب
ناظم ادارہ دعوت وارشاد چنیوٹ

کافی دنوں سے گرامی نامہ موصول ہے
اپنی گونا گوں مصروفیات کی وجہ سے جلد
تعمیل حکم نہ کر سکا جس کی وجہ سے

معذرت خواہ ہوں۔

(۱) اس سوال کا تفصیلی جواب تو بڑا طویل ہے مختصراً میرے احساسات اور جذبات یہ ہیں کہ اس وقت راقم اپنی عمر کی تینتالیس منزلیں طے کر چکا ہے، اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی خوشیاں نصیب فرمائی ہیں، عیدیں بھی آئیں، شادی بھی ہوئی، اللہ تعالیٰ نے بچے بھی دیئے، حرمین شریفین کی زیارت سے بھی یار ہامشرف فرمایا، قادیانیوں سے بارہا مناظرے ہوئے ان میں بھی اللہ تعالیٰ نے کامیابی نصیب فرمائی۔ مرزا بشیر الدین محمود کو جو میاہلم کا چیلنج دیا تھا اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے کامرانی اور سرخروئی نصیب فرمائی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زندگی بھر کی تمام خوشیاں بھی اگر جمع کر دی جائیں تو وہ اس خوشی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جو خوشی ۱۷ ستمبر ۱۹۷۱ء کو قادیانیوں کے متعلق قومی اسمبلی کے فیصلہ سے حاصل ہوئی ہے۔ راقم خوشی کے ان احساسات کو اپنے الفاظ کے قالب میں ڈھال کر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ قادیانیوں کے متعلق یہ تاریخی فیصلہ اس صدی کا اہم فیصلہ اور عظیم کارنامہ شمار ہوگا۔

(۲) یہ بالکل بجا ہے کہ ”قادیانی فتنہ“ کے دینی اور سیاسی اثرات ملک اور بیرون ملک پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں لیکن اب یہ اثرات اللہ کے فضل سے کم ہونے شروع ہو چکے ہیں اب تو ان پر پے درپے ضربات لگ رہی ہیں، پہلی ضرب تو آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد سے لگی، دوسری سخت ضرب انہیں نیم بسمل کر دیا وہ ان کے خلاف رابطہ عالم اسلامی کی قراردادیں ہیں، اب جو کسر باقی رہی تھی وہ پاکستان کی پارلیمنٹ کے ”تاریخی فیصلہ“ نے نکال دی ہے۔

بیرونی دنیا کو جو وہ اسلام اور پاکستان کے نام سے دھوکہ دے رہے تھے الحمد للہ اب اس کا پردہ چاک ہو گیا ہے۔

(۳) جب تک اس خطرناک اور مہلک فتنہ کا بالکلیہ خاتمہ نہیں ہو جاتا مسلمانوں کی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی، لیکن اب آئین میں ترمیم ہو جانے کے بعد بہ نسبت عوام کے حکومت کی ذمہ داری بڑھ گئی ہے کہ وہ آئین کے تقاضے پورے کر کے آئین کے احترام کو باقی رکھے۔ قوم نے تحریک کے دوران قادیانیوں سے بائیکاٹ اور آپس میں اتحاد کا جو بے نظیر مظاہرہ کیا ہے مجلس عمل کی سرپرستی میں

ان دو کامیاب ”ہتھیاروں“ کا استعمال اس وقت تک جاری رہنا چاہیئے جب تک آئینی ترمیم کے تقاضے مکمل طور پر پورے نہیں ہو جاتے۔

بیرونی ممالک میں ان کے تعاقب اور احتساب کے لیے ضروری ہے کہ مجلس عمل کی طرف سے ایک مؤثر وفد اس فیصلہ کے پس منظر اور تفصیلات کی وضاحت کرنے کے لیے فوری طور پر روانہ کرے کیونکہ سر ظفر اللہ اور دیگر سربراہان و ردہ قادیانی بیرون ملک انتہائی خطرناک اور زہریلے پروپگنڈے میں مصروف ہیں اس کا تدارک از حد ضروری ہے۔

مولانا ظفر احمد انصاری صاحب ایم این اے کراچی

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ
و برکاتہ !

آپ کا ایک گرامی نامہ پہلے ملا تھا، دوسرا پرسوں ملا، جواب میں بوجہ تاخیر ہوئی جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

جہاں تک قادیانی مسئلے کے حل کے متعلق میرے ”تاثرات اور احتیاطی تدابیر و اقدامات“ کے بارے میں تجاویز کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ جن اکابر نے ارباب اقتدار سے گفت و شنید اور مفاہمت کے نتیجے میں یہ فارمولہ تیار کیا وہی اس بات کے زیادہ اہل ہیں کہ اس کے مالہ و ماعلیہ پر روشنی ڈالیں اور آئندہ کے لیے تدابیر و اقدامات بھی تجویز فرمائیں۔ فارمولے میں درج شدہ دفعات جس حد تک عملاً مؤثر ہیں وہ بھی رفتہ رفتہ واضح ہو جائے گا۔ میرا اس مرحلے پر کچھ عرض کرنا بے محل معلوم ہوتا ہے بلکہ سکوت ہی انسیب نظر آتا ہے۔ حضرت مولانا صاحب اکوڑہ خٹک میں تشریف رکھتے ہوں تو میرا سلام عرض کر دیجیئے گا۔ (۳ نومبر ۱۹۷۷ء)

شاعر اسلام ابوالاثر حفیظ جالندھری لاہور

کرم فرما مولانا سمیع الحق صاحب! سلام مسنون قبول کریں۔ الحق کا شمار ستمبر ملا، مطالعہ میں آیا ہے، آپ کا مکتوب بھی ملا، جو کہ جواب طلب ہے اس لیے تعمیل کر رہا ہوں۔ آپ کے مکتوب میں چند اہم سوالات ہیں جن کا تعلق قادیانی مسئلہ کے اس حل کے بارے میں ہے جو، ستمبر کی شام ”اسلامی“ پاکستان کی قانون ساز اسمبلی میں سے منتخبہ خاص کمیٹی کی سفارش پر متفقہ قرار داد کی صورت میں منظور کیا گیا اور اس کا اعلان موجودہ عوامی حکومت کے محترم وزیراعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے فرمایا۔

مولانا! اگر آپ کے نزدیک بھی یہ قادیانی مسئلہ کا ایسا حل ہے جس پر خوشیاں منانے اور

مطمئن ہو کر میں جی ہاں کہوں اور اس فتنہ باطنیہ کو دفن ہو چکنے والا سمجھ کر آپ سب کے ساتھ شامل ہو جاؤں تو مجھے افسوس ہے کہ میں ایسا کرنے سے قطعاً معذور ہوں۔ میں ڈرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ چاہے سمیع الحق ہی کیوں نہ ہوں وہ حق اُسی آواز کو قرار دیں گے جو خود ان کے فیصلے کی تائید میں ان کے گوش میں آئے۔ میں اس وجہ سے شاید خاموشی یعنی آپ کے سوالات کے جواب میں چپ رہنا اختیار کر لیتا، لیکن جو احترام، احترام ہی نہیں ہم عقیدتی آپ سے اور مولانا عبدالحق صاحب سے ہے اس کی وجہ سے جواب نہ دینا بھی خلافِ آداب تعلقات ہے، اس لیے یہ سطور بہ تعجیل لکھ رہا ہوں۔

(۱) آپ کے ادارہ کا اولین کلمہ قومی اسمبلی کے فیصلے ”تاریخی اسلامی فیصلہ“ بتاتا ہے، اس کو آپ نے عظیم اور مبارک فیصلہ قرار دیا ہے۔

میرے نزدیک یہ قادیانی مسئلے کا وہ حل نہیں ہے جو صل قرآن کریم و حکیم نے پہلے ہی سے کر رکھا ہے، البتہ یہ ایک فیصلہ ہے جو اسلام کی قرآنی عدالت سے نہیں انگریز کی مسلط کردہ جمہوری عدالت نے دیا۔

یہ جمہوری عدالت قابلِ تحسین ہے، اس لیے کہ جو کچھ آپ علماء صاحبان نے طلب کیا وہی آپ کو مل گیا۔ اس لیے کہ جس طرح قادیانی فتنہ کے خلاف آپ نے کروڑوں عامۃ المسلمین کہلانے والے (ہم لوگوں) کو عملی آواز کے لیے اتحاد کی دعوت دی تھی، اسی طرح حکومتِ پاکستان کے اس فیصلے پر آپ نے خوش ہو کر جشن منانے کی صورت بھی پیدا کر دی۔ یہ جشن حلِ مسئلہ کا جشن نہیں بلکہ علماء کے اس مطالبے کا جشن ہے جو انتہائی طور پر محدود بھی تھا اور غیر مال اندیشانہ بھی۔ اور ایسا ہے کہ اب فتنہ قادیان پاکستان ہی نہیں پوری دنیا سے اسلام کو تباہ و برباد کرانے کے لیے پہلے سے زیادہ مضبوط ہو کر جو چاہے گا کرے گا۔

سرزمینِ پاکستان کے سینے میں جھنڈا گاڑے ہوئے اطمینان سے رہتے بہتے یہودیت کے اصل ہراول دونوں گروہ لاہوری ہوں یا راجا ہی کیا اپنے مقاصد ملعونہ سے باز آجائیں گے؟

آپ کے پاس اب کونسا حربہ ہے جو ان کے تریوں کو زائل کرنے کیلئے آپ استعمال فرمائیں گے؟ آپ مطمئن ہو گئے، ملت کو آپ نے مطمئن بنا دیا، آپ کی نیت درست ہے، بجا ہے، لیکن ع

سخن شناس نئی دہرا خطایں جاست

لہذا سوالات کے جوابات فی الحال بے فائدہ ہیں، ہاں میں نے یہ سطور انتہائی ادب سے

نکھی ہیں۔ میں نے ان قادیانیوں کو پورے ستر برس سے جاننا شروع کیا تھا، ان کا مبلغِ عظیم ظفر اللہ خان چوہدری میرے دیوار بہ دیوار برسوں پڑوسی رہ چکے، رات دن ان سے ان کے طریق تبلیغ الحاد کا ہدف رہا ہوں۔ اس لیے اب ایک مفصل کتاب ہی لکھوں گا، اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ بطفیل سرکارِ دو جہاں مدد کرے گا۔ (۱۵ اکتوبر ۱۹۷۷ء)

جناب مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
گرامی نامہ ملا، یاد آوری کا دلی شکریہ! آپ کا پہلا سوال یہ ہے کہ:

مولانا ماسٹر القادری صاحب
مدیر ماہنامہ "فاران" کراچی

(۱) قادیانی مسئلہ کے اس حل پر آپ کے احساسات، جذبات اور تاثرات کیا ہیں؟
جواب:- اکتوبر کے "فاران" کا ادارہ (نقشِ اول) میرے احساسات کا آئینہ دار اور میرے جذبات و تاثرات کا ترجمان ہے۔ اس مسئلہ کے حل ہو جانے سے ملک بہت بڑے بحرانِ crisis سے محفوظ ہو گیا ورنہ ختم نبوت کے مسئلہ میں مسلمانوں کے جذبات آتشیں ہو گئے تھے اور وہ دستورِ طور پر اس مسئلہ کے متعلق ہونے سے تنگ آچکے تھے۔ اربابِ اقتدار کا یہ حال ہے کہ وہ اس مسئلہ کا ریڈٹ بھی لینا چاہتے ہیں اور اس کا ذکر بھی انہیں زیادہ پسند نہیں ہے، تیرا زکاتِ فتنہ والا معاملہ ہے۔

(۲) قادیانی فتنہ کے دینی اور سیاسی اثرات ملک و بیرون ملک پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں اقلیتوں کے تحفظ کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا مسلمانوں کی ذمہ داری اس فیصلہ ختم ہو گئی یا اس فتنہ کے مہلک اثرات کا تعاقب و احتساب جاری رکھنا ہوگا؟

جواب:- مسلمانوں کی ذمہ داری اور زیادہ بڑھ گئی ہے، قادیانیوں میں تبلیغ کرنے کا یہ بہترین موقع ہے، ان پر اخلاق و محبت اور ہمدردی کے جذبہ کے ساتھ کام کیا جائے اور خاص طور سے مرزا قادیانی کی تحریریں انہیں پڑھوائی جائیں کہ نبی تو کجا کیا کسی شریف آدمی کے یہاں بھی ایسی متضاد اور انمل بے جوڑ باتیں مل سکتی ہیں؟ اقلیت کے حقوق کا تحفظ اپنی جگہ ایک حقیقت ہے مگر مولانا مودودی کے بقول حکومت نے سانپ کو لاٹھی سے مار کر اسے چھوڑ دیا ہے اور پوٹ کھایا ہو اسانپ بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ قادیانی سیدھے سادے طور پر غیر مسلم ذمی کھے حیثیت سے پاکستان میں امن و امان کے ساتھ رہ سکتے ہیں مگر پاکستان اور ملتِ اسلامیہ کے خلاف کسی قسم کی سازش برداشت نہیں کی جاسکتی۔ یہ مسئلہ بھی بہت اہم اور خاص طور سے قابلِ غور

ہے کہ مسلمانوں کی حکومت اور مسلم معاشرے میں نبی کاذب کی جھوٹی نبوت کی دعوت نہیں دی جاسکتی۔ یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں اور زرتشتیوں کے کفر اور کاذب نبی کی نبوت کا موقف ایک جیسا نہیں ہے، یہ وہ کفر ہے جس کی تبلیغ مسلمانوں میں قانوناً ممنوع ہونی چاہیے۔ جس طرح میلہ کذاب کے نام کے ساتھ حضرت اور علیہ السلام کے القاب گوارا نہیں کئے جاسکتے، اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی کے نام کے ساتھ تکریم و تعظیم اور احترام کے القاب برداشت نہیں کیے جاسکتے۔ ابو جہل اور ابولہب کافر تھے، منکر نبوت تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے حریف اور مد مقابل نہیں تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی چونکہ مدعی نبوت ہے اس لیے اس کا موقف حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حریف کا موقف ہے۔

(استغفر واللہ)

(۲۹ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ)

مولانا عبد القدوس ہاشمی صاحب
ادارۃ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد

مولانا محترم و مکرم و فقیہ اللہ بہا ہور ضاہ
و علیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ
گرامی نامہ نشان ۱۳۳۲ مورخہ ۲۹ اکتوبر

۱۹۷۴ء وصول ہوا، آپ نے اس گرامی نامہ میں جو سوالات لکھے ہیں انکے سلسلہ میں حسب ذیل سطور پیش ہیں۔

(۱) قادیانی مسئلہ کو جس طرح اسمبلی نے حل کیا ہے وہ ہر آئینہ قابل ستائش ہے، اللہ تعالیٰ اُن تمام حضرات کو جزائے خیر دے جنہوں نے اس کے لیے سعی فرمائی ہے۔ علمائے کرام اور دیندار مسلمان تو ابتداءً فتنہ قادیانیت ہی سے ان لوگوں کو دین و دنیا دونوں کے لیے عظیم خطرہ قرار دے کر ان کو خارج از دائرہ اسلام کہتے چلے آئے تھے۔ مقام شکر ہے کہ دیگر اراکین اسمبلی کو بھی اللہ تعالیٰ نے حق کی طرف راہنمائی فرمائی۔ میں نے اسمبلی کا فیصلہ شکر سجدہ شکر ادا کیا۔

(۲) قادیانیوں نے دشمنان اسلام کی حمایت اور اعانت سے ساری دنیا تو نہیں مگر بہت سے ملکوں میں اپنے اثرات کا زہر پھیلا دیا ہے، اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم بھی اس زہر کا تریاق لیکر مختلف ملکوں میں پھیل جائیں اور ان کے دینی اور سیاسی زہر کا مقابلہ کریں۔ میرے خیال میں کرنے کا یہ ایک ضروری کام ہے، افریقہ کے دو ملکوں کو اس تریاق کی شدید ضرورت ہے، ایک نائیجیریا اور دوسرا مشرقی افریقہ۔ اسی طرح جنوب مشرقی ایشیا کے دو ممالک ملائیشیا کی طرف تو فوری توجہ کی شدید ضرورت ہے۔

(۳) اقلیتوں کی حفاظت اور ان کے عمرانی حقوق کی صیانت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم ان

لوگوں کو کھلی چھٹی دے دیں جو نہ تو وطن کے وفادار ہیں اور نہ دین حق کے مسلمانوں سے زیادہ اقلیتوں کے حق میں نرم اور وسیع الصدر دنیا کی کوئی دوسری قوم نہیں ہے، لیکن کسی اقلیت کو یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ فتنہ اختلاف پیدا کرے اور مسلمانوں کی اجتماعی طاقت کے خلاف دشمنان دین سے مل کر سازشیں کرتی رہے۔ اور نہ اسکی اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ ملک کے کسی حصہ میں اپنی الگ آبادی بسا کر متوازی حکومت قائم کرے یا بعض دین سے ناواقف افسران کی ملی بھگت سے نظم حکومت و معیشت کو متاثر کرتی رہے۔

ہمارا یہ مذہبی فریضہ ہے کہ ہم ان تمام بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کریں اور اس طرح سے اصلاح کریں کہ قادیانیوں کو مسلمان بن کر ریشہ دوانیوں سے باز رکھنے کی ہر مناسب تدبیر اختیار کریں ان کے شناختی کارڈوں پر ان کا دین واضح طور پر لکھ دیا جائے اور ان کے پاسپورٹوں پر بھی ان کا دین ظاہر کر دیا جائے تاکہ تلبیس و التباس کا سد باب ہو جائے۔

(۴) مسلمانوں کو کسی پر بھی غافل نہیں ہونا چاہیئے، ہر وقت چوکنا رہنا چاہیئے، پاکستان میں قادیانیوں کے اندر سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر تبلیغ دین کا وسیع انتظام کیا جائے۔ انشاء اللہ اس سے بہت سے قادیانی مسلمان ہونے کو تیار ہو جائیں گے۔ ان بیچاروں کو ہفتوات مرزا کی خبر ہی نہیں ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ پیری مریدی کے دیگر سلسلوں کی طرح یہ بھی ایک سلسلہ ہے۔ اور جب وہ یہ جان لیں گے کہ یہ اسلام نہیں بلکہ ایک بالکل علیحدہ دین و مذہب ہے تو امید ہے کہ بہت سے قادیانی تائب ہو کر ایمان لے آئیں گے، اور اس سے بہتر کیا ہوگا کہ کوئی بھٹکا ہوا انسان دین حق پر آجائے، اور یہی عمل دوسرے ممالک میں بھی جاری کیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔ (۳۰۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء)

جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب پیرس (فرانس) | محترمی زاد مجدکم! سلام منوں و رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

یہاں دو ماہ سے ڈاک کی مکمل ہڑتال رہی اس لیے آپ کا ۱۰ نومبر کا خطاب جنوری میں آیا ہے، شکر گزار ہوں۔ مجھے قادیانیت سے کبھی اتنی بھی دلچسپی نہ ہوئی کہ اس کے متعلق کوئی مضمون یا کتاب ہی پڑھوں۔

چونکہ دیندار لوگوں نے اس کے خلاف تن من دھن سے کام کیا ہے اس لیے اچھا ہی ہو گا، خدا انہیں اجر عظیم دے۔

مگر عالمِ اسلامی میں دوسرے مسائل بھی ہیں جو اس سے کم اہم نہیں بلکہ شاید اہم تر ہی ہیں۔
 ہتھیار کی جگہ مستعملہ اور فرسودہ ہتھیار خریدنے پر ہم کب تک قانع رہیں گے؟ اشتراکیت
 اور الحاد کے مقابلہ سے کب تک سوتے رہیں گے؟
 میں یہاں اپنی حقیر صلاحیت کے مطابق دوسری قسم کے علمی کاموں میں مصروف بلکہ غرق ہوں
 کاش اجاب اس میں خارج نہ ہوں۔
 آں محترم کا رسالہ آیا کرتا ہے، ممنون ہوں۔

جناب ڈاکٹر پروفیسر صغیر حسن معصومی، اسلام آباد | جناب مکرمی ایڈیٹر صاحب
 ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

السلام علیکم! آپ کے استفسار کے جواب میں یہ چند سطریں مرسل ہیں:-
 (۱) قادیانی مسئلہ کے حل پر ہم حکومت کو مبارکباد دیتے ہیں کہ نہایت عمدہ اور مناسب حل عوام اور
 خصوصاً علماء کرام کے مطالبے کے مطابق اسمبلی سے پاس کرایا۔ اس حل سے اللہ تعالیٰ نے علماء کرام کو
 خاص طور پر اور عام مسلمانوں کو عام طور پر سرخروئی عطا کی۔ فرزندِ انِ توحید حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کی ختم نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حکومت نے اس عقیدے کی
 حرمت کو قائم رکھنے میں سر توڑ کوشش کی ہے اور اس عقیدے کے مخالفین کو دشمنِ اسلام قرار دیا ہے۔
 (۲) چونکہ قادیانی فتنہ چار دہائیوں سے چلا رہا ہے اس لیے اس کے دینی اور سیاسی اثرات دور
 کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہر احمدی یا قادیانی حکومت کے شناختی کارڈ، پاسپورٹ اور ڈیو میٹلڈ
 ٹریفکٹ پر قادیانی یا احمدی ہونے کا بر ملا اظہار کرے، اگر ایسی تدبیر اختیار نہ کی گئی تو یہ لوگ
 نفاق اختیار کر کے اور حلفیہ اپنے کو مسلمان اور ختم نبوت کا معتقد قرار دے کر مسلمانوں کو ہمیشہ دھوکا
 دینے کی کوشش کریں گے اور پھر اندرون و بیرون ملک میں ملتِ اسلامیہ کو نقصان پہنچانے سے
 کسی طرح باز نہ آئیں گے۔

(۳) غرض اس فتنہ سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ حکومتِ پاکستان کوئی ایکٹ پاس کر کے ہر
 احمدی اور قادیانی کو اپنے عقیدے کا اظہار کرنے پر مجبور کرے۔ جب ان کو قانوناً غیر مسلم قرار دیا
 جا چکا ہے تو ان کی تعداد کی مناسبت سے ان کو حقوق دیئے جائیں اور ہر شعبے میں اسی مناسبت سے
 ان کے حقوق کی نگہداشت کی جائے۔

مناہرین عقیدہ ختم نبوت کے راسخین اُس وقت حقیقی مسرت محسوس کر سکتے ہیں جبکہ حکومتِ پاکستان

اپنے عملی اقدام سے دنیا پر واضح کر دے کہ اہل نفاق احمدی وقادیانی اور صحیح العقیدہ مسلمانوں میں امتیاز و فرق نمایاں ہے، یا خود حکومت کے الفاظ میں بعض غیر مسلموں کو مسلمانوں کے حقوق و امتیازات نہیں دیئے جا رہے ہیں۔

اہل علم حضرات اسی وقت اطمینان کی سانس لے سکتے ہیں جبکہ اہل نفاق صحیح طور پر تو یہ کہہ کر کے مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہو جائیں، ان میں گھل مل کر رہیں، ان کی مسجدوں میں آئیں اور میل و محبت سے زندگی گزاریں۔ (۲۵ اکتوبر ۱۹۷۷ء)

جناب محترم ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب
صدر شعبہ دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی (لاہور)

قادیانیوں کے بارے میں اقلیتی فیصلہ ہو چکا ہے، اس طرح علماء کی وہ جدوجہد کامیاب ہوئی جس کے لیے وہ تقریباً ایک سو سال بھر پور لڑتے رہے۔ اور مجھے یہ کہنے دیجئے کہ تنہا لڑتے رہے۔

میں جب یہ کہتا ہوں کہ یہ لڑائی تنہا علماء نے لڑی تو بالکل حقیقت بیان کر رہا ہوں، علماء کے علاوہ جو طبقے یہاں موجود ہیں ان کی بہت سی تحریریں بطور شہادت پیش کی جاسکتی ہیں کہ ان کا نقطہ نظر بالعموم علماء کے موقف کے خلاف اور قادیانیوں کے حق میں رہا ہے، اور اس میں بڑے بڑے اکابر کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

تو مقصد گفتگو یہ ہے کہ یہ خالصتاً علماء کے موقف کی جیت ہے جس میں کسی سیاسی مفاد و مصلحت کو دخل نہیں، اور اب جبکہ علماء عقیدہ کی اس جنگ میں کامیاب و بامراد اور سرخرو ہو کر باہر آ رہے ہیں تو یہ پھر علماء ہی کا فرض ہے کہ اس فیصلے کے بعد جو نتیجے نکل سکتے ہیں ان کے بارے میں اپنے ذہن کو صاف کریں اور ایک تنظیم اور قوت مجتمعه سے ان نئے فرائض کے لیے خود کو کمربستہ و مستعد کریں جو اس سلسلے میں ان پر عائد ہو سکتے ہیں کیونکہ بالآخر دین کی خدمت علماء ہی کریں گے اور وہی کر سکتے ہیں کیونکہ دین کی خاطر نہ کہ سیاست اور مفادات دنیوی کی خاطر کام کرنے کی اصولی صلاحیت علماء ہی کے پاس ہے۔

اقلیتی فیصلے سے علماء پر یہ روشن ہو جانا چاہیئے کہ اس ملک میں دہلکہ دنیا کے ہر ملک میں، دین اسلام کی برکت اسی صورت میں ہر کسی پر واضح ہو سکتی ہے کہ علمائے امت میں اصولیات میں اتحاد ہو۔

آج تک اسلام کے باسے میں بے حسّی اور بے رونق جتنی بھی موجود ہے اس کا ایک بڑا سبب علماء کا باہمی اختلاف ہے۔

ہم کہنے کو تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ پاکستان اور عالم اسلام میں اسلام کا قانون اور اسلامی طرز زندگی رائج ہو، لیکن ہمیشہ دیکھتے ہیں یہ آیا ہے کہ اسلامی قانون کی فروعات کو مددگار بنا کر اختلاف کا بازار گرم ہوا اور عام مسلمان شہری کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہو گیا کہ کس کے اسلام پر عمل کیا جائے بلکہ اس پریشان خیالی سے بچنے کے لیے عام لوگ اب یہ کہتے ہیں کہ بھائی ان لوگوں کے پاس جب کوئی متفقہ طریق کار اور دستور العمل ہی نہیں تو اس پریشانی میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

راقم الحروف دین اسلام میں گہرا اعتقاد رکھتا ہے اور علمائے کرام کا معتقد اور پیرو ہے لہذا ان باتوں کو تنقیص یا بے خیالی پر محمول نہ کیا جائے۔ یہ باتیں عام تعلیم یافتہ طبقے کے علاوہ بے علم، ان پڑھ طبقے میں بھی پھیل چکی ہیں اور اس قابل ہیں کہ ان پر ٹھنڈے دل سے غور ہو تا کہ لوگوں کی بے یقینی اور ان کا ضعف اعتقاد دور ہو۔

یہ درست ہے کہ ہمارے قدیم دینی ادب میں اختلاف فقہاء اپنی ایک مصلحت رکھتا تھا اور مصلحت یہ تھی کہ دین حق کی آخری جز تک یہ جستجو کی جائے کہ خدا اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء اس باب میں کیا تھا۔ یہ سچائی اور حق کی تلاش تھی اور مضائقہ اس میں اس لیے تھا کہ امت مسلمہ پر اس کا بُرا اثر نہ پڑتا تھا اور کسی کے گمراہ ہونے کا اندیشہ نہ تھا، کوئی مسلم جو مسلک بھی اختیار کرے بہر حال دین سے اس کا تمسک غیر متزلزل تھا۔

مگر اب صورتحال بدل چکی ہے، اب طوفان مغرب عقائد کی عمارت کو ڈھانچکا ہے دنیا دار غالب آچکی ہے اور یورپ کی مادہ پرور سائنس نے شکوک و شبہات کے مینار کھڑے کر دیے ہیں۔ ایسے میں مابہ اختلاف کی بجائے مابہ الاشتراک پر زور دینے کی ضرورت ہے۔ علماء کے سامنے اس ملک میں بہت سے اہم مسائل ہیں، ان کی خاطر علماء کا آپس میں اتحاد اور بڑے مسئلے کے باسے میں کم و بیش متفقہ یا مقامی دستور العمل تیار ہونا چاہیے تاکہ عام لوگوں کو اس کے قبول کرنے یا اختیار کرنے میں پریشانی نہ ہو۔

علمائے کرام اچھی طرح باخبر ہیں کہ اس وقت اسلام کے سامنے دو عظیم خطرے ہیں، ایک ہے مغرب کے افکار اور طرز معاشرت کا خطرہ، اور دوسرا خطرہ ہے اشتراکیت (کمیونزم، سوشلزم وغیرہ) یہ دونوں فتنے قادیانی فتنے سے کچھ کم خطرناک نہیں۔

اب جبکہ علماء اپنی قوت سے باخبر ہو چکے ہیں اور یہ بھی جان چکے ہیں کہ ان کی اصل طاقت انتہا میں ہے، ان پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا دونوں فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے آپس میں متحد ہو جائیں۔

ہمارے ملک کے بہت سے علماء ان مغربی فتنوں کی مضرت کو اس لیے کم اور معمولی سمجھتے ہیں کہ ان کے پیچیدہ نظام عقائد سے باخبر نہیں، اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ ان مغربی عقیدوں کے ہر ہر تیج میں کتنے کتنے خطرناک سو منات آباد ہیں تو انہیں خوب احساس ہو کہ ان کا مقابلہ کرنا صرف ضروری ہی نہیں بلکہ فرض عین ہے۔

لہذا علماء کرام پر واجب ہے کہ ان فتنوں کے بارے میں صحیح معلومات بہم پہنچائیں اور پھر ان کا مقابلہ کرنے کے لیے متحد ہو جائیں، بے خبری کی صورت میں ان خطرناک فلسفوں اور عقیدوں کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

قادیانی فیصلے کے بعد تعلیم یافتہ لوگوں میں تین چار قسم کے مغالطے بڑی کثرت اور شدت کے ساتھ پھیل رہے ہیں یا پھیلائے جا رہے ہیں، ایک خیال یہ پھیل رہا ہے کہ قادیانیوں کے بعد شیعہ اور دوسرے ٹھوٹے فرقوں کی باری آئے گی، دینی طور سے بھی اور سیاسی طور سے بھی، ایک مغالطہ یہ بھی پھیل رہا ہے کہ غیر اسلامی ملکوں میں تھوڑا بہت اسلام کا نام قادیانیوں کے ذریعے اور ان کے توسط سے چرچا ہو رہا تھا۔

اس فیصلے کے بعد جب تک ان ملکوں میں کوئی تبادُل نظام (ہماری تبلیغ کے) موجود نہ ہو، گے اُس وقت تک اس قسم کا چرچا اب نہ رہے گا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علماء اپنے موجودہ اکتسابات کے ساتھ ان ممالک میں تبلیغ کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اور غیر قادیانی تعلیم یافتہ طبقہ اتنا بے حس ہے کہ اسے دین کے معاملات سے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔ لہذا خیال یہ پھیلا جا رہا ہے کہ اس سے آخر کار اسلام کے مفاد کو نقصان پہنچے گا۔

میری رائے میں یہ مغالطہ ہے لیکن علماء کے لیے بہر حال یہ پہلو بھی قابل غور ہے اور فوری توجہ کے قابل ہے۔

ایک خیال یہ بھی پھیلا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کا حقیقی طرزِ معاشرت قادیانی گھرانوں میں ہے ورنہ عام تعلیم یافتہ مسلمان تو اس معاشرت سے بیزار ہی نظر آتے ہیں، تعلیم یافتہ (غیر قادیانی) نوجوانوں میں پردہ داری، حیاداری، جمعہ اور جماعت کی پابندی بلکہ خود نماز کا التزام، قرآن مجید

تعلق (محض خواندگی وغیرہ کی حد تک بھی) اب بالکل مفقود ہے۔

سوال یہ کیا جاتا ہے کہ اسلامی معاشرتی طریقوں کا پابند قادیانی، غیر پابند غیر قادیانی تعلیمیافتہ لوگوں پر غیر ممالک میں (بلکہ خود اپنے ملک میں بھی) کیا زیادہ بااثر نہ ہوگا، اسلام کے بنیادی مزاج سے مختلف ہے۔ جب مقصد اسلام ہے تو پھر اسلام ہی کا نام کیوں نہ لیا جائے، اسلام کے راستے سے اور اس کے گوریے ہر مسئلہ کا حل ہو سکتا ہے۔ اس خیال کی تبلیغ کے لیے زبردست تنظیم درکار ہے۔

دوسرا مسئلہ معاشی و معاشرتی ہے، سچ تو یہ ہے کہ علماء کرام محض عقیدے پر اتنا زور دیتے ہیں کہ معاشی و معاشرتی حصہ غائب ہو جاتا ہے۔ آج کے معاشی فی من کو تہ نظر رکھ کر معاشی عدل و انصاف کے حق میں اور معاشی برائیوں کے خلاف واضح پروگرام بنا کر پروگرام کرنا چاہیے ورنہ مخالفت یہ مغالطہ پیدا کر دیتے ہیں کہ علماء معاشی انصاف اور غرباء کے مفادات کے مخالف ہیں۔ معاشرتی طور پر فحاشی و عریانی اور مغربیت کے خلاف منظم کام کرنے کی ضرورت ہے، معاشرے ہی کسی نظام یا مذہب کے خارجی فروغ و غلبہ کا پتہ چلتا ہے، سینما کے فحش اشتہارات سے اس کی ابتداء کی جاسکتی ہے۔

دینی تعلیم کے نصابات اور نصب العین پر دوبارہ غور ہونا چاہیے، فی الحال وہ دینی لحاظ سے مکمل مگر تبلیغی لحاظ سے غیر مکمل ہیں، غیر ممالک میں اسلام کی تبلیغ کے لیے علماء کو نئے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر کام کرنا چاہیے۔

تظہیر نفس و تزکیہ قلوب کے پرانے نظام کو از سر نو زندہ کرنا چاہیے تاکہ افراد حص و ہوا سے پاک ہو سکیں۔

اقلیتی فیصلے کے بعد اس بات پر نظر رکھی جائے کہ کوئی فرقہ حکومت کی رواداری یا کمزوری سے فائدہ نہ اٹھا سکے، اور سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ علماء خود کو اس طرح آمادہ کریں کہ کسی سیاسی مفاد کے آلہ کار نہ بن سکیں۔ والسلام

حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری | اسلام دین فطرت ہے جس کی تکمیل
ناظم مرکزی دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت (ملتان) | فخر موجودات حضرت خاتم الانبیاء
صلی اللہ علیہ وسلم کی تشہیت آوری پر ہو

گئی مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں امت مسلمہ کے لیے اندرونی و بیرونی فتن کی نشاندہی فرمائی

وہاں جھوٹے مدعیان نبوت کے متعلق شرح و بسط کے ساتھ ارشاد فرمایا :

”فتن چاہے کتنے ہی ہمہ گیر ہوں ختم ہونے والی چیز ہیں اور باقی رہنے والا دین فطرت ہی ہے، طوفان چاہے کتنے ہی عظیم ہوں ان کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔

اما الزبد فیذهب جفاءً واما ما ینفع الناس فیمکت فی اکاسر ض۔

فتنہ مرزائیت امت مسلمہ کے لیے فتنہ سودا تھا اور ہے مرزائیت نے دشمن اسلام قوتوں کا آلہ کار بن کر عالم اسلام کے لیے مشکلات پیدا کیں اور اغیار کے لیے خوشی و انبساط کا سامان پیدا کیا۔ ستمبر کے فیصلہ نے اس فتنہ کی عمر توڑ دی۔ لیکن ابھی بہت کام باقی ہے جو تمام مسلمان فرقوں کے اتحاد و اتفاق سے ہی انجام پذیر ہو سکتا ہے۔ مجلس عمل کا قائم رہنا اور اس کی تنظیم کا مضبوط سے مضبوط تر ہونا نہ صرف مرزائیت کے سیاہ فتنہ کی سرکوبی کے لیے ضروری ہے بلکہ وطن عزیز میں اسلامی اقدار کے احیاء کے لیے بھی ناگزیر ہے۔ اگر خدا نخواستہ اراکین مجلس عمل اپنے اپنے فرقوں کی تنگناؤں میں چلے گئے، درخت کی جڑوں کو سیراب کرنے کی بجائے اس کے پتوں پر پانی کے چھڑکاؤ میں مصروف ہو گئے تو نہ صرف ستمبر کا فیصلہ محض کاغذی فیصلہ ہو گا بلکہ دشمن ملک و ملت قوتیں اس انتشار سے فائدہ اٹھا کر تمام یکے کراٹے پر پانی پھیر دیں گی۔ ولا تکتونوا کالتی نقصت غزلہا من بعد قوۃ انکاثا۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام ہی مسلمان فرقوں کے اتحاد اور ترمیم مرزائیت کے لیے ہے۔ مجلس تمام مسلمان فرقوں کے رہنماؤں سے اپیل کرتی ہے کہ ستمبر ۱۹۷۷ء کے فیصلہ کے اجراء کلیدی آسامیوں سے مرزائیوں کی علیحدگی، ربوہ میں عملاً اہل اسلام کی سکونت کے لیے سر جوڑ کر بیٹھیں اور مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کو ایک فعال جماعت کی حیثیت سے زندہ رکھیں۔ (۸ اشوال ۱۳۹۲ھ)

(۱) عام طور پر سب مسلمان اس سے واقف ہیں کہ مرزا غلام احمد نے اپنے اعلان نبوت

یا بالفاظ دیگر اپنے کفر و ارتداد کے بعد ہی انگریزی حکومت سے اپنے اظہار عبودیت کے لیے یہ اعلان بھی کیا تھا کہ میرے مذہب میں جہاد حرام ہے اور اس کے ساتھ ہی اس مرتد اعظم نے یہ بھی اعلان کیا کہ میں خونی نبی نہیں ہوں۔ (آتش بگورش) اس مردود نے ”خونی“ کا لفظ کہہ کر سید البشر خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر انتہائی رکیک اور کمینہ تعریض و تنقید کی ہے اور (معاذ اللہ) آپ کے دین مبارک کو قاتل و سفاک ٹھہرایا ہے، حالانکہ جہاد اسلام کا

پانچواں بنیادی اور ضروری رکن ہے جس کے بغیر اسلام کی حفاظت ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی لیے اس کے بارہ میں ارشادِ عالی ہے کہ ”الجهاد ما ضی الی یوم القیامة“ یعنی جہاد قیامت تک جاری ہے گا (اور کبھی منسوخ یا معطل نہ ہوگا) وہ جانتا تھا کہ انگریز ۱۸۵۷ء کے جہاد میں شدید زک اور جانی و مالی نقصان اٹھانے کے بعد اس سے بچد مرزاں و ترساں ہے۔ اور اسی لیے اس نے تمام اسلحہ ہاتھ لگے بڑے چاقو اور چھری تک پر پابندی لگا دی تھی کہ یہ آلات جہاد ہیں۔ اسی لیے مرزائے مرتد نے انگریز سے اپنی وفاداری اور عبودیت کو خونِ نبی نہ ہونے کی جاہلانہ و کافرانہ نفی سے مستحکم کیا، اس لیے ہر مرزائی قادیانی جو اس کی نبوت پر ایمان رکھتا ہے وہ کبھی بھی بوضاء و رغبت جہاد میں شریک نہیں ہو سکتا اور اگر ریاکاری و فریب دہی کے لیے شریک ہوگا بھی تو اس کے فرائض ادا نہ کرے گا۔ چونکہ ہماری فوج محض مجاہدین کی جماعت ہے اس لیے اس میں سے جلدانہ جلدانہ نہیں خارج کر دیتا چاہیے۔

(۲) مرزائے مرتد نے قرآن مجید میں منجملہ دیگر تحریفات کے یہ تحریف بھی کی تھی کہ میری نبوت کے پیشینگوئی مسیح ابن مریم علیہما السلام سے بھی کرائی گئی تھی جس کا ذکر بحوالہ انجیل قرآن مجید میں اس طرح وارد ہے: ”مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ“ یعنی مسیح ابن مریم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے احمد نام کے ایک رسول کے آنے کی بشارت دینے والا بنایا، مرزا کہتا تھا کہ وہ احمد میں ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسب تصریح قرآن محمد ہیں۔ حالانکہ کوئی پوچھتا کہ تم احمد کب ہو تم تو غلام احمد ہو؟ اور غلام بھی عیار و بے وفا۔ اسی مرزائی خرافات کی بناء پر اس کے متبعین اپنے کو احمدی کہتے ہیں مرزائی یا قادیانی نہیں کہتے، اس لیے ہمیں ان کی مشابہت اور ان کے کفر کی تائید سے بچنے کے لیے انہیں ہرگز احمدی نہیں کہنا چاہیے بلکہ مرزائی یا قادیانی ہی کہنا چاہیے اسکی نظیر قرآن مجید میں بھی ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا“ یعنی اے ایمان والو! تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرنے کے لیے منافقین کی طرح (راعنا نہ کہارو) کو بظاہر یہ کلمہ مراعاة سے مشتق ہونے کی وجہ سے ادب و تعظیم کا کلمہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری بھی رعایت فرمائیے، اور اس ضرورت کے لیے تم ”انْظُرْنَا“ کہارو جس کے معنی ہیں ہم پر بھی نظر فرمائیے۔ منافقین و یہود ”راعنا“ کے کسرہ کو اتنا کھینچتے تھے کہ وہ ”راعنا“ ہو جاتا تھا یعنی اے ہماری بکریوں کے چرواہے۔ نیز اگر وہ کسرہ کو کھینچتے نہ تھے تو اس کو راعن کا منادی بناتے تھے جو رعونت سے مشتق ہے، اور اس کے معنی تکبر اور اور اس کے روحانی مرض میں مبتلا کے ہیں یعنی

اے متکبر و مغرور۔ اور مومنین جب خطاب کے لیے ان کی تقلید میں داعی کہتے تھے تو وہ یہ سمجھ کر بہت خوش ہوتے تھے کہ ہم نے آپ کے جان نثاروں سے بھی آپ کو وہی گالی دلوادی جو ہم دیتے ہیں۔ (۳) اسلام میں دنیاوی کاموں کی سرکاری ملازمت کفار اہل ذمہ کو دینا منع نہیں، ہاں وہ خدمات ان کو نہیں دی جائیں گی جن کا کسی نہ کسی طرح دین سے تعلق ہوگا، چونکہ فوجی نوکری جہاد کی نوکری ہے اس لیے کوئی غیر مسلم اس کا اہل نہیں۔

(۴) ربوہ جو اس وقت خالص کفرستان ہے، اسے بھی عام پاکستانی شہروں کی طرح ہر پاکستانی کے سکونت کے لیے عام ہونا چاہیے بلکہ اسے ان کی (مرزائیوں کی) ملک سے نکال لینا چاہیے۔ پہلی حکومت نے سر ظفر اللہ کے اثر سے یہ پورا خطہ اراضی کوٹریوں کے مول ان کے ہاتھ فروخت کر کے پاکستان میں ایک کفرستان بنوایا تھا۔ اس لیے یا تو اس خطہ کی سابقہ قیمت ان کو واپس کر کے اس پر قبضہ کر کے اسے پھر پاکستان میں شامل کر لینا چاہیے یا اسی طرح بلا قیمت لے لینا چاہیے جس طرح زمینداروں اور جاگیرداروں کی زائد زمینیں اور کارخانے مفت لے لیے گئے حالانکہ اسلام میں کسی کے سرمایہ یا جائیداد کی کوئی پابندی نہیں۔ چنانچہ خود خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود میں حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کمر وڑتی تھے اور بعض صحابہ اتنے مفلس تھے کہ انہیں جو کی روٹی کی بھی وسعت نہ تھی اور وہ کھجور کے باغوں کی گری ہوئی کچی سیلی کھجوروں پر گذر بسر کرتے تھے۔ ایسے ہی ایک مفلس و فقیر صحابیؓ کی ایک صاحب وسعت صحابیؓ نے کچھ خدمت کرنا چاہی تو انہوں نے قبول نہیں کیا اور کہا کہ تم میری جنت کی نعمتیں کم کرنا چاہتے ہو۔ جب کسی کے مقدار سرمایہ و جائیداد پر اسلام نے کوئی پابندی نہیں لگائی بشرطیکہ وہ شرعی اور جائز طریقے سے حاصل کی جائے تو اسلام کی دعویدار حکومت کو بھی اس پر پابندی نہیں لگانی چاہیے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا مَا آتَاكُمُ اللَّهُ لَكُمْ**۔ اے ایمان والو! ان چیزوں کو حرام نہ کر جنہیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔

وما علینا الذالبلاغ۔ والسلام علی من اتبع الهدی، واللہ المستعان۔

مکرمی و محترمی جناب مولانا سمیع الحق صاحب! (لاہور) **جناب محترم زبید اے سکھری صاحب** السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

معاف فرمائیے، جواب میں تاخیر ہو گئی، آپ کا رسالہ بہت شوق سے پڑھتا ہوں اور اسے علم کا خزانہ سمجھتا ہوں۔ میری شعوری زندگی اسی تمنا میں گذری کہ قادیانی مسئلے کے بارے میں مسلمان

اپنی جنگیں ذمہ داری سے اُہدہ برآ ہوں۔ دراصل قادیانی ازم انگریزوں کی سنگینوں کی حفاظت میں پروان چڑھا کسی آزاد مسلم معاشرے میں اس کا پینپنا ناممکن تھا، اس کا مقصد اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرنا تھا، اور مغرب میں اس مذہب مقصد کے حصول کا ایک ہی ذریعہ قرار دیا گیا ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو گھٹایا جائے۔ چنانچہ وہاں صدیوں جتنا پراپیگنڈا اسلام کے خلاف ہوا ہے اس میں اسلامی عقائد کو اس قدر ہدف تنقید نہیں بنایا گیا جتنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو۔ مغربیوں نے اس بات کا صحیح اندازہ کر لیا کہ امت مسلمہ کا محور رسالت ہے اگر مسلمانوں میں اس کا مرتبہ (نعوذ باللہ) گرا دیا جائے یا یورپیٹوں کی نظروں میں اسے بڑھنے نہ دیا جائے تو اسلام سے ٹکھا سکتا ہے۔ مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت کا قوی مقصد تو ہندوستان میں وفادار مسلمانوں کا ایک ٹولہ پیدا کرنا تھا لیکن اس کا اصل مقصد ایسے اسلام کو ترویج دینا تھا جس کا دار و مدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر نہ رہے اور جس میں حسب منشاء ہر قسم کا عقیدہ شامل کیا جاسکے۔ چنانچہ قادیانی ازم ہر غیر مسلم بلکہ اسلام دشمن حکومت کو بھی قبول ہوگا۔ جب تک انگریز کارج رہا قادیانی مسئلے کا مؤثر حل مسلمانوں کی دسترس سے باہر تھا۔ انگریزوں نے سکھوں کو تو بغیر مطالبے کے ہندوؤں سے الگ اقلیت قرار دیدیا لیکن قادیانیوں کے بارے میں علامہ اقبالؒ کے مطالبے کو درخور اعتنا نہ سمجھا لیکن آزادی اور تخلیق پاکستان کے بعد اس صورتحال کا کوئی حوالہ نہ رہا تھا کہ قادیانی بدستور مسلمانوں کے ایک جزو الایفک کے درجے پر متمکن رہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

اب زندگی میں ایک پاکیزگی محسوس ہوتی ہے اور درود شریف پڑھنے سے ایک گونا گونا طمانیت قلب حاصل ہوتا ہے۔

ذیلی مسائل کئی باقی ہیں، لیکن میرے خیال میں سب سے اہم مسئلہ بیرون ملک تبلیغ اسلام کا ہے مجھے یقین ہے کہ پاکستان کی پارلیمنٹ کے فیصلے کا پوری دنیا پر اثر ہوگا اور اسلام کے طالب تعلیم کی طرف رجوع کریں گے۔ لیکن پھر بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم اس میدان کو قادیانیوں کیلئے کھلانا چھوڑیں یورپ و افریقہ میں ان لوگوں نے کافی پاؤں جمائے ہوئے ہیں اور خلا میں ان کے جماعتی نظم و نسق کا کارگر ہونا دور از قیاس نہیں۔ اگر کوئی غیر مسلم اسلام کی تلاش میں ہو تو قادیانی مبلغ محض اپنے مشن کی موجودگی کی وجہ سے قائدہ اٹھا سکتا ہے، خاص طور پر جب وہ خارجہ ممالک میں اسلام کو اس طرح پیش کرتے ہیں جیسے مرزا قادیانی کی ”نبوت“ کا اس سے کوئی تعلق نہ ہو اس سے ان کی غرض اپنی جماعت

کو مضبوط کرنا ہوتا ہے، لیکن جب آدمی ایک دفعہ ان کے سلسلے کے جال میں پھنس جاتا ہے تو وہ آہستہ آہستہ اپنی کم علمی اور کم فہمی کی بناء پر ان کا ہم خیال ہو جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ممالک غیر میں تبلیغ کی اشد ضرورت ہے، خصوصاً آج کل جبکہ مغربی افکار کے زوال اور روسی کمیونسٹ اقدار کے عملی انسانیت کش نتائج اظہار من الشمس ہونے کے بعد عالمی فضاء اسلام کے نفوذ کے لیے تیار ہو رہی ہے، اور دنیا میں مسلمانوں کے لیے اعزاز حاصل کرنے کے لیے اس کے سوا اور سبیل بھی کیا ہے کہ وہ اسے اسلام کا تحفہ پیش کریں؟

میں اس کام تبلیغ کو اتنا اہم جانتا ہوں کہ میری تجویز تو یہ ہے کہ مسلم ممالک تبلیغ اسلام کو اپنی خارجہ حکمت عملی کا ایک جزو قرار دیں اور اجتماعی طور پر اس فریضے کی ادائیگی میں حصہ لیں۔ یاد رکھئے کہ کمیونزم کی کامیابی کا راستہ کمیونسٹ پراپیگنڈے نے ہموار کیا تھا۔ اذہان اور قلوب پر غلبہ و حلقہ کا سب سے بڑا محاذ اور جہاد ہے، اگر مسلمان اسلام کی فکری افضلیت واضح کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو دنیا کی نعمتوں اور طاقتوں کے ماخذ خود بخود ان کے تصرف میں آجائیں گے۔

(۶۔ نومبر ۱۹۷۲ء)



مطالبہ اقلیت کا ایک سرسری جائزہ

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

پاکستان کے نئے دستور میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت خاتم النبیین بطور آخری نبی کے ایک حقیقت تسلیم کر لی گئی ہے۔ اس دستور کی تکمیل کے تین ہفتے بعد کشمیر کی وادیوں سے ایک روح پرور آواز اٹھی اور سارے فضائے بسیط میں پھیل گئی۔ پاکستان کی سرزمین اس آوازہ حق سے گونج اٹھی، باطل کے درو دیوار لرز اٹھے، کفر تھرا گیا اور جعلی نبوت کے ظلمتکدوں کی تاریکی اور بڑھ گئی۔ یہ آزاد کشمیر اسمبلی کی ایمان میں ڈوبی ہوئی آواز تھی۔ یہ حرارت ایمانی اور حمیت ناموس رسالت کی ترجمانی کرنے والا فیصلہ تھا جس میں تادیابیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا اعلان حق کیا گیا تھا۔ اس خبر کے پھیلنے ہی اسلامیان پاکستان میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اس جرات مندانہ اور مومنانہ فیصلہ پر آزاد کشمیر اسمبلی اور صدر آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان کو بے پناہ خراج تحسین پیش کیا گیا کہ ایسا کرنا ایمان کا تقاضا تھا۔ مگر جن کے دل اس روشنی سے محروم تھے اور جن کا باطن ناموس رسالت پر مرٹنے کے جذبات سے عاری تھا اور جو آنکھوں کے نہیں مگر دلوں کے اندھے تھے۔ ان کے خرمین دجل و تلبیس پر یہ قرار داد ایک صاعقہ بن کر گری۔ ان کی سازشوں کا سلسلہ تیز سے تیز تر اور گہرا ہوتا چلا گیا۔ آزاد کشمیر کی حکومت اس ”جرم“ کی پاداش میں معزول کی جا چکی ہوتی اگر ملت مسلمہ کا جذبہ فدائیت اور ناموس رسالت پر مرٹنے والے عزائم اس منصوبے کے آڑے نہ آتے۔

جن لوگوں کو یہ فیصلہ ناگوار گزرا ہے ان کی حقیقت سردار عبدالقیوم خان ہی کے ان الفاظ سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ جو ان دنوں نے مرکزی وزیر داخلہ خان عبدالقیوم خان کے

نام ایک تفصیلی مکتوب میں لکھے اور کہا کہ ”در اصل بات میرے خلاف الزامات کی نہیں بلکہ آپ حضرات کو تکلیف اس امر کی ہے کہ میں یہاں آزاد کشمیر میں اسلامی قوانین کا نفاذ تیزی سے کیوں کر رہا ہوں۔ اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی توفیق کا مجھ سے مطالبہ ہو رہا ہے۔ غالباً قادیانیوں کی بھی آپ کو اتنی پریشانی نہیں جتنی اسلامی نظام کے نفاذ کی ہے۔“

بہر حال یہ مسئلہ صرف آزاد کشمیر کا نہیں صرف برصغیر کا نہیں نہ صرف عالم اسلام کا ہے، بلکہ روٹے زمین پر بسنے والے محمد عربیؐ کے ہر نام لیوا امتی اور دربار رسالتؐ کی چوکھٹ سے نسبت رکھنے والے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ غلام کا ہے ”قادیانی مسلم نزع“ جتنا بھی وقتی طور پر دبا دیا جائے گا۔ اتنا ہی شدت سے یہ امت کے اساسی تصور ایمان اور تصور رسالت کی وجہ سے مسلمانوں کو دعوتِ فکر و عمل دیتا رہے گا۔ اسلام کے قطعی معتقدات قرآن و سنت کی متواتر تعلیمات، نبی کریمؐ سے عشق و محبت، رسولِ عربیؐ سے نسبتِ غلامی، اسلاف کے اجماعی فیصلے اور ملی اتحاد و یکجہتی کی حفاظت اور اس طرح کے ہزاروں ملی، دینی، سیاسی اور معاشرتی تقاضے ہمیں مجبور کریں گے کہ ہم ایک بار اٹھ کر اس ”نبوتِ کاذیب“ کے سارے نشانات ایک ایک کر کے مٹا دیں۔ اسلامی لبادہ اوڑھ کر دنیا میں پھیلنے والے اس دجالی کفر کو جب تک پوری طرح ٹھکانے نہ لگایا جائے گا قادیانیت پوری امت کے لئے ایک چیلنج بنی رہے گی، اور محمد عربیؐ کی پوری امت اپنے محبوب پیغمبر کے سامنے سر خم و نہیں ہو سکے گی۔ قرآن ہمیں ایسے معاملات میں دقاتلوہم حتیٰ لا تكون فتنۃ ویکون الدین کلمۃ للہ کا حکم دیتا ہے۔ جو لوگ اس بارہ میں رواداری اور وسیع النظری کا مطالبہ کرتے ہیں اور جو ایسی باتوں کو تنگ نظری اور فرقہ واریت سمجھتے ہیں وہ ایمان کی حقیقت سے کوسوں دور ہیں اور ہزار بار دعویٰ ایمان و اسلام کے باوجود خدا کی نگاہ میں ان کی وقعت سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل وحشی کے پیشاب کے قطرے کے

برا بڑھی نہیں جس نے نبی کریم کی دلازاری کا کفارہ اپنے وقت کے جھوٹے مدعی نبوت مسیلہ کذاب کو تہ تیغ کرنے کی شکل میں دیا اور جب تک اس ملعون کو جہنم رسید نہ کیا اس وقت تک خدا کی رحمت و مغفرت کے امیدوار نہ بن سکے۔

— تعجب ہے کہ بعض لوگ قادیانیوں کے بارہ میں مسلمانوں کے مطالبہ اقلیت پر بھی چین بھین ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہاں مسئلہ کفر و اسلام کا نہیں اسلام اور ارتداد کا تھا اور پوری اسلامی تاریخ میں ایسے لوگوں کی سزا قتل سے کم ہرگز نہ تھی اسے مسلمانوں کی رواداری کہئے یا مجبوریاں کہ وہ قادیانیوں کے بارہ میں انہیں اقلیت قرار دینے کا کم تر درجہ مطالبہ کرتے ہیں۔

تو آئیے! ہم اس اقلیت کے مطالبہ کا ایک سرسری جائزہ لیں۔ جہاں تک اقلیت کا مسئلہ ہے۔

دین و دنیا کے ہر شعبے میں علیحدہ امت ہونے کا اعلان | قادیانیوں کا بحیثیت ایک

ایک الگ اور متوازی امت ہونے کے یہ نہ صرف ایک بدیہی حقیقت ہے بلکہ خود مرزا ائیت اپنی تمام تر تعلیمات و اعمال میں نہ صرف ایک متوازی امت ہونے کا اعتراف کرتی ہے بلکہ اپنے پیروؤں کو عبادات، معاملات، معاشرت دین و دنیا ہر شعبہ زندگی میں اس علیحدہ جداگانہ تشخص کی تلقین و تاکید کرتی چلی آرہی ہے۔ اور اس دائرہ سے باہر تمام غیر مرزائی مسلمانوں کو ایک علیحدہ امت اور الگ گروہ کہنے اور سمجھنے کے ہزاروں شواہد ہمارے پاس موجود ہیں۔ مرزا غلام احمد نے کہا ہے کہ ”ہر وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی اور اس نے مجھے قبول نہ کیا، وہ مسلمان نہیں ہے“ (تشحیذ الافہان جلد ۶ ص ۱۳۵) اور کہا کہ میری بیعت میں توقف کرنے والا بھی کافر ہے (قادیانی قول و فعل ایسا برنی ص ۱۷۱)

ان کے خلیفہ نے ایک قدم آگے بڑھ کر یہاں تک اعلان کیا کہ — مرزا کی دعوت قبول نہ کرنے والے خواہ انہوں نے مرزا کا نام تک بھی نہ سنا ہو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں (ص ۱۷۱) ان کا انکار موجب غضب الہی اور کفر ہے (ص ۱۷۱) ایسے لوگ خدا و رسول کے نافرمان اور جہنمی ہیں (ص ۱۷۱) اپنے نہ ملنے والوں کو مرزا کیسے پاکیزہ، القاب سے نواز کر کہتا ہے: کل مؤمن یتقبلنی الاذریۃ البغایا — میرے مخالف جنگلوں کے سڑ ہو گئے ان کی عورتیں گتبیوں سے بڑھ گئیں (نجم الہدی ص ۵۳) ہماری فتح کا قائل نہ ہونے والا ولد الزنا ہے، حلال زادہ نہیں —

مرزا کے خلیفہ اور فرزند محمود احمد نے قادیانیت کے نمائندہ کی حیثیت سے گورداسپور کی عدالت میں کہا: کسی ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے (اس لئے) غیر احمدی کافر ہیں (الفضل ۲۶ جون ۱۹۲۲) قادیانیت کے عالمی ترجمان ظفر اللہ خان کا محمد علی جناح صاحب کے نماز جنازہ کا انکار کس کو معلوم نہیں۔ اور جب پوچھا گیا تو ظفر اللہ نے کہا کہ مجھے کافر حکومت کا مسلمان ملازم سمجھئے یا مسلمان حکومت کا کافر ملازم — مسٹر جناح سے بہت پہلے اسی ظفر اللہ نے اپنے ایک اور محسن بر فضل حسین کے جنازہ سے بھی یہی سلوک کیا اور وہ دور ہندو سکھوں کے ساتھ الگ کھڑے رہے (قادیانی قول و فعل ص ۲۳) یہی نہیں بلکہ جب بھی مرزائیوں کے موقف کی ترجمانی کی ضرورت ہوئی، ظفر اللہ نے عدالت میں بھی اس موقف کی تائید کی کہ وہ غیر احمدیوں کو کافر کہتے ہیں۔ (ص ۱۹)

ابھی پچھلے سال ایم ایم احمد نے اپنے اوپر قاتلانہ حملہ کے مقدمہ میں مرزائیوں کے اسی موقف کو بڑی ڈھٹائی سے دہرایا اور جنازہ کے مسئلہ میں ظفر اللہ کے موقف کی بھی تصویب کی — مسلمانوں کے بارہ میں مرزائیوں کا یہ موقف اتنا کھلا اور واضح ہے کہ ۱۹۵۳ء کی منیر انکوائری نے بھی ہزار بددیانتی اور جانبدارانہ رویہ کے باوجود اپنی رپورٹ میں لکھا ہے

کہ۔ ہم نے اس بارہ میں احمدیوں کے بے شمار اعلانات دیکھے ہیں اور ہمارے لئے اس کی کوئی تعبیر سوائے اس کے ممکن نہیں کہ مرزا کے نہ ماننے والے ان کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہیں (رپورٹ ص ۲۱۲)

یہ تو مسلمانوں کے بارہ میں ان کا اصولی طرز عمل ہوا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے ایک الگ اور جدا گانہ امت سمجھنے لگے آگے اس اصولی موقف کو قائم رکھنے کے لئے دین و دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس میں مرزائیوں نے مسلمانوں سے الگ تشخص قائم رکھنے کی تلقین نہ کی ہو۔

عبادات کہا گیا کہ مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت ممنوع ہے اس لئے کہ کفار کو دعائے مغفرت جائز نہیں (قادیانی قول و فعل ص ۲۲) غیر احمدی کا جنازہ ہرگز

جائز نہیں (ص ۲۳) ایسے لوگوں کے معصوم بچوں کا جنازہ بھی جائز نہیں (ص ۲۹) مرزا نے اپنے ایک بیٹے کا محض اس لئے جنازہ نہ پڑھا کہ وہ غیر احمدی (مسلمان) تھا (ص ۲۳) کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنا تو کیا کسی احمدی نے ایسا کیا تو اس کا جنازہ بھی جائز نہیں۔ (ص ۲۴)

معاشرتی معاملات یہ تو عبادات کا حکم تھا، معاشرتی معاملات کو دیکھئے، مرزا کا قطعی حکم ہے کہ کوئی احمدی، کسی غیر احمدی کو لڑکی نہ دے (ص ۲۴)

البتہ ان کی لڑکیوں کو بیاہ سکتا ہے جس طرح یہودی اور عیسائی لڑکی کو (ص ۲۵) خود حلیفہ مرزا کے الفاظ میں — دینی تعلیمات نماز وغیرہ دنیوی تعلقات رشتہ ناطہ وغیرہ کے بعد ابہ کیا گیا ہے کہ ہمارے لئے ان کے ساتھ قائم رکھنا جائز ہو۔ سلام کہنا بھی جائز نہیں (مجموعہ کلمات افضل) مرزا ساری عمر نہ غیر احمدیوں کی کسی انجمن کے نمبر ہوئے نہ ان کو اپنا ممبر بنایا نہ ان کو چنیدہ دیا (ص ۲۸) مرزائیوں سے اختلاف کو فروعی اور جزئی قرار دینے والے بے حمیت ”مسلمانوں“ کے منہ پر

خود مرزائیوں نے اپنا غلیظ مقلد اس طرح مارا ہے کہ وہ برملا کہتے ہیں ”یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح یا اور چند مسائل میں ہے۔ اللہ کی ذات، رسول کریم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، غرض کہ آپ کے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک جز میں ہمیں ان سے اختلاف ہے۔“ (خطبہ مرزا بشیر الدین - الفضل ۳ جولائی ۱۹۳۱ء)

اسلامی اصطلاحات اور شعائر کا استعمال | مرزائی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر مرزا نے خود اس دعوے کی

قلعی اس طرح کھول دی ہے کہ ان (مسلمانوں) کا اسلام اور ہے اور ہمارا اور ہے۔
دایضاً ۱۴ دسمبر ۱۹۱۲ء

مسلمانوں سے دین اور معاشرت ہر لحاظ سے علیحدگی کی تلقین کے بعد اپنی جداگانہ تشخص کن کن طریقوں سے بحیثیت ایک الگ امت کے قائم کی گئی اس کی تفصیل دیکھئے۔

۱۔ اپنے پیروؤں کو ”میری امت“ سے تعبیر کیا گیا۔ ۲۔ رفقاء کو صحابہ کرام کا نام دیا۔ ۳۔ بیویوں کو امہات المومنین اور سیدۃ النساء کی اصطلاح سے نوازا۔ ۴۔ مرزا کے مدفن کو گنبد خضراء کے مماثل ٹھہرایا۔ ۵۔ قادیان کو مکہ اور مدینہ کے برابر ٹھہرایا۔ ۶۔ قادیان کے سفر کو ظلی حج کا لقب دیا۔ ۷۔ سنہ ہجری کے علاوہ نئی تقویم کی بنیاد ڈالی۔ الغرض کسی دین اور امت کے لوازمات اور مناسبات کو ایک ایک کر کے اختیار کرنے کی سعی کی گئی، اپنے مقابل امتِ محمدیہ کو سیاسی سطح پر جس طرح برصغیر اور پوری دنیا میں مٹانے کی کوششیں کی گئیں اور کی جا رہی ہیں وہ آج کی فرصت کا موضوع نہیں یکبھی آئندہ اس پر مفصل گفتگو ہوگی انشاء اللہ۔ اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے جب بھی مسلمانوں کی طرف سے آواز اٹھی کہ انہیں اقلیت قرار دیا جائے تو سارے مسلمانوں کو کافرا و جہنمی کہنے والوں کی ”رگِ سلامیت“

پھڑک اٹھتی ہے اور دادیلا چمچ جاتا ہے کہ اس طرح وہ اسلامی لبادہ میں مارا آستین بن کر مسلمانوں کے اندر رہتے ہوئے سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور سماجی مفادات سے محروم ہو جائیں گے اور بدقسمتی سے اس انگریز کی پیدا کردہ ”امت“ کو انگریز ہی کی دیسی ذریت کی شکل میں سرپرست بھی مل جاتے ہیں۔

مسلمان اور کلمہ گو ہونے کی حقیقت | اب کے مرزائیوں نے جو نیا سلسلہ شروع کیا ہے وہ اپنے ایمان اور اسلام

اور مسلمان ہونے کا پرو پکینڈہ ہے۔ گھر گھر ایسے پمفلٹ اور رسائل پہنچائے جا رہے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ غیر احمدیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں، حضور کو خاتم النبیین جانتے ہیں، کلمہ گو ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ اس طرح بہت سی باتوں کے ذریعہ سادہ لوح مسلمانوں کو فریب دہی کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہاں ہم ایسے دعووں کا بھی سرسری جائزہ فروری سمجھتے ہیں۔

۱:- وہ حضور کو ہزار بار خاتم النبیین کہیں مگر اس سے ان کی مراد امت کا متفقہ مفہوم آخری نبی نہیں ہوتا بلکہ ایسا نبی جس کی مہر (خاتم) امت کو نبی بنا دے مرزا محمود احمد دوسرے خلیفہ نے عدالت میں بیان دیا کہ لغت میں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کسی جگہ نہیں لکھے۔ (عدالت گورداسپور میں بیان شائع کردہ انجمن احمدیہ لاہور ص ۲۱)

۲:- مرزا کی اکثر ایسی عبارتیں ان کتابچوں میں پیش کی جا رہی ہیں جو اس کے دعویٰ نبوت ۱۹۰۱ء سے قبل لکھی گئی ہیں۔ جبکہ اس زمانہ میں خود مرزا نبوت کے دعویداروں کو کاذب، کافر، بد بخت، دشمن قرآن، بے شرم اور کیا کیا کچھ قرار دیتے تھے۔ (ملاحظہ ہو آسمانی فیصلہ ص ۲۵ تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۲۳ وغیرہ) مگر حیب ”نبوت“ کا دورہ پڑ گیا تو نہ صرف نبی بلکہ حقیقی نبی (حقیقت النبوة ص ۱۴۲) رسول (دافع البلاء ص ۱۱-۱۲)

مہدی اور محمد (الفصل ۲۶ جنوری ۱۹۱۶ء) تمام انبیاء سے افضل (در ثمین) بن گئے۔

۳:- مرزائی اپنے آپ کو کلمہ گو کہتے ہیں کہ ہمارا کلمہ شہادت ایک ہی ہے۔ اس کی حقیقت بھی سنئے۔ مرزائیوں کے نزدیک اس کلمہ سے مراد مرزا کی نبوت کی تصدیق اور مرزا کی ذات ہوتی ہے وہ اگر کلمہ گو ہیں تو مرزا ہی کے نہ کہ محمد عربی علیہ السلام کے۔ اس لئے کہ مرزا کہتا ہے کہ ”محمد الرسول اللہ سے مراد میں ہوں اور محمد الرسول اللہ خدا نے مجھے کہا ہے (الفصل ۱۵ جولائی ۱۹۱۵ء) احمد سے مراد مرزا ہیں۔ (الفصل ۱۹ اگست ۱۹۱۸ء) قرآن میں آپ ہی کی بشارت کا ذکر ہے — اب دھاکم بدہن (محمد الرسول اللہ کو بھی مرزا کے اتباع کے بغیر چارہ نہ تھا۔ (پیغام سلح جلد ۱ ص ۲۷) اس وحی اللہ میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے اور رسول بھی۔ (تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۱۲) اس لئے مرزائیوں نے خود تسلیم کیا ہے کہ ہمیں نئے کلمے کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ مسیح موعود رسول کریم سے الگ کوئی چیز نہیں وہ (مرزا) خود محمد رسول اللہ ہے۔ اس لئے ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت نہیں اگر محمد رسول اللہ کی جگہ اور آنا تو ضرورت ہوتی۔ (کلمۃ الفصل رسالہ ریویو آف ریلیجنز جلد ۴ ص ۱۵۸)

۴:- وہ اپنی موجودہ تحریرات میں مسلمانوں کو مسلمان کہتے ہیں جبکہ مذکورہ بالا حوالوں سے آپ کو اس کے خلاف معلوم ہو چکا تو لیجئے اس تقبیہ اور دجل و تبلیس کی حقیقت بھی خود مرزائیوں سے سنئے۔ مرزا بشیر الدین محمود نے خود یہ الجھن دور کر دی ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان سے موسوم کرتے ہیں تو محض اس لئے کہ وہ مسلمان کے نام سے پکارے جاتے ہیں اس لفظ کے بغیر پتہ نہیں چل سکتا مگر

خدا کے نزدیک مسلمان نہیں، انہیں نئے سرے سے مسلمان کرنا ہوگا۔
(مرزا بشیر احمد ص ۲۱)

۵۔ وہ اگر کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو مرزا کی اصطلاح میں ”ان کا مسلمانوں کا اسلام اور ہے اور ہمارا اور“

۶۔ امتیں انبیاء سے بنتی ہیں | اگر ایک شخص ہزار بار کلمہ گو کہلائے کلمہ ہدایت کو شبانہ روز درو بنائے مگر دین کے کسی

قطعی عقیدہ یا ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا منکر ہو تو تمام امت کے نزدیک بالاجمل کافر ہو جاتا ہے۔ یہی طرز عمل مرزا محمود احمد نے غیر تادیبانی یعنی مسلمانوں کے بارہ میں اختیار کیا ان سے پوچھا گیا کہ کیا یہ لوگ کلمہ گو نہیں کہ آپ انہیں کافر کہتے ہیں، مرزا نے جواب دیا۔ بے شک وہ کلمہ گو ہیں مگر مسلم کے لئے تو عہد تمام انبیاء، ملائکہ، کتب سماوی پر ایمان لانا ضروری ہے اور جو ان میں سے ایک کا منکر ہو جائے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح غیر احمدی مرزا کی نبوت سے منکر ہو کر کفار میں شامل ہوئے (الفضل جلد ۲ جون ۱۹۲۳ء) خود مرزا نے ایک دفعہ کھل کر جواب دیا کہ صوم و صلوات کا پابند شخص بھی اگر کسی ایک حکم کو نہ مانے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اگر زنا یا پھوری کو جائز کہہ دے تو کافر ہو جاتا ہے۔ (البدر ۲۶ جون ۱۹۱۳ء)

پس ٹھیک یہی موقف مسلمانوں کا مرزائیوں کے بارہ میں ہے اگر کوئی شخص اسلام قرآن حدیث ارکان اسلام، شعائر اسلام نبی کریم کی مدح و توصیف سے دفتز کے دفتز بھردے مگر وہ حضور خاتم النبیین کے بعد کسی بھی شخص کو کسی قسم کا نبی تسلیم کرتا ہے بلکہ اسے کافر اور ملعون نہیں سمجھتا تو وہ اسلام کے قطعی فیصلہ کی رو سے کافر اور بدتر ہوگا۔ اس لئے کہ

امیتیں انبیاء سے بنتی ہیں۔ عیسائی حضرت موسیٰؑ کی نبوت تورات اور تمام احکام کو تسلیم کرتے ہوئے یہودیوں کے نزدیک اس لئے نئی امت ٹھہرے کہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت تسلیم کر لی۔ مسلمان حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ ان کی کتابوں ان کے دین اور ان کی سچی تعلیمات کی ہزار دل و جان سے تصدیق کرتے ہیں۔ مگر وہ عیسائی اور یہودی نہیں بلکہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہلاکتے ہیں کہ وہ حضورؐ کی نبوت پر ایمان لائے جنہوں نے تسلیم نہ کیا وہ عیسائی اور یہودی رہے اس طرح مرزائی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی تمام تعلیمات کو تسلیم کرتے ہوئے بھی مرزا غلام احمد سے ادنیٰ رابطہ اور تعلق قائم رکھنے پر بھی اسلامی اور محمدی امت ہی سے خود بخود نکل جاتے ہیں۔

”پس اگر آج یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ انہیں مسلمانوں سے ایک انگ اور جداگانہ اقلیت قرار دے دیا جائے تو یہ دونوں جماعتوں (مسلمانوں اور مرزائیوں) کے معتقدات کا لازمی نتیجہ ہے۔ مگر مرزائی مسلمانوں کے اندر رہ کر سیاسی، معاشی اور معاشرتی مفادات کی خاطر نفاق کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں کہ اس طرح دینی پردے میں وہ ملت مسلمہ کے اتحاد پر ضرب کاری بھی لگا سکیں گے اور مفادات بھی حاصل ہوتے رہیں گے۔“

مگر حالات جو بھی ہوں پورے پاکستان اور پورے عالم اسلام کے ندایان محمد عربی اور پوری امت اسلامی کا یہی مطالبہ رہے گا، جسے آج سے کافی عرصہ قبل مفکر اسلام علامہ اقبالؒ نے انگریزی حکومت کو خطاب کرتے ہوئے ان الفاظ میں پیش کیا تھا کہ :-

”ہمیں قادیانیوں کی حکمت عملی اور دنیاۓ اسلام سے متعلق ان کے رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ جب قادیانی مذہبی اور

معاشرتی معاملات میں علیحدگی کی پالیسی اختیار کرتے ہیں۔ تو پھر سیاسی طور پر مسلمانوں میں شامل ہونے کے لئے کیوں مضطرب ہیں؟ ملت اسلامیہ کو اس مطالبے کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے۔ اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے۔ کیونکہ ابھی قادیانی اس قابل نہیں کہ چوتھی جماعت کی حیثیت سے برائے نام اکثریت کو ضرب پہنچا سکیں۔

(اسٹیمین کے نام خط ۱۰ جون ۱۹۳۵ء)

علامہ اقبالؒ نے حکومت وقت کے طرز عمل کو بھنھوڑتے ہوئے مزید فرمایا:-

”اگر حکومت کے لئے یہ گروہ مفید ہے، تو وہ اس کی خدمات کا صلہ دینے کی پوری طرح مجاز ہے۔ لیکن اس ملت کے لئے اسے نظر انداز کرنا مشکل ہے جس کا اجتماعی وجود اس کے باعث خطرہ میں ہے۔“

الغرض آج بھی مسلمانوں کا یہی مطالبہ ہے کہ مرزا قادیان کے جملہ تبعین کو ہندو، سکھ عیسائیوں کی طرح غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ انہیں تمام کلیدی مناصب سے ہٹا دیا جائے ان کی تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے اور حضور علیہ السلام کے بعد کسی نوع کا دعویٰ نبوت اور کسی ایسے مدعی کی تصدیق و تائید کی سزا مرتد کی سزا سے ہرگز کم نہ ہو۔ (ج ۸ ش ۹ جمادی الاول ۱۳۹۳ھ جون ۱۹۷۳ء)



قادیانیت اور مکہ معظمہ کی اجماعی قرارداد

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب

قادیانیت کے بارہ میں حال ہی میں مکہ معظمہ سے عالمی اسلامی تنظیموں کی متفقہ قرارداد کی شکل میں جو آواز اٹھی ہے۔ وہ قادیانیت کے بارہ میں گویا پورے عالم اسلام کے متفقہ اور تازہ اجماع کی حیثیت رکھتی ہے۔ مآخذ شریعت قرآن و سنت اور اجماع امت کی رد سے کبھی بھی قادیانیوں کا فرزند اور خارج از اسلام ہونا کوئی تنازعہ بات نہیں رہی اور اس اجماع کا ظہور متفقہ اراحد سے ہوتا ہے مگر حال ہی میں ۴۴ ربیع الاول سے لے کر ۵ رجب تک مسلسل جاری رہنے والی تمام دنیا کی اسلامی تنظیموں کی کانفرنس کی متفقہ قرارداد سے اس فرقہ جیشہ کے بارہ میں گویا پورے عالم اسلام کی اجتماعی طور پر بھی اجماع کی ایک صورت ظاہر ہو گئی۔

اس کانفرنس کی یہ قرارداد دولتِ مسلمہ کے لئے جتنی اہم ہے بدقسمتی سے حاسن حالات کی وجہ سے ہمارے ملک میں اسے اتنا ہی نظر انداز کیا گیا تا کہ کعبۃ اللہ کی چوکھٹ سے وابستہ اسلامیانِ پاکستان اس خبر سے باخبر نہ ہو سکیں۔ ہمیں سعودی عرب کے پریس سے اس قرارداد اور کانفرنس کی تفصیلات کا علم ہوا، ہم اس قرارداد کا اصل متن اور اس کا ترجمہ شائع کرتے ہوئے حکومتِ پاکستان اور عالم اسلام کے مسلمانوں اور حکومتوں سے گزارش کرتے ہیں کہ اس قرارداد کے مندرجہ است پر لبیک کہتے ہوئے ملتِ مسلمہ کو اور عالم اسلام کو فرقہ جیشہ مرزائیت اور اس کی سازشوں سے بچانے کی اجتماعی تدابیر اختیار کی جائیں یہ آواز صفا کی چوٹیوں سے بلند ہوئی۔ اور ہم اس کے ایک ایک حرف سے متفق ہی نہیں بلکہ اسے اپنے دلوں کی دھڑکن سمجھتے ہیں۔ اور ناموسِ ختم نبوت کے پاس بان تمام مندوبین

رابطہ عالم اسلام، شہر کار کانفرنس کو اور بالخصوص خادم الحرمین الشریفین ملک فیصل کو نہایت خلوص سے نراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

ربیع الاول ۱۴۲۸ھ بمطابق ۸ اپریل ۱۹۶۴ء کی شام کو مکہ مکرمہ کی مقدس فضاؤں اور بیت اللہ الحرام کے سایہ میں دنیا بھر کے ایک سو چوبیس علمی اور اسلامی تنظیموں کی کانفرنس شروع ہوئی۔ یہ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک مسلمانوں کا ایک نمائندہ اجتماع تھا جس میں اسلامی جماعتوں اور تنظیموں کے سربراہوں، نمائندوں، علم و فضل کے لحاظ سے دنیا کے اسلام کے مشاہیر علماء، ادياء، صحافی اور اہل قلم وادب باب فکر نے متفقہ طور پر عالم اسلام کے دیگر مسائل کے علاوہ علمی اور دینی لحاظ سے الحاد و ارتداد کی تحریکوں اور فتنوں کو بھی موضوع بحث بنایا۔ قادیانیت، صیہونیت، بہائیت، فری بیسی اور اس کی ملحقہ تنظیمیں، عیسائی مشنریاں، کمیونزم، دہریت، مغریت، اور الحاد وغیرہ کے انسداد پر غور ہوا۔ ان غیر اسلامی اور باطل فتنوں میں سرفہرست قادیانیت کا مسئلہ تھا، جو اب کچھ اللہ عربوں کے لئے بھی لمحہ فکر بننا جا رہا ہے اور سعودی عرب کے شاہ فیصل اور رابطہ عالم اسلامی کے مساعی اس سلسلہ میں خاص طور سے قابل تحسین ہیں۔

باطل مذاہب کے بارہ میں قراردادیں مرتب کرنے والی کمیٹی کے چیرمین علامہ محمود نے قرارداد پیش کرنے سے قبل قادیانی فتنہ کا منسل تعارف کرایا۔ اس کے تائیس کے سامراجی محرکات اور غیر اسلامی افکار و آراء اور عالم اسلام اور ملت مسلمہ کے خلاف مرزائیوں کے سیاسی کردار، سازشوں اور منصوبوں کو طشت ازبام کیا۔ قادیانی ازم جو یقیناً ملت مسلمہ کے اتحاد کے لئے پوری دنیا میں ایک ضرب کاری بنی ہوئی ہے کاپس منظر بیان کرنے کے بعد قرارداد نہایت جوش و خروش سے منظور کی گئی۔ قرارداد میں اسلامی حکومتوں سے یہ مطالبہ بھی کیا گیا تھا کہ نہ صرف یہ کہ مرزائیوں سے ہر قسم کے عدم تعاون کا برتاؤ کیا جائے، بلکہ

انہیں کسی بھی اہم کلیدی منصب پر فائز ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔

دنیا بھر سے آئے ہوئے مسلمان مندوبین میں سے یہ تیر بختی اور تفاوت صرف پاکستان کے ایک مندوب اٹی۔ ایچ ہاشمی کے حصہ میں آئی جس نے قرارداد کے اس حصہ سے غیر جانبداری اختیار کر کے حق و باطل کے اس معرکہ میں ایک عالمی سٹیج پر پاکستان کیلئے دولت و رسوائی کا سامان فراہم کیا ہم پاکستان کو رسوا کرنے والے اس شخص کی نہ صرف مذمت کرتے ہیں بلکہ اس کے اس شرمناک رویہ پر لعنت بھیجے بغیر نہیں رہ سکتے اور ساتھ ہی ایسے لوگوں کو کسی بین الاقوامی اجتماع کا مندوب منتخب کرنے پر ذمہ داران حکومت سے احتجاج کرتے ہوئے یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس طرح مٹھی بھر قادیانیوں اور یہودیوں کو خوش کر کے پورے عالم اسلام کے شہادت اور خدشات مول لینا اور دنیا کے عرب کے اسلامی جذبات اخوت کو مجروح کر دینا کہاں کی دانشمندی ہے؟

بہر حال ٹی۔ ایچ ہاشمی قسم کے دینی حیثیت سے عاری صرف ایک شخص کے غیر جانبدار ہونے سے قرارداد کی اہمیت اور اجماعی حیثیت اور بھی نکھر کر سامنے آگئی ہے کہ علماء کی کتابوں، اہل قلم کے مضامین، خطباء کے خطبوں، اہل تحقیق کی تصانیف، مفتیوں کے فتوؤں، عدالت کے ججوں، اور بعض اسمبلیوں کی قراردادوں کے بعد اب مرکز اسلام ام القریٰ مکہ معظمہ میں میں ہونے والی اور دنیا بھر کے اسلامی فکر و نظر کی نمائندگی کرنے والی کانفرنس کی نگاہوں میں بھی قادیانیت قطعی کفر، دجل و تبلیس، اسلام اور عالم اسلام کے خلاف یہودیوں اور سامراجیوں کی کھٹبتی ایک اسلام دشمن تحریک ہے۔ دیکھئے اب اس اجماع کے بارہ میں مرزائیوں کے کذاب علمین کیا کہتے ہیں؟ مگر اس سے قطع نظر اسلامیان عالم اور اس کے ذمہ دار افراد کو بیت اللہ سے اٹھنے والی یہ آواز جھنجھوڑ رہی ہے کہ تاجدارِ مدینہ کی عصمتِ خلعتِ ختم نبوت کو تار تار کرنے کی سعی ناکام کرنے والے ذیل ہاتھ کب تک

دنیا ٹے اسلام کی غیرت کو للکار تے رہیں گے۔

اس تاریخی تسرار واد (جس کا عربی متن آگے آ رہا ہے) میں قادیانیت کو عالم اسلام کے لئے سب سے مسر اور بدترین خطر قرار دیا گیا ہے اور جسے کافر نس کے ایجنڈا میں پہلے نمبر پر جگہ دی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

تسرار واد

قادیانیت ایک باطل فرقہ ہے۔ جو اسلام کا لباده اوڑھ کر اپنے اغراض خبیثہ کی تکمیل میں مصروف ہے اسلام کے قطعی اصولوں سے اس کی مخالفت ان باتوں سے واضع ہے۔

الف :- اس کے بانی کا دعویٰ نبوت کرنا۔

ب :- قرآنی آیات میں تخریفات

ج :- جہاد کے باطل ہونے کے فتوے دینا۔

قادیانیت کی داغ بیل برطانوی سامراج نے رکھی اور اس نے اسے پروان چڑھایا وہ سامراج کی سرپرستی میں سرگرم عمل ہے۔ قادیانی اسلام دشمن قوتوں کا ساتھ دے کر مسلمانوں کے مفادات سے غداری کرتے ہیں۔ اور ان طاقتوں کی مدد سے اسلام کے بنیادی عقائد میں تخریفات و تبدیل اور بیخ کنی کے لئے کئی ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں مثلاً۔

الف :- دنیا میں مساجد کے نام پر اسلام دشمن طاقتوں کی کفالت سے ارتداد کے اڈے قائم کرنا۔

ب :- مدارس، سکولوں، یتیم خانوں اور امدادی کمیٹیوں کے نام پر غیر مسلم قوتوں کی مدد سے ان کے مقاصد کی تکمیل۔

ج :- دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تحریف شدہ نسخوں کی اشاعت وغیرہ۔
ان خطرات کے پیش نظر کانفرنس میں متفقہ طور پر طے پایا گیا کہ :-

(۱) دنیا بھر کی ہر اسلامی تنظیم اور جماعتوں کا فریضہ ہے کہ وہ قادیانیت اور اس کی ہر قسم کی اسلام دشمن سرگرمیوں کی ان کے معابد، مراکز، تنظیم خانوں وغیرہ میں کڑی نگرانی کریں اور ان کے تمام دیرپہ سیاسی سرگرمیوں کا محاسبہ کریں۔ اور اس کے بعد ان کے پھیلائے ہوئے جال، منصوبوں، سازشوں سے بچنے کے لئے عالم اسلام کے سامنے انہیں پوری طرح بے نقاب کیا جائے۔ نیز

(۲) اس گروہ کے کافر اور خارج از اسلام ہونے کا اعلان کیا جائے اور یہ کہ اس وجہ سے انہیں مقامات مقدسہ حرمین وغیرہ میں داخلہ کی اجازت نہیں دی جاسکے گی۔
(۳) مسلمان ان لوگوں سے کسی قسم کا معاملہ نہیں کریں گے، اقتصادی، معاشرتی، اجتماعی، عائلی وغیرہ ہر میدان میں ان کا بائیکاٹ کیا جائے گا۔ ان سے شادی بیاہ کے ناٹے نہیں کئے جائیں گے۔ نہ مسلمانوں کے مقبروں میں انہیں دفنایا جائے گا، الغرض ہر طرح ان کے ساتھ کافروں جیسا سلوک کیا جائے گا۔

(۴) کانفرنس تمام اسلامی ملکوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ قادیانیوں کی ہر قسم کی سرگرمیوں پر پابندی لگائیں ان کے تمام وسائل اور ذرائع کو ضبط کیا جائے۔ اور کسی قادیانی کو کسی اسلامی ملک میں کسی قسم کا بھی ذمہ دارانہ عہدہ نہ دیا جائے۔

(۵) قرآن مجید میں قادیانیوں کی تحریفات سے لوگوں کو خبردار کیا جائے اور ان کے تمام تراجم قرآن کا شمار اور نشانہ ہی کر کے لوگوں کو ان سے متنبہ کیا جائے اور ان تراجم کی تردید کا انداد کیا جائے۔

ہم اس اہم قرار واد پر ایک بار پھر جلالتہ الملک فیصل المعظم، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ اور

کافر نس کے تمام شرکار اور مندوبین کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور عالم اسلام بالخصوص اپنی حکومت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس قرارداد کو یہاں کے جہڈ ملاؤں کی برقرار دینے کی بجائے اس کی اہمیت، دوررسی اور گہرائی پر غور کرتے ہوئے سب سے پہلے اس آواز پر لبیک کہے۔ (۲ مئی - ج ۹ - ش ۶ - ۷ مئی ۱۹۷۲ء ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ)

”رابطہ عالم اسلامی کی قرارداد کا عربی متن“

”نداء من مکتة المکرمة تنادی المسلمين“ | نحلة هداية تجعل
من اسم الاسلام شعائر

الستراغرام منها الخبيثة | برز مغالقاتها للاسلام -

(ا) ادعاء زعيمها النبوة -

(ب) تحريف النصوص القرآنية -

(ج) ابطالهم للجهاد -

القاديانية ربيبة الاستعمار البريطاني ولا تظهر الا في ظل حمايته ...
تغوث القاديانية قضيا الامة الاسلامية وتقف موالية للاستعمار والصهيونية
تتعاون القاديانية مع القوى المناهضة للاسلام وتتخذها هذه القوى واجهة
لتعطيم العقيدة الاسلامية وتحريفها وذلك بما ياتي -

ا- انشاء مساجد تحولها القوى المعادية ويتم فيها التبشير بالفكر
القادياني المنحرف -

ب- فتح مدارس ومعاهد وملاجئ لايتام وفيها جميعا تمارس القاديانية
نشاطها التفريبي لحساب القوى المعادية للاسلام -

ج- تقوم القاديانية بنشر ترجمات معرفه لمعاني القرآن الكريم بمختلف اللغات

العالمية واللمعات المحلية بامكانية القوى المعادية ولا يقات هذا النشاط
التخريبى للاسلام يقترح ما ياتى -

١:- تقوم كل هيئة اسلامية بعصر النشاط القاديانى فى مساجدهم ومدارسهم وملاجئهم
وكل الامكنه التى يمارسون فيها نشاطهم الهدام فى منطقتها وكشف القاديانيين
والتعريف بهم للعالم الاسلامى تماديا للوقوع فى حبالهم -

٢:- اعلان كفر هذه الطائفة وخروجها على الاسلام وهى هذا تمنع من دخول
الارض المقدسة -

٣:- عدم التعامل معهم ومقاطعتهم اقتصاديا واجتماعيا ونكاحيا وعدم التزوج منهم
دفنهم فى مقابر المسلمين ومعاملتهم ككفار -

٤:- مطالبة الحكومات الاسلامية بمصادرة كل نشاط هذه الجماعات وتسليمه للمسلمين
الحقيقيين وعدم توظيف اى قاديانى او السماح له بمزاولة اى عمل -

٥:- نشر مصورات بكل التحريقات القاديانية فى القران الكريم مع عصر الترجمات
القاديانية لمعانى القران والتنبيه عليها - الندوة ملكة المكرمة ٨ - ابريل ١٩٤٧



بہائیت

دنیا میں جو بھی فتنہ تخریب دینے کے لیے پیدا ہوا ہے اس نے اپنے ساتھ کئی دوسرے فتنوں کو بھی جنم دیا ہے۔ فتنہ رفعت (شیعت) نے جب دنیا میں قدم رکھا تو اس کے کوکھ سے مزید کئی فتنے پیدا ہوئے جن میں ایک فتنہ بہائیت کا بھی ہے، اس سازشی گروہ نے مسلمانوں کے عقائد کو خراب کرنے اور ان کو نقصان پہنچانے میں کوئی بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ ذیل کے اس تحریر میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم نے اس فتنے کے اصلیت اور اس کے عزائم پر نہایت دلچسپ پیرائے میں روشنی ڈالی ہے۔ ”باب الفرق“ کے ساتھ مناسبت کے بناء ”پر فتاویٰ حق“ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (موتبہ)

قاہرہ سے عرب لیگ نے اسرائیل سے ہر شعبہ زندگی میں یوگاٹ کے اداروں
مکاتب المقاطعة العربية لاسرائیل — کی طرف سے اپنی ایک نہایت اہم
اور قابل توجہ قرارداد نشر کی ہے جو سارے اسلامی ممالک کی فوری توجہ کی مستحق ہے۔
غیر اسلامی | قرارداد میں کہا گیا ہے کہ بہائی فرقہ کے بارے میں ایسے قطعی
صیہونی فرقہ | شواہد مل چکے ہیں کہ وہ درپردہ عالم عرب اور مسلمانوں کے خلاف
اسرائیل اور صیہونیت کا آلہ کار ہے اور اسرائیل میں قائم کردہ اپنے مرکز کے ذریعے پورے عالم عرب
میں سازشوں کا جال بچھا رہا ہے۔ یہ لوگ اسرائیل کی مالی مدد بھی کرتے ہیں۔ قرارداد میں بہائیت
کو قطعی غیر اسلامی صیہونی فرقہ قرار دیتے ہوئے بلیک لسٹ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اور عرب
ممالک میں اس کی تمام سرگرمیوں پر پابندی لگانے کا کہا گیا ہے۔ عرب پریس اور علمی و سیاسی
شخصیتوں نے اس قرارداد کا بجا طور پر زبردست خیر مقدم کیا ہے۔ سعودی عرب اور رابطنہ عالم اسلامی
نے اس بروقت تنبیہ پر عرب لیگ کے جنرل سیکرٹری اور برسر پیکار عرب اداروں کو مبارکباد

دی ہے۔ اس سے قبل پچھلے سال مکہ مکرمہ میں دنیا بھر کی اسلامی تنظیموں نے بھی اپنے اجلاس اپریل ۱۹۷۴ء میں بہائیت کے بارہ میں ایسی ہی واضح اور غیر مبہم قراردادیں مسلمانوں سے مطالبہ کیا تھا کہ بہائی تنظیم کے تمام مراکز، لٹریچر اور سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے۔ اس اجلاس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت اور ان سے کلی مقاطعہ کرنے کی وہ تاریخی قرارداد بھی پاس ہوئی تھی جو بعد میں قادیانی تحریک کے دوران مسلمانوں کے کاز کو تقویت پہنچانے کا باعث بنی۔ عرب پریس بہائیت کے بارہ میں اس قرارداد پر بحث کرتے ہوئے اس فرقہ کی بہت سی صیہونی اور اسلام دشمن سرگرمیوں سے پردہ اٹھا رہی ہے۔

مذہب سے زیادہ
صیہونی سیاسی جماعت

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بہائی فرقہ ایک مذہب اور فرقہ ہے بھی نہیں بلکہ اصل اس پردہ میں اسلام اور عالم اسلام کے خلاف صیہونی پروٹوکولات اور سامراجی و یہودی منصوبوں کی تکمیل ہی کی ایک اہم کڑی ہے یہی منصوبے ہیں جو ایک طرف تو عالمی تنظیم فری میسن روٹری کلب، لائسنز کلب، غیر مسلم مشنری اداروں فحش جہنی لٹریچر اور استشراف و تحقیق کے نام نہاد اداروں کی شکل میں مسلمانوں میں انسانی اور اخلاقی قدروں کی تباہی، فکری انتشار و اختلاف، سیاسی ضعف و اضمحلال برپا کرنے میں مصروف ہیں تو دوسری طرف بہائیت، قادیانیت اور اس طرح کے کئی ایک فرقوں اور جماعتوں کے لیادہ میں ملت مسلمہ پر شب خون کا کام کرتے ہیں۔ بہائیت کے آغاز، محرکات، عقائد و اعمال اور سرگرمیوں میں گئے بغیر ایک سطحی نظر سے بھی اس کے اصل عزائم اور مقاصد کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

بہائیت کا
سرچشمہ اور مقاصد

بہائیت نے شیعیت سے جنم لیا اور اس کے بانی مرزا علی محمد باب شیرازی (۱۸۲۰ء) نے شیعہ غلو محبت اور اعتقاد کی آڑ

لے کر اس مذہب کو فروغ دیا اور عقائد و اعمال، اوہام و خرافات کا ایک ایسا عجوبہ مرکب تیار کر کے پیش کیا جسے اسلام سے تو کیا کسی بھی آسمانی مذہب کے دعویدار نظام ہدایت و ارشاد سے دور کا بھی تعلق نہ رہا۔ چونکہ اس کی تاسیس ہی درحقیقت مذہب کی آڑ میں مسلمانوں کی

عداوت پر رکھی گئی تھی تو اس کے علمبرداروں نے بھی کسی اخلاقی مجدد بشریت، انسانی اقدار شرافت، عقل و فکر کی پختگی، عقیدہ و عمل کی اصابت کا لحاظ کئے بغیر اس ملعونہ میں ہر وہ عنصر شامل کر دیا جو کسی نہ کسی طرح بھی اخلاقی و مذہبی اقدار سے باطنی اباحت زدہ انسانوں کے لئے باعث کشمکش بن سکے۔ اس سلسلہ میں حیاء شرافت، حلال و حرام، جائز و ناجائز، عقیدہ و ادھام، عقل اور سخاوت کا کوئی سوال نہ تھا۔ اباحت کے مارے ہوئے یہود و نصاریٰ نے اسے اپنی تشنگی کا علاج اور مسیہونیت و استعمار نے اسے مسلمانوں کے خلاف شرمناک مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ سمجھا اور اس طرح وہ مغرب کے یہود و نصاریٰ مشرق کی مجوسی اور مرہٹوں کے ذہنیاتوں کا مرکز نظر بن گیا۔ اہل یورپ اس میں دھڑا دھڑا شامل ہونے لگے۔

مشہور مستشرق گولڈزیہر کا اعتراف ہے کہ :-

امریکہ میں قائم ہونے والی علمی اور ادبی انجمنوں نے اس کے اصول و ضوابط کے استحکام و فروغ میں نہایت بھرپور حصہ لیا۔ (انہی اصول و ضوابط کے استحکام نے ہمارے ہاں روٹری کلب اور لائٹنگ کلب جیسی انجمنوں کا روپ دھار لیا۔ راقم) طبعی طور پر بہائیت اپنے سرپرستوں کے دیس امریکہ کے دور افتادہ علاقوں تک پھیل گئی اور شکاگو کو مرکز بنا لیا گیا۔ (العقیدہ الشرعیۃ ص ۲۵)

استعماری مقاصد کا آلہ کار | پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد عالمی استعمار کو عالم اسلام کی بیداری سے خطرہ لاحق ہوا تو ٹھیک یہی زمانہ دنیا میں بہائیت کے فروغ اور ترویج کے لئے نہایت سازگار ثابت ہوا۔ کافی عرصہ قبل جب حکومت مصر کے سامنے اس فرقہ کی غیر اسلامی، غیر انسانی اور مسیہونی تصویر آگئی تو وہاں کے محکمہ قضا یہاں تک کہ پارلیمنٹ اور وزارت داخلہ نے بھی اس فرقہ کو پر امن اور مسلمان شہریوں کے حقوق دینے سے انکار کر دیا۔

اسلامی حکومتوں کا فرض | اب جبکہ عالم عرب کی نہایت اہم کمان عرب لیگ نے اتنی ذمہ داری سے بہائیت سے عرب ممالک کو متنبہ کرایا ہے تو اس کے پاس قطعی اور کھلے شواہد ہوں گے۔ (گنجائش ہوئی تو ہم خود بھی اس کی نفتاب کشائی میں تفصیل میں جاتے)

تو نہ صرف عالم عرب بلکہ تمام اسلامی حکومتوں کی غیبت ملی، جمیعت دینی اور قومی و سیاسی مقاصد کا تقاضا ہے کہ اس قرارداد پر لبیک کہتے ہوئے بہائیت کی تمام دعوتی، ثقافتی اور سیاسی سرگرمیوں کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا جائے۔

فری میسن روٹری | عرب پریس میں اس قرارداد کے ساتھ فری میسن، روٹری اور
اور لائسنز کلب | لائسنز کلب کا بھی ذکر آ رہا ہے اور قادیانیت کی ریشہ دوانیوں

کا بھی۔ اول الذکر پر پاکستان میں رسمی اور قانونی پابندی لگ چکی ہے۔ گو اس کی سرگرمیاں اب تک جاری اور مشتبہ ہیں۔ روٹری اور لائسنز کلب کا مسئلہ بھی ۵ جولائی ۱۹۷۱ء کو قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا محمد الحق صاحب قرار داد کے ضمن میں زیر بحث آیا تو حکومت نے انہیں علمی اور ثقافتی ادارے قرار دیتے ہوئے ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں سے لاعلمی کا اظہار کیا، مگر اب جبکہ ان اداروں اور فرقوں کی سرگرمیاں پورے عالم اسلام کے لئے لمحہ فکریہ بن چکی ہیں تو حکومت کو بھی نہایت دانشمندی سے ان اداروں کے بارہ میں نظر ثانی کرنی چاہیئے۔ بد قسمتی سے ہمارا ملک ان تمام ملت کش عناصر کے لئے نہایت زرخیز ثابت ہو رہا ہے اور یہائی فرقہ بھی منظم شکل میں اپنی کوششوں میں مصروف ہے۔ ملک کے بڑے بڑے شہروں میں اس کے مراکز ہیں اور لٹریچر تقسیم ہو رہا ہے۔ کراچی، لاہور، لاکھپور میں اس کی تبلیغی سرگرمیاں زوروں پر ہیں۔ اب حکومت اور تمام اسلامی ممالک کا فرض ہے کہ ایسے تمام عناصر کا قلع قمع کر دے جو مار آستین بن کر ملک و ملت کی بڑیس کاٹنے میں مصروف ہیں۔



فِتْنَةُ رَفَضِ وَانْكَارِ صَحَابَةِ

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک جان نثار جماعت (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا انتخاب کیا جو اپنے جان و مال کو اسلام کی خاطر لگانے کے لیے ہمہ تن دہمہ وقت تیار رہتے تھے، اس مقدس جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ اطہر کو کسی بھی حال میں نہیں چھوڑا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے ایمان کو دوسروں کے لیے نمونہ اور معیار قرار دیتے ہوئے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: "امَنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ رَايَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے زمانہ میں مشہور یہودی عبد اللہ بن سبا نے اور اس کے بعد اس کے رومانی ذریت نے صحابہ کرامؓ کے تقدس اور تعدیل کو پا مال کرنے کے کوشش کی۔ علمامہ نے ہر زمانہ میں سبائی ٹولے کے ان ناپاک عزائم کا بھرپور تعاقب کرتے ہوئے۔ حضراتِ صحابہ کرامؓ کے ناموس کی جنگ لڑی۔ اسی سلسلہ کی ایک بے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کا ذیل کا یہ مضمون بھی ہے جو دارالعلوم حقانیت کے ترجمان "ماہنامہ الحق" میں شائع ہوا۔ "فتاویٰ حقانیہ" کے باب الفرق کے ساتھ مناسبت کے وجہ سے برائے افادہ عام شامل کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

تعدیل صحابہ مدار دین ہے | قدوسیوں کی اس جماعت صحابہؓ کی تقدیس اور تعدیل پر ہمارے افکار و نظریات ہمارے قرآن، ہمارے سنت اور ہمارے تمام اسلامی نظام کا مدار ہے۔ وہ دین اور شریعت کی اساس ہیں۔ وہ ہمارے قرآن کی صداقت اور ہمارے پیغمبر کی حقانیت کے گواہ ہیں غیر تو غیر اپنوں میں سے بھی اگر کوئی اٹھ کر ان ستونوں کو گرتا ہے، ان کی عدالت مجروح کرنے کی مذموم سعی کرتا ہے۔ ان کی عظمت اور تقدس کو داغدار کرنا چاہتا ہے تو ہم اسے ملی خودکشی اور اپنے دین اور اپنے پیغمبر اپنی شریعت سے دشمنی ہی سمجھیں گے اور پوری خیر خواہی، اخلاق اور خدا ترسی

سے اس ہاتھ، اس قلم اور اس زبان کو روکنے کی کوشش کریں گے کہ اگر دین کے بہ اولین محافظ (حاکم بدین) منافق، سازشی، منافق، پالیٹکس، خود غرض یا اقربا پرور اور معاذ اللہ جابر و ظالم تھے تو جو دین اور شریعت اور جو کتاب و سنت ان کے ذریعے ہم تک پہنچی اور جس پر دین کی عمارت کھڑی ہوئی۔ یہ ساری عمارت اور سارا ڈھانچہ خود بخود دھڑام سے گر پڑے گا۔ صحابہ کرام کی تقدس، تقاہت اور تعدل کا مسئلہ صرف جذبات اور نرمی عقیدت کا مسئلہ نہیں اور نہ اسے تعصب اور بدخواہی پر محمول کرنا چاہیے۔ یہ پوری شریعت اور پیغمبر اسلام کی صداقت اور حقانیت کا سوال ہے جن لوگوں کی بالفشانی، اخلاص، علوہمت، ایثار و جہاد کی بدولت آج ہم مسلمان ہیں اگر ہم علم و تحقیق، یا عناد و تعصب کا تیشہ ان ہی پر چلانے لگیں تو اس سے بڑھ کر ناشکری اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں بقول امام شعبی (جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں نقل کیا) ہم یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر ثابت ہوں گے اور یہود و نصاریٰ ہمارے مقابلہ میں زیادہ مرتبہ شناس اور قدردان کہ حیب ان لوگوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں زیادہ بہتر کون لوگ ہیں؟ تو یہود نے کہا حضرت موسیٰ کے ساتھی اور عیسائیوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ کے حواری (صحابہؓ) اور ایک ہم ہیں کہ اپنے رسول کے صحابہؓ کو بدترین امت ثابت کرنے لگے۔ کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ اس طوفانِ نوحہ و ماتم میں ہمارا پورا گھر (دین و شریعت) تو ہمیں ڈوب رہا۔ اور ہماری تحقیق و اکتشاف کی کلہاڑی سے قصر اسلام میں شگاف تو نہیں پڑ رہے۔ ؟ ولا فعل اللہ ذالک فاعتبروا یا ادنیٰ الایصار

عظمت صحابہؓ اور شانِ عدالت پر حملے

صحابہ کرامؓ ہمارے دین کے سرکاری گواہ ہیں۔ جن کی عدالت اور صفائی خود خداوند کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ قرآن و سنت اور دین و شریعت کے نام سے جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے۔ وہ اسی قدسی صفات جماعت کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ ان

کی بے لوث قربانی اور کوششوں کے نتیجے میں ہمیں اور ہمارے اسلاف کو کفر و شرک اور ظلم و فساد کی ظلمتوں کی جگہ ایمان و یقین اور عدل و انصاف کی روشنی نصیب ہوئی۔

علم و تحقیق کے نام پر اس کیسی بد نیتی اور شقاوت کی انتہا ہے کہ آج ہم میں سے ہی

بعض ناعاقبت اندیش اور دولت خشیستہ خداوندی سے کورے ہاتھ انہی بنیادوں پر تیشہ

چلا رہے ہیں اور وہی زبانیں جو ”اقامتِ دین“ اور اسلامی نظام کے احیاء کے نعرے

لگاتے نہیں تھکتے اپنی ساری قوت گویائی صحابہؓ کی تعدیل و تقدیس کو مجروح کرنے میں

خرچ کر رہی ہیں۔ اور صحابہؓ جیسی بیش قیمت متاعِ دین و ایمان کی بولی اپنے جماعتی اخبارات

اور رسالوں میں سر بازار لگائی جا رہی ہے۔ اگر علم و تحقیق کے نام پر اسلام دشمنی اور اپنے

اولین محسنوں کی ناقدری کا یہ شغل جاری رہا تو درد مندانِ اسلام اور علمائے حق کا اولین فریضہ

ہوگا کہ وہ متفق ہو کر اس لبادہ عیاری کو تار تار کر دیں۔ بلاشبہ ایسی گستاخ زبانیں گنگ اور

ایسے مکار ہاتھ نسل ہو جانے چاہئیں جس کی دست درازیوں سے عثمانِ مظلوم اور معاویہؓ مرحوم

کی قبائے عصمت و تقدیس اور صحابہؓ کی شانِ عدالت و تعدیل بھی محفوظ نہیں رہے گی۔ مگر جو قسم

شہید عثمانؓ کے اس خون سے رنگا جا رہا ہے جس نے حضرت عثمانؓ کے بدن سے گرتے

وقتِ قرآن کریم کی آیت فسيفيكمهم الله کی فولادی ضمانت میں پناہ لی تھی۔ کیا آج اللہ

کی کفایت اس خون کے تقدس کی حفاظت و ضمانت سے مجبور و بے بس ہو سکتی ہے ؟

حاشا وکلا، ہرگز نہیں، یہ خون آج بھی تازہ ہے عثمانؓ کی مظلومیت اور شہیدِ دار کی بیکیسی

تہام صحابہؓ کی عظمتوں کی قسم کھا کر زبانِ حال سے ان نام نہاد اربابِ تحقیق پر خندہ زن ہے

اور پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ فسيفيكمهم الله وهو السميع العليم۔

اظہرُ البرأت | عظمتِ صحابہؓ کو مجروح کرنے کی جو دبا ہمارے ہاں ”خلافت و ملوکیت“ کے

نام سے پھیلی اور پھیلانی گئی، انسوس کہ بعض ثقہ اور متدین ادارے بھی اس کی لپیٹ میں آ

گئے۔ دہلی کے معروف ادارہ ”ندوة المصنفین“ کے آرگن برہان میں پچھلے ماہ کسی کیپٹن قطب الدین نے خلافت راشدہ کے ضمن میں حضرت امیر معاویہؓ کے بارہ منہایت ہرزہ سرائی کی بلکہ اصولی طور پر عدالت صحابہؓ پر بھی نہایت سنجیدہ انداز میں طبع آزمائی کی۔ ندوة المصنفین ہمارا ہی ایک قابل فخر اشاعتی ادارہ ہے، پھر اس کے مدیر شہیر مولانا سعید احمد اکبر آبادی تو خود ایک ثقہ، متدین اور محقق صاحب قلم اور دیوبند سے وابستہ جتید عالم ہیں۔ ایسے پرچہ میں اس قسم کا مضمون آنا نہایت تاسف اور جہرت کی بات تھی۔ چنانچہ مدیر برہان کو توجہ دلائی گئی جو ان دنوں علی گڑھ یونیورسٹی کے اسلامیات کے صدر اور وہاں مقیم ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ توقع کے مطابق مولانا سید احمد اکبر آبادی نے اپنے جوابی گرامی نامہ میں اس مضمون سے اپنی اور ادارہ کی طرف سے برأت ظاہر فرمائی۔ اور برہان میں بہت جلد اس کی تلافی فرمانے کا بھی وعدہ کیا۔

دفاع صحابہؓ اور ہمارا فرض

قومی یک جہتی، استحکام، باہمی رواداری اور اتحاد و اتفاق کی ضرورت و اہمیت سے کس باشعور شخص کو انکار ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں عنان اقتدار ہے ان کی طرف سے بھی ملکی سالمیت کی خاطر قومی یک جہتی، باہمی اتحاد اور حسن معاشرت پر زور دیا جا رہا ہے۔ اس ملک کی غالب اکثریت اہل سنت والجماعت کی ہے جس کے ریشہ ریشہ میں صحابہ کرامؓ کی عظمت و تقدیس کے ساتھ ساتھ اہل بیتؓ اور ائمہ اہل بیتؓ کی محبت بھی رچی بسی ہے۔

ایک ایسی اکثریت اگر اپنے اساسی نظریات دینی معتقدات و مسلمات کے تحفظ اور دفاع کے لئے کسی اقلیتی فرقہ کی ان	دفاع صحابہؓ مسلمانوں کا فریضہ ہے
---	----------------------------------

سرگرمیوں میں قدغن کرتی ہے، جس کی زبردستی عظمت و تقدس اور دینی افکار و نظریات پر پڑ رہی ہے۔ یا جس سے ان کے مسلک و مذہب کے ان لوگوں کی عظمت مجروح ہوتی ہے۔ جن کا وجود دین میں انتہائی اور اسوہ کا مقام رکھے۔ تو ایک اسلامی اور جمہوری ملک میں

اسے ہرگز انتشار پسندی اور تفرقہ انگیزی پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ اس اخلاقی، سیاسی، جمہوری اور دینی استحقاق کیے باوجود یہاں کی اکثریت، ہنسی قومی یک جہتی اور ملکی استحکام کی خاطر (یا اپنی دینی اقدار و مسلمات سے غفلت اور بے بسی کی وجہ سے) اقلیتی طبقوں سے جس رواداری یا مساوات اور حسن سلوک کا مظاہرہ کرتی ہے، چاہیے تو یہ تھا کہ اس حسن معاشرت، اور فراخ دلی کا خیر مقدم کیا جاتا۔ اپنے دل آزار معتقدات کو اپنے تک محدود رکھا جاتا، نہ یہ کہ پورے ملک کے سواد اعظم پر اپنے جارحانہ عزائم اور توسیعی ارادے نافذ کرانے کی سعی کی جاتی اور اس کے لئے روش اختیار کی جاتی جو نہ تو پاکستان کی سالمیت اور بنیادی اصول سے جوڑ کھائے اور نہ اکثریت کا مسلک و مذہب اسے گوارا کر سکے۔

اہل الحاد و فتنہ | مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کوئی فرقہ یا جماعت تو کیا کوئی
کی سیتہ زوری | ایک فرد بھی اٹھ کر پورے ملک کے اعتقادات اور پاکستان کے اساسی
نظریہ اسلام کو لگا کر سکتا ہے۔ اسے دین اور مذہب کے ایک ایک ستون گرانے اور اسلام کے
پورے فکری نظام کو تہ و بالا کرنے کی کھلی چھوٹ ہے۔ وہ ٹنکے کی چوٹ علم و شیخت، مدرسہ و خانقاہ
مسجد و مکتب، درس و تدریس، تصنیف و مطالعہ، ارشاد و تربیت، عرض اسلام کی ترجمانی کرنے والے
تمام مظاہر، اداروں اور شخصیتوں کو حروف غلط کی طرح مٹانے کی تبلیغ کرتا ہے۔ چند افراد کا ایک گروہ
جدد اور روشن خیالی کے پندار میں پورے دین و فطرت، اسلام کو ملکی ترقی کے لئے ”ریورس گیر“ سمجھتا
ہے اور اسلام کی ترجمانی کرنے والے تمام علماء و حق کو تلامیثت کے نام پر پابند طوق و سلاسل
کرنے کے مشورے دے رہا ہے۔ (ملاحظہ ہو نظر و فکر۔ اگست ۱۹۶۷ء) ایک شخص (غلام محمد پروین)
اٹھ کر اسلام کے پورے حدیثی ذخیرہ اور پیغمبر کی تشرعی حیثیت پر ہاتھ صاف کرتا ہے مگر اس
تمام جارحانہ غیر جمہوری، غیر اخلاقی اور لادینی تحریر و تقریر کو قومی یکجہتی کے خلاف اور اکثریت کی
دلائل و اسی قرار نہیں دیا جاتا بلکہ اسلام کی تحقیق و رہبرج کے نام پر اس اسلام دشمنی اور سیکولر نوازی
کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اگر اس ظلم و انفرافری کے خلاف اکثریت کوئی آواز اٹھاتی ہے تو

الٹا اسے انتشار پسند اور تفرقہ انگیز سمجھ لیا جاتا ہے۔

نبوت کا ذبحہ کا پرچار | جعلی نبوت کی علمبردار ایک جماعت (جیسے پوری اسلامی دنیا روز اول سے کافر، مرند اور خارج اسلام سمجھتی ہے) بلا روک ٹوک اپنی نبوت کا ذبحہ کا پرچار مسلمانوں کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سالیبت کو چیلنج کرتی ہے۔ ملکی نذر مبادلہ سے تبلیغ کے نام پر دیس دیس میں اس کی خلافت اسلام مساعی جاری ہیں۔ اس کا امیر یورپے طمطراق اور شان بان سے اسلام کا نمائندہ مسلمانوں کا خلیفہ اور پاکستان کا مذہبی راہنما بن کر یورپ کے سرکاری اور عوامی محافل میں پیش ہو رہا ہے۔ عالم اسلام کے بدترین دشمن اسرائیل تک ہیں اس جماعت کے مشن قائم ہیں جس کا اعلان وہ بلا کسی جھجک کے اپنے گوشواروں میں کر رہی ہے۔ مگر اذناد کی اس مہم کو نہ تو قومی یک جہتی کے منافی سمجھا جاتا ہے اور نہ مسلمانوں کے عزیز ترین اعتقادات کے لئے چیلنج جبکہ اس ملک کی اکثریت کو اپنے دین اور پیغمبر سے جذباتی اور فدا فیانہ لگاؤ ہے۔

شیعہ معتقدات | اہل سنت والجماعہ (دوسرے الفاظ میں پاکستان کی غالب اکثریت) کا شروع کی فراخ حوصلگی سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش ہمارے شیعہ حضرات نے بھی کچھ عرصہ سے شروع کر رکھی ہے۔ ان کے ایک بڑے گروہ کی جانب سے ۱۔ شیعہ مسلمانوں کے لئے الگ نصاب تعلیم و تربیت بنانے۔

۲۔ عزاداری (دوسرے الفاظ میں تبرا اور صحابہ کے سب دشمن) کے جلوہوں کو ہر قسم کی پابندی سے آزاد کرانے۔

۳۔ اور شیعوں کے لئے ایک الگ اوقات بورڈ قائم کرنے کے مطالبات پیش کئے جا رہے ہیں ان مطالبات کی خاطر میدان کر بلا کی یاد تازہ کرنے تک کی دھمکیاں دی گئی ہیں۔ اب تک اکثریتی طبقہ کے علمی و فطری حلقوں نے ان انتشار انگیز باتوں کو درخور اعتنا ہی نہ سمجھا کہ ملکی استحکام اور بقا کو غفلت برد کرنے والی ان فتنہ انگیز باتوں پر غور کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

جس کی ہلاکت آفرینی کا شیعہ حضرات کے سمجھدار اور سنجیدہ حلقوں کو بھی احساس ہو گا کہ الگ تھلگ رہنے کا یہ احساس اور علیحدگی کی یہ جدوجہد اگر ایک طرف ملک کی سالمیت پر ایک کاری ضرب ہے تو دوسری طرف عظیم اکثریت کے رد عمل کی شکل میں خود شیعوں کے لئے یہ انداز افتراق بے شمار مشکلات کا باعث بن سکتا ہے۔ علیحدگی کے ان رجحانات کا رد عمل پھر تعلیم اور اوقات تک محدود نہ رہے گا بلکہ کسی دیگر ایسے امور میں اس کا ظہور ہو سکتا ہے، جس کا تصور بھی ملک و ملت کے بھی خواہ نہیں کر سکتے۔

سرکاری نصاب سے | ان وجوہات سے اہل سنت ان مطالبات کو دیوانوں کی بڑے
خلافت راشدہ کا اخراج | سمجھتے رہے مگر بد قسمتی سے اونچی سطح پر بعض ایسی باتیں ظاہر
ہونے لگیں جس سے اہل سنت کی خوش فہمی اور حسن ظن غلط ثابت ہونے لگا۔ مثال کے طور پر
یہ المٹاک خبر کہ سرکاری مدارس کے نصاب اسلامیات میں سے خلافت راشدہ کا عنوان حذف
کر دیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر سکولوں کو ایک سرکلر کے ذریعہ سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ جیسے
معماران اسلام کے احوال و سوانح کی تعلیم سے روک دیا گیا ہے۔ (جن کی سوانح یورپ کی بعض
یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل اور ان کے لئے مشعل راہ ہے) جن کی پاکیزہ معیاری سیرت
ملک اور معاشرہ کی تشکیل کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسری طرف جناب گورنر مغربی
پاکستان کی طرف سے شیعہ مطالبات پر غور کے لئے بورڈ کی نامزدگی کی خبریں آئیں۔ ان امور نے
بجای طور پر اہل سنت کو چولکا دیا ہے اور یہ خبریں پورے ملک کے لئے لمحہ فکریہ بن چکی ہیں۔ ایک
ایسی تحریک جس کے نتیجہ میں ملک و ملت ہمیشہ کے لئے دو گروہوں میں بٹ جائے اور نہ ختم ہونے
والے افتراق کا سلسلہ شروع ہو، کوئی معمولی سانحہ نہیں جس سے اہل سنت اور ملک کے دوسرے
خیر خواہ صرف نظر کر سکیں۔

سنی کنونشن | اس سلسلہ میں پچھلے دنوں ملتان میں تنظیم اہل سنت کی طرف سے
سنی کنونشن کا انعقاد وقت کی اہم ضرورت اور ہر لحاظ سے موزوں اقدام ہے۔ اس کنونشن میں پورے

مغربی پاکستان کے مختلف دینی عناصر نے بھاری تعداد میں شمولیت کی اور مسئلہ کے جلد پہلوؤں پر غور کے بعد چند قراردادیں پاس کیں جن میں ان امور کا سختی سے محاسبہ کیا گیا ہے جس کے نتیجہ میں باہمی عناد و فساد اور فرقہ وارانہ تلخی اور تصادم پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس ضمن میں اہل سنت کے مختلف مکاتیب فکر سے اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے باہمی اتحاد و اتفاق کی اپیل اور شیعوں کے دلائل و رسائل جلسے جلوسوں اور صحابہ کرامؓ کی بے حرمتی اور گستاخی پر پابندی کا مطالبہ اور نصاب میں خلفاء راشدین کی سیرت نکالنے کی سازش وغیرہ امور پر شدید احتجاج کیا گیا ہے۔ یہاں ان تمام قراردادوں پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں — یہ قراردادیں ملک کی خیر خواہی، دین کے تحفظ اور قومی سالمیت کی ترجمان ہیں اور ہر لحاظ سے تائید کی مستحق — ظاہر ہے کہ نہ تو ایک مسمیٰ بھر صباغت کی خاطر ملک و ملت اس تشدد اور باہمی تقسیم کی متحمل ہے اور نہ اہل سنت اپنے ان بزرگوں اور مقدس اسلاف کی کھلم کھلا بے حرمتی، سب و شتم اور تبرا بازی یا معاندانہ سلوک کو گوارا کر سکتے ہیں جنہیں خلفاء راشدین یا صحابہ کرامؓ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سنی سوادِ اعظم پر صریح زیادتی

تعجب ہے کہ ایک طرف تو ملک کی اکثریت سے لاء اینڈ آرڈر فٹم کے پریس نوٹوں اور آرڈی نینسوں کے ذریعہ دیگر فرقوں کا تحفظ کروایا جاتا ہے اور انہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ اپنے دینی نظریات، اعتقادات اور قطعی مسلمات کی سر راہ توہین اور تحقیر برداشت کرتے جائیں، مگر کسی قسم کا حرف شکایت زبان یا قلم پر نہ لائیں کہ اس سے دیگر فرقوں کا تحفظ مجروح ہوگا۔ مگر دوسری طرف فراخ دلی اور رواداری کا عجیب مظاہرہ ہو رہا ہے۔ اقلیتی فرقوں کو پورا حق ہے کہ وہ مسلمانوں کے اساسی عقیدہ ختم نبوت پر کلہاڑی چلائیں۔ انبیاء اور صلحائے امت کے بارہ میں نہایت گستاخانہ الہامات اور مکاشفات کا پرچار کریں۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو کتھڑوں اور جنگلی سوروں کی اولاد سمجھیں۔ ملت محمدیہ کے تمام امتیازات اور خصوصیات کو ایک ایک کر کے مٹائیں

اسلامی اصطلاحات اور شعائر کا اپنی ملت اور امت کو مصداق قرار دیں۔ ان لوگوں کو آزادی ہے کہ حضور اقدس کی احادیث سے انکار کی بر ملا دعوت دیں۔ حضور کی تشریعی حیثیت کا (حاکم بدین) مذاق اڑائیں۔ اطاعت خدا و رسول کو من مانی معنی پہنائیں۔ انہیں کھلی چھوٹ ہو کہ وحی نبوت، حیرت کی جو چاہیں تاویل کریں۔ معراج جسمانی اور عقیدہ رفع یح کو افسانہ سمجھیں۔ شراب، بھاد، سود کو حلال قرار دیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ حج جیسے ارکان اسلام کی مقدار میں کمی بیشی کریں اور چاہیں تو ڈنکے کی چوٹ اسلام کو کمیونزم یا سوشلزم کا لبادہ پہنائیں۔ انہیں تو بلا خوف، اعتساب یہ حق حاصل ہو کہ مسلمانوں کے مسلمہ بزرگوں، صحابہ کرامؓ اور خلافت راشدہ پر ہر قسم کی دست درازی کریں، مگر نہ تو ان لوگوں سے کوئی باز پرس ہو اور نہ ایسی حرکات سے ملک و ملت کو انتشار و افتراق کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ اس ملک کے اہل سنت و اطاعت کی عظیم اکثریت کے یا تو کوئی عقائد ہی نہیں اور اگر ہیں تو یہ عقائد نہ تو مجروح ہوتے ہیں اور نہ ان پر مخالفین کی دست اندازیوں کی کوئی زد پڑتی ہے۔ پھر اگر ایسا نہیں تو کیا اس ملک کے سوا اعظم کے دینی معتقدات اور مسلمات کسی تحفظ اور احترام کے لائق نہیں ہیں؟ اگر حالات واقعات نے یہ صورت اختیار کر لی ہے تو یہ اس ملک کے ان تمام مسلمانوں کے ساتھ ظلم ہو گا جنہوں نے اپنے دین و شریعت اور اپنے محبوب معتقدات کی حفاظت و ترویج اور باطل کی ہر کوئی ہی کے لئے تاریخ کی لامثال قربانیاں دے کر یہ ملک حاصل کیا۔ اگر ان کے دین اور اعتقاد کو کسی غیر مسلم غالب اکثریت کے رجم و کرم پر نہ ہنا تھا تو انہیں آگ اور خون کے دریا عبور کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ دین اور دینی اقدار کے خون ہونے کا یہ ہولناک نظارہ وہ کسی سیکولرسٹ میں بھی دیکھ سکتے تھے۔ — پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اس کی اساس کتاب و سنت اور ان کی وہی تشریع و تعبیر ہے جو چودہ سو سال سے مسلمانوں کے ہاں سند قبول و تسلیم پا چکی ہے۔ پس کیا ایک ایسا نظریہ جو کسی مملکت کے لئے ریڑھ کی ہڈی اور مرکز ثقل کی حیثیت رکھتا ہو اس طرح محفوظ رہ سکتا ہے کہ اس کے ماننے والوں

کو تو بے دست و پا بنا دیا جائے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجانے والوں کو کھلی چھٹی دی جائے بلکہ ان کے تحفظ اور مدافعت کا انتظام ہو۔ ایسی صورت حال سے کسی قوم یا کسی نظریاتی مملکت کا دوچار ہونا بصیرت اور تدبیر کی موت، ناقصیت، اندیشی کا بلیں ثبوت اور فہم سلیم سے محرومی کی علامت ہے اور ہمارا حق ہے کہ ملک و ملت کی خیر خواہی، دینی ذمہ داری اور اور ہمارے اساسی نظریات سے وفاداری کی بنا پر اس المناک صورتحال کا جائزہ لیتے رہیں۔

اختلافی معتقدات پر مبنی کلمہ اسلام

ملک میں شیعہ سنی نصاب کی علیحدگی کا مسئلہ اٹھا تو ہم نے بار بار اس فیصلہ کے قومی دلی خطرناک عواقب پر ارباب اختیار کو متنبہ کیا، سنجیدہ طبقوں نے اضطراب اور تشویش ظاہر کی اسمبلی میں آواز اٹھائی گئی مگر یہ سب کچھ صد البصحا ثابت ہوا اور مشترکہ اور علیحدہ علیحدہ نصابوں کے ذریعہ قوم میں تفریق و انتشار کی نیو ڈالی گئی اور اب وہی کچھ سامنے آنے لگا جس کا خطرہ تھا، دینی نصاب کو متصادم خیالات اور نظریات کا ملغوبہ بنا دیا گیا اور ایک خاص گروہ کے معتقدات کو سوادِ اعظم کے سرمنڈھنے کا آغاز ہو گیا۔ قومی ادارہ نصاب و درسی کتب وزارت تعلیم و صوبائی رابطہ اسلام آباد کی مطبوعہ کتاب رہنمائے اساتذہ اسلامیات جماعت نہم و دہم سکولوں میں آگئی، سنی مسلمانوں اور علما کو بجا طور پر حیرت و تشویش ہوئی کہ جب انہوں نے کتاب کے حصہ سوم میں کلمہ اسلام تک کو نئے انداز میں پایا شیعہ حضرات سے متعلق اس باب میں علی دلی اللہ وصی رسول اللہ اور خلیفۃ بلا فصل کے ذریعہ امامت و خلافت کے جھگڑوں کو کلمہ اسلام کا جزو بنا دیا گیا، اور اسی پر اکتفاء نہیں بلکہ ایسے ہی کلمہ کو اسلام کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ اور ان عقیدوں کو ذریعہ ایمان و اسلام ملاحظہ ہو (۳۵) مسلک و مشرب کے امتیاز کے لئے اگر یہ لکھ دیا جاتا کہ معیار اسلام کلمہ طیبہ ہی ہے مگر شیعہ معتقدات میں امامت و خلافت بلا فصل کا بھی اضافہ ہوتا ہے تب بھی کچھ بات ہوتی

مگر یہاں ان اختلافی معتقدات پر مبنی مسائل کو کلمۃ اسلام قرار دینا اودیہ کہ اس کے پڑھنے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے۔ نہ عقلاً اور نقلاً صحیح ہے نہ ملک کے سوادِ اعظم کو تحت السطور اور اشارات و تلمیحات میں کافر قرار دینا ملک و ملت کی خیر خواہی ہے۔ ان حضرات کو خود بھی معلوم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں داخلۃ اسلام کی علامت صرف کلمۃ طیبہ رہا ہے۔ اور عہدِ صحابہؓ خیر القرون میں کلمۃ طیبہ ہی کلمۃ اسلام سمجھا جاتا رہا۔ خود شیعوہ روایات بھی اس باب میں بے شمار

ہیں۔ اس لئے ایک ایسی بات کو جو امت مسلمہ کی عظیم اکثریت کے ہاں نزاعی اور ناقابلِ تسلیم ہے ایک ایسے نصاب میں شامل کر دینا جو اکثریتی طبقہ کے سامنے بھی بجز واکراہ رکھا جاتا رہا ہے۔ نہایت نا عاقبت اندیشی ہے، ملک میں جگہ جگہ اس مسئلہ پر بے چینی کی لہریں اٹھ رہی ہیں۔ لاہور میں ایک عدالت کے سامنے بھی یہ مسئلہ رکھ دیا گیا ہے۔ چکوال میں تو کشیدگی کی حد ہو گئی ہے کہ مسجد کا تقدس مجروح کر کے پولیس نے داخل ہو کر نمازیوں پر ظلم کیا۔ ممتاز عالم قاضی مظہر حسین صاحب اور دیگر لوگ گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب چکوال کے واقعہ کے ضمن میں اس مسئلہ کے محرکات پر تحریک التواہد پیش کر چکے ہیں۔ حکومت کو چاہیئے کہ وہ نصابِ دینیات کی شکل میں جو آگ سنگ اٹھی ہے خدا را ملک و ملت کی سالمیت کی خاطر اس کے خطرناک عواقب کو سوچے اور اس کے بھڑک جانے سے پہلے اسے بجھا دینے کے اقدامات کرے! (مارچ ۱۹۷۷ء)



متجددین اور منکرین حدیث کا جاہلانہ تصور نبوت

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب

اسلام میں قرآن کریم کے بعد دوسرا مقام سنت اور حدیث نبویؐ کا ہے۔
منصب رسالت قرآن کریم اول تا آخر سنت نبویؐ کی اس اہم ترین مرکزی اور بنیادی حیثیت پر زور دیتا ہے۔ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ایک ایسے رسولؐ کی حیثیت سے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے جو بیک وقت معلم اور مربی بھی ہیں، شارح کتاب اللہ بھی اور تمام امت کے لئے پیشوا اور نمونہ تقلید بھی۔ وہ رسولؐ کی اتباع اور اطاعت کو محبت خداوندی اور یوم آخرت کی امید داری کی علامت قرار دیتا ہے اور حضورؐ کی زندگی اور آپؐ کے اقوال و افعال کو اپنا اسوۂ حسنہ بنانے والوں کو کافرین کے زمرہ میں شمار کرتا ہے۔ اس کی بے شمار آیتیں ناطق ہیں کہ رسولؐ کا کام صرف ”کتاب“ پہنچانا نہیں بلکہ اس کی تشریح و تفسیر اور اس کی تفسیر و تبیین بھی آپؐ کے فریضہ نبوت میں شامل اور منصب رسالت کا تقاضا ہے کہ وہ جگہ جگہ رسولؐ کو بحیثیت شارع پیش کر کے انہیں تشریعی اختیارات (LEGISLATIVE POWERS) دیتا ہے اور کبھی مختلف پیرایوں میں تصریح کرتا ہے کہ رسول کریم اللہ کے مقرر کئے ہوئے حاکم، فرمانروا اور قاضی (رج) ہیں۔ وہ رب رسولؐ کی قسم کھا کر اعلان کرتا ہے کہ تیرے رب کی قسم جب تک یہ لوگ دل و جان سے تیرے فیصلوں کے سامنے تسلیم خم نہ کر دیں یہ ہرگز ہرگز مومن نہیں ہو سکتے۔ تیری مرضی سے فیصلہ سے انکار تو کیا، اگر انہیں اپنے دلوں میں ذرا سی شکی بھی محسوس ہو جائے تو یہ چیز متاع ایمان کے ضیاع اور دین اسلام کی بربادی کا سبب ہوگی یومئین کا شیوہ تو یہ ہے کہ جب اللہ اور رسولؐ کی کسی بات اور فیصلہ کی طرف بلائے جائیں تو وہ دوڑتے چلے آئیں اور کہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے مان لیا (النساء ۵۸)۔ یہ ہے کافر اور منافقین، تو ان کا حال یہ ہے کہ ایسے موقع پر رسولؐ سے کئی کتر استے ہیں (النساء - ۶) وہی قرآن جس کی

اڑے کر آج دین اور ملت اسلامیہ پر شکنجہ کرنے والے یلغار کر رہے ہیں، اسی کتاب میں
کا اعلان ہے کہ رسولؐ کی اطاعت خدا کی اطاعت اور اس کے تشریعی منصب سے انکار خدا اور
اس کی کتاب سے انکار ہے۔ وہی کتاب کہتی ہے کہ رسولؐ کی زبان خدا کی زبان۔ اس کا ہاتھ
خدا کا ہاتھ۔ اس کا قول خدا کی وحی، اس کا عمل خدا کا منشاء اور اس کا فیصلہ خدا کے بزرگ برتر
کا اٹل قانون ہوتا ہے۔

پھر آہ! ان لوگوں کی نفسانی خباثتوں اور فطری کج فہمیوں کا ماتم کن الفاظ سے کیا جائے
جو قرآن کا نام لے کر رسولؐ اولین و آخرین سے یہ سارے مناصب و محکم بدھن اچھین لینا
چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہے کتاب اللہ میں ہے، رسولؐ کی اپنی حیثیت کچھ بھی نہیں، نہ اس کے
ارشادات اور تشریحات قرآن کو شریعت کا حقد قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ انہیں
مسلمانوں کے قانون کا مانع سمجھا جاسکتا ہے۔ حالانکہ سنت کا دوسرا مانع قانون
(SOURCE OF LAW) ہونے پر صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک امت مسلمہ کا اجماع
چلا آ رہا ہے۔ مگر اسلام میں سنت کو جتنا اہم کردار اور اساسی حیثیت دی گئی ہے،
اسلام اور رسولؐ اسلام کی ذات اقدس سے عناد رکھنے والے منافقین اور ملحدین نے
سنت کی تشریعی حیثیت گھٹانے میں اتنا ہی زور لگایا ہے کہ جب رسولؐ کی تشریح اور
تفسیر کو قرآن کریم کے احکام اور ملاحظات سے الگ کر دیا جائے گا، تو اسلام اور قرآن کی
من مانی تاویل بلکہ تحریف کے لئے راستہ کھل جائے گا۔ قرامطہ، باطنیہ، معتزلہ، خوارج اور اس
طرح کے بے شمار فرق باطلہ میں یہ چیز آپ کو قدر مشترک کے طور پر ملے گی، خواہ یہ لوگ
دعویٰ حدیث پر عمل کرنے کا کرتے رہے یا اعلانیہ انکار۔

سنت رسولؐ اور مستشرقین اور تجدد زدہ طبقہ | پچھلی دو صدیوں سے یورپ کے مستشرقین اور
مسلمانوں کے تجدد زدہ طبقوں کے مساعی کا محور بھی زیادہ تر "سنت رسولؐ" ہی رہا کبھی کبھلے

الفاظ میں اسے نشانہ تحقیق بنایا گیا اور کبھی منافقانہ لبادہ اوڑھ کر سنت کی نئی نئی تعبیرات کہنے کی شکل میں ہمارے ہاں کے تہذیب زدہ حضرات جو نہ تو اپنی علمی و فکری قوتوں کو خدا و رسول کی مرضیات پر چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔ اور نہ مجبوری اور مصلحتوں کی وجہ سے واضح طور پر اسلام اور ایمان سے انکار کر سکتے ہیں۔ ان کے مسامحہ کا تعلق بھی زیادہ تر سنت رسول کی شرعی حیثیت کو نقصان پہنچانے سے ہے۔ ایسے لوگ جن کی ساری علمی متاع اپنے پیشرو غیر مسلم مغربی اساتذہ کی تحقیق و ریسرچ ہے، ہمیشہ سنت نبوی کے مصداق اور اس کی اہمیت و استنادی حیثیت کو مخدوش و مشکوک کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ ان لوگوں میں سے غلام احمد پریز اور اس کی جماعت تو کھلے بندوں احادیث رسول سے انکار کی دعوت دیتی ہے۔

سنت اور حدیث کے بارہ میں منافقانہ کردار اور کچھ لوگ علانیہ انکار کئے بغیر سنت اور حدیث کو اپنی ملحدانہ اغراض کی بناء پر ایسے معافی پہنچانا چاہتے ہیں جس سے سنت کی حقیقت تو مسخ ہو کر رہ جائے، مگر انکار حدیث کے الزام سے بھی ان کا دامن بچ جائے۔ اس ”ظنِ تحقیق“ کا سہارا سوائے عالم یہودی مشرق پر فیسر جوزف شاخت کے سر پر ہے۔ اور ہمارے ہاں اس نظریہ کے فروغ و اشاعت کا فریضہ ان کے وفاتشار شاگرد ڈاکٹر فضل الرحمن اور ان کی ہمراہ جماعت بجالا رہی ہے۔ پہلی جماعت اپنی فاسد اغراض اور خواہشات کی راہ میں سنت رسول کو سنگ گراں سمجھ کر اسے راستہ ہی سے ہٹا دینا چاہتی ہے۔

نظریہ سنت جاریہ و غیر جاریہ مگر ڈاکٹر فضل الرحمن کا نظریہ ”سنت جاریہ و غیر جاریہ“ وہ عیارانہ حربہ ہے جسے ہاتھ میں لے کر آپ قبرسم کی رندی اور عیاری پر تقولے اور پارسائی کا غلاف چڑھا سکیں گے۔ اس نظریہ کا خلاصہ فضل الرحمن صاحب کے الفاظ ہی میں یہ ہے کہ ”سنت درحقیقت ایک تعاملی اصطلاح“ ہے جس کی تشکیل ”آزاد فکری رائے“ سے ہوتی ہے۔ اور ”عوام الناس“ یا ”رائے عامہ“ کے قبول کر لینے کے بعد وہی چیز ”سنت“

بن جاتی ہے اور رائے عامہ کے اس قبول کر لینے کا نام ہی ”اجماع“ ہے۔ جس کو وہ ”آزاد اجماع“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق ملت مجموعی طور پر سنت نبویؐ کے مشمولات کی تخلیق کرنے کی مستحق ہے، ملت الفاظ پر زور نہیں دیتی بلکہ اس کی روح کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔ اور اس ”تعالیٰ اصطلاح“ کو جاری رکھنے کے لئے ڈاکٹر صاحب موصوف اس کا نام سنت جاریہ (زندہ سنت) رکھتے ہیں اور حضورؐ کی اصلی سنت کو سنت غیر جاریہ (مردہ سنت) معاذ اللہ قرار دیتے ہیں جس کی تشریح مختصراً یہ ہے کہ کتاب و سنت اور تعلیمات شریعت میں اتنی ”توسیع“ کر دی جائے کہ جدید تہذیب و تمدن کے پیدا کردہ تمام مسائل اور خرابیاں عامۃ الناس کی رائے اور تعامل کی وجہ سے حسبِ خواہش سنت اور شریعت میں سمائے جاسکیں۔

پرویزی نظریہ سے مہلک | تحریف و تبیس اور دین کی بنیادوں میں رخنہ اندازی کے لحاظ سے چودہویں صدی کی تحقیق منکرین حدیث کے پہلے گروہ سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے، تعجب ہے کہ بعض سادہ لوح حضرات کی نظریں لاعلمی یا دینی بے حمیتی کی وجہ سے فضل الرحمن کی اس تکنیک پر نہیں جاتیں اور وہ ”انکار حدیث“ سے دوسری جماعت کی براءت کرنا جہاتے ہیں۔ حالانکہ فضل الرحمن یا اس کے ادارہ کی طرف سے اگر ”پرویزی نظریہ“ کے تعاقب میں کوئی مضمون آتا ہے تو وہ صرف اس وجہ سے کہ انہیں پرویزی انداز فکر مسلمانوں کے دینی احساسات اور جذبات کی وجہ سے اسلام کے حق میں کم خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ جبکہ یہ لوگ قصر اسلام کو خاکم بدہن جلدانہ جلد بہیوند خاک دیکھنا چاہتے ہیں **رَوَلَا فَعَلَ اللَّهُ كَذَا لَكَ**، یہ لوگ اپنے مقصد کے لئے چور اور منافق بن کر درپردہ حربوں سے اس قصر میں نقب زنی کو زیادہ مؤثر اور مفید سمجھتے ہیں۔ پرویز جیسا جارحانہ اور دو ٹوک طریقہ نہیں۔ اگر پرویزی جماعت کھلے اراد

۱۔ مذکورہ بالا نظریہ کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ فکر و نظر جولائی، اگست ۱۹۷۳ء مقالہ تصور سنت اور دیگر مضامین

اور کفر صریح کا راستہ چھوڑ کر ان کی طرح لفاق اور تلبیس کا راستہ اختیار کر لے تو آج ہی یہ دونوں مکتب فکر گلے مل سکتے ہیں۔ پھر ان دونوں مکاتب فکر میں میدان الحاد و تہجد کی سیادت و قیادت کا جذبہ بھی کار فرما ہے جو انہیں ایک دوسرے کا قریب اور حریت بنانے پر مجبور کرتا رہتا ہے۔ ورنہ قرق باطلہ کے نفسیاتی مطالعہ اور ارشادات نبویؐ کی روشنی میں اصل اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں سب ایک ہیں، طریق کار، انداز بیان اور تعبیرات میں فرق ہے۔

آزاد اجماع اور شخصی رائے | چودہویں صدی کے ابا جہت زدہ لوگوں کو اسلامی اقدار سے فرار کے لئے متشرقیین یورپ، ہمارے ہاں کے اہل تہجد اور اسلام کے تعمیر نو (NEW CONSTRUCTION) کا نعرہ لگانے والوں اور اس کو حالات اور ظروف کا تابع بنانے والوں کی یہ تحقیق خوب بھائی ہے کہ، موس زدہ عوام کی اکثریت اور دین سے عموماً بے خبر عامۃ الناس کی خواہشات اور فیصلوں کو دین میں سنت جاریہ، آزاد اجماع، شخصی اجتہاد وغیرہ کے نام سے حجت اور اتھارٹی کا مقام دے دو۔ پھر دیکھو کہ جو فواحش اور منکرات دین میں قطعی حرام تھے، کس طرح وہ یکایک عامۃ الناس کے اپنانے سے جائز اور حلال بلکہ قانون اور شریعت کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔

عوام کو فیصلہ کرنے کا حق؟ | اگر اس "آزاد اجماع" اور "شخصی رائے" کو احکام شرعیہ کا ماخذ اور "سنت جاریہ" مان لیا جائے تو پھر کون ہے جو سینما، بے پردگی، فحاشی، سود بنگلہ، ہجو، الغرض یورپ کے تمام اخلاقی معاشرتی اور اقتصادی مسائل کو اسلام سے مخالفت کہہ سکے۔ کل اگر آزاد شخصی رائے سے تشکیل پائی ہوئی "سنت جاریہ" سوشلزم کو پسند کرے، پرسوں کیونزم یا کمیونزم کو اور کچھ عرصہ بعد دجال اور اس کی لائی ہوئی یورپی تہذیب کو گلے لگائے تو ان میں سے ہر چیز کو سنت نبویؐ کا مقام حاصل ہو جائے گا۔ والعیاذ باللہ۔

ذرا اور گہرائی میں جائیے تو نتیجہ کے لحاظ سے "سنت اور حدیث" سے تلاعب اور تمسخر کرنے والی دونوں جماعتیں اس نکتہ پر اکٹھی ہو جاتی ہیں کہ "اطاعتِ رسول" اور شریعت کی بجائے ہر دور کے عوام کے فیصلوں کو وہی حیثیت دے دو جو رسول اور اس کی سنت کو مل ہے۔ البتہ پرویزی مکتب فکر میں اس کی تعبیر "مرکزیت" کے نام سے کی جاتی ہے اور متجددین کے ہاں "زندہ اور مردہ سنت" سے اور کبھی آزاد اجماع اور "اجتہاد کی آڑ" میں عوام یا ان کی منتخب کردہ پارلیمنٹ مقننہ۔ اگر اسے اسلامی نقطہ نظر سے مقننہ کہنا جائز بھی ہو) کو قسماً کے فیصلوں کا حق دیا جاتا ہے۔ خواہ ان فیصلوں کا مقصد کتاب و سنت اور اس کے منصوص احکام کو ویٹو کرنا ہی کیوں نہ ہو اور اس خود ساختہ اجماع سے امت کے بچھلے تمام اجماعی مسائل کا ٹوٹ کیوں نہ ہو رہا ہو۔

پچھلے تمام اجماعی مسائل کا ٹوٹ کیوں نہ ہو رہا ہو۔
 جہوریت کے نام پر اجماع وغیرہ کے بارے میں صدر ایوب کے غلط خیالات | پھر اس غلط اور خطرناک تصور اجماع کا پروپیگنڈا اس زور شور سے کیا گیا ہے کہ بدستی سے اوزر تو اور ہمارے قابل احترام صدر مملکت تک اس نظریہ سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اپنی کتاب "فرینڈز ناٹ ماسٹر" کے گیارہویں باب "آئین اور نظریہ حیات" میں انہوں نے "اجماع" کے اسی مفہوم کو اپنا لائحہ عمل بنانا چاہا ہے۔ اور چونکہ ملکی آئین اور ضابطہ حیات کی تشکیل میں صدر محترم کو اہم ترین مقام حاصل ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ انہی خطوط پر وہ ملک کی قانون سازی کو پسندیدہ سمجھتے تھے جس کے اثرات مستقبل میں پورے ملک کے مسلمان اکثریت کا متاثر ہونا لازمی تھا۔ اجماع کا وہ تصور جو اسلاف نے کتاب و سنت کی روشنی میں ہمیں دیا ظاہر ہے کہ اس کے لئے جو اہمیت اور صلاحیت ملحوظ رکھی گئی تھی، عوام تو کیا اس دور کے خواص امت تک میں اس کا پایا جانا مشکل ہے۔ صدر محترم کے

۱۰ وقت کے صدر محمد ایوب خاں کی تصنیف جس کا اردو ترجمہ "جس مذاق سے آتی ہو پروان میں کوتاہی" کے نام سے شائع ہوا تھا۔

خیال میں ایسے اجماع سے جمہوری قدروں کی پائمالی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ قانون و شریعت پر علماء یا دینی علوم سے وابستہ کسی خاص گروہ کی اجارہ داری ناجائز سمجھتے ہیں اور زمانہ جدید میں اجماع کا مصداق قانون ساز اداروں کی رائے ہی کو قرار دیتے ہیں۔

ملائیت پاپائیت نہیں | حالانکہ ظاہر ہے کہ اسلام میں ”علماء اور ملا“ کسی خاص رنگ و نسل یا کسی مخصوص پیشہ یا کسی خاص قوم و نسب سے نسبت رکھنے والی جماعت کا نام نہیں، نہ اسلام میں اس پاپائیت اور برہمنیت کی گنجائش ہے۔ بلکہ مسلمانوں کے ہر طبقہ میں سے جو بھی چاہے بلا امتیاز رنگ و نسل اور بلا تفریق قوم و پیشہ، کتاب و سنت اور اسلامی علوم کا صحیح علم و فہم حاصل کر کے عالم بن کر منصب وراثت نبوت پر فائز ہو سکتا ہے۔ رنگ و نسل کا امتیاز تو کیا دین کی ترجمانی کا یہ منصب جلیل مسلمانوں کی عورتوں اور غلاموں تک کو نصیب ہو سکتا ہے۔ تو پھر اصل معاملہ ”ملا“ کی اجارہ داری کا کب رہ جاتا ہے؟ اس صورت میں اگر ہم ”ملا“ کا نام لے کر دین کی اجارہ داری اور تعمیر و ترجمانی میں اپنے آپ کو شریک کرنا چاہیں تو درحقیقت ہم تشریع اور قانون سازی کے لئے کتاب و سنت کی بالادستی اور اجارہ داری کے روادار نہیں ہوں گے۔

جمہور کی رائے اور جمہوریت کی کہاں تک اہمیت ہے | بیشک اسلام نے جمہور امت اور مسلمانوں کے عمومی پسند و انتخاب کی اہمیت تسلیم کی ہے۔ یہاں تک کہ اسے اجماع، استحسان، عرف اور تعامل امت کے نام سے اسلامی قانون کا ایک اہم رکن قرار دیا گیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ اس نے یہ بھی لازم کر دیا ہے کہ جمہور کا کوئی فیصلہ نہ تو کتاب و سنت اور خدا و رسول کی مرضی اور دین کے عمومی مزاج سے متصادم ہو اور نہ کسی چیز کو اپنانے میں خواہش پرستی، نفس پروری اور دین سے گریز کا داعیہ شامل ہو۔

اجارہ داری نہیں مگر اہمیت شرط ہے | جمہوریت کے نام سے دین اور شریعت میں عوام

کو اس طرح کی آزاد قانون سازی کا حق دینا بالکل ہی ایسا ہے کہ ہم ملک کی تعمیری اور ترقیاتی منصوبوں میں کسی انجینئر کی رائے اور قابلیت سے استفادہ کی بجائے عام لوگوں کو جنہیں انجینئرنگ کی معمولی شد بد بھی نہ ہو سارا کام سپرد کر دیں۔ کسی قابلیت اور صلاحیت کے بغیر عوام کو تربیلہ اور منگلہ جیسے بھاری بھر کم منصوبوں کی تعمیر و تشکیل کا کام سپرد کر دینا جہو پخت پروری نہیں بلکہ جمہور اور جمہوری اقدار سے دشمنی ہوگی۔ اسی طرح ڈاکٹری اور میڈیکل کو لیجے، لوگوں کی صحت، بیماری اور خصوصاً اجسام انسانی کی چیر مچاڑ جیسا نازک کام عوام کے سپرد نہیں کیا جاسکتا۔ کیا ملک کے ہر شخص کو جاں بلب مریضوں کے اپریشن کا حق اس لئے دیا جاسکتا ہے کہ اسے منع کرنا جمہوریت کی پائمالی ہوگی؟ نہیں! بلکہ سرجری کا نازک ترین کام وہی شخص انجام دے سکے گا جسے مطلوبہ قابلیت، تعلیم، ڈگری اور تجربہ پورے طور پر حاصل ہو۔ اور کیا ملک کے شہری کو خواہ وہ مروجہ عدالتی قوانین اور عدالتی نظام سے معمولی آگاہی بھی نہ رکھتا ہو یہ حق دیا جاسکے گا کہ وہ چیف جسٹس یا پورے عدلیہ کے فیصلوں کو چیلنج دے سکے، یا قتل جیسے مقدموں کا فیصلہ کرتا پھرے، یا اسے وکالت کا اختیار دیا جائے۔ پس ظاہر ہے کہ جب دنیاوی علوم میں اس قسم کی اجارہ داری کو ہم حق تلفی قرار نہیں دے سکتے تو دین، شریعت، اور زندگی پر لاگو ہونے والے قوانین کے لئے مخصوص شرائط، قیودات اور خاص قسم کی قابلیت اور اہلیت کے التزام کو کیوں جمہوری اقدار کی خلاف ورزی سمجھا جائے؟

اجتہاد اور اجماع | پس بلاشبہ شریعت نے ہر کس و ناقص کو نہ تو اجتہاد کا حق دیا ہے نہ شخصی رائے پر اٹھائے گئے آزاد اجماع کو وہ دین کا اصل قرار دیتا ہے۔ بلکہ اجماع ایسے لوگوں کا ہی معتبر ہوگا جو خدا ترسی، تقویٰ، خشیت، فراست، ایمانی، بصیرت دینی، جذبہ خیر خواہی و حق کوشی جیسی صفات سے مالا مال ہوں، علمی اور فنی لحاظ سے ہر طرح کامل مکمل جامع اور

عینقرنی شخصیتیں ہوں۔ ان کا کوئی فیصلہ تعصب، تخریب عناد، جہل، خود غرضی اور خواہشات انسانی پر مبنی نہ ہو اور پھر ان کے فیصلوں کے لئے اللہ، رسولؐ اور عہدِ صحابہ و تابعین سے کوئی قویٰ سند بھی موجود ہو۔ ایسے ہی لوگ اجتہاد و استنباط کے اہل ہوں گے اور ایسے ہی تمام بزرگوں کا اتفاق ”اجماع“ قرار پائے گا۔ ممکن تھا کہ آج بھی ان شرائط اور قابلیتوں کے ساتھ اجتہاد کا دروازہ کھولا جاسکتا۔ مگر افسوس کہ واقعاتی دنیا میں صدیاں ہوئیں وہ کنجی گم ہو چکی ہے جسے لے کر ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ احمد بن حنبلؒ اور مالک رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اساطینِ علم و فضل یہ دروازہ کھولا کرتے تھے۔

اب انہیں ڈھونڈ چرائیں رخ زریبا لیکر

خلاصہ بحث | بہر تقدیر اسلام کی نظریں اصل اطاعت اللہ اور اس کے رسولؐ اور اصل مقام کتاب و سنت اور اس سے مستنبط احکام و اصول کا ہے۔ اگر امت کی اکثریت یا مسلمانوں کی منتخب کردہ کوئی پارلیمنٹ کسی غیر شرعی فیصلہ یا کسی گمراہی پر متفق ہو بھی جائے تب بھی امت میں ایک مضبوط جماعت ہمیشہ ایسی پائی جائے گی جو اس ”اجماع ضلالت“ کی نہ صرف مخالفت بلکہ حق کی اعلان و اشاعت کرتی رہے گی۔ مجموعی امت گمراہی پر حسبِ بشارتِ نبویؐ (لا تجتمع امتی علی الضلالة) ہرگز متفق نہیں ہو سکتی، بنا بریں نہ تو مرکزیت یا قوتِ حاکمہ کو اطاعتِ رسولؐ سمجھا جاسکتا ہے۔ اور نہ ہم یورپ کے اسلام دشمن یہود و نصاریٰ سے درآمد شدہ نظریات کو سنتِ جاریہ کہہ سکتے ہیں اور نہ زنا با رضاء جیسے صریح فاحشہ کو قانونی حیثیت دینے پر اتفاق کرنے والی پارلیمنٹ کے فیصلوں کو ”اجماع“ قرار دیا جاسکتا ہے۔ بلکہ جس طرح دیگر دینی اصطلاحات، صلوٰۃ، صوم، حج، زکوٰۃ قربانی وغیرہ کا ایک خاص شرعی مفہوم ہے۔ جسے نہ تو بدلا جاسکتا ہے نہ ان میں ”توسیع“ اور ”ترمیم“ ہو سکتی ہے اور جس طرح ”کتاب“ سے مراد وہی قرآن ہو گا جسے امت اب تک متواتر آسمانی صحیفہ

مانتی چلی آرہی ہے۔ اسی طرح سنت، اجماع، اور اجتہاد کے وہی معنی قابل قبول ہوں گے جو عہدِ صحابہؓ سے لے کر اب تک متواتر چلے آرہے ہیں اور جس طرح کتاب، وحی، نبوت، رسالت وغیرہ الفاظ کے شرعی مفہومات قطعی اور اس میں تحریف و تبدیلی اور طلی بروزی کی تفریق الحاد، کفر اور زندقہ ہے، اسی طرح اسلام کے اصول اربعہ کتاب و سنت، اجماع و اجتہاد کو اپنے اصلی معانی سے الگ کرنا اور اسے اپنے من مانی معانی پہنانا تحریف فی الدین اور دین سے تلاعب اور مذاق ہی سمجھا جائے گا، جسے امت کا عمومی دینی مزاج قیامت تک برداشت نہیں کرے گا۔



فتنۃ انکار حدیث

شریعت مقدسہ کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کے عظمت و ہمہ گیر جامعیت کو کم کرنے کے لیے آئے دن کوئی نہ کوئی فتنہ سرا اٹھاتا رہتا ہے کوئی ختم نبوت پر ڈاکہ ڈال کر نبی بننے کے ناپاک کوشش کرتا ہے تو کوئی قرآن فہمی کے آرٹیں وحی غیر متلو حدیث و سنت کے حجیت کا انکار کر بیٹھتا ہے، عصر حاضر کے اس فتنہ (انکار حدیث) کا سرخیل غلام احمد پرویز تھا، بعض دانشور اور اہل قلم بھی پرویز کی ”قرآن فہمی“ سے متاثر ہوئے۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے دینی فریضہ سمجھتے ہوئے دلائل و قیاس کے ترجمان ماہنامہ ”الحق“ میں اس فتنہ کا بھرپور تعاقب کیا۔ ذیل کے یہ تحریر بھی ”الحق“ میں کچھ عرصہ پہلے شائع ہوئی تھی جس کی اہمیت و جامعیت کے پیش نظر افادہ عام کے لیے ”فتاویٰ حقانیہ“ میں شامل کیا جا رہا ہے۔

(مُرتب)

منکرین حدیث کی بے جا وکالت

ملک کے مشہور ادیب، شاعر اور صحافی جناب شورش کشمیری کو یکایک کیا سوچھی کہ ۱۳ مارچ کے چٹان میں انہوں نے اس ملک میں فتنۃ انکار حدیث کے سرغنہ جناب غلام احمد پرویز کی مدح لکھی اور وکالت کا بیڑا اٹھایا اور اس زور و شور سے کہ پرویز کو انکار اسلام کی کر بلا میں حسین قافلہ کی آواز اور قرآنی فکر کی ایک فاضل شخصیت قرار دیتے ہوئے انہیں بارگاہ رسالت کی سرخروئی اور فضلاء امت کی صف میں جگہ پانے کی ”بشارتیں“ بھی دیں مزید کہا کہ جو کام ساری امت کے علماء کے بس کا نہ تھا۔ پرویز نے وہ کردکھایا اور اسلام کے دامن سے عجمی گرد جھاڑ دی۔ پرویز کی ایک کتاب کا صرف ایک باب پڑھ کر انہوں نے ان کے بارہ میں ایک ”خوشگوار تبدیلی“ محسوس

کی اور پھر اس کے نتیجے میں امت کے تمام مکاتیب فکر کے ہزاروں علماء، مشائخ، اصحاب علم و تقویٰ اور ارباب تحقیق و فتویٰ کو مشورہ دیا کہ اب چونکہ اصل حقیقت مجھ پر منکشف ہو گئی اس لئے تمام علماء کو چاہیئے کہ وہ پرویز کے خلاف فتویٰ واپس لے لیں۔ اور طرفہ تماشایہ ہے کہ اسلام کے بارہ میں شورش صاحب پر یہ چودہ طبق کتاب کا صرف چودھواں باب پڑھ کر روشن ہو گئے معلوم نہیں ساری کتاب پڑھنے کے بعد معاملہ کہاں تک جا پہنچتا۔

جہاں تک شورش صاحب کا تعلق ہے ان سے بے شمار اختلافات اور آئے دن ان کے سیاسی اور غیر سیاسی موقف میں تبدیلیوں کے باوجود ہم بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو شورش کی جرات و ہمت اور بالخصوص قادیانیوں کے بارہ میں ان کے مومنانہ جہاد اور جرات مندانہ کردار کی وجہ سے اپنے دل میں ان کے لئے محبت اور تحسین کے جذبات پاتے ہیں اور ملک کے لاکھوں اہل علم اور دینی حلقے اس جذبہ حمیت کی وجہ سے ان "سیات" سے درگزر کئے ہوئے ان کے حسنات کو قابل قدر سمجھتے ہیں۔

حیرت تو یہ ہے کہ یہ رائے شورش صاحب نے ایک ایسے شخص کی ایک کتاب کے کچھ حصے پڑھ کر قائم کی جو صرف مشتبہ و مشکوک نہیں بلکہ اساطین امت تمام اجداد علماء کے ہاں کافر اور مرتد ہے اور ایسے لوگوں کے تمام نظریات اور مخصوص آراء سے صرف نظر کر کے کسی ایک کتاب کی اچھائی سے رائے تبدیل نہیں کی جاتی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی با این ہمہ دجل و تبلیس قرآن و سنت میں تحریفیات نبوت سے بغاوت کے باوجود اس کی دو ایک ایسی کتابوں کو پڑھ کر کل کوئی تمام امت کو اس کے بارہ میں اپنا موقف بدلنے کا مشورہ دے اور ان کے چند ایسے قصائد اور اشعار یا مضامین اور کتابچوں کو پڑھ کر اسے اسلام اور عالم النبیین کا بجا و فادار قرار دے جس میں عشق رسولؐ اور محبت اسلام کا اظہار کیا گیا ہے، تو کیا شورش صاحب کسی کو ایسا کرنے کا حق دے سکیں گے۔

الغرض شورش صاحب کی خدمات اور جذبات کتنے ہی قابل قدر کیوں نہ ہوں منکرین حدیث

کی اس زور و شور سے یہ ترجمانی ایک ایسی بات نہیں کہ اہل علم کیا کوئی مسلمان بھی اس سے صرف نظر کر کے اس لئے کہ یہ بالواسطہ دین کے قطعی اور طے شدہ مسلمات میں دست اندازی اور خود اپنے ہاتھوں اس ناموس نبوت کو تار تار کرنے کی ظالمانہ جبارت ہے جس کی حفاظت اور اس کی فاطر شورش صاحب سر دھڑکی بازی لگانے کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ اس تبدیلی اور خوشگوار انقلاب میں مسلمانوں کا نہیں خود آغا صاحب کا ضیاع دین و ایمان ہے۔ اس لئے ہم ان سے خیر خواہی جذبہ نصیحت اور دینی مسئولیت کی بنا پر یہ التجائے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ دین — اور عقیدے کی دنیا میں خدا کی زبان میں اس بڑھیا جیسا نہ بنیں جو اپنے ہی ہاتھوں اپنے سارے کئے کرائے برپانی پھیر دیتی ہے۔ *اللّٰہی لقضت غزلہا من بعد قوۃ انکاثا۔*

دین و عقیدہ کی راہ میں ہر اچھی بری وادی میں بھٹکتے رہنا ان شعراء کی جبلت ہے جنہیں اللہ نے ایمان اور عشق رسول کی دولت سے محروم کیا ہوتا ہے مگر شورش صاحب تو ختم نبوت کے دنائے میں حسانی رنگ لئے ہوئے ہیں تو یہ کتنی بد قسمتی اور حسرت کی بات ہوگی کہ وہ یکایک *والشعراء یتبعہم الغاؤون الم تر انہم فی کل واد یھیمون ویقولون ما لایفعلون —* کا مذاق بن جائیں۔

دینی مسئولیت اور معاملہ کی سنگینی کا احساس نہ ہوتا تو ہم اس معاملہ میں سکوت اختیار کرتے اس لئے کہ شورش صاحب کا قادیانیوں سے عین حالت جنگ میں اپنے آپ سے ملک کے تمام دینی و علمی طبقوں اور ناموس رسالت سے سرشار مسلمانوں کو ناراض کرنا ان کے حق میں بھی مفید نہ تھا اور شمائت اعداد کا بھی ذریعہ تھا۔ مگر افسوس یہ سامان انہوں نے خود فراہم کیا اور قادیانیت سے برسرِ پیکار تلوار بہت سوں کی نظروں میں کند اور غیر موثر ہو گئی اور آج وہ الحق بھی بد قسمتی سے شورش کے اس نئے موقف پر ملامت کئے بغیر نہیں رہ سکتا جسے مرزائی تعاقب و استیصال کی وجہ سے قادیانی پریس چٹان کا ہم سفر قرار دے رہا ہے اور الحق قادیانی رسائل و مجلات کے سب و شتم برداشت کرنے میں چٹان کا برابر کا شریک ہے۔

فتنۃ الکفار حدیث | لیکن اس تلخ فریبت کی ادائیگی بہر حال ان تمام دینی و علمی افراد کا دینی

تقاضا ہے جو انکار حدیث اور اس فتنہ کے سربراہ غلام احمد پر ویز کی حقیقت سمجھ کر اسے اتنا ہی ناموس رسالت اور اسلام کے لئے خطرناک سمجھتے ہیں جتنا کہ یہ لوگ خود شورش صاحب ایک دوسرے غلام احمد کے قادیانی فتنہ کو اسلام کے لئے ذہریلاہل سمجھتے ہیں، اس لئے کہ نبوت کے مقام و منصب سے بغاوت کے لحاظ سے انکار حدیث کی تاریخ محرکات دواعی اور عوامل پر نظر ڈالتے اور پاکستان میں اس فتنہ کے علمبردار پرویز کے پورے لٹریچر اور خیالات کو نگاہ میں رکھا ہوتا اور اسلام اور منصب نبوت و رسالت کے تقاضوں اور حقیقت پر پرویز کی فلسفہ فکر کو پرکھا ہوتا تو یہ حقیقت ان پر بھی منکشف ہو چکی ہوتی کہ یہ فتنہ اپنی فتنہ سامانیوں کے لحاظ سے اسلام کے لئے ان فتنوں سے کسی طرح کم نہیں جو تاریخ کے ہر دور میں اہل الحاد و زندقہ نے اور پھر چھوٹے مدعیان نبوت نے منصب نبوت میں دھل و تلبیس کر کے اسلام کے خلاف کھڑے کئے۔

اور یہ ان تمام ٹمبی سازشوں سے بڑھ کر ٹمبی بلکہ یہودی سازش ہے جس کو اسلام کے کرخ زبیا سے جھاڑنے کا کریڈٹ آج شورش صاحب پرویز کو دے رہے ہیں۔ برعکس ہند نام زندگی کا فور ٹمبی سازشوں کی تاریخ اگر شورش کی نگاہ میں ہوتی تو انہیں اس تاریخ کے ہر صفحہ ہر سطر میں درپردہ انکار حدیث کی کافرانہ چالیں نظر آتیں۔ قرامطہ، باطنیہ، خوارج معتزلہ، مجسمہ، معطلہ، مخربین قرآن، منکرین صحابہؓ اور ایسے کتنے لوگ تھے جنہوں نے ہر دور میں سنت ہی کے خلاف شکوک و شبہات اٹھا کر اپنی اسلام دشمن سازشوں کے لئے زمین ہموار کی۔ پھر اس زمین پر عقلیت اور عجمیت کفر و الحاد، تشکیک اور زندقہ کا بیج بوریا۔ یہ تو اسلامی لبادہ اوڑھ کر سنت اور حدیث کو نشانہ تلبیس بنانے والوں کا حال تھا۔

فتنۃ استراق | اسلام کے بدترین دشمن یہود و نصاریٰ جنہیں صلیبی جنگوں میں شکست کے

بعد اپنے دینی عصبیت اور ملی حمیت اور اس سے بڑھ کر سیاسی استعماری اور سامراجی عزائم نے مجبور کر دیا کہ وہ اسلام کے خلاف فیصلہ کن معرکہ کے لئے اپنی مذاہیر اور منصوبے منظم کر لیں تو انہوں نے

مسلمانوں کے علمی و فکری محاذ پر سب سے اہم حربہ مستشرقین اور استشرق کے نام سے استعمال کیا جس کا اولین مقصد یہ ہے کہ اسلام اور رسول اسلام کے بارہ میں ہر اس چیز میں شک، بدظنی اور ریب و تذبذب پیدا کیا جائے جس کی نسبت کسی طرح بھی اسلام کی طرف ہو یا کسی درجہ میں بھی اسلام کی عزت و اقتدار میں اضافہ کا ذریعہ ہو۔ خواہ یہ چیز خود حضور کی ذات اور ان کی سیرت تھی یا ان کی تعلیمات احادیث آثار و اخبار اور مسلمانوں کے عملی و اعتقادی نظام کے لئے سرچشمہ قانون و آئین تھا۔ خواہ وہ قرآن تھا یا حدیث رسول اس مقصد کے لئے حضور کی آئینی اور شرعی حیثیت کو مجروح کرنا چاہا۔ سنت کے راویوں کی وہ مقدس جماعت جو طبقہ صحابہ میں کیوں شامل نہ تھی۔ انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ راوی پر نکتہ چینی ہوئی۔ حدیث کے اولین مدونین کے کردار کو مشتبہ کیا گیا۔ چنانچہ مستشرقین کے سب سے بڑے گرو گولڈزیہر نے مستقل طور پر ابو ہریرہؓ کی ذات اور حدیث کے مدون اول امام زہریؒ کی شخصیت کو داغدار بنانے کی سعی نامشکور کی، اسلام کے قابل فخر مشاہیر کے خلاف پروپیگنڈہ کا طوفان مستشرقین ہی نے اٹھایا۔ ایک پاکیزہ مثالی معاشرہ کی ایک بھیانک تصویر کھینچی۔

الغرض اسلام داعی اسلام اور مسلمانوں سے جس چیز کو کسی کچھ نسبت تھی اسے مشق تحقیق بنا کر داغدار اور معیوب کرنا چاہا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کے بنیادی مصدر و مآخذ قانون و شریعت سنت اور حدیث کی تشریحی اور آئینی حیثیت کو خاص طور سے نشانہ بنایا۔ اسلام کے ذلت و سیرکاریوں اور اسلامی تحقیق کے پردے میں دھیل و تلبیس کے اس میدان میں دشمنان اسلام کے ہاں۔ گولڈزیہر، مارگولتھ، شناخت اور اس جیسے کئی آئمہ ضلال و الحاد کے نام نہری حروف میں لکھے گئے ہیں۔ منکرین حدیث کی ترجمانی کرنے والوں نے مستشرقین اور اعداء اسلام کے طویل المیعاد منظم علمی منصوبوں اور اس کے محرکات اور آراء و افکار کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح ان پر عیاں ہو جاتی کہ مرزائیت کی طرح فتنہ انکار حدیث بھی سامراجی منصوبوں اور صیہونی سازشوں ہی کا ایک حصہ ہے۔ اگر وہ اپنے ہاں متجددین، روشن خیال، نام نہاد ترقی پسند اور منکرین حدیث کے افکار و نظریات کے سرچشموں کا صحیح کھوج لگاتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ یہ لوگ اسلام کے

خلاف وہی قے چاٹ چاٹ کر بھونکتے ہیں، جو سامراجی اور اشتراکی کٹے علمی تحقیق اور مشرق دوستی کے لبادہ میں پھیلی ڈیڑھ دو صدیوں سے اگل رہے ہیں۔ یہ اپنے طور پر کچھ بھی نئی بات نہیں کرتے۔ یہ تو وہ سارنگی اور طینور سے ہیں جس کی ہر ٹہر کسی غیر کے ہاتھوں کی مرہون ہوتی ہے۔

انکارِ حدیث اور انکارِ ختمِ نبوت میں باہمی مماثلت

حقیقت یہ ہے کہ انکارِ ختمِ نبوت ہو یا انکارِ حدیث، دونوں یکساں طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب و مقامِ نبوت اور ان کے لائے ہوئے دین و شریعت کے خلاف ایسی کھلی بغاوت ہیں کہ دونوں میں کسی طرح امتیاز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ دونوں کے درمیان وجوہ مماثلت پر ذرا بھی غور کیجئے تو دونوں غلام احمد (پرویز اور مرزا لائے قادیان) ایک دوسرے کے تظل اور بیرونہ معلوم ہوں گے۔

وعدہ وصل بحدسیت میان من و تو کہ رقیب آمد و پر سید نشان من و تو

اور تناسخ والوں کی زبان میں ایسا معلوم ہو گا کہ قادیانی دجال کی بدبودار روح پنجاب کے دیروں میں بھٹکی ہوئی اپنے ہی ایک ہم نام و ہم وطن غلام احمد پرویز کے غلیظ قالب میں دوبارہ نمودار ہو گئی۔ آئیے درازوں کے درمیان ان وجوہِ مشابہت کا کچھ جائزہ لیں۔

۱۔ مرزا غلام احمد نے حضور اکرم کی نبوت اور اس کی تشرعی حیثیت کا زبانی اعتراف کرتے ہوئے بھی اپنے لئے تشرعی حیثیت کا دروازہ کھول دیا تو:-

غلام احمد پرویز نے حضور کی تشرعی اور آئینی منصب پر تو ہاتھ صاف کر دیا مگر مرکزِ ملت اور مرکزی حکومت کے اطاعت کے نام سے ہر اچھی بری حکومت کو تشریع کا حق دے دیا اور یہ کہ اللہ اور رسول کی اطاعت، تابعداری اتباع، اقتداء اور تاسی۔ یہ تمام چیزیں رسول کی نہیں مرکزِ ملت کی اطاعت کا مطالبہ کرتی ہیں اور یہ کہ اولوالامر سے افسران بالا مراد ہیں۔

۲۔ غلام احمد قادیانی نے ختمِ نبوت کو خود ساختہ عجیب و غریب معانی پہنائے اور ظلی اور

بروزی گورکھ دھندوں میں ایک قطعی واضح اور بدیہی حقیقت کو عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کی طرح ایک معمہ بنا دیا۔ غلام احمد پرویز نے رسالت محمدیہ ماننے کا تو دعویٰ کیا، مگر حیثیت خاکش بدہن صرف ایک ڈالیکہ کی تسلیم کی اور ختم نبوت کا صاف الفاظ میں یہ مطلب لیا کہ اب انسانوں کو اپنے فیصلے آپ ہی کرنے ہوں گے اور یہ کہ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھوں نہیں تصورات اور اشخاص کی بجائے نظام کے ہاتھوں میں ہوا کرے گی۔ — دیکھئے سلیم کے نام پرویز کا خط ۱۵، ص ۲۵ (گویا یہ تصورات اشتراکی اور لادینی کیوں نہ ہوں اور نظام کارل مارکس اور لینن کا کیوں نہ ہو سب کچھ ختم نبوت کے کھاتے میں جا لے گا۔

۳۔ غلام احمد مرزا اور اس کے ساتھیوں نے اپنی جھوٹی نبوت کے اثبات کے لئے خود قرآن اور حضورؐ کی ذات کا سہارا لیا تو:۔

غلام احمد پرویز اور دیگر منکرین حدیث نے کتاب اللہ اور قرآن کی آڑ لے کر قرآن اور سنت اور خدا اور رسولؐ کا باہمی تعلق کاٹنے کی سعی کی اور قرآن ہی کو اس سلسلہ میں اپنا حربہ بنایا۔

۴۔ غلام احمد مہتمی نے نئی نبوت کا فتنہ کھڑا کر کے مسلمانوں کی ایک قطعی اجماعی عقیدہ میں رخنہ اندازی کی اور اسے ملت کا شیرازہ اتحاد بکھیرنے کا ذریعہ بنایا تو:۔

غلام احمد پرویز نے سنت کی آئینی حیثیت سے انکار کر کے ایک ایسے متفقہ صریح اجماعی مسئلہ میں دخل اندازی کرنا چاہی جو ختم نبوت کی طرح عہد صحابہ سے لے کر آج تک پوری امت کے ہاں طے شدہ مسلمات میں سے تھا۔

۵۔ غلام احمد قادیانی اور اس کا ٹولہ اپنے نبی کے لئے راستہ صاف کرنے کی خاطر انبیاء کی عیب جوئی اور طعن و شتم سے نہ چوکا۔ یہاں تک کہ رسول عربیؐ کی ذات میں نقص لگانے سے بھی گریز نہ ہوا تو غلام احمد پرویز اور اس کے ہمہنوا بھی اپنے نظام اجتماعی اور مرکزیت کا راستہ

نکالنے کی خاطر سنت رسولؐ میں عیب چینی کرنے لگے۔

۴۔ غلام احمد قادیانی نے نئے امر و نہی پر مبنی شریعت کا علم اٹھایا اور کچھلے سارے دین پر خط نسخ کھینچنا چاہا یا خود کو اس میں ہر طرح تبدیلی کا مجاز بٹھرایا تو۔

غلام احمد پرویز نے کہا کہ قرآن کے تمام احکام و راسخات قرصہ، لین دین، صدقات، زکوٰۃ وغیرہ سب عبوری دور سے متعلق ہیں۔ (نظام ربوبیت از پرویز ص ۲۵، ۱۹۶ وغیرہ) اور یہ کہ مرکز ملت کو اختیار ہے کہ وہ عبادات، نماز روزہ، معاملات اخلاق، عرض جس چیز میں چاہے رد و بدل کر دے (مقام حدیث ج ۱ ص ۳۹۱، ص ۳۹۲، ص ۳۹۳) جبکہ عبادات پر اتنی ڈھٹائی سے ان کے پیش رو مرزا نے بھی چہرا نہیں چلایا تھا۔

۵۔ مبنی کذاب مرزا قادیانی نے شریعت کی تمام اصطلاحات کو تحریف کا نشانہ بنایا تو غلام احمد پرویز نے امت کے متفقہ و مسلمہ مصطلحات شریعت کا مذاق اڑاتے ہوئے اسے من گھڑت مفہوم و مطالب پڑھائے اور ان کے ہاں آخرت سے مراد مستقیل ہے۔ (سلیم کے نام ج ۲ ص ۱۲۴) جنت و دوزخ مقامات نہیں انسانی کیفیات ہیں (لغات القرآن از پرویز ج ۱ ص ۴۴۹) فرشتے نفسانی محرکات ہیں اور ایمان یا الملائکہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ قوتیں انسان کے آگے جھکی رہتی چاہئیں۔ (ابلیس و آدم از پرویز ص ۱۹۵ لغات القرآن ج ۱ ص ۴۴۴)

ہبرئیل انکشاف حقیقت کی روشنی کو کہتے ہیں۔ (ابلیس و آدم ص ۳۸۳) آدم کسی وجود شخصی کا نہیں بنی نوع انسانی کا نام ہے۔ اور یہ کہ انسانی پیدائش دارون کے نظریہ ارتقاء کے مطابق ہوئی ہے (لغات ج ۱ ص ۴۱۲) نماز سے مراد نظام ربوبیت ہے (نظام ربوبیت ص ۸) زکوٰۃ صدقات و احبہ کا مطلب ٹیکس ہے۔ (قرآنی فیصلے ص ۳، ص ۱۲) ثواب اور وزن اعمال کا عقیدہ ایک ایفون ہے۔ (قرآنی فیصلے ص ۶)

تقدیر کا عقیدہ مجوسیوں کا داخل کیا ہوا ہے (ص ۱۹) صدقہ فطر ڈاک کے ٹکٹ ہیں۔ ج بین المللی کانفرنس اور قربانی صورت اس کانفرنس کے لئے راشن مہیا کرنے کا انتظام ہے۔

تلاوت قرآن جادو منتر کے دور کی نشانی ہے۔ (دیکھئے لغات القرآن رسالہ قربانی، قرآنی فیصلے وغیرہ)

۸۔ غلام احمد قادیانی نے اپنے متبعین کے علاوہ سارے مسلمانوں کی تکفیر کی۔

غلام احمد پرویز نے کہا کہ اس وقت دین کے ہر گوشے میں تحریف ہو چکی ہے۔ (قرآنی

فیصلے ص ۶۶) اور اب قرآن کے رو سے سارے مسلمان کافر ہو چکے ہیں۔ (سلیم کے نام خط، ج ۲

ج ۲ ص ۱۹۸ تا ص ۱۹۹) موجودہ مسلمان تو برہمہ سماجی مسلمان ہیں۔ (سلیم کے نام خط ج ۲ ص ۱۸، ۱۵)

۹۔ غلام احمد قادیانی کی نسبی شریعت میں حلال بھی ہے، حرام بھی یعنی یہ حق اسے حاصل

ہے کہ جسے چاہے حلال کہہ دے جسے چاہے حرام۔ غلام احمد پرویز کی نگاہ میں بھی حلال و حرام

کی جو طولانی فہرستیں ہیں وہ سب انسانوں کے خود ساختہ ہیں اور پرویز می شریعت میں صرف

چار چیزیں حرام ہیں۔ (طلوع اسلام مئی ۵۲ء ص ۶۹)

۱۰۔ غلام محمد کی وحی اور الہام — ”میں ولد میں“ قسم کے ہدایات سے بھر لو رہے

تو غلام احمد پرویز کے تفسیری نکات میں آپ کو ویٹھونگ عن الجھن۔ کا مطلب سرمایہ دارانہ

معاشی نظام جیسے قرآن دانی جیسے شاہکار ملیں گے۔ ستر عشرہ مکملہ۔

اس وقت ہم صفحات کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ان چند مثالوں سے دونوں کی

باہمی مماثلت و مشابہت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے منکرین حدیث کی وکالت کرنے

والوں بالخصوص شورش صاحب سے پوچھتے ہیں کہ یہ کیسا جذبہ ناموس رسالت اور حمیت دینی

ہے اور ایسا کیوں ہے کہ ایک غلام احمد کے بارے میں تو آپ کی رائے بالکل صحیح رخ اختیار

کرتی ہے مگر دوسرے میں آپ کو حسینؑ کی مظلومیت اور فضائے امت کی عبقریت

نظر آنے لگتی ہے۔

جہاں تک کسی حدیث کا بظاہر قرآن سے مخالفت یا آئمہ حدیث امام بخاری و مسلم وغیرہ کا

لاکھوں حدیث سے چند ہزار کا انتخاب اور اس عیسیٰ دیگر باتوں کا تعلق ہے تو نہ صرف یہ

بلکہ حدیث کی جمع تدوین کتابت وغیرہ اور اس سے متعلقہ تمام مباحث اس حد تک علماء

امت کے ذریعہ منقح ہو چکے ہیں کہ اس پر مزید اضافہ ممکن نہیں۔ علم و تحقیق کی یہ باتیں شورش صاحب نہ ہی چھٹریں تو بہتر ہے اور اگر خولہ مخواه شوق سخن ہے تو علماء ان سب کا نہایت لسط و تفصیل سے صدیوں قبل فیصلہ کر چکے ہیں۔ ایک نظر اس پر ڈال کر اس میں اتریں اسلامی لٹریچر میں اب حجیت حدیث ایک مستقل علم بن چکا ہے اور ہندی نژاد پرویز تو کیا یورپ کے مستشرقین تک کے چھکے چھڑا دیئے گئے ہیں۔

اصولی طور پر شورش صاحب پرویز کا نبی کریم کے مقام و منصب اور تشریعی حیثیت کے بارہ میں بے لاگ لگی لپٹی کہے بغیر خیالات معلوم کر لیں اس کے بعد معاملہ صاف ہو جائے گا۔

رسول کا تشریعی منصب | قرآن تو واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بار بار رسول کی ان تمام حیثیتوں کو متعین کر رہا ہے۔ یہاں ہم اشارات پر اکتفا کرتے ہیں۔

- رسول بحیثیت معلم و مربی۔ (بقرہ آیت ۱۲۹-۱۵۱ آل عمران ۱۴۴ وغیرہ)
- رسول کتاب اللہ کا شارح ہے۔ وہ قرآن کی تفسیر پر مامور ہے (نحل آیت ۴۴)
- رسول پوری امت کے لئے پیشوا مقتدا نمونہ، اسوہ اور واجب الاتباع ہیں (آل عمران آیت ۳۱-۳۲)
- رسول خدا کی طرح شارع (LEGISLATOR) ہیں۔ (اعراف، آیت ۱۵۷، حشر، آیت ۷)
- رسول قاضی اور فیصلہ کن اتھارٹی ہیں۔ (النساء ۱۰۵، الشوریٰ ۱۵، النور ۵، النساء ۴۵)
- رسول اکرم نبی ہی کی حیثیت سے اللہ کے مقرر شدہ حاکم اور فرمانروا ہیں۔ (النساء ۴۴، ۵۹، ۸۵ الفتح ۱۰، محمد ۳۰)

الغرض سنت اور اہل سنت کے بارے میں پرویز کا اصولی موقف کیا ہے جس کے مآخذ و مصدر قانون ہونے پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اور جسکی اتباع و اطاعت ایمان کی اولین شرط ہے

اس بارہ میں امت کے واضح اور اجماعی طرز عمل قرآن کریم کی صریح ہدایات نبی کریم کے کھلے ارشادات کے ہوتے ہوئے کسی منکر حدیث کے بارے میں شورش صاحب کس منصب کے زعم میں یہ

حق رکھتے ہیں کہ ہر مکتب فکر اجماعی فتویٰ کو واپس لینے کا مشورہ دے سکیں جبکہ یہ حق امت کے کسی بڑے سے بڑے عالم اور رہنما کو بھی حاصل نہیں تو پھر کیا شورش صاحب اخلاص و خیر خواہی پر مبنی ان معروضات پر غور کرتے ہوئے اپنے نئے خوشگوار موقف پر نظر ثانی فرماویں گے۔ خدا کرے وہ اپنی جذباتی طبیعت پر مبنی اس موقف سے جلد ہی رجوع فرمالیں۔ (جمادی الاول ۱۴۲۹ھ)



فتنہ تجدد و الحاد

تجدد و اصلاح کے نعروں کی اصل حقیقت

حکومتی سرپرستی میں جب بھی اسلامی تعلیمات میں دین کے عنوان سے رد و بدل کرنے کی کوشش کی گئی تو دین کا در در کھنڈے والے اہل علم حضرات نے اُس فتنے کا بھرپور تعاقب کیا اور اس کے اصلیت لوگوں پر واضح کی۔ ملک عزیز پاکستان کے سابق صدر جنرل محمد ایوب خان کے سرپرستی میں تجدد اور الحاد کا فتنہ تحقیق اور ریسرچ کے نام پر بڑے زور و شور سے شروع ہوا اور اسلام میں تحریف کر کے اسے ”جدید اسلام“ کے طور پر عوام کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس موقع پر دیگر علماء حق کی طرح حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے بھی اس فتنے کے خلاف قلم اٹھایا اور اس کے حقیقت کو واضح کیا۔ تاریخ ہند کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مغل فرمانرواؤں میں سے اکبر بادشاہ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے صدر ایوب خان کے کوکھ سے جنم لینے والے اس فتنے کے تعاقب کے ساتھ ساتھ اکبر کے الہی دین کو بھی اپنے ایک مضمون میں وقتاً کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا جسے ماہنامہ الحق نے ”اکبر دہی گریٹ“ کے عنوان سے شائع بھی کیا۔ اب اس مضمون کو افادہ عام کے لیے ”قادی حقانیہ“ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

اکبر دی گریٹ کا ماڈرن اسلام

اکبریت کا نیاروپ

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ قافلہ اسلام منزل بہ منزل کو بہ کو عہد سعادت نبوت سے لیکر اب تک رواں دواں ہے۔ اسلام کی وہ نعمت جو حضور سرور کائنات صلوٰۃ اللہ علیہ نے اپنی امت کے سپرد کی۔ اسلاف نے اس امانت کو جان سے زیادہ عزیز سمجھ کر اسے سینے سے لگائے رکھا اور ہم تک پہنچایا۔ ہدایت و فلاح کا یہ کبریت احرار آج بھی اپنے اصلی خدو خال میں موجود ہے۔ اسلاف کی اس امانت کی حفاظت کے لئے کیا کچھ کرنا پڑا؟ یہ داستان کچھ عجیب و غریب ہے۔ ہماری تاریخ جو دعوت و عزیمت اور جہاد و قربانی کی ایک داستان مسلسل ہے، اس سے بھری پڑی ہے۔ ارباب اخلاص و وفا کو کبھی اس راہ میں آگ اور خون سے گزرنا پڑا تو کبھی صرصر و موم کی تند و تیز لہروں کا سامنا کرنا پڑا، جو اللہ تعالیٰ کی اس روشنی کو بجھانے کے لئے اٹھتے رہے۔ بارہا الحاد و زندقہ کی تاریکیوں نے دین متین کے رخِ زیبا کو چھپانے کی سعی کی۔ کفر اور گمراہی کے ظالم ہاتھوں نے خدا کی اس رستی کو کاٹنا چاہا۔ مگر یہ اسلام کی سخت جانی تھی اور وعدہ خداوندی حفاظت، دین کا ظہور کہ ان ہی ظلمتوں سے روشنی کی کرن نمودار ہو جاتی۔ ظلمت اور اندھیرے چھٹ جاتے۔ اسلام کا آفتاب منیر آج بھی دمک رہا ہے۔ نجات کا راستہ اب بھی ایسا ہی صاف اور کھلا ہے جیسا کہ اولین عہد سعادت میں رہا۔ المسحاة البیضاء لیلہا کنہار۔

دین کی غریت	اس سرزمین (برصغیر پاک و ہند) میں اسلام اور مسلمانوں پر
کا عبرتناک زمانہ	نازک سے نازک گھڑی دسویں صدی ہجری کے مغل تاجدار

سلطان جلال الدین اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ) کے عہد میں ہوئی۔ یہ پچاس سالہ ”اکبر عہد“ دین کی غربت اہل دین کی بے کسی اور شعائر اسلام کی تباہی اور بربادی کا عبرتناک زمانہ ہے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ اگر عہد اکبری کی اس داستان سرائی میں دین اور دینی اقدار کو مٹانے والوں کے لئے کچھ سبق ہے تو جلال دین کے لئے نصیحت اور تسلی کا سامان بھی کہ رحمت خداوندی کا ظہور بالوسیوں کے حد کمال تک پہنچے ہیں ہوتا ہے اور یہ کہ دین متین کو دبایا نہیں جاسکتا۔ نہ اس کی حفاظت توپ و تفنگ ہمہ گیر تحریکات منظم پروگرام اور جماعتوں کی رہن منت ہے۔ آج کی فرصت میں ہم اکبر کے ”دین الہی“ کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرنا چاہتے ہیں جس سے اکبر کے خدو خالی پر کچھ روشنی پڑ سکے

بے دینوں کے بے دین ترجمان | اور اسلام کے بارہ میں ان لوگوں کے عزائم باطنی کا بھی اندازہ لگایا جاسکے جو اس وقت منہل امپائر کے اس ”طاغوت اکبر“ کا نام بطور آئیڈیل پیش کرتے ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ

”اکبر بادشاہ اور اس کے عہد کے علماء کے درمیان مناقشات رونما ہونے کی بنیادی وجہ مذہبی جذبات کی بنا پر علماء کا اپنے آپ کو طاقتور بنانا تھا، جو مذہب کی آڑ لے کر ہر معاملے میں اس لئے دخل دینا چاہتے تھے کہ ان کا رسوخ بڑھ سکے۔ حکومت ان سے مرعوب ہو اور وہ حقیقی معنوں میں پشت پناہ تخت بن جائیں۔ علماء کے اس ”ہوس اقتدار“ کی تائید میں خود اکبر کا یہ قول بھی پیش کیا جا رہا ہے کہ علماء می خواہند کہ فرمانروائی و کارگزاری شریک بادشاہی باشد (علماء چاہتے ہیں کہ فرمانروائی اور حکومت میں ہمارے شریک ہو جائیں۔۔۔) (فکر و نظر ص ۴۴۳ ج ۴ اسلام آباد)

گویا کھلے بندوں اکبر کو حق بجانب قرار دے کر اہل حق کی ان سرفروشیوں اور قربانیوں کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، جس کا مظاہرہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ اور ان کے

ہمنوا علماء حق نے احیائے دین اور اسلام کے نشاۃ ثانیہ کے لئے کیا۔ عہد اکبری کی اس سیاہ تصویر سے ان لوگوں کے نظریات و عزائم کا بھانڈا بھی پھوٹ جائے گا کہ یہ لوگ کبھی اکبر اور کبھی مصطفیٰ کمال کا نام لے کر یہاں کس قسم کے اسلام کو زندہ کرنے کے آندہ مند ہیں۔ وہ کیا حالات تھے جس نے علماء حق اور اہل حق کو تڑپا کر انہیں اکبر اور اس کے لادینی نظریات کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔ کیا دعوت و عزیمت تجدید و احیائے دین کے میدان میں ان کی سرفروشی اور جان نثاری اللہ تعالیٰ کی ”سنت ماضیہ“ اور ”عادت جاریہ“ کا ظہور تھا یا اقتدار کی ہوس عہد اکبری کے یہ سیاہ تصویر تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔ ہم نے اپنے مضمون میں عہد اکبری کے ایک نہایت ثقہ دیندار عالم بے لاگ اور مستند مؤرخ ملا عبد القادر بدایونی (م ۱۰۱۵ھ) کی ان چشم دید معلومات کو بنیاد بنایا ہے۔ جو انہوں نے ”حلیۃ شہادت“ کے بعد اپنی کتاب ”منتخب التواریخ“ میں جمع کر دیئے ہیں جسے ہمارے زمانہ کے ایک مایہ ناز محقق عالم مولانا مناظر حسن گیلانی مرحومؒ نے مذکورہ کتاب کے چار سو صفحات سے تلاش کر کے اپنے مقالہ ”الف ثانی“ کا تجدیدی کا نامہ میں سمیٹ دیا ہے۔ منتخب التواریخ کے حوالوں کے بارہ میں ہمارا اعتماد مولانا مرحومؒ کے مضمون پر ہے منتخب کے علاوہ عہد اکبری کے یہ سیاہ نقوش، دلبتان مذاہب اور خود اکبر کے فرزند جہانگیر کی تزک جہانگیری میں بھی پائے جاتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی جیسے معتد ثقہ، امین امام جلیل کے مکتوبات سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔

آئندہ تفصیل سے معلوم ہو گا کہ ایک سوچے سمجھے پروگرام اور تدریجی رفتار سے اکبری دین کو اس کے مقام ارتقا تک پہنچایا گیا اور اجتہاد، امامت و تشریح اور قانون سازی کے مناصب سے گزرتے ہوئے بالآخر اکبر اس مقام تک پہنچا جہاں سے امامت و نبوت تو کیا معاذ اللہ الوہیت تک رسائی ہو جاتی ہے۔

منصب اجتہاد | سب سے پہلے اکبر نے منصب اجتہاد کو سرفرازی بخشی۔ ملا مبارک

ناگوری اور ان کے دونوں بیٹوں ابوالفضل اور فیضی نے ایک محضر نامہ مرتب کیا جس میں اکبر کو

اجتہاد اور دینی مسائل میں بنی آدم کی معاشی اور دنیوی ہولتوں کے مد نظر کسی ایک پہلو کو ترجیح اور اور دوسرے کو ساقط کرنے کا حق دیا گیا اور یہ کہ عوام پر ان فیصلوں اور احکام کی پابندی لازمی اور اس کی مخالفت دنیوی اور دینی بربادی کا موجب ہوگی۔ اس محضر نامہ میں بادشاہ کو گویا ”مرکز ملت“ قرار دیتے ہوئے کہا گیا تھا کہ خدا کے نزدیک سلطان کا درجہ مجتہد کے درجہ سے زیادہ ہے۔ (ملاحظہ ہو لپہر المحضر نامہ - منتخب التواریخ ص ۲۴۲)

سلف کی بے حرمتی | اکبر کے منصب اجتہاد پر فائز ہونے کے بعد ائمہ سلف اور مجتہدین امت کی برسر عام توہین و تحقیر کی جانے لگی۔ ان پر فقیہ کو ”خشک ملا اور رفتار زمانہ سے آنکھیں بند کرنے والے جاہل اور متعصب ہونے کی بھیتیاں کسی جانے لگیں۔ دربار اکبری کا مایہ ناز ”محقق“ ابوالفضل فقہ کرام اور مجتہدین امت کے فیصلے یہ کہہ کر ٹھکرا دیتا کہ فلاں حلوائی کفش دوڑ اور فلاں چمڑہ فروش کی باتیں کیسے مانوں؟ (منتخب، ص ۲)

صحابہ کی بے وقعتی | سلف کی بے حرمتی اور گستاخیوں کی اس جرات نے بڑھتے بڑھتے سب سے افضل اور مقدس ترین جماعت صحابہ کرام (جن پر سارے دین کی عمارت کھڑی ہے) کو بھی آنکھیرا۔ ان کی عظمت و حرمت دلوں سے نکالی جانے لگی۔ خاص طور سے خلفاء ثلاثہ (ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم) کی شان میں ایسی ایسی باتیں نکلنے لگیں جن کو زبان پر نہیں لایا جاسکتا (منتخب، شان رسالت پر دست درازی | اب خاتم بدین شان رسالت (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی باری تھی۔ حریم قدس نبوت پر دست اندازی سے پہلے ضروری تھا کہ حضور کے لائے ہوئے احکام و تعلیمات اور اسلام کے اساسی ارکان کو عبادات تک کو رفتار زمانہ سے بے جوڑ، نامناسب اور فرسودہ قرار دیا جائے اور اس طرح بالواسطہ اسلامی تعلیمات و شعائر سے کٹ کر امت مسلمہ کا جوڑ اس کے لانے والے پیغمبر سے بھی کٹ جائے۔

چنانچہ صحابہ کرام، ائمہ دین اور سلف صالحین کی اتباع اور تقلید کو روایت پرستی، شخصیت پروری

اور قدامت پسندی قرار دینے کے بعد اسلام کے سارے اثاثے پر یہ کہہ کر ہاتھ صاف کر دیا گیا کہ العیاذ باللہ ملت اسلامی کا سارا سرمایہ حادث اور نامعقول ہے۔ اس کے بنانے والے چند مفلس بدو تھے جو معاذ اللہ سب کے سب مفسد، ڈاکو، لٹ مار تھے۔ ارکان اسلام کا یہ حال کہ روزہ، حج، زکوٰۃ، حیرا ساقط کئے گئے ص ۲۵۱۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اکبر کے دربار میں علانیہ نماز پڑھ سکے ص ۳۱۵

روشن خیالی کے نام پر دین سے مذاق | اس طرح دین اور دین کے تمام شعائر کو تقلیدات کہا جانے لگا ص ۲۱۶ یعنی غیر معقول باتیں "روایت پسندی" اور "دقیانوسیت" ایک شور برپا کیا گیا کہ مدار دین عقل پر ہے نہ کہ نقل پر ص ۲۱۱ اگر کسی مسئلہ میں اس کی دینی اور شرعی حیثیت پیش کر دی جاتی تو الف ثانی کا "یہ محرف اعظم" یہ کہہ کر جھڑک دیتا کہ — یہ ملاؤں کی باتیں ہیں۔ مجھ سے تو ان چیزوں کا دریافت کرو جن کا تعلق عقل و حکمت سے ہو ص ۳۰۸

تمام دینی سرمایہ اور اسلامی اثاثہ کے بارہ میں مجموعی طور پر بد اعتمادی اور بدظنی پیدا کرنے کے بعد ایک ایک کر کے اسلام کے ان تمام اصول و فروع پر تشبیہ تحقیق "چلایا جانے لگا جس پر خدائی دین اسلام کی ساری عمارت اسے توار تھی۔ بقول ملا عبد القادر بدایونی — ارکان دین کے ہر رکن اور اسلامی عقائد کے ہر عقیدہ کے متعلق خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے مثلاً نبوت مسئلہ کلام، رویت باری تعالیٰ، انسان کا مکلف ہونا، تکوین عالم حشر و نشر وغیرہ کے تمسخر اور استہزاء ہونے لگا۔ ص ۳۰۶ — پورے دربار میں اسلامی معتقدات کو مشق سخن بنا کر ایک ایک مسئلہ اور شعار کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کئے جاتے۔ دوسرے مذاہب کا ہر وہ رکن جس سے اسلام کا ٹوڑ ہوتا اسے لفظ قاطع، قطعی دلیل اور اسلام کی تمام باتوں کو مہمل نامعقول، نو پیدا عرب کے مفلسوں کی گھڑی چیزیں خیال کیا جاتا ص ۲۵۹

نبوت اور اخبار غیب سے انکار | مصدر شریعت اور سرچشمہ اسلام نبوت، کبریٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عظمت اور وقار کو مجروح کرنے کی یہ مذموم کوششیں بڑھتی رہیں اور بالآخر اجتہاد و امامت کا یہ دعویدار صاحب نبوت کی غلامی اور اس کی تشریعی حیثیت ماننے سے بھی

منکر ہوا اور بادشاہ نے وحی کے محال ہونے پر اصرار شروع کیا۔ غیب اور عالم غیب کے بارے میں حضور رسالت علیہ السلام کے اخبار کو جھٹلا کر جن فرشتے، معجزات، تواضع، قرآن اور اس کے کلام خداوندی ہونے، بعث بعد الموت، حساب کتاب، ثواب و عذاب کا کھلے بندوں انکار کرنے لگا۔ ص ۲۴۳ —

معجزات سے استہزاء | معجزات نبوت سے نہ صرف انکار بلکہ بادشاہ کی جہالت اور شوریدہ سری کی انتہا تھی کہ بھرے دربار میں ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر معراج رسول کی ہنسی اڑاتے لگتا اور کہتا کہ جب میں دوسری ٹانگ اٹھا کر کھڑا نہیں ہو سکتا تو راتوں رات ایک شخص کیسے آسمانوں سے اوپر پہنچ گیا، خدا سے باتیں کیں اور جب واپس ہوا تب بھی اُن کا لیٹر گرم تھا — ہنسی مذاق کا یہی حال شوق الفجر اور دیگر معجزات کے بارہ میں بھی تھا ص ۲۴۴

شان رسالت میں بے حیبتی | اس گستاخ نے اس پر اکتفا نہ کیا، بلکہ مسلمانوں کا تعلق ان کے مرکز حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے توڑنے کی خاطر اس نے درباریوں کے وہ نام تک بدل ڈالے جس میں احمد اور مصطفیٰ شامل ہوتا۔ بدایوانی لکھتے ہیں کہ یہ نام ان پر شاق گزرنے لگے تھے ص ۲۱۵ ج ۲ — یہاں تک کہ غیرت و حیبت سے عاری اس ”مغل اعظم“ کے دربار میں عیسائی مشنری کے پادریوں نے سرعام شان رسالت میں وہ بیہودہ کلمات استعمال کئے جن کے سننے پر حکمران شوق ہو جائے۔ مگر اکبر نے ان کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی، اعزاز و اکرام سے نوازا اور اپنے ایک شہزادہ کو حکم دیا کہ تبرکاً ان سے چند سبق پڑھ لو ص ۲۴۹

اکبر منصب رسالت پر (معاذ اللہ) | اپنے زعم باطل میں دین محمدی کی تخریب، شعار اسلامی کے اضمحلال اور رسالت و عہد رسالت سے مسلمانوں کا تعلق کمزور کرنے کے بعد اکبر کے لئے ضروری تھا کہ تشریع اور قانون سازی کا منصب اب خود سنبھال لے اور پُرلنہ دین کے اس ملیہ پر جو اس کے خیال میں اپنی عمر کے ہزار سال پورے کر چکا تھا ایک نئے دین، جدید ملت اور ترقی یافتہ نظام کی عمارت اٹھائے، کہ تخریب کے بعد تعمیر کے راستے کھلے تھے۔ امامت تو کیا نبوت اور الوہیت تک

(معاذ اللہ) اس کی رسائی ہو چکی تھی اور کون تھا جو اسے روک سکے۔ بقول مؤرخین اس خیال سے اس نے اپنے دین کو الہی مذہب کا نام دیا اور دعویٰ نبوت نہ کرتے ہوئے بھی منصب رسالت تشریع و تبدیل، نسخ احکام وغیرہ کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اب پورے طور پر وہ "دین الہی" کی تدوین اپنے خود ساختہ قوانین کی ترویج اور اسلامی احکام و شعائر کی بربادی و نسخ کنی میں لگ گیا۔ اعمال و فروع تو کیا عقائد و اصول تک نئے رائج کر دیئے اور اس طرح باقاعدہ ایک جدید ملت اور سائنٹفک مذہب کی بنیاد رکھی گئی۔ مگر دین الہی کی تدوین و تفسیح کا کام اکیلے اکبر کے بس میں کہاں تھا کہ وہ بیچارہ تھا۔ بہر حال ایک ان پڑھ اور جاہل دین کے مبادی تک سے بے خبر زمانہ کے روشن خیال "محققین" نے اسے بام پر چڑھایا اور اقتدار و نخوت کے پذیر میں اکبر اس مقام "اناولا غیرتی" پر براجمان ہوئے

اسلامی مشاورتی کونسل اور تحقیقاتی ادارے | عقائد و احکام فروع و اصول اور دین کے ہر ہر شعبہ میں نئے نئے اجتہادات و تحقیقات کے لئے باقاعدہ ادارے کھولے۔ تحقیقی مجالس قائم کیں اور بیسویں صدی کی اصطلاح اسلامی تحقیق، اسلام کا آزاد مطالعہ سائنٹفک ریسرچ کے لئے قانون ساز اداروں کی تشکیل کی گئی۔ باہمی بحث و تمحیص کے لئے کونسلیں قائم ہوئیں۔ دیگر مذاہب کے ثقافتی لٹریچر کے ترجمہ کے لئے دفتر کھولا گیا۔ ملا مبارک اور اس کے شہرہ آفاق بیٹے ابو الفضل اور فیضی ان تحقیقاتی امور کے ڈائریکٹر اور خود "اکبر دی گریٹ" کی ذات اس تشریع و تجدید کی آخری اتھارٹی اور قوت نافذہ تھی۔ اکبری دربار کے اس ثقہ اور چشم دید راوی ملا عبدالقادر بدایونی نے تو اکبر کی اس اسلامک ایڈوائسری کونسل کے ارکان کی تعداد تک لکھ دی ہے۔

بادشاہ نے حکم کر دیا کہ مقربین میں سے	بادشاہ (حکم کر دیا کہ از مقربان چہل کس
چالیس آدمی کجا بیٹھا کریں اور شخص جو کچھ جانتا ہو	بعد چہل تن یہ تشہید و ہر کس ہر چہ
اسکا ظہار کرے اور ہر قسم کے سوالات کہنا چاہے کرے	داند بگوید و ہر چہ خواہد پرسد ص ۳۵۸

اس کمیٹی میں اسلامی عقائد اور مسلمات کے متعلق عقل (سائنس) کی روشنی میں فیصلہ کیا جاتا۔ طرح طرح کے شبہات، ہنسی مذاق کی شکل میں کیا جاتا اور اگر کوئی ممبر اختلافی نوٹ پیش کرتا تو اسے روک دیا جاتا تھا۔

اس تحقیقاتی ٹیکسال میں ابو الفضل کے کئی شاگرد اور سکالر بھی تجدید دین کے کام میں شریک تھے اور بقول منتخب التواریخ صرف ایک شاگرد نے اسلامی عبادات کے متعلق اعتراض اور سخرگی کے پیرایہ میں کئی رسالے تصنیف کئے اور جس نے شاہی بارگاہ میں بڑی مقبولیت پائی ص ۲۵۱

تاریخ کی تطہیر | ان روشن خیال اور آزاد لیرج کے شہسواروں کے ایک گروہ کو حکم دیا گیا کہ "تاریخ الفنی" کے نام سے اسلام کے ہزار سالہ دور کی ایک تاریخ مرتب کی جائے جو دوسری تمام تواریخ کی ناسخ ہو اور جس میں سن ہجری کی بجائے سن رطت کو آغاز بنایا گیا ہو ص ۲۵۲

اس کا مقصد بظاہر آج کل کی اصطلاح میں یہ تھا کہ اسلامی تاریخ پر عجمی اثرات دینی تعصب و آصلب اور فقہی جمود کے جو بادل چھا گئے ہیں۔ ان آمیزشوں سے اسلامی تاریخ صاف ہو جائے کہ صرف تاریخ پر کیا منحصر ہو اور اسلامی نظام اور دینی سرمایہ ان کے نزدیک تحریف و تبلیہ کا شکار ہو کر ناقابل اعتماد ٹھہر گیا تھا۔ ابو الفضل اور فیضی کے والد ملا مبارک ناگوری بادشاہ کے سامنے ہندوؤں کو کہتا پھرتا کہ تمہارے دین کی طرح ہمارے دین میں بھی تحریف ہوئی ص ۲۱۱ گویا عجی سازش قدامت، اور توہم پرستی نے اس پورے اثاثہ کو ناقابل عمل اور غیر معتد بنا دیا ہے۔ اسلام کے مقابلہ میں دیگر مذاہب اور بے ہودہ رسوم روایات کی جن جن طریقوں سے سو صد افزائی کی گئی ان سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ تمام رواداری اور وسیع الجہالی صرف ان نظریات، مذاہب اور خیالات سے بھٹی جن سے اسلام کے کسی حکم کا توڑ ہوتا۔ ص ۲۵۴

اکبر کی رواداری کا نتیجہ | بخلاف اسلامی ملت کے کہ اکبر کے خیال میں اس غریب دین کی ساری باتیں بھل، نامعقول، نو پیدا اور عرب مفلسوں کی گھڑی ہوئی تھیں۔ یہ روادار اکبر جس کو بھی اپنے اعتقاد اور معیار پر پورا نہ پاتا وہ واجب اقل اور راندہ درگاہ ہو جاتا اور اسے فقیہ (ملا) کا نام رکھ دیا جاتا ص ۲۳۹۔ اسلام کے مقابلہ میں دیگر مذاہب سے رواداری دہو ہمیشہ سے الحاد اور گمراہی

۱۔ منکرین حدیث کے سرخیل غلام احمد پرویز اور نام نہاد دانشور اور تجدید زدہ طبقہ بھی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔

کا مبداء اور سرچشمہ ہوتا ہے " مساوات ادیان اور آزادی رائے کا یہ ثمرہ نکلا کہ اکبر نے فرنگیوں کی عیسائی مشنریوں کو حکم دیا کہ بھرے دربار میں انجیل اور عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث اور نصرا نیت کو بدلائل بیان کریں اور ابو الفضل کو حکم دیا گیا کہ ان پادریوں کی مدد سے انجیل کا ترجمہ کر دیا جائے ص ۳۸

فرنگی ثقافت اور کلچر | فرنگیوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی اور بعض عقلی اعتقادات بادشاہ نے ان سے حاصل کئے ص ۳۱۲ اور یہ بھی عقل و دانش اور رواداری کے نام سے یورپ سے درآمد شدہ لعنت کی پہلی کھوپڑی جس کے نتیجے میں مملکت کو صدیوں غلام رہنا پڑا۔ یہی دانش فرنگ ہے جو آج مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا اور نازک ترین مسئلہ بنا ہوا ہے۔ — جشن نوروز میں فرنگی بھی شریک ہوتے جو پیالو اور ہارمونیم بجا بجا کر اپنے ثقافت اور کلچر کا مظاہرہ کرتے اور اکبری داد دستہ کے مستحق ہوتے۔ (ملاحظہ ہو تذکرہ مجدد)

اس رواداری کے مظاہرے دنیا کے دیگر فرسودہ مذاہب سے بھی کئے گئے۔ آتش پرستوں نے اگر زردشتی دین کی حقیقت بیان کی ص ۳۰۸ — پھر کیا دیر لگتی اس وسیع الفروغ روشن خیال بادشاہ نے ان کی دلجوئی کے لئے شاہی محلات میں دن رات آگ روشن رکھنے کا حکم دیا۔ ص ۳۰۸

سیاست یا الحاد | ہندوؤں اور ان کے مذاہب اور غیر فطری رسم و رواج کے ساتھ اکبر نے جس رواداری کا معاملہ کیا وہ تو ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ آخر گردن سے اسلام کا رقبہ اتارنے کا یہ سارا ڈھونگ جب ان کی دلجوئی کی خاطر چایا گیا تھا تو ظاہر ہے کہ وہ ہندومت کے ساتھ اکبر کی فراخ سوسلیکیوں کا کیا عالم ہوگا ؟

ہندوؤں کے تہوار پر قشتہ لگانا، برہمنوں کے ہاتھ تیرکا ڈوری بندھوانا، بھجن پڑھنا اور بڑھوانا، یہاں تک کہ اپنی والدہ کی وفات پر سارا سوگ ہندوؤں کی رسم کر یا " پر منایا گیا۔ سر، دارھی مونچھیں منڈوا کر ماتمی لباس پہنا اور بادشاہ کی تقلید میں ہزاروں لوگ ان رسومات میں شریک ہوئے (شاہد رمانی ص ۸۹ بحوالہ تنک جہانگیری۔ از مولانا محمد میاں) غیروں سے یہ دریا دلی اکبر کے لئے ایک عام بات تھی، خواہ اسے آپ اکبر کی الحادی ذہنیت کا نتیجہ قرار دیں یا سیاست و مصلحت کا

خوشنما نام دیں۔

ملت جدیدہ یا ماڈرن اسلام | غرض اکبر کی یہ رواداریاں اور اسلام و دیگر مذاہب کا آزاد سائنٹفک مطالعہ اور روشن خیالوں کی شانہ روز بے رحم اور بے لاگ ریسرچ کے نتیجہ میں سرزمین ہند پر ایک نئے ماڈرن اسلام اور ملت جدیدہ کا ظہور ہوا جس نے عقائد و اسباق، سیاست و معاشرت، تہذیب و تمدن، احکام و مسائل غرض قدیم اسلام کے ایک ایک شعبہ جزئی سے جزئی مسئلہ اور حکم میں وہ وہ جدت طرازیوں کیس کہ الامان و الحفیظ ہندوستان کے اس ”فتنہ کبریا“ نے بزعم خود ملت مسلمہ کی چولیں ہلا ڈالیں اور جس کی ترویج کے لئے قوت و سطوت، دولت اور خزانوں کے تمام دروازے چوپٹ کھول دیئے گئے تھے۔

حلف وفاداری | اس دین میں داخل ہوتے وقت جو کلمہ شہادت پڑھا جاتا مورخین کی زبانی وہ ”لا الہ الا اللہ الکریم الخلیفہ اللہ“ ہوتا اور نہ صرف مریدوں کو بلکہ عام رعایا کو بھی اس ایمان و شہادۃ کا مکلف ٹھہرایا جاتا ص ۲۷۳۔ یہ نو مذہب ان الفاظ سے حلف وفاداری اٹھاتے ہیں دلی شوق سے روایتی دین اور باپ دادوں کے تقلیدی مذہب کو چھوڑ کر اکبر شاہی دین میں داخل ہوتا ہوں ص

تمغے | اور اس طرح یہ روشن خیال یا ابن الوقت ”فرسودہ روایات“ کے خول کو توڑ آزاد فضا اور نئی روشنی میں آجاتے اور دین ملت کی متاع عزیز اکبر کے قدموں پر نثار کر کے دربار ہمالیوں سے ”منجھڑہ“ کے نام سے ایک ”تمغہ“ حاصل کر لیتے ص
دینے فروختند و چہ ارزاں فروختند

یہ تمغہ مقبولیت بھی بقول مولانا گیلانی ”حامیان تجدید کیلئے باعث رشک ہے۔ بادشاہ کی ایک تصویر ان ونا شعاروں کو دے دی جاتی جسے وہ ایک مرمع جواہر نگار غلامت میں رکھ کر اپنی دستاروں پر لگائے رکھتے ص ۳۷۱ (کیا مغرب کی تصویر پرست تہذیب کو بیسویں صدی میں بھی یہ جدت سوجھی ہے۔ ابھی بابت تصویر کی نقاب کشائی اور نمائشوں تک محدود ہے) —

بادشاہ سلامت ہر صبح ایک جھروکہ سے درشن کراتے۔ پردہ سے نکلتے ہی ہزاروں لوگ اپنے اس "معبود" اور "الہ اکبر" کے سامنے سر بسجود ہو جاتے ص ۲۲۶۔ اس تہذیب جدید میں باہمی ملاقات کے وقت "اسلام علیکم" کی بجائے "اللہ اکبر" اور "صل جلالہ" کا تبادلہ ہوتا ص ۲۶۵

اکبر کی افتاد طبیعت اور اکبر کے "دین الہی" پر اس طائرانہ اور اصولی نگاہ ڈالنے کے بعد ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ "دین اکبری" کے بعض معتقدات، معاشرتی اور اخلاقی میدان میں اس کی روشن خیالیوں اور شرعی احکام و فروع میں اس کی دست اندازیوں کی ایک ہلکی سی جھلک بھی پیش کر دیں۔ شاید دین کے اضمحلال و اندر اس کے اس آئینہ میں جہانک کہ تاریخ سے عبرت لینے والے کچھ عبرت حاصل کر سکیں ان فی ذلک لذکوی لمن کان له قلب ادانی السمع دھو شہید کہ بیشک اس میں ایک نصیحت ہے۔ سننے اور سمجھنے والوں کے لئے ع

تو خود حدیث مفصل بخراں ازیں مجمل

اکبری عقائد و عبادات | اکبر کی نگاہ میں الوہیت اور نبوت کا جو مقام تھا اس کا اندازہ تو لگ چکا وہ نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو خدائی منصب اور مقام نبوت پر فائز سمجھنے لگا بلکہ اپنی عبادات کروانے کے ساتھ ساتھ تمام مظاہر فطرت آگ، پانی، درخت حتیٰ کہ گائے اور گائے کے گوبر تک کو پوجنے لگا ص ۲۶۱۔ آفتاب کی عبادت لازمی طور پر دن میں چار مرتبہ کرتا تھا آفتاب کے ایک ہزار ایک ناموں کا وظیفہ پڑھتا ص ۲۶۲ طلوع آفتاب کے وقت نقارہ بجایا جاتا تھا اور یہ فرمان جاری کیا کہ آفتاب کا ذکر آنے پر حلیت قدرتہ (اس کی قدرت بہت بڑی ہے) کہا جائے۔ نہ صرف یہ کہ آفتاب کی عبادت ہونے لگی بلکہ کائنات کی ربوبیت میں بھی اسے شریک ٹھہرایا گیا ص ۲۶۱ کو اکب پرستی بھی کی جانے لگی اور یہاں تک کہ معاذ اللہ سور تک کو خدا کا منظر قرار دیا گیا کہ وہ اس میں حلول ہو چکا ہے ص ۲۶۱ معاد، حشر، نشر، بعث بعد الموت سے انکار کر کے ہندوؤں کے عقیدہ تناسخ پر ایمان لایا ص ۲۵۸ اپنے مقربین پر لازم قرار دیا کہ شمع اور چراغ روشن ہونے کے وقت کھڑے ہو کر تعظیم بجالایا کریں۔ ص ۲۶۲ آتش پرستی کے لئے ایک الگ آتش کدہ تازہ رہتا۔ آگ کو خدا کی نشانی اور نور قرار دیا ص ۲۶۲

یہ اس مذہب کے اعتقادات اور اس تحقیقی علم الکلام والعقائد کے چند شہ پارے ہیں جنہیں ”برعکس ہند نام زنگی کافور“ توحید الہی کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔ اجتہاد اور روشن خیالی کے اس کھیل سے اخلاق و کردار، معاشرہ اور تمدن کے میدان میں وہ گل کھلے کہ عقل و دانش اور دیانت و شرافت کی دنیا سرپیٹ کر رہ گئی۔ ”مشتے نمونہ از خروارے“ جس کی چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

رہس کورس اور تقاوی سود کی حلت | سود اور جوا احلال قرار دیا گیا۔ شاہی خزانہ سے سودی قرضہ دیا جانے لگا۔ قمار کھیلے شاہی دربار میں ایک الگ جوا گھر (رہس کورس) قائم کیا گیا ۲۴۲
شراب حلال ہے | دربار اکبری سے فتویٰ جاری کیا گیا کہ طبی طور پر بدن کی اصلاح و تقویت کے لئے شراب حلال ہے۔ البتہ پی کر سڑکوں پر غل غیاڑہ کرنا اور دنگا فساد ممنوع ہے ۲۴۳
محکمہ آیکارہی | ایک عورت کی نگرانی میں شراب فروشی کی ایک کان دربار کے سایہ میں قائم کی گئی۔ نہ رخ وغیرہ خود حکومت مقرر کرتی تھی۔

جام صحت | تقریبات اور مجالس میں جام پر جام لٹھاٹھے جاتے، شراب سے ایک دوسرے کے جام صحت تجویز ہوتے۔ دربار اکبری میں سجاد اور روشن خیالی کے ایک ممتاز لیڈر فیضی ایک جام ”ملاؤں“ کے نقشب اور جمود کے نام پر تجویز کرتے۔

شیو | اس ترقی یافتہ مذہب میں شراب کے بعد زیادہ زور واڑھی منہ بھوانے پر دیا جاتا اور شیو کے بارہ میں عقلی و نقلی دلائل کا طومار باندھا جاتا۔

غسل جنابت، سنوخ | دین جدید کا ایک مسئلہ یہ تھا کہ جنابت واجب نہیں کہ منی سے نیک لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ ہم بستر سے پہلے غسل کیا جائے (تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۸۷ مرتبہ مولانا منظور نعمانی)

عالمی قوانین کی اصلاح | نکاح و طلاق کے متعلق بھی مسلمانوں کے پرسنل لاء میں رد و بدل کیا گیا۔ نئے عالمی قوانین کی بعض دفعات یہ تھیں۔

۱۔ چچا زاد اور ماموں زاد بہن سے نکاح حرام، کہ میل کم شود (یہ اجنبی تہذیب ہندوؤں کا اثر تھا کہ

بیگانوں کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔ ۲۔ سولہ سال سے پہلے لڑکوں اور چودہ سال سے پہلے لڑکیوں کا نکاح ممنوع قرار دیا گیا اور وجہ یہ تھی کہ فرزند ضعیف مے شود۔ گویا جو چیز بعد میں "ساردا ایکٹ" کے نام سے مشہور ہوئی۔ وہ دراصل مغل اعظم ایکٹ کہلانے کی مستحق تھی۔ ۳۔ یہ کہہ کر خدا یکے وزن یکے ایک سے زائد شادیوں پر پابندی لگادی گئی۔ گویا اسلامی دنیا میں مسئلہ تعدد ازدواج کا جو غلغلہ ہے اس کا کمریڈٹ بھی اکبر اعظم ہی کو حاصل ہے۔ — عائلی آرڈمی منس کی مزید بعض دفعات یہ تھیں۔ ۴۔ آئندہ عورت (جس کی ماہواری بند ہو) نکاح نہیں کر سکے گی۔ ۵۔ مرد سے بارہ سال بڑی عورت سے ہم بستری ممنوع ہوگی۔ ۶۔ شادی سے پہلے لڑکے اور لڑکی کو گاؤں کے کوتوال کے سامنے پیش ہونا ضروری تھا کہ وہ عمر وغیرہ کی تصدیق کر کے باقاعدہ اجازت نامہ دے اور رجسٹریشن ہو سکے۔ ۷۔ کوئی ہندو عورت اگر مسلمان ہو کر کسی مسلمان سے شادی کرے تو اسے جبراً گھر والوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ (منتخب التواریخ)

آزادی نسواں | پردہ ممنوع قرار دیا گیا۔ فرمان شاہی تھا کہ باہر نکلتے وقت عورتیں چہرہ کھلا رکھیں اور اگر یہ قہر ہو تو چہرہ کھول دیا کریں ص ۲۹۱

مخلوط کلب، زنا اور فحاشی کی ترویج | ایک طرف دوسری شادی پر پابندی عائد کی گئی دوسری طرف بغیر نکاح کے زنا کی کھلم کھلا اجازت دی گئی۔ "منتہ" رائج کر دیا گیا اور بقول منتخب التواریخ شہر سے باہر شیطان پورہ کے نام سے ایک مستقل آبادی بنائی گئی جہاں باقاعدہ محافظ، پولیس اور داروغہ ہوتا۔ جس کا جی چاہتا آکر باہمی رضا و رغبت سے جو چاہتا کرتا اور جسے چاہتا ساتھ لے جاتا۔ ۲۹۱ گویا یہ زنا با رضا کا ایک "مخلوط کلب" ہوتا جہاں سے داشتائیں دستیاب ہوتیں۔ گرل فرینڈز کی ایک دنیا آباد ہوتی — نئی تہذیب کی تاریکیاں جنہیں اپنی جدت پر ناز ہے — کیا صدیوں کی جمی ہوئی تاریکی پھر بھی روشنی کہلانے کی مستحق ہے؟ تاریکی بہر حال تاریکی ہے۔ بیسویں صدی کی ہویا عہد اکبری کی۔ ما الشیخ اللیلۃ بالیاحۃ

دیگر اصلاحات | میت کے گلے سے خام غلہ یا پکی اینٹیں بندھوا کر اسے پانی میں بہا دیا

جاتا پانی نہ ہوتا تو جلادیا جاتا یا پھر کسی درخت سے اسے باندھ دیا جاتا اگر زندین ہوتی تو حکم تھا قبر بسنی کی بجائے کہ مکہ کے مردہ پاؤں
مغرب کی جانب اور سر مشرق کی جانب ہو ^{۳۴۵} یہ دیدہ و دانستہ قبلہ کی توہین اور مسلمانوں کے
دلوں سے کعبہ حجاز کی عظمت نکالنے کی ایک صورت تھی۔ چنانچہ اس نے خود اپنی خواہ گاہ بھی اسی
طرح بنائی تھی۔

خقنہ پر پابندی | بارہ سال سے پہلے خقنہ کرانے پر پابندی لگائی گئی تھی ۳۷ اور سختی عمر کے بعد مشکل کوئی اس سنت پر عمل کرنے پر آمادہ ہو سکتا۔

سونا اور ریشم حلال مردوں کے لئے سوتے اور ریشم کا استعمال نہ صرف جائز بلکہ تقریباً واجب قرار دیا گیا۔

سور اور کتوں سے دلچسپی | بزرگم اسلام سور اور کتوں کی نجاست کو منسوخ قرار دے کر اپنے محل میں ان کی سکونت کا انتظام کرایا۔ یہاں تک کہ صبح سویرے ان کا دیکھنا عبادت سمجھا جاتا تھا۔ ۲۵۷ — بادشاہ تو بادشاہ روشن خیال فیضی کا حال یہ تھا کہ سفر میں بھی چند کتے ساتھ رکھتا تھا اور ان ہی کتوں کے ساتھ کھانا کھاتا۔ بعض شاعر تو کتوں کی زبان تک اپنے منہ میں لے لیتے تھے ۲۵۸

سگ پرست تہذیب | آج مغربی تہذیب نے کتوں سے شیفنگی اور والہانہ محبت کو فیشن قرار دیا ہے۔ کتوں کے نام جاییدیں وقف ہو رہی ہیں۔ گویا اس "سگ پرست" تہذیب کی داغ بیل بھی انگریزوں سے پہلے "دین الہی" کے ہاتھوں ڈالی گئی۔

ذبیحہ گائے پر پابندی | کتوں سے اختلاط اور تعلق کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر گائے، بیل، بھینس کا گوشت حرام قرار دیا گیا تھا۔ اگر کوئی شخص قصائی کے ساتھ کھانا کھا لیتا خواہ اس کی بیوی کیوں نہ ہوتی، حکم تھا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

یہ سب کچھ ان بلند بانگ دعوؤں کے ماحول وجود کہ کسی مذہب کو دوسرے پر ترجیح نہ ہوگی مگر ان واقعات نے ثابت کیا کہ سارا ڈھونگ صرف غریب اسلام کے لئے رچا یا گیا تھا۔ ورنہ اکبر نے مسلمانوں کی تمام تہذیبی اقدار اور تمدنی اعضا

کو ایک ایک کر کے مسخ کرنے کی کوشش کی۔ اکبر کی الحاد پسند طبیعت نے صرف اس پر قناعت نہ کی بلکہ ارادہ کیا کہ ہمیشہ کے لئے اسلام اور اسلامی ورثہ سے مسلمانوں کا رشتہ کاٹ دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے اکبر نے دین و رجال دین کو نشانہ بنایا۔ ان دینی معابد اور اسلامی مدارس پر دست اندازی کی جو قرآن و سنت اور تعلیمات ربانی کے سرچشمہ تھے۔ ان خالقانوں پر ہاتھ ڈالا جہاں سے مسلمانوں کی دینی تربیت اور تزکیہ کا کام والبتہ تھا۔ عربی زبان اسلامی علوم جو اسلام سے مسلمانوں کی وابستگی کا ایک مضبوط ذریعہ تھا۔ اکبر نے رفتہ رفتہ ان سب چیزوں پر اپنی گرفت سخت کر دی۔ عربی زبان اور عربی ثقافت کے ساتھ اس کا معاملہ بالکل ایسا تھا جیسا کہ پچھلے دنوں ترکی کے مصطفیٰ کمال کا رہا۔۔۔ اکبری دور میں عربی زبان کے اضمحلال اسلامی علوم اور رجال دین کی عزت اور لیے کسی دینی معابد کی زبوں حالی اور شعائر اسلامی کی بربادی اور تباہی پر بھی ایک نگاہ حسرت و عبرت ڈالنے چاہیے۔۔۔ قرآن زبان کو ملک بدر کرنے کی خاطر عربی پڑھنا اور پڑھانا عیب قرار دیا گیا۔

عربی زبان سے دشمنی | دوسرا حکم یہ تھا کہ ایسے حروف جو عربی زبان کے ساتھ مخصوص تھے مثلاً ث، ح، ع، ص، ض، ظ، ان کو مقامی بول چال سے بادشاہ نے باہر کر دیا صحت ۳۔ عبداللہ کو ابداللہ اور احمدی کو اہدی کہتا۔ عربی ناموں کی ترکیب ہندی سے بدل دی گئی (تذکرہ مجدد مرتبہ مولانا منظور لغمانی)

اسلامی علوم کی کمپرسی | اسلامیات اور دینیات سے سرکاری سرپرستی اٹھوائی گئی۔ فقہ و فقیہ اور حدیث پڑھنے والے مرد و مطعون ٹھہرائے گئے۔ ص ۳۲ کہ شاید اکبر کے خیال میں ایسے لوگ بے کار، قوم پر بار اور معاشی میدان اور مادی کارخانہ کے بے کار اعضاء تھے اور اکبر کی اصلاحات اور تجدیداتی کمپرسی کے بجائے اسکی مخالفت کرتے رہتے اور آجکل کی زبان میں انکا کام غیبت اور فساد و انتشار دینا تھا یہ لوگ اکبر کے ترقیاتی پروگرام "میں روڑے اٹکاتے تھے اور رفتار زمانہ سے آنکھیں بند کر کے ہزار سال پہلے کی باتیں کرتے تھے۔۔۔ اسلامی علوم کی جگہ مدارس میں اس وقت کے ترقی یافتہ علوم اور سائنسی فنون، نجوم، طب، حکمت حساب شعرو تاریخ افسانہ رائج و معروف رائج کئے گئے۔

ایک شاہی سرکلہ جاری کیا گیا کہ ہر قوم عربی علوم کو چھوڑ کر علوم نادرہ غریبہ نجوم حساب طب فلسفہ پڑھا کرے ص ۲۹۳ مضاف تعلیم کے اس تطہیر و اصلاح کے ساتھ ساتھ ایجابی کام یہ بھی کیا گیا کہ ہندی تہذیب و تمدن اور ہندوؤں کے روحانی بزرگوں کے کتابی ذخائر فارسی میں ترجمہ کئے جانے لگے ان کتابوں کی اشاعت و ترویج کے لئے باقاعدہ دفتر قائم کئے گئے۔ ص ۳۲

دینی اداروں پر پابندیاں | علم دین اور اہل علم کو سرکاری عملداریوں سے نکال پھینکنے کے بعد اب ضروری تھا کہ ملک کے دیگر شعبوں کی بھی ان سے تطہیر ہو جائے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا معاشی ناطقہ بھی ہر طرف سے بند کر دیا جائے۔

محکمہ فقہ کا خاتمہ | بقول حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اسلامی شائریں سے اسلامی آبادیوں کا قاضی مقرر کرنا ہے جو قرن اکبری میں مٹا دیا گیا۔ (مکتوبات ص ۱۹۵) قضا اور حکومت تو بڑی بات جمعہ، عیدین اور اسلامی تقریبات کا کام بھی اکبر نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

رویت ہلال گمیٹ | عید کے چاند میں اختلاف ہو رہا تھا۔ شرعی ثبوت سے پہلے اکبر عید کا اعلان کر کے لوگوں کے روزے تڑوا دیتا۔ (تذکرہ حضرت مجدد ص ۹۲) ایسے ہی ایک موقع پر ابو الفضل، حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مجدد روزے سے تھے ابو الفضل نے روزہ نہ کھولنے کی وجہ پوچھی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ سرسندی نے فرمایا: بادشاہ بے دین ست اعتبار سے ندارد۔

اوقاف سرکاری تحویل میں | علماء و مشائخ آئمہ اور خطباء کے نام جو جاگیریں صدیوں سے وقف چل آ رہی تھیں ان کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا۔ (تذکرہ ص ۸۲) اسلامی علوم اور اہل علم کے اس مقتل کا نتیجہ ملا بدایوانی کے الفاظ میں یہی ظاہر ہونا تھا کہ مدارس اور مساجد ویران اور اکثر علماء جلاوطن کر دیئے گئے۔ (منتخب التواریخ ص ۲۴۲)

حضرت مجدد کی شکل | دین اور شعائر دین کی یہ عزت اور بے کسی تھی کہ یکایک رحمت میں رحمت حق کا ظہور حق جوش میں آئی۔ ان حالات نے سیدنا الامام ناصر سنت قانع

شاہ ولی اللہ کا تبصرہ | ملت اسلامیہ کے ایک دوسرے فرزند جلیل شاہ ولی اللہ کے الفاظ ہیں
 اکبر نے زندگی میں اختیار کی اور جہالت و گمراہی کے پھریرے اٹھنے لگے۔ ہر طرف سے مختلف ملتوں
 اور باطل مذاہب کے لوگ دوڑ پڑے اور عظیم فتنے پیدا ہو گئے (شرح رسالہ الرفعتہ از تذکرہ مجدد ص ۳)
 یہ تھا اس روشن خیال، صلح کل وسیع المشرب "زند با صفا" اور ملت جدید کے بانی دولت
 مغلیہ کے تاجدار اکبر دی گریٹ کے دین و مذہب کا ایک اجمالی خاکہ اور مادر پدر آزاد اکبری تہذیب
 کی حقیقت جس کے ڈھنڈورے الحاد اور اباحت کے ایوانوں میں زور و شور سے پیٹے گئے کہ
 اساتذ غیر متناعی خلق در اں بود۔

اکبر کا ایڈیل پیش کر نوالے | اور آج بھی نام نہاد روشن خیال حلقے اکبر کا ایڈیل پیش کر کے
 الحاد اور تحریف دین کی تحسین کر رہے ہیں۔

یہ ہے مغل ایمپائر کے ایک مطلق العنان حاکم اور عصر حاضر کے لادینی حلقوں کے مایہ ناز ہیرو
 کی ایک ہلکی سی تصویر جسے "روشن خیال اور ترقی پسند" سمجھ کر دین اور اہل دین کے استحصال اور
 بیخ کنی کے سلسلہ میں اس کے سارے کارناموں کی تائید و تصویب کی جا رہی ہے اور اصلاح و
 خیر خواہی کرنے والے علماء حق کو خود غرض، حریص اقتدار، مجرم اور واجب القتل قرار دیا جا رہا ہے
 قبل اس کے کہ ان باتوں کی حقیقت احکم الحاکمین کے دربار میں کھل جاتی تاریخ نے یہاں بھی اپنا فیصلہ
 حق کے حق میں محفوظ رکھا۔ قدرت نے اکبر کے تخت پر جہانگیر اور پھر محمد الدین اورنگ زیب عالمگیر
 کو بٹھادیا اور بہت جلد اکبر کی الحادی سلطنت پر حق و اہل حق کا پھر براہ کرنے لگا۔ آج اکبر
 کے "الہی مذہب" کا نام و نشان تک مٹ چکا ہے اور حق قائم و دائم ہے۔
 والحق یعلموا ولا یعلم ان فی ذلک لذكری لمن کان له قلب او عقل السمع دھوشہید۔

تجدد و اصلاح کے نعروں کی اصل حقیقت

• راولپنڈی کی اسلامی کانفرنس • ادارہ تحقیقات اسلامیہ اور ڈاکٹر فضل الرحمن



پچھلے مہینہ راولپنڈی میں ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے زیر اہتمام ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس کی بعض تقریبات دیکھنے کا راقم کو بھی اتفاق ہوا۔ مختلف اسلامی ممالک کے علماء اور دانشوروں کے علاوہ پاکستان کے دو چار علماء حق کو بھی اس میں شرکت کا موقع دیا گیا تھا۔ عالم اسلام کے مختلف حصوں کے علماء اور قدیم و جدید طبقات کا باہمی تبادلہ خیال اور عالم اسلام کو درپیش مسائل پر غور و بحث، مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور اتفاق کی ضرورت کا احساس ایسے امور ہیں جن کے لحاظ سے اس کانفرنس کا اہتمام قابل تحسین قرار پایا ہے مگر تصویر کا دوسرا رخ وہ ہے جسے ادارہ تحقیقات اور اس کے کارپردازوں کی ذہنی ساخت نظریات اور تحقیقی ”شاہکاروں“ کے پس منظر میں ہم دیکھ سکتے ہیں۔ افتتاحی اجلاس میں منتظمین نے اس کانفرنس کے انعقاد سے اپنی جن توقعات کے وابستہ ہونے کا اظہار کیا اس سے بھی یہ حقیقت ایک بار پھر کھل کر سامنے آگئی۔ جس کا اظہار دین کو نئے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالنے اور حالات کے مطابق بنانے، وغیرہ الفاظ سے بار بار کیا جا رہا ہے۔ عالم اسلام میں قدیم و جدید کا معرکہ اس وقت تقریباً تمام مسلمان ممالک ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ جن کو ہم اسلامی افکار و اقدار اور مغربی تہذیب و اقدار کے معرکہ کا نام دے سکتے ہیں۔ جو طبقہ تجدد اور مغربی افکار کا حامل ہے۔ اگر اس کی اس تمام غوغا آرائی اور کاوش کا مقصد صرف یہ ہوتا کہ مغربی تہذیب کی اخلاقی اور روحانی خرابیوں سے پہلو

بچلتے ہوئے قرآن و سنت اور اسلامی اقدار کو مضبوطی سے تھام کر موجودہ عصری علوم، اور سائنسی ترقیات سے استفادہ کیا جائے۔ اور عصر حاضر کے درپیش مسائل کی شریعت اسلامیہ کی روشنی میں شرعی حیثیت واضح کی جائے۔ اگر وہ مسائل اور نظریات اسلام کی اساس سے متصادم نہ ہوں انہیں اپنا لیا جائے۔

مغرب کے بارہ میں معتدلانہ راستہ اور نئی تہذیب کی جو باتیں شریعت اسلامیہ سے میل نہ کھائیں انہیں بلاتامل یکسر خیر باد کہہ دیا جائے۔ تو اس مقصد کی خوبی میں کسی عالم اور متصّلب مسلمان کی دورائے نہیں ہو سکتی تھیں کیونکہ اسلام نے ہر دور اور ہر زمانہ کی اچھی باتوں کو اپنانے کا تمام مذاہب سے زیادہ اہتمام کیا ہے۔ وہ انسان کو اللہ کا خلیفہ اور برد بکر کا مالک قرار دیتا ہے۔ اس نے انسان کو کائنات اور عناصر کی تمام جوہری قوتوں کی تسخیر کی دولت سے نوازا ہے۔ اسلام جائز حدود کے اندر انسان کی ضروریات کی تکمیل اور قومی، ملکی اور ملی مفادات کی حفاظت و دفاع کے لئے ترقیات زمانہ سے استفادہ اور حصولِ علوم و فنون کے لئے دوسری اقوام کے شانہ بشانہ چلنے سے ہرگز نہیں روکتا۔ جو طبقہ اسلامی علوم و فنون اور اسلامی اقدار کا علمبردار ہے اس کی طرف سے بارہا یہ چیلنج دیا جا چکا ہے کہ اسلام کے اور نظریہ یا علماء حق کے کسی گروہ کی تعلیمات میں عصری اور تجرباتی علوم میں ترقی اور اضافہ سے منع کرنے کی کوئی مثال اگر موجود ہو تو اسے پیش کر دیا جائے۔

تجدد و اصلاح کے علمبرداروں کے اصل عزائم | الغرض تجدد و اصلاح مذہب کے نعرے بلند کرنے والوں کے عزائم اور مقاصد اگر صرف یہی ہوتے تو اختلاف کی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی۔ مگر اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کو نئے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں ان کی ذہنی ساخت تعلیم و تربیت، ذاتی و سیاسی مصالح مغربی تہذیب و تمدن میں سر تا پا استغراق اور جن سرچشموں سے ان کے نظریات کی آبیاری ہو رہی

ہے اور اسلام پر تحقیق و ریسرچ کے جو نت نئے نمونے مسلمانوں کے سامنے آرہے ہیں۔ ان سب چیزوں سے یہ حقیقت مسلمہ کھل کر سامنے آچکی ہے۔ کہ دراصل ان لوگوں کا مقصد پورے اسلامی معاشرہ کو مغربی تہذیب و تمدن اور لادینی افکار و خیالات میں ڈھالنا اور اسلامی ممالک کو مغربی ممالک کے نقش قدم پر چلانا ہے۔ اس راہ میں جو بھی دینی تصورات اور ضوابط، قوانین اور دینی اقدار و آیات حائل ہو سکتے ہوں ان میں ترمیم و تہیج کی جائے یا اسے کھینچ تان کر اسلام کے دائرہ میں لایا جائے۔

آوازہ تجدید یا تقلید فرنگ | اور مختصر یہ کہ اس طرح حقیقی خدا و خال سے محروم ہو کر ملک و معاشرہ کو ”مغربیت“ کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے رکاوٹ نہ بنے۔ یہی وہ المناک صورت حال ہے جس سے تجدید اور اصلاح کے خوشنما نام سے اسلام اور اسخ العقیدہ مسلمان دوچار ہیں۔ تجدید کے نام پر مغربی تہذیب و افکار کی یہی وہ اندھی تقلید ہے جس کا ردنا علامہ اقبالؒ روچکے ہیں ۷

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازہ تجدید مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ علماء اور مسلمانوں کی تشویش | اور یہی وہ تشویشناک صورت حال ہے جس نے دینی اقدار و افکار پر مٹنے والے علماء اور غیر مسلموں کو شدید اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے۔ اور وہ کسی حال میں بھی اسلام کو یورپ کی اخلاقی اور روحانی اقدار سے عاری نظام کی بھینٹ چڑھانے پر آمادہ نہیں ہو سکتے۔ اور اس راہ میں وہ بے خطر ہر میدان میں سنگ گراں ثابت ہو جاتے ہیں۔ جس کا کچھ مظاہرہ راولپنڈی کانفرنس میں لادینی نظریات پیش ہونے پر حاضرین کے سواذ اعظم کا شدید نفرت اور بیزاری ظاہر کرنے کی شکل میں ہوا۔

اہل تجدید اور مغرب زدہ طبقہ کے ہاں نئے تقاضوں اور حالات کا سامنا اور مذہب کے ترقی پذیر ہونے کا مطلب کھلے الفاظ میں یہ ہے کہ مذہب کو حالات کا تابع بنا دیا

جائے نہ کہ حالات اور زمانہ کو مذہب کے مطابق بتایا جائے۔

عصرِ حاضر کے تقاضے اور اسلام | جہاں تک عہدِ جدید کا تعلق ہے، ہم حیران ہیں کہ آخر وہ کون سے تقاضے ہیں جن کا مذہب کو سامنا کرنا پڑا ہے اور اسلام اپنی موجودہ شکل میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اگر انسان پیدل چلنے اور بیل گاڑی کے بجائے جیٹ طیارہ اور خلائی جہازوں میں اڑنے لگا۔ ہاتھ کا پنکھا چلانے کی بجائے ایئر کنڈیشنر استعمال کرنے لگا۔ دستکاری کی جگہ بھاری بھر کم مشینوں اور کارخانوں نے سنبھال لی۔ وہ دال روٹی کی بجائے کیک، ٹوسٹ، اور سینڈوچ کھانے لگا۔ برف اور ٹھنڈے پانی کی بجائے کولر، کولڈ اسٹوریج اور ریفریجریٹر کے مشروبات استعمال ہونے لگے۔ کچے مکانات کی بجائے فلک بوس عمارتوں میں رہائش ہونے لگی۔ لوگ سیڑھیوں کی بجائے لفٹ سے چڑھنے لگا۔ انسان تیروستان کی بجائے ٹوپ و تفنگ اور بندوق و ریوالور کی بجائے ایٹم و میزائل پر قادر ہوا۔ تو آخر مذہب کا وہ کون سا اصول ہے جو ان تبدیلیوں اور تغیرات سے جوڑ نہیں کھاتا؟ بیشک کھانے پینے، رہنے سہنے اور مال و جان کی حفاظت کی شکل میں انسان کو جو بنیادی ضروریات تھیں عصرِ حاضر نے ترقی یافتہ شکل میں انہیں پورا کر دیا جو امتدادِ زمانہ کا طبعی نتیجہ تھا۔ مذہب نے پہلے بھی چند ضابطوں اور تقاضوں سے مشروط کر کے ان ضروریات کی تحصیل و تکمیل کی اجازت دی۔ اور آج بھی مذہب مسلمانوں کو ان تقاضوں کے اندر رکھ کر ان مادی ضروریات کے حصول اور استفادہ کی پوری اجازت دیتا ہے۔

مغربی برائیوں کو عصرِ حاضر کا تقاضا نہیں کہا جاسکتا | ہاں اگر نئے تقاضوں اور عصری ضروریات سے صرف سائنسی ترقیات اور تجرباتی علوم و فنون مراد نہیں بلکہ وہ پوری تہذیب ہے جس میں آج یورپ مبتلا ہے اور جو ایک نہریلے سرطان اور مہلک جزام کی شکل میں پوری انسانیت

کا جسم کھائے جا رہی ہے۔ اور آپ اسلام کا جوڑا اس مغربی طرزِ معاشرت سے لگانا چاہتے ہیں۔ جس کا مطلب خنسی بے راہ روی، اخلاقی انارکی، مرد اور عورت کا آزادانہ میل ملاپ، کلبوں کی زندگی، کاک ٹیل پارٹیاں، سود، شراب، بٹوا، نمائشِ حسن، سیہول میرج، گرل اور بوائے فرینڈز، ان غرض تمام اخلاقی اور دینی حدود و اصول سے بغاوت ہے۔

اسلام کا جمود و تعصب | تو یقین جائیے کہ اسلام اس بارہ میں قطعی جامد اور متعصب ہے اس میں ہرگز عصرِ حاضر کے ان قبیح تقاضوں کے ساتھ چلنے کی سکت نہیں اور وہ ایک پل کے لئے ایسے ”ترقی یافتہ“ اور ”مہذب“ لوگوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اسلام کا یہ جمود اور تعصب خود تہجد پسندوں پر ثابت ہو چکا ہے۔ اس لئے اسلام کو اپنی خواہشات کے تابع بناتے اور اس کا صرف لیبل اپنے ساتھ ہر حال میں چپکائے رکھنے کی بجائے برائے مندانہ بات تو یہ ہے کہ اسے خیر یاد کہہ دیجئے۔ آپ بے شک ان نئے تقاضوں کو اپنائیں مگر اسلام بے چارے کو مشقِ ستم نہ بنائیے۔ یہ خدا کی آخری نعمت ہے۔ رہتی دنیا تک انسانیت کے حقیقی فلاح و بہبود کا اسی نسخہ شفا پر انحصار ہے۔ اگر عصرِ حاضر کی فطرت مسخ ہو چکی ہے اور اس کا مزاج اسلام سے جوڑ نہیں کھاتا۔ تو آنے والی نسلوں کو اس نسخہ ہدایت سے کیوں محروم رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اپنی نفس پرستی، شکم پروری اور خواہشات کی پرستش کے لئے اتنی بڑی نعمت کے ساتھ یہ تلاعب اور استہزاء اور یہ تعصب و عناد ایک ایسی بدترین ناشکری ہوگی جس کی نظیر انسانی تاریخ میں مشکل سے مل سکے گی۔

تحقیق و ریسرچ کا اصل ہدف | اگر آپ دل سے چاہتے ہیں کہ اسلام کی فوقیت ہر زمانہ پر رہے۔ اور آپ کا واقعی عقیدہ ہے کہ قرآن اور اسلام ہیں ہر زمانہ کے حوادث و لوازل کا حل موجود ہے۔ اور مغربی تہذیب نے جو ناجائز معاشرتی اور معاشی مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ اسلام ان سب کا متبادل حل پیش کر سکتا ہے۔ تو آپ کی تحقیق اور ریسرچ کا ہدف

یہ نہ ہونا چاہیئے کہ یورپ کے حرام طور طریقوں کو جائز ثابت کرانے کے لئے اسلام کے محرمات کو حلال قرار دیں۔ بلکہ اپنی تحقیق کا محور یہ بنائیے کہ یورپ کی ان غلط اور حرام چیزوں کی بجائے کن جائز اور حلال صورتوں سے نئے زمانہ کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ مینکنگ نظام اور سود پر بحث کیجئے مگر اس کو حلال ثابت کرانے کے لئے نہیں بلکہ اس کے متبادل حلال صورتوں مضاربت و مشارکت وغیرہ کو زیر بحث لائیے، اور انہیں آزمائیے۔ شراب بے پردگی، اور مخلوط معاشرت کو کچھ تان کر اسے اسلام میں داخل کرنے کی بجائے معاشرہ کو عصری ترقیات سے ہمکنار کرنے ہوئے ان خرابیوں سے بچنے کی تدابیر سوچیے، معاشرتی حقوق کی پامالی، حق تلفی اور ظلم و تعدی سے بچانے کے لئے اسلامی معاشرہ برپا کرنے اور ظلم کے اسباب کے تدارک پر غور کریں۔ نہ کہ آپ تعدادِ ازواج پر پابندی لگائیں یا دیگر معاشرتی مسائل طلاق، عدت وغیرہ میں توڑ موڑ شروع کر دیں۔ معاشی تفاوت، غیر منصفانہ تقسیم دولت اور طبقاتی کشمکش ختم کرنے کے لئے آپ اسلام کے نظام اقتصاد و اعتدال کو سامنے لا کر آزمائیں نہ کہ اسلام کا رشتہ اور جوڑ سوشلزم، مارکسزم یا سرمایہ دارانہ نظام سے جوڑ دیں۔ نئے حوادث اور مسائل کی قرآن و سنت اور آثارِ صحابہؓ اور فتوے سلف کی روشنی میں مخصوص شرائط اور حدود میں رہتے ہوئے حل نکالئے نہ کہ آپ عقل کو شریعت پر ترجیح دے کر عقل کے کردار کو کھلی پھوٹ دے دیں کہ وہ پوری شریعت اور منصوصاتِ شریعت کو بھی ”ویٹو“ کر کے عقل کو شریعت کے دائرہ میں رہنے کا ذریعہ بنائیے نہ کہ شریعت سے فرار کا۔ آپ سائنس اور ٹیکنالوجی میں بے شک ترقی کریں۔ مادی آسائش کی راہیں تلاش کریں۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ دیگر مادی اقوام کی طرح ان چیزوں کو ہی علم و حکمت سمجھ بیٹھیں۔ تسخیر کائنات بالفاظِ دیگر ”شکم پروری کی تدبیروں“ کو ہی قرآنی تعلیمات کا خلاصہ، پیغمبر کی تعلیمات کا نہج و تخیل انسانی کا مقصد اور قرآن کے دعوتِ تفکر و تدبیر کا محور سمجھ بیٹھیں۔ اور

تعلیمات قرآنی کے حقیقی مقصد عبودیت خداوندی، حصول و مرفیات الہی اور فلارح آخرت کو
 ثانوی حیثیت دے دیں۔ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو آپ اسلام کو محض ایک مادی نظام،
 اور شکم پرور مذہب کی شکل دینا چاہتے ہیں جس کا مقصد سرمایہ داری یا کیونززم کی طرح صرف
 جسم اور پیٹ کی پرورش رہ جائے اور تمام اخلاقی اور روحانی قدیں پائمال ہو جائیں جس کا
 نتیجہ یہ ہو کہ اس طرح آپ مذہب کا نام بھی لے سکیں گے۔ اور اس کے تمام مطالبات سے
 بھی بچ جائیں گے۔ مذاہب عالم کی تاریخ میں مذہب کے ساتھ اس عیاری، تمسخر اور استہزاء
 کی مثال بشکل مل سکے گی۔

ہمارے خدشات کی تائید | ہم نے مذہب کے تجدد و اصلاح کی ان کوششوں کے
 بارہ میں جن خدشات کا اظہار کیا۔ اہل نجد و یمن سے سو وطن، ہماری تنگ نظری و رجعت پسندی
 قرار دیں گے۔ جیسا کہ ان الزامات کو پچھلے دنوں ادارہ تحقیقات اور اس کے سربراہ
 ڈاکٹر فضل الرحمان کے تعارف پر مشتمل بعض اخباری مضامین میں بار بار دہرایا گیا۔ ادارہ تحقیقات
 اور اس کے فاضل ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کا وجود اس ملک میں تحریک تجدد اور
 اور مغربیت کا سب سے واضح نشان ہے۔ اس لئے ہم ڈاکٹر صاحب موصوف کے
 ”تحقیقی شاہکار“ بطور نمونہ اپنے قارئین کے سامنے رکھ کر فیصلہ انہی پر چھوڑتے۔ کہ ہم ان
 خدشات اور بے چینی و اضطراب میں کہاں تک حق بجانب ہیں اور نئے تقاضوں کے سانچہ
 میں ڈھال کر کون سا اسلام تصنیف کیا جا رہا ہے، یہ تمام ”جو اہر پارے“ ادارہ تحقیقات
 کے ترجمان مجلہ فکر و نظر میں ان کے مضامین یا پھر ان کی تازہ ترین تصنیف ”اسلام“
 (مطبوعہ ویڈیو اینڈ ٹیکسٹ لندن ۱۹۷۶ء) سے ماخوذ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ :-

ڈاکٹر فضل الرحمن کے بعض ملحدانہ خیالات

- ۱۔ قرآن کریم کے احکام ابدی نہیں بلکہ اس کے علل اور مقاصد ابدی ہیں (یعنی نماز روزہ، حج، زکوٰۃ بجائے خود لازمی نہیں بلکہ ان کے مقاصد ابدی ہیں خواہ وہ جس شکل میں بھی ظاہر ہوں) اب تک اس تحقیق کی دو مثالیں بھی سامنے آچکی ہیں۔ آگے نماز، روزہ حج میں بھی اسی اصول سے ترسیم و تبدیلی کی راہ کھلی ہے۔
- الف۔ زکوٰۃ عبادت نہیں ٹیکس ہے۔ اور اگر مرد و عورت نصاب سے مقصد حاصل نہ ہو سکے تو حکومت اس میں کمی بیشی کر سکتی ہے۔
- ب۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر تھی! سوقت عورتیں تعلیم یافتہ ہیں اور ایک عورت کی شہادت بھی مرد کے برابر ہے۔
- ۲۔ شریعت اسلام یہ غیر تبدیل ہمہ گیر اور ابدی نہیں۔
- ۳۔ وحی وحی مقبول ہے جو عقل و بصیرت کے معیار پر پوری اترے۔
- ۴۔ وحی الہی اور رسول دونوں حالات اور زمانہ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔
- ۵۔ قرآن کریم کے فیصلے اور حضور کی اسنادیث قطعی قوانین نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ایک اسوہ نمونہ اور مثال ہیں۔
- ۶۔ قرآن و سنت کے اکثر احکام خاص حالات سے وابستہ تھے۔ اور وقتی اور ہنگامی حیثیت رکھتے ہیں۔
- ۷۔ اجتہاد کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ اور قرآنی احکام بھی اجتہاد کے زیر اثر ہیں۔ جن میں تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے۔

- ۸- وحی ایک واردات قلبی اور نبیؐ کے شعور کی آواز ہے۔
- ۹- جبرائیل علیہ السلام کا کوئی خارجی وجود نہ تھا۔ یہ سب خیالات دوسری تیسری صدی کی پیداوار ہیں۔
- ۱۰- حضورؐ کی حیثیت صرف ایک اخلاقی مصلح کی تھی۔
- ۱۱- پیغمبر ایک عرب قوم کی تشکیل میں مصروف رہے اور قوانین بنانے کے لئے انہیں فرصت نہ مل سکی۔
- ۱۲- معراج ایک افسانہ ہے جو زمانہ مابعد میں تراشا اور عقیدہ رفعِ مسیح سے مستعار لیا گیا۔
- ۱۳- قرآنی قصصِ حق بے بنیاد کہانیاں ہیں۔
- ۱۴- حدیث کا بیشتر ذخیرہ خود ساختہ اور موضوعی ہے۔
- ۱۵- اسلامی قانون میں حدیث کو حجت نہیں بتایا جاسکتا۔
- ۱۶- حضورؐ نے پنجگانہ نمازوں اور ان کے احکام کی کوئی واضح تعلیم نہیں دی پنجوقتہ نماز حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے زمانہ تک رائج نہ تھی، اور بعد کی اختراع ہے۔
- ۱۷- سنتِ نبویؐ کا اکثر حلقہ قبل از اسلام کی رسومات پر مشتمل ہے۔ اور فقہاء نے روم، ایران اور یہود کی روایات سے سنت میں داخل کر دی ہیں۔
- دعا کا صاحب کے نزدیک سنت ان تمام فقہی قوانین سے عبارت ہے جو ان کے زعم میں مذکورہ اقوام اور ان کے قوانین سے مستعار ہیں
- ۱۸- عہدِ جاہلیت میں جو سود رائج تھا وہ حرام ہے مطلق سود حرام نہیں۔
- ۱۹- صرف انگور سے تیار کی گئی شراب حرام ہے اس کے علاوہ بیروغیر تمام اقسام

حلال ہیں۔

- ۲۰۔ نزول عیسیٰ کا عقیدہ عیسائیوں سے مستعار ہے۔
- ۲۱۔ یہی حال شفاعت اور خروج مہدی کے عقیدہ کا ہے۔
- ۲۲۔ اسلام کا خلاہ مغرب کی رہنمائی ہی سے پُر ہو سکتا ہے۔
- ڈاکٹر صاحب کے نظریات کے یہ چند نمونے ہیں جن کا تانا بانا مستشرقین یورپ کی تحقیقات سے تیار ہوتا ہے۔ اور پھر وہ مسلمانوں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ اور یہ ہے وہ اسلام جس کا بیولی سر سید احمد خان کے نیچریت، سید امیر علی اور ملا حسین کے اظہارِ معذرت جو زورِ شاخت اور گولڈ تہیر کی تشکیک و تلبیس اور ولفریڈ اسمتھ (یہودی) کے نقشے کے مطابق اسلام کی منصوبہ جیسے عناصر سے تشکیل پا کر مسلمانوں کے سامنے تجدد و اصلاح کے دعوؤں کے ساتھ پیش ہو رہا ہے۔ اور اگر اہل حق علماء کی طرف سے کوئی آواز اٹھتی ہے تو وہ تنگ نظر، انتشار پسند، متعصب اور گردن زدنی قرار پاتے ہیں۔

نَاثِلُہٗ وَاٰتَا لِیہٗ رَاجِعُوْنَ فِیْہِ لَا سَلَامَ وَّلَیْجِبَتِہِ الْمَسْلَمِیْنَ۔ اَللّٰہُمَّ اِنَّا

نَسْأَلُکَ الثَّبَاتَ وَالْاِسْتِقَامَۃَ وَالتَّوْفِیْقَ وَالسَّدَادَ وَالْعَافِیَۃَ۔

وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَہُوَ یُہْدِی السَّبِیْلَ۔

ماڈرن ازم یا باطنیت کا نیاروپ

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

اسلام کو ماڈرن بنانے اور اسے زمانہ اور انسانی خواہشات کے ساتھ چلانے کے لئے اس میں تحریف و ترمیم کرنے والوں کی ایک خاص تکنیک یہ بھی ہے کہ قرآن و سنت کے الفاظ و اصطلاحات کے جو معانی اور مفہوم خود شارح نے متعین کئے ہیں اور جن کے حقائق عصر بعد عصر ملت مسلمہ میں تو اترا اور تسلسل سے چلے آ رہے ہیں۔ ان قطعی اور ابدی معانی کا اپنے الفاظ و اصطلاحات سے تعلق اور رشتہ کاٹ دیا جائے۔ اور پھر نبوت و رسالت، سنت و اجتہاد، اجماع و قیاس، صلوٰۃ و زکوٰۃ، وغیرہ شرعی اصطلاحات کی جو من مانی تشریح دل میں آئے وہ اختیار کی جائے اور ان میں اتنی توسیع (EXTENSION) کر دی جائے کہ یورپ کی دہائی تہذیب و تمدن کے تمام مسائل و مفاسد، سودی بنکاری، قمار بازی، رقص و سرود، ثقافت و کلچر، زنا کاری، شراب نوشی، بے پردگی، مخلوط تعلیم اور مساوات مرد و زن وغیرہ پر اسلام کا ٹھپہ لگایا جاسکے۔ اسلام کے فکری و عملی نظام کو تہ و بالا کرنے کے لئے عصر حاضر کے نام نہاد متجددین اور عقیقین ہی حربہ آزمایا ہے۔ اب تک جو نمونے اس تبلیغ و تحریف کے سامنے آچکے ہیں۔ ان میں سے چند ملاحظہ ہوں۔

(۱) قرآن کی صرف علل غایات ابدی ہیں۔ احکام میں بدلے ہوئے حالات کے تحت تصرف کیا جاسکتا ہے۔

(۲) سنت کا معنی کسی بھی فرد یا جماعت کی شخصی رائے ہے اور اس کا قبول عام حاصل کرنا اجماع ہے۔

(۳) زکوٰۃ سے مراد اسلامی حکومت کی ٹیکس ہے اور حکومت زکوٰۃ کے منصوبہ مقادیر اور مصارف میں رد و بدل کر سکتی ہے۔

(۴) قرآنی ربو موجودہ تجارتی سود اور منافع کو شامل نہیں۔

(۵) خمر کا لفظ شراب کی موجودہ کئی قسموں کو شامل نہیں (ملاحظہ ہو اداۃ تحقیق اسلامیہ کے مختلف رسائل "فکر و نظر")

قرآنی اصطلاحات کی نئی لغت | انہی حضرات کے یاران تیز کام منکرین حدیث اور ان کے سرخیل مسٹر پرویز تو اس قرآنی تحریف تبلیغ کو پہلے سے اُمتِ مسلمہ کا نسخہ شفا قرار دے چکے ہیں۔ مسٹر پرویز لکھتے ہیں :-

"ہمارے ہاں قرآن کے الفاظ کا جو مفہوم مروج ہے وہ بیشتر غیر قرآنی ہے۔ مزید ارشاد ہے کہ قرآن کے یہ متعین معانی و مفہام چند تصورات و رسومات کی لاشیں ہیں جنہیں مسلمانوں نے سینے سے لگا رکھا ہے، مسلمانوں کو ان لاشوں سے الگ کرنے کا علاج اس امام الفضالین کے نزدیک یہ ہے کہ قرآن کے تمام مصطلح الفاظ کی ایک نئی لغت مرتب کی جائے جس کی خصوصیت یہ ہو کہ "قرآن کا جو مفہوم اس لغت کی روشنی میں متعین کیا جائے گا وہ ہر نئے والے زمانے کی علمی سطح کے ساتھ ساتھ (IMPROVE) ہو (ادبیت یا بڑھتا) جائے گا"۔

ان کی ہمتی کہ اس سائنٹیفک ریسرچ کا سہرا بھی ان کے سر نہیں بلکہ یہ لوگ تحقیقات میں اپنے ان اساتذہ یہودی مشرقین شناخت وغیرہ کے درلودہ گر ہیں۔

باطنیت کی تجدید | جن کی اسلام دشمنی کو قرآن کریم بارہا صریح الفاظ میں واضح کر چکا ہے اور دجیل و ابلیس جن کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے وہ الذین ہا دوا یحترون لکم عن مواضعہ

متجددین اور مستشرقین کا یہی فتنہ تیسری صدی ہجری میں باطنیت کے روپ میں ظاہر ہوا جس نے دین و شریعت کی تمام اصطلاحات کے نئے معانی اور مفہوم متعین کئے۔ دین کے بنیادی اصولوں تک کو بدل ڈالا۔ اس فرقہ کو مصر میں صدیوں تک عبیدی سلطنت (۲۹۶ تا ۵۴۱ھ) کی شکل میں اقتدار و عروج حاصل رہا۔ اور اقتدار کے سایہ میں مسلسل اسلامی عقائد و اعمال شریعت و سنت سے مسخ و تلاعب ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ قانون میراث میں ترمیم کی گئی۔ تراویح و صلوٰۃ الضعیفہ (چاشت) پڑھنے پر لوگوں کو تعزیر دی جانے لگی۔ اسی سلطنت کے ایک فرمانروا الظاہر الدین اللہ نے شراب کی عام اجازت دی۔ اہل حق مقہور و مظلوم اور اہل ہوا غالب و عاوی رہے۔ یہاں تک کہ حفاظت دین کے لئے شہتِ نداد و ندی کا ظہور سلطان صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمۃ کی شکل میں ہوا جنہوں نے اس فتنے کی سرکوبی کی۔

یہ امر تعجب سے خالی نہ ہوگا کہ اس فرقہ میں بھی یہودیت کی روح کا رفرما تھی۔ کیونکہ محققین انساب کے نزدیک بالاتفاق ان لوگوں کا مورثا علیٰ عبیدہ مجوسی یا یہودی تھا۔

مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ کی ایک اور پیش کش

وَبِكَيْدِ الْفَقَائِ الذِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ

انوار الحق

جلد اول

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے نائب مہتمم استاذ حدیث و تفسیر حضرت مولانا انوار الحق حقانی صاحب کے خطبات اور مواعظ جمعہ کا حسین گلدستہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات کی ایک جھلک الولد سرلابیہ کا ایک نمونہ علوم و معارف کا خزینہ مختلف موضوعات پر علمی و دینی اور روح پرور تقاریر کا دلچسپ مرقع و از دل خیز و بردل ریزہ کا صحیح مصداق سلاست اور جامعیت میں اپنی مثال آپ ہے، خطباء، واعظین مبلغین اور اصلاحی حلقوں میں کیسا مفید ہے۔

مرتب

○ حافظ سلمان الحق حقانی

مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکورہ خٹک ضلع نوشہرہ

محدث کبیر قائد شریعت شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ بانی و موسس دارالعلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک کے علمی و عملی کمالات اور سیرت و سوانح پر مشتمل عظیم تاریخی دستاویز

ماہنامہ **الحق** کا شیخ الحدیث مولانا **عبدالحقؒ** نمبر

ایک عہد ایک تحریک اور ایک تاریخ

اس نمبر کے لکھنے والوں میں اکابر علماء، دیوبند، اساتذہ علماء و مشائخ کبار، معروف دینی مجلوں کے مدیر، ہفت روزوں اور اخبارات کے ایڈیٹر اور صحافی ملک و بیرون ملک کے عظیم سکالرز، محققین، مصنفین و شیوخ حدیث، متعدد مورخین و ادباء، جہادی لیڈرز، سابقہ و موجودہ حکمرانوں کے اعترافِ عظمت پر مبنی تقریریں اور تحریریں سیاست دانوں کا خراج عقیدت اور متعدد زعماء کے مفصل بیانات۔ غرض اپنے موضوع اور جامعیت کے اعتبار سے یہ ایک مثالی شاہکار ہے جو بارہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ہمارے پاس اسٹاک میں موجود ہے۔ بہترین کلمات، عمدہ طباعت، مضبوط ڈائی دار سنہری جلد، ماہنامہ ”الحق“ کے مستقل قارئین اور نئے بننے والے خریداروں کیلئے 33% فی صد کی خصوصی رعایت

پر دستیاب ہے۔ قیمت ۶۵۰ روپے

ناشر: موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، نوشہرہ

﴿رابطہ کے لئے﴾

دفتر ماہنامہ ”الحق“ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، نوشہرہ

علماء خطباء طلباء اور عام مسلمانوں کیلئے عظیم الشان

☆ خوشخبری ☆

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے خطبات و افادات کا عظیم الشان مجموعہ علم و حکمت

دعواتِ حق

(مکمل دو جلدوں میں)

مرتبہ مولانا سمیع الحق مدظلہ، مہتمم دارالعلوم حقانیہ

نایاب ہونے کے بعد اب سہ بارہ شائع ہو گئی ہے۔ آج ہی حاصل کیجئے۔ ورنہ اس کی نایابی پر ایک بار پھر افسوس کرنا پڑے گا۔

دعواتِ حق ایک ایسا گنجینہ جسے اہل علم خطباء و اعظمین اور تعلیم یافتہ طبقہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور قومی و ملی پریس نے سراہا۔ جو ہر خطیب و واعظ مقرر کیلئے پکی پکائی روٹی کا کام دیتا ہے جو رشد و ہدایت احسان و سلوک کے متلاشیوں کے لئے شیخ کامل کا کام دیتا ہے۔

دعواتِ حق دین و شریعت اخلاق و معاشرت علم و عمل عروج و زوال نبوت و رسالت شریعت و طریقت کے ہر پہلو کو سمیٹے ہوئے ہے۔

دعواتِ حق شیخ الحدیث محدث و مجاہد کبیر مولانا عبدالحقؒ کی عام فہم اور درد و سوز میں ڈوبی ہوئی گفتگو اور خطبات کا ایسا مجموعہ ہے جو دلوں میں اتر کر یقین کو بیدار کر کے اصلاحی و ایمانی انقلاب برپا کر دیتا ہے۔

فضلاء علماء، طلباء اور اہل مدارس کیلئے خاص رعایت ہوگی

صفحات جلد اول: ۶۷۲، قیمت ۲۱۰ روپے، صفحات جلد دوم: ۵۰۲، قیمت ۱۶۵ روپے

مئوتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ

فہرست مطبوعات

مؤتمراً المصنفین، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ ٹک (نوشہرہ)

حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذی (جلد اول) افادات، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ
حدیث کی جلیل القدر کتاب جامع ترمذی کی بسوط اور

مدل شرح، حضرت شیخ الحدیث کی جامع ترمذی سے متعلق تقاریر و افادات درس کا مجموعہ۔

دعواتِ حق (جلد ۲) ضبط و ترتیب: مولانا سمیع الحق مدظلہ — شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب
کے خطبات و ارشادات کا عظیم الشان مجموعہ، دین و شریعت، اخلاق و معاشرت

علم و عمل، عروج و زوال، نبوت و رسالت اور شریعت و طریقت کے ہر پہلو پر حاوی کتاب۔

قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ضبط و ترتیب: مولانا سمیع الحق مدظلہ — قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث
مولانا عبدالحق صاحب کی دینی و ملی مسائل پر قراردادیں، مذاہن، تقاریر

آئین کو اسلامی اور جمہوری بنانے کی جدوجہد کی مستند داستان، ایک سیاسی، آئینی اور تاریخی دستاویز۔

عبادات و عبادیت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی تقاریر کا مجموعہ، بندگی اور اس کے آداب، عبادات کی
حکمتیں، برکات، اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبوبیت اور دیگر موضوعات پر عمدہ کتاب۔

مسئلہ خلافت و شہادت مسئلہ خلافت و شہادت حسین، تعدیل صحابہ وغیرہ پر حضرت شیخ الحدیث مولانا
عبدالحق کی بسوط تقریر۔ مولانا سمیع الحق مدظلہ کی تعلیقات اور حواشی کے ساتھ۔

اسلام اور عصر حاضر از مولانا سمیع الحق مدظلہ — عصر حاضر کے تمدنی، معاشی، اخلاقی، سائنسی،
آئینی تعلیمی اور معاشرتی مسائل میں اسلام کا موقف، عصر حاضر کے علمی و دینی

فتنوں اور فرق باطلہ کا تعاقب، بیسویں صدی کے کارزار حق و باطل میں اسلام کی بالادستی کی ایک ایمان افروز

جھلک اور مغربی تہذیب کا تجزیہ — پیش لفظ، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق از مولانا سمیع الحق مدظلہ — تعمیر اخلاق، اصلاح معاشرہ، تطہیر نفس میں
قرآن کریم کا معتدلانہ انداز اور حکیمانہ طرز عمل، عبادات کا پہلو۔

کاروانِ آخرت | اشحاتِ قلم، مولانا سمیع الحق مدظلہ، مشاہیر علماء، مشائخ، سیاسی زعماء، عالمی سیاست دانوں، اداکار، شعراء اور اہم شخصیات کی وفات پر مدیر الحق مولانا سمیع الحق

مدظلہ کے سحرگاہ قلم سے تعزیتی تاثرات، شذرات اور تبصرے۔ ترتیب: مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی

قادیانیت اور ملتِ اسلامیہ کا موقف | تصنیف: مولانا سمیع الحق مدظلہ، جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران قومی اسمبلی پاکستان میں ملتِ اسلامیہ کا وہ بیان استغاثہ جس پر قومی اسمبلی نے بالاتفاق دستور میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ ایک تاریخی دستاویز، مستند ماخذ اور تحقیقی شاہکار۔

قادیان سے اسرائیل تک | برطانوی صیہونی سامراج اور قادیانیوں کے باہمی روابط و تعلقات اسلام دشمنی کی مشترکہ سرگرمیوں اور شرمناک سیاسی کردار کے بارے میں

بیسویں صدی کا سب سے مستند واضح اور تحقیقی جائزہ۔ سعی و اہتمام: مولانا سمیع الحق مدظلہ

قومی و ملی مسائل میں جمعیت کا موقف | افادات: مولانا سمیع الحق مدظلہ۔ تحریک نفاذ شریعت پارلیمنٹ میں جمعیت کا مقدمہ، تحریک انقلاب اسلامی کے

اہداف، مقاصد، لائحہ عمل اور جمعیت علمائے اسلام کی مساعی، تاریخی کردار اور انقلابی عزم، خالص دینی و اسلامی سیاست واضح خدو خال پر مشتمل مولانا سمیع الحق کے انٹرویوز، تقاریر اور بیانات پر مشتمل اہم دستاویز۔

الحاوی علی مشکلات الطحاوی | شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمن کاپلوریؒ اور مظاہر العلوم سہارنپور کے دیگر ممتاز محدثین کے مشترکہ غور و فکر کا نتیجہ،

طحاوی شریف کی تقریباً ایک سو مشکلات کا حل۔

افاداتِ حلیم | مرتبہ: مولانا محمد ابراہیم فانی۔ حضرت مولانا عبدالحلیم زروبوئی صدر المدرسین دارالعلوم حقانیہ کے بعض افادات اور مختصر سوانح۔

جہاتِ صدر المدرسین | مرتبہ: مولانا محمد ابراہیم فانی۔ متکلم عصر مولانا عبدالحلیم زروبوئیؒ کا تذکرہ و سوانح کمالات و خصوصیات، علمی و ادبی خدمات، مرکزِ علم دارالعلوم حقانیہ کی

تاریخ کا اہم باب۔

ماہنامہ الحق | شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نمبر ۱ | شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی شخصیت، علمی اور روحانی کمالات، سیرت و کردار، ملی و ملی

خدمات، گویا کہ یہ نمبر حضرت الشیخؒ کی مکمل سوانح عمری ہے۔